سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

تصنیف: ہیرلڈ لیمب

مترجمہ: یوسف عباسی

آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور

کاشمہ:

سلطان صلاح الدین ا...

تاریخ اسلام کی وہ ...

تعریف میں اپنے ا...

صرف اس لئے ...

...

هو... ی ک...

اس کی همت ...

کا پکا ، اسلامی ...

منزلوں ... تیز تھا ۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس جواں مردی اور ... سے کام لے کر ''القدس'' کی حفاظت کی اور اسے صلیبی سورماؤں سے محفوظ رکھا وہ صرف اسی کا حصہ ہے۔

مشہور امریکی مصنف هیرلڈلیم نے سلطان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز کو غیر جانبدار نظر سے دیکھا ہے اور ایسے ... ممدوح کی شان میں لکھے ہیں کہ ایک عیسائی کے قلم کو چومنے کے لئے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اسے پڑھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ''آئینہ ادب'' کتنی منزلیں طے کر چکا ہے۔

م، ع، سلام

١٧.٠٠

سلطان صلاح الدین ایوبی

اسلام کے مایۂ ناز فرزند سلطان صلاح الدین ایوبی کے مجاہدانہ کارناموں،
اُن کی درویشانہ زندگی اور بارھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں اور
مسیحیوں کی آویزشوں کا ایک جامع اور ولولہ انگیز مرقّع

تصنیف

ہیرلڈ لیم

مترجمہ

پروفیسر محمد یوسف عبّاسی

ناشران

آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور

بار اوّل ۱۱۰۰
قیمت: سترہ روپے ۸ر
۱۹۶۲ء

This is an authorized translation of:
THE FLAME OF ISLAM by Harold Lamb.

Published by Doubleday & Company, Inc.,
New York.

باہتمام
م۔ ع۔ سلام، آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی
لاہور
بہ اشتراک
فرینکلن پبلیکیشنز، لاہور ——— نیویارک
مطبع
اشرف پریس لاہور، پاکستان

سورة التكوير

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اقبال


With best wishes

HOTEL MOY - OBERHOFEN - L of THUN - Switzerland)   9 August

Dear Mr Abbas   Your letter of 18 July was forwarded to me here. I am glad you enjoyed working on *The Flame of Islam* and that readers in Pakistan approve of my books. Here is a word on the crusades and tolerance, and the only photo I have here.

Sincerely,
Harold Lamb

Nearly nine centuries ago, the armies of western Europe invaded the nearer East in the conflict called the crusades. For nearly nine centuries western novelists and historians have usually described the Muslims as antagonists of old, and Islam itself as the antagonistic religion. That was not the historic truth.

History, when read for its revelation, tells us that battles were few in the two centuries of the crusade expeditions, and the intervals of truce were long in which trade was carried on between Christian settlers in *Outremer* and the Muslim citizens. Out of mutual intercourse grew understanding and tolerance. The greatest gain to Christendom in western Europe, besides trade itself, was no conquest of territory or wealth — because the crusades actually ended in the military defeat of the west by such leaders as Salah ad-Din and Baibars, the Mamluk — but a knowledge of eastern sciences, such as geography, and a glimpse of world-literature, through reading Arabic texts.

In Spain for instance, where "Moors" lived beside Christians, the arts of painting and architecture flourished, until the Muslim artists were driven out. Even then the sciences of Islam, aiding in navigation and use of the compass, led forth the ships of the Iberian discoverers to the farther East and to the New World.

کشمیر جنّت نظیر کے نہتّے مُسلمانوں کے نام

جن کو اِس وقت سُلطان صلاح الدین ایّوبی جیسے

غازی کی اشد ضرورت ہے۔

عرضِ ناشر

سُلطان صلاح الدین ایوبی، "تاریخ اسلام کی وُہ شُہرہ آفاق شخصیّت ہے جس کی تعریف میں اپنے اور بیگانے سبھی رطب اللساں ہیں، صرف اِس لیے نہیں کہ وہ ایوبی خاندان کا بانی اور اسلامی سلطنت کی حدود میں اضافے کا سبب بنا بلکہ اِس لیے کہ اس کا کردار کوثر میں دُھلا ہوا، اس کی گفتگو سلسبیل سے زیادہ پاکیزہ اور اس کی ہمّت اپنا جواب آپ تھی، وُہ اپنی دُھن کا پکّا، اِسلامی شعار کا پیکر اور اخلاق کی ارفع منزلوں پر فائز تھا۔

سُلطان صلاح الدین ایوبی نے جس جواں مردی اور جرأت سے کام لے کر "القدس" کی حفاظت کی اور اُسے صلیبی سورماؤں سے محفوظ رکھا وہ صرف اُسی کا حصّہ ہے۔

مشہور امریکی مصنّف ہیرلڈلیم نے سُلطان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز کو نہایت غیر جانبدار نظر سے دیکھا ہے اور ایسے جُملے ممدوح کی شان میں لکھے ہیں کہ ایک عیسائی کے قلم کو چُومنے کے لیے دِل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، اِسے پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ "آئینہ ادب" کتنی منزلیں طے کر چکا ہے۔

م۔ ع۔ سلام

فہرست

حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

۱

سرحد

۱۱۶۹ء میں دُنیائے اسلام کا سیاسی مطلع پُرسکون تھا اور مسیحی دُنیا میں بھی کسی ہنگامے کے آثار نہ تھے۔ فلسطین میں صلیبی جنگ آزما بے کھٹکے اپنے کاروبار میں مصروف نظر آتے تھے۔

بظاہر ہر طرف امن جمی تھی، لیکن حقیقی معنی میں امن نہ فلسطین میں تھا نہ دُوسرے مُلکوں میں۔ پچھلی گرمیوں میں بارش نہیں ہوئی تھی، گندم اور جَو کے لہلہاتے کھیت مرجھا گئے تھے فصلیں کم تھیں اور غلّے کی مقدار بہت مختصر۔ مویشیوں کے لیے چارہ بھی کم تھا اور پھلوں کی فصل بھی برائے نام تھی۔ ایسے سخت زمانے میں بعض اوقات لوگوں کا جی چاہتا ہے کہ شمشیر بکف سرحد عبور کر کے اپنے ہمسائے کے کھلیانوں پر قبضہ جمالیں عیسائی اور مسلمان اس قسم کی تاخت و تاراج اور لُوٹ مار کے عادی تھے۔

گزشتہ ستّر سال سے یروشلم اور اس کے نواحی علاقے پر صلیبی فاتحین کا قبضہ تھا۔ وُہ وہاں آباد ہو گئے تھے اور انھوں نے وہیں رہنے کا عزم کر لیا تھا۔ ان سے قبل

یہاں بنی اسرائیل کے معبد تھے انھوں نے بنی اسرائیل کے معبدوں کی جگہ اپنے کلیسا بنا لیے تھے اور دُور دُور تک پہاڑیوں کی سنگلاخ چوٹیوں کو قلعوں کے تاج پہنا دیے تھے۔ وُہ اِس سرزمین کے حاکم تھے۔ اِن طالع آزماؤں کے بیٹے اپنے والدین کے وطن سے نا آشنا تھے، ان کے پوتے سرزمین فلسطین میں پروان چڑھے تھے اور اپنے اجداد کے مُلک کو "مادر البحر" کہا کرتے تھے۔

مُسلمانوں نے مسیحی فاتحین کی موجودگی گوارا کرلی تھی کیونکہ وُہ سمجھتے تھے کہ قسمت کے فیصلے سے مفر نہیں، لیکن وُہ القدس کے چھن جانے پر نوحہ کناں رہتے تھے وُہ منتظر تھے کہ کب قسمت یاوری کرے اور وُہ یروشلم پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرا دیں لیکن فی الحال وُہ سرحد کے پار اپنے روزمرّہ کے کاموں میں گمن تھے۔

اِسلامی سلطنت اور مسیحی ریاست کے درمیان کوئی واضح حدِّ فاصل نہ تھی، بس ایک موہوم خط تھا جس کے پار اسلامی دُنیا شروع ہوتی تھی اور مسیحی اقتدار کی حدّیں ختم ہو جاتی تھیں۔ مقبرۂ مسیح کے کلیسا کے بلند میناروں پر ایستادہ محافظوں کی نظریں یروشلم کی سلیٹی چھتوں اور شہر پناہ کے مورچوں پر سے گزر کر دریائے اردن کی کھائی پر پھیلی ہوئی دُھند اور کوہ ماب کی نیلگوں چوٹیوں سے پرے سرحدوں کا جائزہ لیتی رہتی تھیں۔

اِس سرحد سے پرے دُنیائے اِسلام آباد ہے اگر کوئی راہبوں اور زائروں کے ہمراہ چٹانوں اور مٹّی کے تودوں کی ویرانیوں کو طے کرتا ہُوا دریائے اردن کے کنارے پہنچ جائے تو دریا کے کناروں پر اُگے ہوئے سرکنڈوں اور گدلے پانی کے پار کہیں کہیں پست مینار دکھائی دیں گے، جن کے گرد گھوڑوں کے اصطبل ہیں اور شاید کہیں قریب ہی زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں مسلّح آدمی بھی نظر آ جائیں۔

اگر کوئی دریا کو مینار کے مقابل والے گھاٹ سے پار کرکے تھوڑی دُور مشرق کی

طرف جائے تو وہ بدوؤں کے دھاری دار سیاہ خیموں تک پہنچ جائے گا جہاں ان کی عورتیں، بچے، بھیڑیں اور کتے ہوں گے۔ اسے شب باشی کے لیے خانقاہ یا سرائے کی آسودگی میسّر نہ ہوگی، بلکہ ناہموار پتھروں کی چار دیواری میں، جس کے گرد نہ قوم کی خاردار جھاڑیاں اُگی ہوں گی، رات بسر کرنی پڑے گی اور سرحد کا کوئی ٹھوس نشان اسے کہیں نہ ملے گا۔

اگرچہ یہ سرحد غیر مرئی تھی لیکن تھی قائم و استوار اور دو انسانی گروہوں کے درمیان ایک حدِ فاصل۔ یہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی تھی، یہ صلیبی سپاہیوں کو غازیانِ اسلام سے علیحدہ رکھتی تھی۔ کوئی عیسائی اس سرحد کو پار کرے، تو عیسائیت سے انحراف کا مجرم ٹھہرے اور اگر کوئی مسلمان یہ جسارت کرے تو مرتد ہو جائے اور دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی ارتداد کا گناہ گوارا نہ تھا۔

بارھویں صدی کے لوگ ایمان کی قوت سے زندہ رہتے تھے۔ عیسائیوں کی نظروں میں صلیب ایک ازلی صداقت کا زندہ نشان تھی وہ خداوند تعالےٰ کے منظورِ نظر تھے اور آقا و مولا یسوع مسیح کی پیروی کرنے ہی میں ان کی فلاح تھی وہ کوئی اور راہ کیونکر اختیار کرتے۔ مسلمانوں کی نظر میں عیسائی اہلِ کتاب اور حضرت عیسےٰ المسیح خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے لیکن مسلمان اللہ وحدہٗ لاشریک اور حضرت محمد رسول اللہؐ پر ایمان رکھتے تھے۔ یوم حساب کو جب ہر نفس اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوگا اُس وقت ایمان والے جنّت میں جائیں گے اور بداعمال لوگ فراموش کر دیے جائیں گے مسلمانوں کو پکا یقین تھا کہ اس راہ کے سوا فلاح کی اور کوئی راہ نہیں ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی گہری اور وسیع تھی کہ اسے کسی طریقے سے پُر نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن پھر بھی وہ امن اور چین سے ایک دوسرے کے دوش بدوش رہ سکتے تھے جیسے کہ گزشتہ کئی صدیوں سے ایک ساتھ رہ رہے تھے۔

صلیبی فاتحین نے یروشلم پر اپنا پرچم گاڑ دیا تھا اور وہاں آباد ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا تاکہ وہ باغِ جیشمانی[1] اور صلیب گاہ کیلویری[2] کی حفاظت کر سکیں جن کے اوپر انھوں نے اپنے مقدس کلیسا تعمیر کر لیے تھے۔ ان کی نظروں میں یروشلم کی سرزمین دُنیا کا سب سے معزز اور متبرک خطہ تھی۔

لیکن مسلمان بھی یروشلم کو محترم سمجھتے تھے، وہ اسے القدس کے نام سے موسوم کرتے تھے، صرف مکہ اور مدینہ کی عظمت القدس سے زیادہ تھی۔ ان کے پیغمبر محمدؐ کا گھر مکہ میں تھا اور جب رسولِ خدا نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو اس سے مسلمانوں میں سن ہجری کا آغاز ہُوا۔ مُسلمانوں کا خیال تھا کہ پیغمبر اسلام، القدس سے بُراق پر سوار ہو کر معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اب عیسائی فاتحین نے مقام الصخرہ[3] پر سنگِ مرمر کی قربان گاہ تعمیر

---

[1] باغِ گیسمانی یا جیشمانی (Gethsemane.) اس کے لفظی معنی کولھو کے ہیں۔ یہ قدرون ندی کے پار ایک چھوٹا سا کھیت تھا جو کوہِ زیتون کے دامن میں شہر پناہ سے تقریباً پون میل دُور ہے۔ عیسائی روایت کے مطابق مصلوب ہونے سے قبل حضرت عیسٰےؑ اپنے حواریوں سمیت وہاں گئے تھے۔ یہ عیسائیوں کا مقدس مقام ہے۔ (مترجم)

[2] کیلویری یا گلگتا (Calvaria , Golgotha) پہلا لفظ عبرانی اور دوسرا آرامی زبان کا ہے۔ اس کے لفظی معنی کھوپری یا کاسہ سر کے ہیں۔ اِس پہاڑی پر حضرت عیسٰےؑ کو عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق صلیب دی گئی تھی۔ رومن عہد میں اس جگہ عموماً جلاد مجرموں کی گردن مارتے تھے اور انسانی کھوپریوں کے انبار لگ جاتے تھے۔ یہ صلیب گاہ عیسائیوں کی مقدس ترین زیارت گاہوں میں سے ہے۔ (مترجم)

[3] قبۃ الصخرہ۔ الصخرہ کے معنی چٹان ہیں۔ اِس چٹان پر گنبد بنایا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ قبۃ الصخرہ کہلاتی ہے۔ اِسے مسجد عمر بھی کہا جاتا ہے۔ اِس چٹان کا تقدس یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں مسلّم ہے۔ یہ چٹان مختلف انبیا کا مصلےٰ ہے۔ آنحضرتؐ اِسی مقام سے بُراق پر سوار ہو کر آسمانوں کی سیر کو گئے تھے (مترجم)

کر کے اس عمارت کے گنبد پر صلیب کا نشان نصب کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو کتابِ تقدیر کے ورق اُلٹنے کا انتظار تھا۔

لیکن اِس بات کا احساس نہ مسلمانوں کو تھا نہ عیسائیوں کو کہ ۱۱۶۹ء کے واقعات اِس طویل سیاسی بحران کا فیصلہ کرنے والے ہیں، جس کا سرزمین فلسطین کئی برس سے شکار ہے۔ انقلاب کا طوفان غیر مرئی طور پہ آہستہ آہستہ دُنیائے اِسلام کے بطن میں پرورش پا رہا تھا۔

۲

بلادِ عرب

دُنیائے اِسلام صحرا کی اُڑتی ہوئی ریت کی طرح بے قرار تھی۔ وُہ جبل الطارق سے لے کر وسط ایشیا کے بنجر پہاڑوں اور زرخیز وادیوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی بیشتر آبادی خانہ بدوشوں پر مشتمل تھی جو پانی اور گھاس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتے رہتے۔ اِن بدویوں کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ وُہ اُونٹ کی پشم کا لباس پہنتے جنھیں ان کی محنتی عورتیں تیار کرتی تھیں۔ دِن بھر بچّے سیاہ بکریوں کے ریوڑوں کی رکھوالی کرتے، عورتیں گھر کے کام کاج میں لگی رہتیں اور آگ جلانے کے لیے اُونٹ کی مینگنیوں کے اُپلے تھاپتیں۔ مرد کھیتی باڑی کرتے اور لکڑی کے ہَل سے زمین کا سینہ چیرتے۔ یہ ہَل رسّوں کے ذریعے اُونٹوں کے شانوں سے کسا ہوتا تھا اور سہاگا چلانے کا کام خچروں سے لیا جاتا تھا۔ یہ ہل اور آلاتِ کشاورزی پُرانی طرز کے تھے اور غالباً حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے فلسطین میں رائج تھے۔ وُہ اللہ کے بھروسے پر انھیں آلات سے کھیتی باڑی کرتے اور اگر بارش بروقت ہو جاتی تو انھیں کسی چیز کی پروا نہ رہتی۔ یہ

بادیہ پیما، وشت وصحرا کے سرچشمے اور کنوئیں سے واقف تھے۔ اگر کوئی اجنبی بھٹکتا بھٹکتا ادھر آ نکلتا تو ان کی دست برد سے نہ بچتا اور وہ اسے بے دردی سے لوٹ لیتے۔

پانی عوام کے لیے واقعی سرچشمۂ حیات تھا۔ اگر بارش نہ ہوتی تو گھاس مرجھا جاتی اور گرمی سبزے کو جھلس کر رکھ دیتی۔ اس زمانے میں تالاب اور حوض سوکھ جاتے اور پانی زہر آلود ہو جاتا، بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑ کم ہو جاتے۔ خشک سالی اور وباؤں کا چولی دامن کا ساتھ تھا لیکن اس کے برعکس بہتے پانی کی فراوانی سے جنتِ ارضی کا نقشہ کھنچ جاتا۔ کہیں تو دامنِ ریگ زار پر کھجوروں کے جھنڈ اور سبزے کی رُوح آفریں بہار ہوتی اور کہیں دامنِ کوہ میں زمین دوز کاریز سے سیراب شدہ باغوں کی شادابی کے مناظر۔ مسجدوں کے کشادہ سنگین حوضوں سے لوگ اپنی پیاس بھی بجھاتے اور گھریلو ضرورت کے لیے بھی پانی لے جاتے وہ مقام جہاں پانی میسّر نہ ہوتا نہایت افلاس زدہ اور غیر آباد ہوتا۔

دجلہ و فرات اور نیل جیسے حیات افروز دریاؤں کے کناروں پر آبادیوں کے ہجوم تھے۔ دریاؤں کی طغیانی ان کی خشک زمینوں کو پانی اور زرخیز مٹی مہیا کرتی، چنانچہ ان کی خوش حالی کا دار و مدار باقاعدہ طغیانیوں پر تھا اور جب دریاؤں کا پانی ان کی دعاؤں کے باوجود کناروں سے نہ اچھلتا تو انھیں خشک سالی اور زبوں حالی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ گرمی سے جھلسے ہوئے صحراؤں اور خشک ویرانوں کے خوگر بادیہ نشینوں کے لیے نخلستان کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں اور کنارِ دریا کی شادابی پیامِ حیات سے کم نہ تھی۔

پچھلی پانچ صدیوں کے دوران میں عرب تمام اہلِ اسلام میں سرفراز اور ممتاز ہو گئے تھے۔ ان کی اوّلیت مسلّم تھی انھیں بادیہ نشین بدوؤں، سیاہ فام سوڈانیوں اور سخت کوش تاجکستانیوں پر فوقیت حاصل تھی۔ ان کی سلطنت اندلس سے لے کر

چین تک پھیلی ہوئی تھی اور تقریباً نصف ایشیا ان کے زیرِ نگیں تھا۔ بیشتر تجارت ان کے ہاتھوں میں تھی۔ رومیوں کی طرح وہ بھی فاتحانہ غرور سے سرشار تھے۔ وہ ذوقِ جستجو کے حامل بھی تھے اور اثر پذیر بھی۔ وہ یونان اور ایران کی قدیم تہذیبوں سے خوب فیضیاب ہوئے، جیسے قرونِ وسطےٰ کے یورپ میں لاطینی، علم و حکومت کی زبان تھی، اسی طرح عربی، مغربی ایشیا کے اہلِ علم کی زبان قرار پائی۔ قرآن عدیم المثال کتاب ہے۔ دوسری زبانیں تو کجا اس کی نقل عربی میں بھی ممکن نہ تھی۔

اب وہ پیامِ مصطفوی کے علم بردار، بے سروسامان مجاہد نہیں رہے تھے۔ وہ مردانِ حق جن کی تلواروں نے خالدؓ بن ولید اور معاویہؓ کی سرکردگی میں عظیم الشان سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیے تھے، بالآخر رومیوں کی طرح مفتوحہ علاقوں میں آباد ہوئے اور پھر طوائف الملوکی اور داخلی پراگندگی کا شکار ہو گئے، لیکن روم کے برعکس مکہّ معظمہ کی سادگی منت پذیرِ تغیر نہ ہوئی۔ مکہ کو دنیائے اسلام میں اولیت کا شرف حاصل رہا۔ یہاں کعبہ اور حجرِ اسود تھے، چشمۂ زمزم تھا۔ یہ جگہ بیت اللہ تھی، مقامِ ابراہیمؑ تھی اور طوافِ گاہِ مصطفےٰؐ تھی۔ یہ ساری چیزیں مسلمانوں کی منزلِ مراد تھیں۔ جہاں دعائیں بار بار شاد کام اور التجائیں استجابتِ الٰہی سے سرفراز ہوتیں۔ جہاں کے شجر و حجر متبرک تھے لیکن دنیاوی جاہ جلال اور ظاہری شان و شوکت میں قرطبہ، اسکندریہ، دمشق اور بغداد جیسے شہر، صحرا کی ویرانیوں میں آباد، اُم القریٰ، مولدِ مصطفےٰؐ سے صد گونہ سبقت لے گئے تھے۔ اہلِ عرب جاہ و حشم کے اسیر ہو چکے تھے۔

دمشق میں فاروقِ اعظمؓ کے جانشینوں نے ایک ایسی شاندار مسجد تعمیر کی تھی جو عجائباتِ عالم میں شمار ہوتی تھی۔ ایک عرب سیاح نے اس مسجد کی عظمت کا خاکہ یوں کھینچا ہے:۔

"کہیں بھی ایسی شان و شوکت نظر نہیں آتی۔ مسجد کی فصیل مربع پتھروں کی ہے جن کے

اُوپر پُرشکوہ بُرج ہیں۔ مسجد کی مُرصع چھت کے نیچے چمکیلے سنگ اسود کے ستونوں کی دو رویہ قطاریں ہیں، جن کے عین درمیان ایک عالی شان گنبد ہے۔ صحن کے اِرد گِرد ستونوں والے برآمدے ہیں جن کے اُوپر محرابی شکل کے دریچے ہیں۔ سارے فرش شفاف سنگ مرمر کے ہیں۔ مسجد کی اندرونی دیواروں پر دو آدمیوں کے قد کے برابر بوقلموں مرمر لگے ہوئے ہیں اور ان سے اُوپر چھت تک ہفت رنگ اور مذہب پچی کاری ہے، جن میں درختوں اور شہروں کے نقوش کے علاوہ نہایت دلآویز طغرے اور تحریریں ہیں۔ ستونوں کے سروں پر سونے کے پترے چڑھے ہیں اور صحن کے گرد تابناک سنگ مرمر کے ستون ہیں اور دیواریں رنگ برنگ گُلکاری سے مزّین ہیں ٭

محراب کے اندر اور اس کے دونوں جانب ترشے ہوئے یاقُوت اور فیروزے لگے ہوئے ہیں۔ مسجد کے گنبد کے اُوپر طلائی نارنج اور انار بنے ہیں۔ چاروں دروازوں کے مقابل وضو کرنے کے لیے سنگ مرمر کے حوض ہیں، جو تازہ پانی سے لب ریز رہتے ہیں۔ ان کے درمیان مرمر کے فواروں سے پانی چھوٹتا ہے خلیفہ ولید اوّل نے اِس مسجد کی تعمیر پر مُلک شام کے ہفت سالہ خراج کے علاوہ سونے چاندی سے لدے ہوئے اٹھارہ جہازوں کی دَولت صَرف کی تھی"٭

مسجد کے اندر اِس مسجد کے راستے پر جو کبھی اِس رومی گرجے کا دروازہ تھا۔ جس پر یہ مسجد تعمیر کی گئی ایک تحریر جا متداد زمانہ سے ماند پڑگئی ہے اب بھی نظر آتی ہے ٭

"اے یسوع مسیحؑ! تیری بادشاہت لازوال ہے، تیری حکومت زندہ و پائندہ اور ہر دَور، ہر زمانہ میں قایم و دایم ہے"٭

واقعی عرب اہلِ ثروت ہی نہ تھے اہلِ دِل بھی تھے۔ ان کی شمشیر ہمیشہ فتح و نُصرت سے ہمکنار رہی تھی اور ان کے پھریرے ایک طویل و عریض سلطنت پر لہراتے تھے۔

دُہ یزد جرد کے محلات، سمرقند کے باغات، بیزنطینیوں کی مُرصّع عمارات اور مصر کے خزانوں کے مالک بن گئے تھے۔ مسلمان خُلفاء جو خلیفۃ الرسول کہلاتے تھے عیش و نشاط کی سُنہری دُنیا میں گُم رہتے تھے۔ اگرچہ ہارون الرشید کی شان و شوکت داستانِ پارینہ بن چکی تھی لیکن اِس دَور کے امیرالمؤمنین بھی جاہ و حشم میں کم نہ تھے۔ ان کے محلات کے صحن کھلے میدانوں کی طرح کُشادہ تھے۔ ان کے حضور ایستادہ مُحافظ دستوں کی سیاہ اور سُنہری عبائیں، نیلگوں آسمان میں ہیروں کی طرح چمکتیں اور گھوڑوں کی کلغیاں گندم کی سُنہری بالیوں کی طرح نسیم سحر کے جھُولے میں جھُولتیں اور جب ہوا تیز چلتی تو محلات کے دروازوں پہ کانسی کے شیر دھاڑنے لگتے۔

مدّتِ مدید سے پری چہرہ زلنوبیا اپنے مرقد میں آسودۂ خواب تھی اور بلقیس کے محلات کو اُجڑے زمانہ گزُر گیا تھا، لیکن اب بھی صحرانشینانِ عرب زلنوبیا کی نمائش گاہ کے مرمرین ستونوں میں اور ہیکل بلقیس کے قریب گندھک کے گرم چشموں پر جھُومتے ہوئے کھجور کے درختوں کے سائے تلے اپنے سیاہ خیمے نصب کرتے تھے۔

دَولت نے اولوالعزم عرب شمشیر آزماؤں کو معاملہ فہم تاجر بنا دیا تھا۔ وُہ سندباد کی طرح دُور اُفتادہ ممالک میں دَولت کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ کئی تجارتی قافلے آہستہ آہستہ پُر پیچ راستے طے کرتے ہوئے سرزمینِ اسلام میں داخل ہوتے اور اپنے ہمراہ خطا سے ریشم، کافور، ریوند چینی اور خُتن سے مشک نافہ لے کر آتے۔ کئی قافلے دُشوار گزار کوہستانی سلسلے عبور کر کے ہندوستان سے گرم مسالے، الائچی اور جواہرات، اور اسی طرح کئی تاجر صحرائے عرب سے عُود، لُوبان اور کھجوریں لاتے۔ جو شہر تجارتی راستوں کے مرکز پر واقع تھے، مثلاً بغداد اور دمشق، ان میں وسیع تجارتی منڈیاں قائم ہو گئی تھیں۔ شمال کے سمور و قاقم کے بدلے میں مشرق کی بیش قیمت مصنوعات خریدی جاتیں۔ ماہر کاریگر بہترین قسم کی جامدانی (مشجر)، زربفت اور خمل تیار کرتے تھے۔

ایک ہی سفر میں سوداگر کے وارے نیارے ہو جاتے۔ وہ چین سے چینی کے برتن لے کر بلادِ روم میں فروخت کرتا اور وہاں سے یُونانی زربفت جہاز میں لاد کر ہندوستان کا رُخ کرتا، ہندوستان کا مشہور فولاد قافلوں کے ذریعے سے حلب کی منڈیوں میں لاتا، وہاں سے شیشے کا سامان لے کر یمن جاتا اور یمن سے منقش اور پھولوں کے کام کے پارچات لے کر واپس ایران پہنچ جاتا۔

بلند اور مثلث نما بادبانوں والی لمبی لمبی کشتیاں چوڑے دریاؤں کے دہانوں سے نکل کر سطح بحر پر رواں دواں ہو جاتیں۔ اس زمانے میں جب کہ یورپی ملّاح شمالی ساحلوں کی ایک راس سے دُوسری راس تک راستے ڈھونڈنے میں سرگرداں تھے، اس وقت عرب جہازراں نہ صرف دُنیا کے تجارتی راستوں سے آشنا تھے، بلکہ وہ کارآمد نقشوں اور قطب نما کے استعمال سے بھی بخوبی واقف تھے۔

لیکن گزشتہ صدی میں ایک نئی قوت نے جنم لیا تھا جس نے عربوں کو سیاسی میدان سے تقریباً نکال دیا تھا۔ وسطِ ایشیا کے پہاڑوں سے پرے پھیلے ہوئے سٹیپ کے میدانوں سے وحشی ترک قبائل اپنے اہل و عیال اور مویشیوں سمیت بلادِ اسلام پر چڑھ دوڑے۔ اِن وحشیوں کے جھنڈوں پر بھیڑیوں کے سر نصب تھے اور آنکھوں میں بربریت کی خونخوار چمک تھی، وُہ برف پوش وادیوں اور کھُلے سرد میدانوں کے خُوگر تھے۔ ان کے جسموں میں بلا کی طاقت تھی، وہ تلوار کے دھنی تھے اور اَن تھک سوار۔ ان وحشیوں کے ہنگری اور تاتار قبائل نے یورپ کا رُخ کیا تو بعض دریاؤں کے رُخ کے ساتھ سیل رواں کی طرح امڈتے ہوئے سمرقند و بُخارا کی شاداب وادیوں میں آ کر رُکے۔ پھر جنوب اور مغرب کے گرم اور زرخیز ممالک کی راہ اختیار کی۔ یہ سلجوق اور ترکمان جو "قراقونیو" قبائل کا حصّہ تھے، مشرقی بلادِ اسلام پر قابض ہو گئے۔ غزنی کے سُلطان محمود کی سرکردگی میں ان کی یلغاروں نے شمالی ہندوستان کو اپنے

دامن تصرف میں سمیٹ لیا تو دوسری طرف سلجوق خلفائے بغداد کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ سلاجقہ نے ہارون الرشید کی اولاد کی سلطنت پر تسلط جمانے کے بعد اپنے گھوڑوں کی باگ مغرب کی طرف موڑی اور بحیرۂ مارمورا کے کنارے پہنچ گئے۔ جہاں سے قدیم قسطنطنیہ کی سنگین دیواریں ان کو دعوت نبرد آزمائی دے رہی تھیں۔ اس اثناء میں یہ قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور ان کی تازہ ترین کشور کشائیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اب وہ مسیحی یورپ کے بالمقابل صف آرا تھے۔ چنانچہ ان کی اِن فتوحات سے مسیحی یورپ میں تہلکہ مچ گیا اور عیسائیوں نے یروشلم کو اسلامی قبضے سے آزاد کرانے کے لیے صلیبی محاربات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ صلیبی محاربین کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے دور سے پہلے اولوالعزم اور قابل سلجوق سلطان ملک شاہ اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اسلامی شیرازہ بکھر گیا اور وسیع سلطنت متعدد طالع آزما شہزادوں میں بٹ کر رہ گئی۔ اس طوائف الملوکی کے دور میں عباسی خلیفہ کی کمزور سیادت بدستور قائم رہی۔

ترکوں نے اسلام میں نئی روح پھونک دی تھی اور اسلام کے تنِ نیم جان میں تازہ خون دوڑا دیا تھا۔ اب عساکر اسلام کی قوت کا انحصار ان کی قوتِ بازو پر تھا۔ اگرچہ ترک سلطان حکمران تھے، لیکن معاملات حکومت کی باگ ڈور دانشمند اہل عرب کے ہاتھوں میں تھی جو صدیوں سے فن سیاست اور رموز شاہی سے واقف تھے۔ عربوں کی

لہ سلطان محمود کے ہم عصر خلفائے عباسیہ اپنی قوت وعظمت کھو چکے تھے۔ ان کی حیثیت محض نام نہاد حکمرانوں کی سی تھی۔ بہرکیف ان کے وجود سے ایشیا میں اسلام کی روحانی مرکزیت قائم تھی۔ آخری خلیفے اپنے ترک غلاموں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھے۔ جب ترکوں کے اقتدار کو زوال آیا تو عنانِ اختیار سلاجقہ کے قبضے میں آگئی۔ (مترجم)

حکمت عملی مُلک گیری کے بجائے تبلیغ اسلام تھی۔ ان کے قائد، امام، قاضی اور مُفتی تبلیغ اسلام کے لیے مشرق کے دُور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

اگرچہ ان کی کوششوں کے فوری نتائج مترتب نہ ہوئے، لیکن یہ ان کی مساعیٔ جمیلہ ہی کا ثمر تھا کہ خونخوار اور کافر قبائل حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، دُنیائے اسلام کی حدود دیوارِ چین تک پھیل گئیں اور وسط ایشیا کے پہاڑوں اور وادیوں کی فضائیں مؤذن کی صدائے تکبیر سے گونجنے لگیں۔

۳

اِسلام

جب میناروں سے مؤذن کی صدا بلند ہوتی ہے تو لاکھوں انسان مسجدوں کا رُخ کرتے ہیں اور بعدِ وضو، قبلہ کی طرف مُنہ کرکے، سر بسجدہ ہوتے ہیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ
اللّٰہ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ط

اِسلام کے معنے ہیں تسلیم و اطاعت۔ یہی وہ مذہب تھا جس نے خودسر قبائل کو متحد کرکے "اُمّتِ مُسلمہ" بنا دیا تھا۔ عیسائی[1] انھیں مُسلم کہتے تھے یعنی اطاعت کرنے والے

اِسلام نے صحرا نشینوں کی تمنّاؤں کی پرورش بھی کی اور ان کے شب و روز کو ایک

[1] مُسلم کا لقب از روئے قرآن ہے نہ اِس لیے کہ عیسائی مسلمانوں کو مُسلم کہتے تھے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عیسائی ہمیشہ مسلمانوں کو محمّدی (Muhammedan) کہہ کر پکارتے رہے (مترجم)

ضابطۂ حیات کا پابند بھی کر دیا۔ اسلام نے ان کے ہاتھوں میں تلوار دی اور کفّار کے خلاف انھیں جہاد کا حکم دیا۔ اسلام نے انھیں ایک عالمگیر اخوت میں منسلک کر دیا۔ جو باقی اقوام سے ممتاز تھی۔

مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کے دلوں میں ذوقِ صحرا نوردی باقی رہا۔ وہ خدا کی وسیع زمین کی سیر کیوں نہ کرتے، جب کہ ساری کائنات جنّتِ نظارہ در آغوش تھی۔ اسلام نے مسلمانوں پر حج اور مہمان نوازی فرض کر کے اِس ذوق کی پرورش کی تھی۔ اسلامی معاشرت کے دائرے میں مہمان کے لیے ضروری نہ تھا کہ وہ اپنے میزبان کو کوئی تحفہ پیش کرے، بلکہ یہ آدابِ میزبانی میں داخل تھا کہ خاطر داری کے علاوہ مہمان کی خدمت میں تحائف ہدایا بھی پیش کیے جائیں۔ ساری املاک اللہ تعالیٰ کی ملک سمجھی جاتی تھیں اور انسان محض ان کا متولی تھا۔

انھیں یقین تھا کہ ہر امر مشیت کی طرف سے مقدّر ہے۔ موت کا وقت معیّن ہے۔ یہ تقدیر پرستی کئی دکھوں کا سہارا تھی۔ اگر کسی بوسیدہ مکان کی چھت بیٹھ جانے سے کوئی مر جاتا تو لوگ کہتے کہ تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ اور وہ چھت دوبارہ بھی پختہ نہ بنائی جاتی اور جب وباء پھیل جاتی اور شہر کے دروازے سے روزانہ سینکڑوں جنازے نکلتے تو پسماندگان اپنے مرحوم عزیزوں کے جنازے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قبرستان لے جاتے اور پھر واپس آکر خاموشی سے نوشتۂ تقدیر کے منتظر رہتے۔

اِن بادیہ نشینوں کا ضابطۂ اخلاق اتنا ہی سخت تھا، جتنے عیسائیوں کے قوانین۔ اجنبی کو مار گرانے اور اس کا گھوڑا اور مال ہتھیا لینے والا بدّو اس آدمی کی سلامتی کا ضامن ہوتا جو اس کے دستر خوان میں شریک ہو کر اس کا نمک کھا لیتا۔ وہ خونخوار بدّو جن کا مشغلہ قتل و غارت گری تھا اپنے مخالف قبیلے کے مال کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے جو کسی بزرگ کے قول پر بطورِ امانت پڑا رہتا۔

جھوٹ ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ مگر وُہ اپنے قول کے پکّے تھے۔ وُہ عزّت کے بغیر دولت کو حقیر سمجھتے تھے۔

یہ لوگ تھے جو مسلمان ہوئے تھے اور اسلام نے ان کی کایا پلٹ دی تھی۔ اِسلامی برادری میں حُریّت و آزادی کا ناقابلِ تسخیر جذبہ تھا۔ پہلے قبائل پر مختلف شیوخ کی حکومت ہوتی تھی لیکن اب وُہ مُطلق العنان سلاطین کے زیرِ نگین تھے۔ سُلطان اپنے اعمال کے لیے خداوند تعالےٰ کے سامنے جوابدہ سمجھا جاتا تھا، لیکن اگر اس کے اعمال و افعال ناپسندیدہ ہوتے تو اس کے امیر اور وزیر مسلسل پند و نصائح سے اِس کا قافیہ تنگ کر دیتے۔ اگر کِسی حکمران کے اعمال معیارِ قرآنی پر پُورے نہ اُترتے تو کوئی نیک سیرت و بزرگ صورت قاضی بادشاہ کو سیدھے رستے پر ڈال دیتا۔

اگر کبھی کوئی بادشاہ لوگوں کی املاک و اموال پر تصرف کر لیتا۔ تو مظلوم، بادشاہ کے دربار میں سائل بن کر حاضر ہوتے۔ اکثر بادشاہ مرنے والوں کی جائداد پر قبضہ کر لیتے لیکن اگر وہ بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کی ذمہ داری نہ لیتے تو چاروں طرف سے اُن پر اُنگلیاں اُٹھنے لگتیں۔ ہم عصر یورپ کے جاگیرداروں کی طرح وہ بھی اپنے ماتحتوں کو جائداد اور جاگیریں بخشتے اور فصلوں کی بُوائی کے بعد ان سے فوجی خدمت کے طلبگار ہوتے۔ جنگی خدمات کے علاوہ جاگیردار اپنے حاکم کی خدمت میں زرِ نقد، گھوڑے، اسلحہ اور غلام پیش کرتے۔ میدانِ جنگ میں حاصل کیا ہُوا مالِ غنیمت بادشاہ اور امیروں کے درمیان تقسیم کر لیا جاتا تھا۔

جاگیرداروں کے ذریعے بھرتی کی ہوئی ہنگامی فوجوں کے علاوہ بعض بڑے بڑے بادشاہ مُستقل فوجیں بھی رکھتے تھے۔ اِن فوجوں میں آزاد پیشہ ور جنگجو بھرتی ہو جاتے اور بادشاہ سے اپنا نان و نفقہ حاصل کرتے۔ غلام خرید کر انھیں اسلحہ برداری اور جنگ آزمائی کی تربیت دی جاتی تھی۔ یہ سپاہی "مملوک" کہلاتے اور بالعموم تُرک ہوتے تھے۔ چونکہ

مملوک بہترین جنگ آزما ہونے کے علاوہ وفادار اور جاں نثار بھی تھے، اِس لیے انھیں دُنیائے اسلام کے عساکر میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ بالعموم شاہی محافظ دستے ان پر مشتمل ہوتے۔ مملوک زادے اپنے باپوں کے مراتب اور مشاہروں پر متعین کر دیے جاتے زمانۂ حاضر کے قازقوں کی طرح انھیں کسی کام سے عار نہیں تھا۔ وہ گھوڑے سدھاتے اور پُل بناتے، وہ شاہین بازی اور قاصد کبوتروں کی تربیت کرنے میں بھی بڑے ماہر تھے اور شکار کے بڑے دل دادہ وہ بڑے شوق سے اپنے آقاؤں کے ہم رکاب شکار میں حصّہ لیتے تھے۔

اِس دور میں ایشیا کے اِس حصّے پر یعنی فارس کے پہاڑوں سے لے کر افریقہ کے صحرائے اعظم تک بیشتر اتابیگ بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ اتابیگ کے لفظی معنے "سپہ سالاروں کا باپ" ہیں۔ یہ وہ بہادر ترک جنگ آزما تھے، جنھوں نے پہلے عرب آقاؤں کی ملازمت اختیار کی اور بعد میں ان کی مسندِ اقتدار پر متمکن ہو بیٹھے۔ سُلطان محمود بھی مملوک زادہ تھا۔

مُسلمان غلاموں کے لیے غلامی کچھ باعثِ ننگ نہ تھی۔ اگرچہ انھیں کُھلے بازار میں فروخت کیا جاتا تھا اور ان کی خوشی کا انحصار آقا کی مرضی پر ہوتا تھا، لیکن پھر بھی غلام کا درجہ اِسلامی برادری میں عزّت مند تھا۔ غلام کی نگہداشت اور غور و پرداخت مالک کا فرضِ منصبی سمجھا جاتا تھا اور بعض آقا تو اپنے ہوشیار مملوک غلاموں کے نثار ہونا چاہتے تھے۔

سب مسلمان ایک دُوسرے کے بھائی تھے اور ایک دُوسرے کے برابر تھے۔ حج کے موقع پر مختلف نسلوں کے لوگ دوش بدوش نظر آتے۔ شمالی علاقوں کے رہنے والے چھریرے بدن کے طویل القامت ترکمان پوستینوں میں ملبوس اپنی لمبی لطیفا نوں کو نیاموں میں دبائے کبھی اپنے کُرد آقاؤں اور کبھی اپنے دشمنوں کے شانہ بشانہ خاموشی سے گھوڑوں پر سوار نظر آتے، مصر کے سیاہ فام حبشی غلام بھڑکدار قرمزی

کپڑے پہنے قدآور ساندنیوں پر کسے ہوئے محملوں کے سراپردوں میں سفر کرنے والی شہزادیوں اور امیرزادیوں کے جلو میں بھاگتے دکھائی دیتے۔

کہیں عالم اور قاضی اپنے گدھوں پر ایک طرف ٹانگیں لٹکائے فضائلِ حج پر وعظ کرتے نظر آتے۔ مُریدان باصفا ان کے سروں پر چھتریوں کا سایہ کیے کھڑے رہتے اور ہزاروں برہنہ پا زائر اُن کی باتیں سُننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ کہیں اکھڑ جنگجو اپنے کندھوں سے ڈھالیں لٹکائے گرد و غبار کے بادلوں میں سے دھاری دار خلعتوں میں ملبوس سوداگروں کے کارروانوں کو گھورتے۔ سوداگروں کے کمربندوں سے وزنی ہمیانیاں اور بٹوے لٹک رہے ہوتے، لیکن وُہ ان غارت گروں کی دست رس سے محفُوظ رہتے۔ اور ــــ کہیں مکھیاں بھنکتے گدا گر بے جھجک اپنے کشکول زائروں کی طرف بڑھا دیتے۔

تنومند نقاب پوش عورتیں غُربت و افلاس کے باوجود نہایت تمکنت اور غُرور سے خچروں کی لگامیں کھینچتی ہوئی چلتیں، جن پر ان کے بُوڑھے آقا اپنی عاقبت سنوارنے کی غرض سے آخری سفرِ حج کے لیے سوار ہوتے۔ رات کے وقت سب لوگ طعام و قیام کے لیے سرائے میں اکٹھے ہو جاتے اور درویشوں کی حرکات سے محظوظ ہوتے جو مدھم سُروں میں گاتے ہوئے ڈھولک کی تھاپ پر آہستہ آہستہ گردش کرتے تھے۔ کئی سر مُنڈے فقیر گھوڑوں اور اُونٹوں کے گوبر کے پاس بیٹھے صبر و سکون سے پس خوردہ کے مُنتظر رہتے۔ یہ سب لوگ آزاد منش اور بادیہ پیما تھے۔ ان کے لیے حج کی راہ نجات کی راہ تھی۔

اگرچہ مسیحی فاتحین نے بیت المقدّس کی راہ مسدُود کر دی تھی اور وُہ اِس مقدّس شہر کی زیارت سے قاصر تھے، تاہم بیت المقدّس کی قدیم مذہبی روایات سے وُہ بخوبی واقف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سُنسان راتوں میں مردُود انسانوں کی رُوحیں درد و الم سے وادیِ مجرمین میں پکارتی ہیں[1]، جو سُنہرے دروازے کے نیچے واقع ہے۔ ان کا

[1] دیکھیے حاشیہ صفحہ ۲۷

اعتقاد تھا کہ حرم کی بلند زرّین عمارت روزِ حشر کی منتظر ہے۔ جب مومنوں کی رُوحیں "غارِ ارواح" میں جو صخرہ (افلاک کی طرف آنحضرتؐ کا مقامِ صعود) کے نیچے واقع ہے، اکٹھی کی جائیں گی۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں حضرت سلیمانؑ کی عدالت برپا ہوگی جس میں حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰیؑ ان کے تخت کے دونوں طرف تشریف فرما ہوں گے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ عدالتِ سلیمانی کی زنجیریں کن محرابوں سے لٹکی ہوئی ہوں گی، چنانچہ انھوں نے مسیحیوں کی آمد سے بہت پہلے "تختِ سلیمانی" پر ایک گنبد تعمیر کر رکھا تھا۔

اہلِ بادیہ پُرانی رسوم پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ بچّوں کی طرح متلوّن مزاج تھے، نہایت زُود اعتقاد اور جذباتی! اگر انہیں کوئی دھن سما جاتی تو اس کے لیے وہ اپنی جان قُربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ وہ آسانی سے ہر اولوالعزم قائد کے پیچھے لگ جاتے، لیکن ان کو گمُراہی سے باز رکھنا اور مجتمع کرنا حقیقت میں کسی صحیح مسلمان راہنما کا کام تھا جو صُوفی بھی ہو اور مجاہد بھی۔

وُہ ہر وقت مذہبی جھگڑوں میں پھنسے اور فروعات کی بحث میں اُلجھے رہتے۔ اس کے باوجود وُہ اپنے مذہب کی تحقیر برداشت نہ کرسکتے تھے اور جو کوئی اسلام کی تحقیر یا استہزا کا مجُرم ہوتا وہ اس کے پرخچے اُڑانے سے دریغ نہ کرتے۔ اس وقت مسلمانوں کے بکھرے ہوئے اجزا کو یکجا کرنے کا واحد ذریعہ تبلیغِ جہاد تھا، کیونکہ جوں ہی نعرۂ جہاد بلند ہوتا، سارے مُسلمان ذوقِ شہادت سے سرشار ایک عَلم کے نیچے جمع ہو جاتے

(دیکھیے حاشیہ صفحہ ۲۶) لہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مصنّف نے ارواح کی گریہ زاری کی روایت کہاں سے اخذ کی ہے۔ یہ مُستند ہے یا اس کے دماغ کی اختراع، بہرکیف صخرہ کا تقدس تینوں مذاہب میں مسلم ہے۔ کتاب زبُور میں مرقوم ہے "اے بارور فرش تو بزُرگ ہے، تُو عظیم ہے، تجُھ پر حشر بپا ہوگا اور تجُھ سے تمام خلقت موت کی نیند سے اُٹھے گی۔" ۱

صخرہ کی تقدیس، تعمیر اور تاریخ کے لیے مُلاحظہ ہو عبدالقدیر صاحب کی کتاب بیت المقدس (صفحہ ۱۰۹ تا ۱۲۹)

اور اسلام ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن جاتا۔

اس وقت تک صلیبی غاصبوں کے خلاف جہاد کی رہنمائی کرنے والا کوئی حوصلہ مند قائد انھیں نصیب نہ ہُوا تھا۔ وہ عماد الدین زنگی آتابک موصل کے گرد جمع ہوئے اور اس نے الرہہ عیسائیوں سے چھین لیا۔ الرہہ کی فتح دُوسری صلیبی جنگ کا باعث بنی۔ اور اہلِ یورپ پھر سرزمین فلسطین پر چڑھ دوڑے۔ عماد الدین کو پُوری کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ اس وقت مسلمانوں کو خلیفۂ بغداد کی بے حسی پر سخت غصّہ آیا، جو اپنے سیاہ سرا پردوں میں محوِ آرام تھا اور انھوں نے خلیفہ کے منبر کو گھیر کر اپنی نفرت و حقارت کا اظہار کیا، لیکن پھر بھی جس قائد کی تلاش تھی نہ مِل سکا۔

اب ۱۱۶۹ء میں سُلطان نُورالدین زنگی نے اعلان جہاد کیا، لیکن نُورالدین ایک بُوڑھا اور پاکباز حکمران تھا، اس میں صلیبی فاتحوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کی قُدرت نہ تھی۔ مسلمانوں کو دوسرے قائد کا انتظار تھا۔

۴

غازیانِ اسلام

مسیحی دُنیا کی طرح دُنیائے اِسلام میں بھی نوجوانوں کو تعلیم و تربیت کے کئی صبرآزما مراحل سے گزُرنا پڑتا تھا۔ لڑکوں کی نشو و نما کڑی نگرانی میں ہوتی تھی اور وُہ مسجد کے کُشادہ صحن میں مولویوں اور مُلّاؤں سے تعلیم حاصِل کرتے تھے۔ اِسلام میں بھی امارت کی دو قسمیں تھیں، یعنی اہل السیف اور اہل القلم۔ عرب اور تُرک بچّے حلقہ باندھے قرآن کی آیات ترنم کے ساتھ حفظ کرتے جاتے اور جھُومتے جاتے۔ قرآن حفظ کرنے کو درس و تدریس میں سب چیزوں پر فوقیت حاصل تھی۔

بُوڑھے مملوک انھیں فنِ سپاہ گری کی تربیت دیتے۔ وُہ انھیں ابتداء ہی سے گھوڑے پر سوار ہو کر تیراندازی کے گرُ سکھاتے۔ وُہ پتلے پتلے بانس پھینک کر گھڑدوڑ کے میدانوں میں نیزہ بازی کی مشق کرتے اور ہلال نُما فولادی تلواروں کی مختلف ضربوں اور شمشیرزنی کے مختلف پینتروں کی مہارت بہم پہنچاتے۔ نوجوان اپنے خچروں اور ٹٹوؤں کو کھُلے میدانوں میں دَوڑاتے اور انھیں اپنے شہسوار باپوں کے اصیل

گھوڑوں پر رشک آتا۔ امیرزادوں کی تفریح چوگان بازی تھی۔ اِس کھیل میں گھڑ سوار چوگان کی ہتھ،ڑانما لمبی لکڑیوں سے گیند کو اِدھر اُدھر پھینکتے۔ یہی چوگان موجودہ زمانے کی پولو کا کھیل ہے۔

اِن کے لیے شراب نوشی حرام اور سنِ شباب تک عورتوں سے کسی قسم کا تعلق یا تفریح ممنوع تھی۔ ان کے اُستاد جُوا کھیلنے پر سخت برافروختہ ہوتے اور شطرنج بھی بزرگوں کا شغل سمجھا جاتا تھا۔ البتہ انھیں "طلسمی چراغ" کے کھیل دیکھنے کی اجازت ہوتی۔ اِس چراغ کی روشنی ایک دیوار پر پڑتی جس پر سائے کھیلتے۔ وُہ کبھی کبھی کٹھ پتلیوں کا تماشا بھی دیکھتے جس میں کوئی بدمزاج خاوند فحش مذاق کرتا اور اپنی بے چاری بیوی کو خُوب مارتا، لیکن اِن کھیل تماشوں میں بھی وہ بہت کم ہنستے اور بڑے ہو کر متین اور سنجیدہ انسان بن جاتے۔ انھیں انسانی معاملات سے گہری دلچسپی ہوتی تھی۔

وُہ شکار بڑے شوق سے کھیلتے کیونکہ سیر و شکار مسلمان امراء کی زندگی کا بہترین مشغلہ تھا اور ان کی آدھی زندگی اس میں صرف ہو جاتی تھی۔ شکار کے کئی طریقے مروّج تھے، مثلاً باز یا چیتے سے شکار کرنا یا تیر و سنان سے شکار کو نشانہ بنانا۔ بارھویں صدی کے ایک امیرزادے اُسامہ نامی کی روداد شکار ہم تک پُہنچی ہے۔

"خدا کی قسم! ہمارے گھر میں سفید اور بھُورے رنگ کے بیس[2] ہرن اور ان کے کئی بچّے تھے۔ اِن کے علاوہ کئی اصیل گھوڑے اور بکریاں بھی تھیں۔ میرے والد کو باز پالنے کا بڑا شوق تھا اور اعلےٰ قسم کے باز منگوانے کے لیے وُہ اپنے خادموں کو قسطنطنیہ جیسے دُور اُفتادہ مقامات تک بھیجتے۔

"میں کئی امراء کے ساتھ شکار میں شامل ہوا ہوں، لیکن والد مرحوم کے شکار کی سی نرالی شان آج تک نہیں دیکھی۔ وُہ بڑی خُوبیوں کے مالک تھے۔ دِن کو روزہ رکھتے، صُبح سے لے کر شام تک تلاوت قرآن میں مشغول رہتے یا پھر سارا وقت شکار میں گزارتے۔

رات کو وہ کلام اللہ کی کتابت کرتے۔ انھوں نے سورۂ فاتحہ سے لے کر والناس تک سارے کلام اللہ کے دو سنہرے نسخے رقم کیے تھے۔

ہمارے گھر یعنی "شیزر[51]" میں ہماری دو شکارگاہیں تھیں۔ ایک شکارگاہ کوہستانی علاقے میں تھی جہاں تیتر اور خرگوش بافراط ملتے تھے اور دوسری شکارگاہ دریا کے کنارے تھی جہاں آبی پرندے یعنی مرغابیاں، سنگ خوار (قطاۃ) اور ہرن بھی عام تھے۔

ہمارے ہاں باز تو مرغیوں کی طرح عام تھے۔ والدِ مرحوم کے کئی خدمتگار بازوں اور شکروں کے رکھوالے تھے اور کئی شکاری کتوں کے نگہبان!

والد مرحوم اپنے چاروں بیٹوں کے ہمراہ شکار کو نکلتے۔ ہم اپنے ساتھ فوجی سردار، اسلحہ اور جنگی گھوڑے لے کر چلتے تھے، کیونکہ ہمیں ہر وقت اپنے ہمسایہ فرانکوں[52] سے مٹھ بھیڑ کا خدشہ لاحق رہتا تھا۔ ہر دفعہ ہم درجن سے زیادہ باز شکارگاہ میں لاتے اور کئی خادم شکرے کتے اور شکاری چیتے لیے ہمارے ہمرکاب ہوتے۔ ایک ملازم تازی اور دوسرا شکاری کتوں کو میدان میں لاتا۔

پہاڑوں کو جاتے ہوئے والد مرحوم ہم سے کہتے: "جس نے ابھی تک کلام اللہ ختم نہیں کیا وہ علیحدہ ہو جائے، پہلے اپنا فرض بجا لائے اور پھر شامل ہو۔" چونکہ ہم سب کو قرآن مجید حفظ تھا، ہم منتشر ہو جاتے اور کمین گاہ پر دوبارہ اکٹھے ہونے تک تلاوت میں

---

[51] شیزر، ولایتِ حمص میں ایک قلعہ بند شہر تھا۔ قلعے کے نیچے رود عاصی بہتی ہے۔ یہ شہر حضرت ابو عبیدہ نے امان دے کر ۶۳۸ء میں فتح کیا تھا۔ اسے عرف الدیک (یعنی مرغ کی کلغی) بھی کہتے تھے۔ اس شہر کے پھل بہت مشہور تھے۔ (مترجم)

[52] فرانکوں سے مراد صلیبی فاتحوں سے ہے۔ اُسامہ کا مسکن حما کے قریب دامنِ کوہ تھا۔ اُس کے قلعہ کے مغربی جانب سلسلۂ کوہ واقع تھا۔ صلیبیوں کے دو قلعے یعنی کرک اور مرغاب عین سرحد پر تھے۔ اور حما ان قلعوں کی زد میں تھا۔ (مصنف)

مشغول رہتے۔

پھر والد مرحوم اپنے سرداروں کو حکم دیتے: "جاؤ! اور تیتر تلاش کرو۔" ان سرداروں کی روانگی کے بعد بھی والد کے دوستوں اور مملوکوں کے ہم رکاب چالیس تجربہ کار سوار اور ماہر شکاری رہ جاتے تھے۔ جونہی کوئی پرندہ اُڑتا یا کوئی ہرن گرد اُڑاتا، ہم اُس کی ٹوہ میں لگ جاتے اور باز چھوڑ دیتے۔ ہم گھوڑے دَوڑاتے ہوئے پچھلے پہر کے قریب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاتے۔ بازوں کو کھِلاتے اور پہاڑی چشموں کے پاس چھوڑ دیتے، جہاں وُہ نہاتے اور پانی پیتے۔ اس کے بعد ہم پلٹ آتے۔

ہم آبی پرندوں اور قطاۃ کا شکار بڑے مزے سے کیا کرتے۔ ہم شکاری چیتوں اور شکروں کو ریت پر اُگے ہوئے سرکنڈوں کے باہر چھوڑ دیتے اور صرف باز لے کر دلدل کا رُخ کرتے۔ اگر کوئی قطاۃ اُڑتا تو باز اُسے دبوچ لیتا اور اگر کوئی خرگوش اُچھلتا تو اُسے بھی باز جھپٹ کر جا لیتا یا چیتوں کی طرف دھکیل دیتا۔ اگر کوئی غزال قلانچیں بھرتا ہُوا چیتوں کی طرف آتا تو وُہ اسے مار گراتے۔

اِن سرکنڈوں اور دلدلوں میں جنگلی سُور بھی کافی تھے جنھیں مارنے کے لیے، ہم سرپٹ گھوڑے دَوڑاتے ہوئے جاتے۔ سُوروں سے لڑائی میں بڑا لُطف آتا تھا۔

باز کا ایک بچّہ عقاب جتنا بڑا تھا۔ ہمارے باز آموزوں کا سردار غنائم کہا کرتا تھا کہ عیشور کا جواب نہیں، یہ شکار کو کبھی جانے نہیں دیتا۔ اِس وقت ہمیں غنائم کی باتوں پر یقین نہ آتا تھا۔

غنائم نے عیشور کی ایسی اچھّی تربیت کی کہ وہ ہمارے ساتھ گھر کے ایک فرد کی طرح رہتا تھا۔ عام بازوں کی طرح وہ خود شکار نہ کرتا، بلکہ اپنے آقا کے اشارے کا منتظر رہتا۔ والد مرحوم عیشور کو بڑا عزیز رکھتے تھے، وُہ ہمیشہ ان کے پاس رہتا تھا۔ اگر اسے غُسل مطلوب ہوتا تو اپنی چونچ سے پانی کو ہلاتا۔ والد پانی کا ٹب منگوا کر اس کے قریب رکھوا تے۔ جب وُہ

نہا کر پانی سے باہر نکلتا تو وُہ اسے ایک خاص قسم کے چوبی دستانے پر بٹھا کر دہکتی ہوئی انگیٹھی کے قریب بٹھا دیتے، جہاں اس کے بالوں اور پروں میں کنگھی کر کے تیل لگایا جاتا پھر وُہ اس کے لیے سمور کا گدّا بچھا دیتے جس پر وُہ آرام سے بیٹھ کر سو جاتا۔ جب والدِ مرحوم میں جاتے تو حکم دیتے: "میرا باز لاؤ!" خادم خوابیدہ باز کو اُٹھا لاتے اور اس کا سموری گدّا والد مرحوم کے پلنگ کے متصل بچھا دیتے۔

جب سردیوں میں شیزر کا نواحی علاقہ زیرِ آب آجاتا تو جھیلوں اور تالابوں میں آبی پرندوں کے غول جمع ہو جاتے۔ والد مرحوم عیشور کو اپنی کلائی پر بٹھائے قلعے کی فصیل پر چڑھ کر اسے پرندے دکھا دیتے۔ قلعہ مشرق کی طرف تھا اور پرندے شہر کی مغربی جانب ہوتے۔ جوں ہی اس کی نظر پرندوں پر پڑتی وُہ اسے چھوڑ دیتے۔ تھوڑی دیر وہ شہر کے اُوپر چکر لگاتا، پھر اپنے شکار کو جا دبوچتا اور فوراً ہمارے قریب آن اُترتا۔ اگر وُہ اپنے مقصد میں ناکام رہتا تو دریا کے کنارے کسی غار میں روپوش ہو جاتا۔ ہمیں آج تک اس غار کا علم نہیں ہوا البتہ وُہ حسبِ روز غنائم جاتا اور اسے لے آتا۔

محمود، والئی حما بھی شکار کا بڑا شوقین تھا۔ ہر سال وُہ اس باز کی فرمائش کرتا۔ چنانچہ عیشور کو اس کے نگراں کے ہمراہ بھیج دیا جاتا۔ بیس دن کے سیر و شکار کے بعد باز واپس کر دیا جاتا۔

کچھ عرصہ بعد عیشور شیزر میں مر گیا۔

ایک دن صبح میں محمود سے ملنے حما گیا۔ وہاں میں نے قاری اور نوحہ گر دیکھے تو کچھ حیران سا ہوا۔ جب میں نے نوحہ گروں کی آہ و بکا اور "اللہ اکبر" کے نعرے سُنے تو پُوچھا "کس نے وفات پائی ہے؟" مجھے جواب ملا کہ محمود کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہو گیا ہے۔

میں جنازے میں شریک ہونا چاہتا تھا، لیکن محمود نے منع کر دیا۔

لوگ جنازہ لے کر چلے گئے اور جب نعش کو سپردِ خاک کر کے واپس آئے تو محمود نے

پُوچھا" معلوم ہے، کون مرا ہے؟" مَیں نے جواب دیا" مَیں نے تو یہی سُنا ہے کہ آپ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا ہے"؟

"ارے نہیں! خدا کی قسم یہ تو بازعشور تھا۔ جب مَیں نے اس کی مَوت کی خبر سُنی تو اس کی نعش منگوائی، کفن دفن اور جنازے کا اہتمام کیا۔ واقعی وُہ اس کا مستحق تھا"۔

اِسی طرح ہمارے ہاں ایک شکاری چیتا بھی تھا۔ اس کے لیے چھپر کا ایک مکان بنوایا گیا تھا جس کی دیوار میں ایک کُشادہ سُوراخ تھا جس سے وہ اندر باہر آجا سکتا تھا۔ فرش پر سُوکھی گھاس بچھی ہوئی تھی جس پر وہ سوتا تھا۔ اِس غیر معمولی جانور کی نگہداشت کے لیے بھی ایک نگران متعین تھا۔

ہمارے ہاں اکثر مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا، لیکن ان دنوں ایک دانا بزرگ ابو عبداللہ طلیطلی مقیم تھے۔ پہلے وہ طرابلس کے بیت الحکمت کے ناظم تھے، لیکن جب طرابلس پر فرانک فوجوں کا قبضہ ہو گیا تو والد مرحوم نے شیخ موصوف کو اپنے پاس بُلا لیا۔ وہ میرے اُستاد تھے اور مَیں نے دس سال تک اُن سے صرف و نحو پڑھی ہے۔

ایک دِن مَیں نے شیخ کے سامنے کتابوں کا انبار دیکھا تو حیران ہو کر پُوچھا "شیخ! کیا آپ نے یہ ساری کتابیں پڑھی ہیں؟"۔ شیخ نے جواب دیا "پڑھی ہی نہیں بلکہ خُدا کی قسم مَیں نے انھیں نقل بھی کیا ہے۔ تم واقعی ثبوت چاہتے ہو تو کوئی کتاب اُٹھاؤ اور کہیں سے ورق کھول کر پہلی سطر پڑھو"۔

مَیں نے ایک کتاب کھول کر ایک سطر پڑھی تو شیخ نے باقی حصہ آخیر تک زبانی سُنا دیا۔ واقعی یہ حیرت انگیز بات تھی۔ دُوسرے موقع پر مَیں نے ابو عبداللہ کو گھوڑے پر سوار شکاری چیتے کے ساتھ شکار کرتے دیکھا۔ ان کے پاؤں خُون آلُود تھے اور ان پر پٹّیاں بندھی ہوئی تھیں۔ کیونکہ چیتے کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے خاردار جھاڑیوں میں چھلنی ہو گئے تھے، لیکن اِس وقت انھیں تکلیف محسوس نہ ہوئی کیونکہ وُہ چیتے کو غزالوں پر جھپٹتے

دیکھنے میں مستغرق[1] تھے"۔ امراء و عمائد ابوعبداللہ جیسے اہلِ علم کی بڑی قدر و منزلت کرتے اور انھیں اپنا معزز مہمان بنانا فخر سمجھتے تھے۔ اس زمانے کی ضرب المثل تھی کہ "اہلِ علم کی روشنائی خونِ شہیداں کی طرح گراں مایہ ہے"۔

سائنس دانوں، منجموں، طبیبوں اور انجینئروں کو بیش قرار تنخواہیں ملتی تھیں۔ انجینئر امراء کے دوش بدوش بیٹھتے۔ منجموں کی شاہی درباروں میں بڑی قدر تھی، کیونکہ وہ خوابوں اور شگونوں کی تعبیر بتاتے، مبارک اور نحس دونوں کی نشان دہی کرتے۔ وہ محلات کی کھلی چھتوں پر انتہائی کاریگری سے کانسی کے ارضی کرے، برجوں کے نشان اور ان کے مدارج کے نقشے بناتے۔ وہ میزوں کی صاف سطح پر بڑی نفاست اور صحت سے ستاروں کے خطوطِ مدار بھی کھینچتے۔ انھیں اہلِ یورپ سے چھ سو سال پہلے چاند کی گردش کی بے قاعدگیوں کا حال معلوم تھا۔ انھوں نے شمسی سال کی نہایت صحیح تعیین بھی کر لی تھی، اگرچہ اہلِ شریعت قمری مہینوں کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انھوں نے قدیم یونانی نسخوں کا نہ صرف ترجمہ کیا، بلکہ ان کا بطلیموس اور حکمائے ہند کے نظریات سے تقابل بھی کیا اور اس سے نہایت دور رس اور مفید نتائج اخذ کیے۔

عربوں نے بڑی دانائی برتی کہ اپنی سلطنت کے طول و عرض میں جابجا بکھرے ہوئے رومی آثار کا بھی دقتِ نظر سے مطالعہ کیا۔ رومیوں کے بند، پشتے، نہریں، نالیاں اور آب رسانی کے ذرائع ان صحرانشینوں کے ذوقِ جستجو کے لیے اچھا مواد ثابت ہوئے عربوں نے ان چیزوں کو اس زمانے میں نمونے کے طور پر استعمال کیا، جبکہ اہلِ یورپ ان کے پتھر اکھاڑنے میں لگے ہوئے تھے۔

کسی نے ارسطو کا ترجمہ کر دیا تو حسنِ اتفاق سمجھیے یا سوءِ اتفاق کہ وہ مسلمان فلسفیوں کا

---

[1] یہ اقتباس اسامہ کی تزک سے لیا گیا ہے، جسے مسٹر ہارٹوگ ڈیرن بورگ نے عربی سے فرانسیسی زبان میں منتقل کیا۔ (مصنّف)

نصب العین اور آدرش بن گیا۔ انھوں نے قانونِ طبیعیات اور اصول منطق ارسطو سے سیکھے۔

مسلمان ھندسہ نہ صرف الجبراء اور اعشاریہ کے ماہر تھے، بلکہ اعلے پائے کے جُغرافیہ دان بھی تھے۔ انھوں نے کُرۂ ارض کے طُول بلد اور عرض بلد ناپے اور سیّاحوں کے سفرنامے اور ملّاحوں کی سرگذشتوں کو سامنے رکھ کر نہایت عُمدہ نقشے بھی مُرتّب کیے۔ مشہور جُغرافیہ دان اِلادریسی نے چاندی کی ڈھال پر بحیرۂ روم کا نقشہ کھینچا تھا۔

قاہرہ اور بغداد میں ایسے "بیت الحکمت" موجود تھے، جن کی رصد گاہیں اور کُتب خانے بہت مشہور تھے۔ کُتب خانوں کی خاموش اور خُنک فضا مطالعے کے لیے نہایت سازگار ہوتی۔ دیواروں کے ساتھ مختلف کتابیں ترتیب اور سلیقے سے چُنی ہوتیں، اہل علم تکیوں کے سہارے آرام سے قالینوں پر بیٹھے اپنے رُوبرو پست میزوں پر کتابیں رکھے مطالعے میں مُنہمک رہتے اور تھک جاتے تو کبھی کبھی شربت نوش جان کرتے۔ یہاں جالینوس اور ارشمیدس کی کتابوں کے نُسخے بھی دستیاب ہو سکتے تھے۔

عرب کاغذ کے استعمال سے واقف تھے۔ فنِ کاغذ سازی انھوں نے اہلِ چین سے سیکھا تھا اور یہ فن تجارتی کاروانوں کے ساتھ سرزمین اسلام میں پہنچا تھا۔ کاغذ کپاس سے بنایا جاتا تھا۔ کاغذ سازی کے کارخانے پہلے سمرقند میں قائم ہوئے اور پھر دمشق میں۔

عرب اطبّاء فن طب کے بعض ایسے اسرار و رموز سے بھی آشنا تھے جو دوسرے لوگوں کو معلوم نہیں۔ چونکہ انھوں نے علمِ کیمیا اور دورانِ خُون کے اصول کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اِس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا علم سادہ علاج معالجے سے یقیناً بہت وسیع تھا۔ اِس زمانے میں جبکہ اہل یورپ بیماری کو ارواح خبیثہ کی شرانگیزی پر محمول کرتے تھے، وُہ بیشتر بیماریوں کا ازالہ علاج بالغذا اور جسمانی صفائی سے کرتے تھے۔

چندسال پہلے دمشق کے بیدار مغز سُلطان نُورالدین نے ایک وسیع شفاخانہ بنایا تھا

جس میں اطباء باقاعدہ معائنہ کرنے کے بعد دوا تجویز کرتے۔ وُہ صرف جراحت کے فن میں خاطر خواہ ترقی نہ کر سکے، کیونکہ اہلِ شریعت مُردوں کی چیر پھاڑ کی اجازت نہ دیتے تھے۔

عربوں کے ذہنِ رسا نے اشیاء کے اسباب و علل پر بھی غور کیا۔ ارسطو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ فطرت کے اسرار و رموز کی عُقدہ کُشائی میں سرگرداں رہے۔ انھوں نے ہر چیز کا مطالعہ وقت نظر سے کیا۔ اِس غور و فکر کا نتیجہ تنقید و تشکیک کی صورت میں نمودار ہُوا اور مذہب کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔ بہت سے لوگ شک و شُبہ میں مُبتلا ہو گئے۔ فلسفیوں کے گرد اہلِ تشکیک جمع ہونے لگے اور وُہ فیثاغورس کے مقلّد بن گئے۔ تصوّف اور تشکیک میں چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔

اِن حالات سے ایک صدی پہلے سلجوقیوں کے آخری بڑے تاجدار کے ایک درباری ریاضی دان نے جو شراب کا رسیا تھا یہ رباعی لکھی تھی۔

یک چند بکودکی باستاد شدیم
یک چند باستادی خود شاد شدیم
پایانِ سُخن شنو کہ ما را چہ رسید
از خاک در آمدیم و برباد شدیم

۵

حشیشین

عُمر خیام کی شاعری کی صدائے بازگشت قاہرہ میں سُنی گئی جہاں آزاد خیال لوگ جمع ہو گئے تھے۔ یہ شہر خلیفۂ بغداد کے حلقۂ اقتدار سے باہر تھا۔ اِس کے محلّات میں بے فکرے لوگ دِن رات اہلِ سُنت کے اِسلام کا مذاق اُڑاتے۔ اسماعیلی فرقے کے یہ لوگ مخصوص عقائد و اسرار کے حامل تھے۔ وُہ اپنے جماعت خانوں میں علیٰحدہ عبادت کرتے اور بلادِ مشرق میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے داعی بھیجتے۔ اِس فرقے کی سرگرمیوں سے ایک عجیب داستان متعلّق ہے جس کی صداقت اگرچہ مدّتوں سے مسلّم ہے، پھر بھی اِس پر افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ اِس داستان کا مرکزی کردار وُہ شخص ہے جسے صلیبی "الشیخ الجبل" کہا کرتے تھے۔

عُمر خیام کا ایک ہم عصر حسن بن صباح تھا جو مذہبی عقائد میں اسماعیلی تھا۔ یہ شخص بڑا آزاد خیال اور انتہائی اولوالعزم تھا۔ وہ محض آزاد خیالی کی تبلیغ ہی پر قانع نہ تھا، بلکہ اُسے طاقت و عظمت کے خواب کی عملی تعبیر کے لیے آلۂ کار بنانا چاہتا تھا۔ وُہ

کہا کرتا تھا کہ اگر مجھے نصف درجن جاں نثاروں کی خدمات حاصل ہو جائیں تو میں ساری دُنیا کو زیرِ نگیں کر لوں۔

کہا جاتا ہے کہ جب حسن نے یہ بڑ ہانکی تو اس کے ایک دوست نے اس کی ضیافت کی اور اسے زعفران کھلا کر ایک ایسی شراب پلائی جو دیوانگی کا علاج سمجھی جاتی تھی چند سال بعد حسن نے اپنے دوست کو پیغام بھجوایا "اب کہو؟ ہم دونوں میں سے کون پاگل ہے؟"

چُونکہ اس نے ایک حد تک اپنی پیشین گوئی کو پُورا کر دکھایا تھا، اس لیے اب لوگ اسے "شیخ الجبل" کہنے لگے۔

بلاشُبہ حسن کی شخصیت ابتدا میں بڑی کشش رکھتی تھی۔ اسے اپنی کامیابی کے لیے جن نصف درجن حلیفوں کی ضرورت تھی وہ اس نے اپنی جرأت اور خود اعتمادی سے پیدا کر لیے۔ اس نے بڑے ہی سادہ عقیدے کی تبلیغ کی "حق کچھ بھی نہیں، سب کچھ جائز ہے"۔ اور عوام کی توجہ مبذول کرانے کے لیے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے رسم و رواج کا نہایت بے دردی سے مضحکہ اُڑایا۔

اس نے اپنے مُریدوں کی ایک خُفیہ جماعت منظم کی جس کے ارکان میں داعی، رُفقا اور فدائی شامل ہوتے تھے۔ جماعت کی کامیابی کا اصلی راز فدائی تھے جنہیں حشیشین بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی سفید عباؤں کے اُوپر سُرخ رنگ کا خُونی کمر بند نمایاں نظر آتا تھا، جس میں دو لمبے خمدار خنجر آویزاں رہتے۔ تمام فدائی نوجوان ہوتے تھے۔

ان نوجوانوں کو حسن یُوں حشیش خوری اور "عرق و معجون"[1] (یعنی شراب اور افیون کے مرکّب) کے استعمال سے آشنا کرتا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاتے۔ وہ انھیں

---

[1] افیون اور شراب کے مُرکّب کے لیے ہم نے باہر کی معروف اصطلاح سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ (مترجم)

یقین دلا دیتا کہ موت حقیقی فنا نہیں، بلکہ ایک لازوال مسرت کا دروازہ ہے اور ان لذتوں کی تکمیل جن کے سنہرے خواب وہ حشیش یعنی بھنگ کے قرابے لنڈھانے کے بعد دیکھا کرتے۔

ان گمراہ نوجوانوں کے نزدیک حسن ایک ایسا باکمال اور صاحب قدرت پیغمبر تھا جس کے مقابلے میں اسلام کی ساری شخصیتیں ہیچ تھیں۔ وہ غیر مطمئن اور غیر آسودہ اشخاص کے سامنے نجات دہندہ کا روپ دھار لیتا، لیکن اس کا اصلی مقصد اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ چالاک ساتھیوں کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھا۔ وہ خوف و ہراس کے ذریعے مروجہ نظام کا تختہ اُلٹ کر اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ اِن سے کہتا کہ "ہر مقدس چیز کو سلطنت و مذہب کے کھنڈروں تلے دفن کر دو"۔ چنانچہ اس نے خوف و دہشت پیدا کرنے کے لیے قتل و غارت کی باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ ایک شخص کو قتل کرنے کے لیے تین فدائی مقرر کیے جاتے تھے جو عام طور پر اپنے شکار کو مسجد میں نماز کے وقت خنجر کا نشانہ بناتے۔

پہلا فدائی جھپٹ کر وار کرتا، اگر وہ ناکام رہتا اور افراتفری پھیل جاتی تو اِس ہنگامے میں دوسرا یا تیسرا فدائی اِس کا کام تمام کر دیتا۔ فدائی موت سے خائف نہیں، بلکہ موت کے شائق ہوتے تھے اِس لیے شاذ و نادر ہی وہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے۔ بعض اوقات وہ خدمتگاروں، ساربانوں اور سقوں کا بھیس بدل لیتے۔ چونکہ اِسلامی شہروں کے بارونق بازاروں میں آقا اور غلام دوش بدوش چلتے تھے اِس لیے اُنھیں اپنے خونی عزائم کی تکمیل میں چنداں دقت پیش نہ آتی تھی۔

حسن بن صباح کے ستم کا پہلا نشانہ معاصر اسلامی دنیا کا دانا ترین شخص نظام الملک تھا جو سلجوق سلاطین کا وزیر با تدبیر، عمر خیام کا مربی اور حسن کا محسن تھا۔

نظام الملک کی موت کے بعد سلطنت سلجوقیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور چاروں طرف بدنظمی پھیل گئی۔ حسن نے اِس ابتری سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اقتدار کی بنیادیں اُستوار

کریں۔ اس کے بعد اس نے غازیِ شمال یعنی سُلطان مودود کو بھی قتل کرا دیا۔

چنانچہ ہر طرف فدائیوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ لوگ ان کے خنجروں کے اٹل وار سے لرزاں و ترساں رہنے لگے۔ حسن نے بڑی عیاری سے خوف و ہراس کی اس کیفیت سے فائدہ اُٹھایا۔ بھلا کون تھا۔ جسے اپنی جان پیاری نہ تھی۔ اور کون تھا جو اپنی سلامتی کی خاطر سالانہ خراج ادا کرنے سے انکار کرتا۔ حسن اپنے وعدے کا پکا تھا۔ اگر وہ کسی کی سلامتی کا ذمہ لیتا تو پھر اس شخص کو کوئی گزند نہ پہنچاتا۔

کئی سلاطین و اُمراء اس کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ انھوں نے اطراف و اکناف سے اس کے مُلحد مریدوں کو چُن چُن کر قتل کیا۔ لیکن وہ خود ہمیشہ چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا۔ اور ان امیروں کے ہاں پناہ لے لیتا جو اس کے فدائیوں کی خنجر زنی سے سہمے ہوتے۔

ایک ذی اثر عالم ہمیشہ اپنے وعظ میں حسن بن صباح اور ملاحدہ کو ہدفِ لعنت بنایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے دارالمطالعہ میں محوِ استراحت تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک فدائی اس کے سینے پر گھٹنے ٹیکے بیٹھا اپنے چمکدار خنجر کی نوک سے اس کے پیٹ کی مُلائم جلد سہلا رہا ہے۔ وہ فدائی فوراً غائب ہو گیا، لیکن اس کے بعد اس عالم نے حسن بن صباح کے خلاف کبھی لب کشائی نہ کی۔ اس کے مُریدوں نے اس زباں بندی کی وجہ دریافت کی تو اُس عالم نے مُسکراتے ہوئے کہا:-

"ان کے پاس کچھ ایسے دلائل بھی ہیں جن کا واقعی جواب نہیں"۔

اسی طرح سے فدائی اپنے دشمنوں اور حریفوں کو خوفزدہ کرتے۔ وہ اپنے دشمنوں کے سرہانے دو خنجر گاڑ دیتے اور جب ان کی آنکھ کھلتی اور وہ ان خنجروں کو دیکھتے تو ان کے اوسان خطا ہو جاتے۔ ان کو ہر وقت موت اپنے سروں پر منڈلاتی محسوس ہوتی اور جو لوگ علانیہ جنگ کی تاب نہ رکھتے، ان کے چھکے چھوٹ جاتے۔ ان کے حملوں سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا یہاں تک کہ ایک فاطمی خلیفہ بھی ان کے خنجروں کا نشانہ بنا۔

حسن کی بہترین حفاظتی تدبیر قلعوں کی تعمیر تھی۔ عام طور پر مسلمان امراء کے قلعے شہر پناہ کے اندر بلندیوں پر واقع ہوتے، لیکن فدائیوں کا یہ سربراہ اور قاتلوں کا سرغنہ شہروں کے مقابل پہاڑ کی چوٹیوں پر اپنے قلعے تعمیر کرنے کی فکر میں رہتا۔ اس نے چند کوہستانی قلعے خرید لیے اور کئی قلعے سازش اور عیّاری سے ہتھیا لیے۔ اس نے دُور افتادہ اور دُشوار گزار کوہستانی علاقوں میں بھی کئی قلعے بنائے۔ پتھر کے یہ قلعے ناقابلِ تسخیر ہوتے اور آسانی سے چند جانباز ان کی مدافعت کر سکتے۔ ان قلعوں کی وجہ سے حسن شیخ الجبل کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ سارے بحری قزاق اس شیخ الجبل کی شرانگیزی اور فتنہ پردازی کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ اطراف واکناف سے باغی، شرپسند اور مفسد عناصر ان قلعوں میں جمع ہو گئے تھے، حسن ان سب کو پناہ دیتا۔ شام اور فارس کے کوہستانی علاقوں میں شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو جس کا فدائیوں کے کسی قلعے سے سابقہ نہ ہو۔

زندگی کے آخری ایام میں حسن اپنی بادشاہت کی بنیادیں اُستوار کرنے میں کامیاب ہو گیا اس کی سلطنت کی حدود میں سمرقند سے لے کر قاہرہ تک کے کوہستانی علاقے شامل تھے۔ اس کی حکمت عملی بڑی سادہ تھی۔ اس نے خوف وہراس کی مستقل فضا پیدا کر کے برسرِ اقتدار قوتوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور عوام کے باغی اور مفسد عناصر کے تعاون سے اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد دوسرا شیخ سلسلے کا سربراہ بن گیا۔

اسی دَوران میں جنّت کی تعمیر ہوئی جس کی داستانیں سارے وسط ایشیا میں پھیل گئیں، لیکن دُوسرے ممالک کو اس جنّت کے وجود کا علم کئی نسلوں کے بعد ہُوا۔

حشیشین کا صدر مقام الموت یعنی آشیانۂ عقاب تھا۔ یہ قلعہ ایک دُشوار گزار عمودی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کی مہیب اور سنگین دیواروں کے اندر ایک وسیع باغ سجایا گیا تھا۔ اس باغ میں عجیب وغریب درخت زمردیں دوب پر سایہ ریز تھے۔ مرمر کے فواروں سے اُچھلتی ہوئی ارغوانی شراب کی ہلکی پھوار سُورج کی کرنوں میں طلائی موتیوں کی

طرح جگمگاتی تھی۔ مرصّع ایوانوں اور آراستہ کوشکوں میں دیبا و حریر کے فرش بچھے ہوتے اور فضاء ان دیکھے موسیقاروں کے نغمات سے کیف بار رہتی۔ نوجوان افیون کے نشے میں سرشار اور سنہری خوابوں میں سرگشتہ جنت میں داخل ہوتے، اور حسین و جمیل دوشیزاؤں کی گداز باہوں اور نرم آغوشوں میں کھو جاتے۔

اس جنّت میں صرف نوجوانوں ہی کو اذن باریابی ملتا تھا۔ پہلے حشیش پلا کر ان کے حواس معطّل کر دیے جاتے پھر باغ میں لے جا کر چھوڑ دیا جاتا۔ جب وہ بیدار ہوتے تو اک ہنگامہ نکہت و نور ان کی خواب آلود نگاہوں کا استقبال کرتا۔ دو تین دن کے پیہم عیش و نشاط کے بعد انھیں پھر حشیش پلا کر جنّت سے باہر لے آتے۔ اور اُن سے کہا جاتا کہ تمھیں اس جنّت کی جھلک دکھائی گئی ہے جو موت کے بعد تمھاری منتظر ہے۔ یہ جنّت ارضی خوابوں کے جزیرا سے بھی زیادہ حسین تھی، اس جنّت کے دروازے کی لوح پر یہ عبارت کندہ تھی:

"سلامٌ علیٰ مستنصر باللہ امیر الدنیا و قاہر لسلاسل الدین"

لوگ حشیشین کو ایک پُراسرار اور اعلیٰ قوت سمجھنے لگے؛ یہ ایشیائے قدیم کا ایک راز سربستہ ہے۔ اُس پُراسرار سرزمین کا ایک کرشمہ، جہاں سیدھی راہیں بھی پیچ و خم ہوتی تھیں اور جہاں پیغمبر رمز و تمثیل کی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے۔ جہاں بھید مخفی اور ملفوف ہوتے تھے اور جہاں انسان ضابطے کے بجائے تصوّرات کے تابع تھے۔

۶

سراپردۂ خلافت

دراصل حشیشیین کرگسوں کی طرح تھے۔ جو اونچی چٹانوں پر کمین گاہوں میں بیٹھے، نیچے کی پُررونق وادیوں میں انسانوں کی ہر حرکت کا تیز نظروں سے جائزہ لیتے رہتے تھے۔ کوئی نہ جانتا تھا کہ ان کے منحوس پروں کا سایہ کہاں پڑے گا اور ان کی خونخوار چونچیں کس کی تکابوٹی کر دیں گی۔ ان کی آماجگاہ مشرقی ایران کا کوہستانی علاقہ اور لبنان کا شمالی سلسلۂ کوہ تھا جو صلیبی ریاستوں کو دُنیائے اسلام سے جُدا کرتا تھا۔ گزشتہ پُرآشوب صدی میں وہ اقتدار کی معراج کو پہنچ گئے تھے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر جگہ غالب و مُختار تھے۔

کچھ بھی ہو ابھی تک عباسی خلفاء بغداد میں حکمران تھے۔ قبائے رسُول ابھی تک ان کے شانوں کی زینت تھی عَلَم اور ملبوس میں ان کا امتیازی سیاہ رنگ ابھی تک باقی تھا، لیکن یہ خلیفہ محض نام کے حکمران تھے۔ زمام اختیار ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ انہیں تو پہلے خلفاء کی عظمت کا محض پرتو سمجھیے! بغداد کے شمال میں قدیم دجلہ و فرات کے جو بالائی

علاقے تھے، اُن میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کا جال بچھا ہُوا تھا۔ اِن ریاستوں کے جنگ آزما حکمران اتابیگ کہلاتے تھے۔ اِن حکمرانوں کے مشہور قلعے، حلب اور الروحہ تھے۔ حلب کا قلعہ سُرخ گیہوں کے لہلہاتے کھیتوں کے درمیان ایک بھوری چٹان کی چوٹی پر واقع تھا۔ الروحہ کے عظیم الشان قلعے میں گرجوں کے کھنڈر ماضی کی نشان دہی کرتے تھے۔ الروحہ کے شمال میں کوہ طورس حدِ فاصل کا کام دیتا تھا جس کے دامن میں جنگجو ارمنی قبائل کی بستیاں تھیں۔ اِس سے پرے ایشیائے کوچک کی بلند سطح مرتفع تھی۔ جہاں سُلطان روم قلیج ارسلان کے گھوڑوں کی چراگاہیں تھیں۔ وہ سلجوقی خاندان کا آخری تاجدار تھا اور بیزنطینیوں کو آہستہ آہستہ قسطنطنیہ کی دیواروں کی طرف دھکیل رہا تھا۔

اسی طرح سُلطان نورالدین زنگی مشرقِ اوسط کی بوقلمون سیاست کو ضبط و یکسانی کی لڑیوں میں پرو رہا تھا۔ اِس نے طوائف الملوکی اور انتشار کو مٹا کر نظم و وحدت کی بُنیادیں اُستوار کیں۔ عمادالدین زنگی کا یہ فرزندِ ارجمند نورالدین واقعی اسم بامسمیٰ تھا۔ وُہ اخلاق کا حامل تھا، مُنصف مزاج، سخت کوش، اور متقی۔ اب وُہ بوڑھا ہو چکا تھا اور بذاتِ خود جنگ و جدال میں افواج کی راہنمائی کرنے کے قابل نہ تھا، لیکن اس کے احکام کی تعمیل کے لیے شیرکوہ اور ایوب جیسے تجربہ کار سردار ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ یہ وُہ کُرد سردار تھے جن کے لیے سیاست ایک تفریح تھی اور جنگ ایک مشغلہ۔

عروس البلاد دمشق نورالدین کا پائے تخت تھا۔ لیموں اور سفیدے کے درخت اس کے شاداب باغوں کی زینت تھے۔ سبزے کی افراط کی وجہ سے فضا صحرا کے گرد و غبار سے پاک رہتی تھی۔ وُہ اِس پُرفضا شہر کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ اِس کی زندگی آرام سے گزر رہی تھی وہ جامع مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتا۔ مسجد کی رنگین شیشوں والی کھُلی کھڑکیوں سے سفید عمامے باندھے حافظ پیہم تلاوتِ قرآن میں مشغول نظر آتے۔ وُہ تلاوت سُنتا تو اس پر رقت و سوز کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اِسی مسجد کے ارد گرد

شہتوت کے گہرے سایوں تلے گلاب کے باغیچوں میں اسلام کے اوّلین دور کے مشاہیر کی قبریں اور مزار تھے۔ شہر کے چاروں دروازوں سے کبھی بچوں کے تیز قدموں کی چاپ سنائی دیتی جو بھاگتے ہوئے مکتب جاتے، کہیں ہانپتے ہوئے سُست خرام مریض دکھائی دیتے اور کبھی امراء کے پُرتمکنت قدموں کی آواز کانوں میں پڑتی۔

سُلطان نے دمشق کو امن و امان بخشا تھا۔ ہر طرف خوشحالی اور سکون تھا۔ محراب دار گلیوں کی سنگین جالیوں کے پیچھے کئی بوڑھے بے فکری سے آبنوس اور ہاتھی دانت کی مرصع بساطوں پر سفید سر جھکائے شطرنج کھیلنے میں مستغرق نظر آتے۔ کئی باریش جوان بازاری گپ سے دل بہلاتے۔ رات کو ہر طرف رنگینی و رعنائی کا سماں ہوتا۔ پُرشکوہ ایوانوں میں رنگین قالینوں پر اُجلے دسترخوان بچھے ہوتے۔ لوبان کی تیز خوشبو سے فضا گراں بار ہوتی اور عود و رباب کے تاروں کی کیف آفرینی سے ایک سرخوشی کا عالم طاری ہوتا۔ معنبر و معطّر شخصیتیں تمکنت و شان سے ایوانوں میں جلوہ افروز ہوتیں اور ضیافت کا پُرمسرت ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ جھروکوں کی مرمریں جالیوں سے لگے ہوئے کسی حسین چہرے کی منتظر سیاہ غزالی آنکھیں کوچہ و بازار سے گزرنے والے سایوں کا تعاقب کرتی ہوئی کسی امیر کے رسالے کی مشعلوں کی روشنی یا کسی نیم خوابیدہ راہرو کے چراغ کی جھلملاتی لَو میں گم ہو جاتیں۔

یہ سب کچھ امن کا کرشمہ تھا جو نورالدین کی حکمت عملی کا سنہری نتیجہ تھا۔ عمادالدین اتابیگ کے اس لائق فرزند کے حسنِ تدبیر کی وجہ سے مشرقِ اوسط ۱۱۶۹ء میں امن و سکون کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اس نے شمال کے شورش خیز علاقوں کو تسخیر کرنے کے بعد صلیبی معرکہ آزماؤں سے عارضی صُلح کر لی تھی۔ جنھوں نے سرزمینِ اسلام میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ سُلطان کے قلمرو اور غیر مُلکی صلیبی ریاستوں کے درمیان لبنان کا طویل علاقہ ایک قدرتی حدِ فاصل تھا جس کے ساتھ ساتھ دریائے اردن بہتا ہوا بحیرۂ مردار میں جا گرتا تھا۔

تاریخ میں القاہرہ محفوظہ اور فسطاط کے ناموں سے بھی مشہور رہے - یہ شہر در اصل ملکۂ نیل ہے۔ زرخیز، شاداب اور لازوال - سارے ایشیا کے تاجر اس کی طرف کھنچے چلے آتے اور اسکندریہ کی بندرگاہ سے جہاز ہفت اقلیم کے سمندروں کو روانہ ہوتے۔ صدیوں کی بے بہا دولت سے اس کے خزانے معمور تھے -

لیکن اس وقت قاہرہ کی حالت نہایت زار و زبوں تھی۔ عظیم الشان جامعہ سے ملے ہوئے محلات کے پُرشکوہ ایوان گذشتہ چند سال میں کُشت و خوُن کے کئی ہنگامے دیکھ چُکے تھے۔ باجبروت خلفاء کے مزار اور امراء کے مقبرے غفلت و نکبت کا شکار ہو چکے تھے۔ اُن کے دو و زدہ کھنڈروں میں بدوؤں کے خیمے نظر آتے تھے۔

فاطمی خلیفہ عالیشان محل میں رہتا تھا۔ غلام گردشوں میں سیاہ فام سوڈانی محافظ آبدار تلواریں سونتے پہرہ دیتے رہتے۔ گاہے گاہے بوقلموں فرشوں پر ان کے ہوشیار قدموں کی مدھم چاپ سُنائی دیتی۔ مرمریں فواروں کے گرد ہفت رنگ مور ناچتے اور زمردیں طوطے شور مچاتے۔ ایوان عام جواہرات سے بھرپور خزانے کی طرح جگ مگ کرتا۔ اِس کی مُرتفع چوبی چھت پر سونے کی کندہ کاری تھی۔ جس کی رُوپہلی ضیا میں نقرئی پرندوں کے سیمیں پَر اور یاقوتی آنکھیں چمک اُٹھتیں۔ خلیفہ شان و شوکت کے اِس خیرہ کار ماحول میں عوام کی متجسس نظروں سے روپوش رہتا اور ایوان عام میں جلوس بھی کرتا تو نفیس چرمی تاروں کی منقشی جھالروں کی اوٹ میں مشہور تھا کہ وُہ اور اس کے اہل حرم طلائی طشتریوں میں کھاتے اور عنبریں پیالوں میں پیتے ہیں۔ جب وُہ شہر سے باہر جاتا تو زربفت و اطلس کے محمل میں سواری کرتا اور شام کو ہوا خوری کے لیے نکلتا تو نیل کی خُنک سطح پر چاندی کے بجرے اس کے قدموں کے منتظر ہوتے۔

شہر میں طرح طرح کی افواہیں گرم تھیں۔ مثلاً کئی خوبصورت دوشیزائیں محل کی دیواروں میں قربانی کے طور پر زندہ چُنوا دی گئی ہیں۔ فوج ظفر موج بغداد کو مسخر

کرنے کے لیے پابہ رکاب ہے اور خلیفۂ بغداد کو مقید کرنے کے لیے ایک نقرئی پنجرہ بھی تیار کرایا گیا ہے۔ بعض افواہیں تو اس حد تک پہنچ گئیں کہ خلیفۂ مصر نے دریا کے کنارے ایک خفیہ طرب گاہ مقدس کعبہ کے نمونہ پر بنوائی ہے اور چاہ زمزم کے مقابلے میں ایک سنگ مرمر کا حوض تیار کرایا گیا ہے۔ جو ہر وقت شراب سے لبریز رہتا ہے۔ شاہی حرم کے پُرعافیت گوشوں میں اس قسم کی لرزہ خیز خبریں بھی سُنائی دے جاتیں کہ خلیفہ نے اپنے بیٹے کو زہر دے کر مروا دیا۔ اور شاہی کنیزوں کے اشارے پر ایک وزیر کی تکا بوٹی کر دی گئی۔

خلیفہ کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی؟ اصل اقتدار وزیر کے ہاتھ میں تھا۔ وزیر ہی حقیقی مختار اور آمر تھا، خلیفہ کی شخصیت محض نمائشی ہو کر رہ گئی تھی، سلطنت کا دماغ کمزور پڑ گیا تھا۔ خلیفہ اور وزیر کئی سال تک حملہ آوروں کو زر و مال دے کر اپنی سرحدوں سے ٹالتے رہے۔ خلیفہ کو خزانے جمع کرنے کا جنون تھا۔ انھوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے نورالدین کی ظفر مند افواج کے مقابلے میں صلیبیوں کو صف آرا کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے شیرکوہ کے حملے کی مدافعت کے لیے صلیبی معرکہ آزماؤں کو رشوت دے کر اس سے بھڑا دیا تھا اور دوسری مرتبہ انھوں نے یروشلم کے عیسائی حکمران کی یلغار روکنے کے لیے شیرکوہ کو مدد کے لیے بلایا تھا۔

یہ خطرناک سیاسی حیلہ گری زیادہ عرصے تک ان کی حفاظت نہ کر سکتی تھی۔ یروشلم کے عیسائی حکمرانوں اور دمشق کے مملوک امیروں کی نگاہ سے قاہرہ کی فراواں دولت اور

لہ یہاں مصنف نے مصر کے بادشاہ اور وزیر کی جس دورُخی پالیسی کی طرف اشارہ کیا ہے، درحقیقت سازش، بددیانتی اور غداری کی ایک طویل اور خونچکاں داستان ہے جس سے مصری امراء وزرا کی اخلاقی پستی واضح ہو جاتی ہے۔ صلیبیوں سے ساز باز اور ملت فروشی کے اس گھناؤنے پس منظر کے ساتھ جب ہم شیرکوہ اور صلاح الدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا حال سُنتے ہیں تو ان کی اخلاقی عظمت کے نقوش اور گہرے ہو جاتے ہیں۔ (مترجم)

دفاعی کمزوری پوشیدہ نہ رہی تھی۔ اِنھیں مصر کی دولت کا چسکا پڑ چکا تھا اور اب ان کی حریص نگاہیں قاہرہ کے زر و مال پر جمی ہوئی تھیں۔

یروشلم کا عیسائی حکمران ایمالرک اعلیٰ پائے کا جنگ آزما تھا۔ اس نے یقینی طور پر محسوس کر لیا تھا کہ قاہرہ اور سرزمین نیل کی تسخیر کے بعد ہی صلیبی حقیقی غلبہ کر سکتے ہیں، اسی طرح وہ دمشق کے مملوکوں کو نیچا دکھا سکتے ہیں۔ اِس مقصد کے لیے خلیفۂ مصر کے خزائن ہی کافی ہوں گے اور اگر وُہ قاہرہ اور رود بارِ سویز (جہاں موجودہ نہر سویز واقع ہے) فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو دُنیائے اِسلام کو شمالی افریقہ کی مسلمان سلطنتوں سے جُدا کر سکیں گے۔

اِسی طرح شیر کوہ کو بھی حالات کی نزاکت کا پُورا احساس تھا۔ اِس نے نُورالدین کو آگاہ کر دیا کہ بحیرۂ مردار کے جنوب میں واقع صلیبی قلعوں کا جو سلسلہ خلیج عقبہ کی طرف خنجر کی نوک کی طرح بڑھتا چلا گیا ہے، اِس سے دمشق اور قاہرہ کے مواصلات مُنقطع ہو جانے کا شدید خطرہ ہے۔ مسیحی حملوں کے خطرے سے بچنے کے لیے قافلوں کو بڑی ہوشیاری سے صحرا عبور کرنا پڑتا تھا۔ نُورالدین اچھی طرح جانتا تھا کہ قاہرہ کی فتح کے بعد صلیبی قلعوں کی اس بڑھی ہوئی نوک کو کیسے مملکتِ اسلام کے جسم سے نکالا جا سکتا ہے اور پھر دونوں جانب سے حملہ کر کے کس طرح یروشلم پر اِسلامی پرچم لہرایا جا سکتا ہے۔

۱۱۶۸ء کے آخر میں ایمالرک نے قاہرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ وُہ قاہرہ سے قریب تھا اس لیے جلد ہی موقع پر پہنچ گیا، لیکن نُورالدین کا جرنیل ایمالرک کے تعاقب میں ایک بہت بڑی فوج لے کر وہاں جا پہنچا۔ چونکہ ایمالرک اچانک حملہ کر کے قاہرہ کو نہ دبوچ سکا تھا، اِس لیے اِسے فوراً پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد وُہ قیصرِ روم کی اعانت حاصل کرنے قسطنطنیہ چلا گیا۔

لیکن شیر کوہ نے اپنی راہ نکال لی۔ وُہ موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے ایمالرک کی

پسپائی کو غنیمت سمجھا اور شجاعانہ یلغار کرتا ہوا حکومت مصر کے نجات دہندہ کی حیثیت سے قاہرہ میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ نے بظاہر بڑی گرمجوشی سے اِس کا خیر مقدم کیا، لیکن اس کے دل میں شک و شُبہات کے کانٹے چُبھے ہوئے تھے۔ یہ شیر کوہ سارے فوراً تکار وزیر پر جھپٹا، جو کئی برس سے سازش بازی، اور دو رُخی سیاست کا عیارانہ کھیل کھیل رہا تھا۔ خلیفہ نے بھی تائید کی کہ واقعی اب وزیر کا کانٹا نکل ہی جانا چاہیے، چنانچہ شیر کوہ کو خلعت بخش کر باقاعدہ طور پر وزیر مقرر کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ شیر کوہ صرف نام کا حُکمران نہیں، بلکہ حقیقی طور پر مصر کا آمرِ مُختار بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ متکبر کُرد، فاطمی عاملوں کو خاطر میں نہ لاتا اور خود اپنے محاصل جمع کرتا۔ اہل قاہرہ خوف و تحسین کے مِلے جُلے جذبات کے ساتھ اس کی حرکات کا بڑی دلچسپی سے مشاہدہ کرتے رہے۔ خلیفہ بدستور سراپردۂ حرم میں مستور رہا۔ شیر کوہ خلیفہ کو کیا زہر دلواتا وہ خود ہی اپنی کامرانی کے نقطۂ عروج پر چل بسا۔

شیر کوہ کی مرگ ناگہانی سے نورالدین کی فوج قیادت سے محروم ہو گئی اور خلیفہ کو فوج کی دستبرد سے بچانے والا کوئی نہ رہا۔ صورت حال انتہائی نازک تھی۔ فوجی سردار خلیفہ سے متفق تھے کہ فوری طور پر وزیر کا انتخاب ہونا چاہیے۔ فوجی سرداروں میں خوب گرما گرم بحث ہوئی اور بالآخر شیر کوہ کے مملوک امیروں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مرحوم کے بھتیجے کو نامزد کیا۔ یہ جواں سال امیر بہت ہردلعزیز تھا۔ خلیفہ بھی فوراً رضامند ہو گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ شیر کوہ کی نسبت اِس خام اور ناپختہ کار نوجوان سے معاملہ طے کرنا بدرجہا آسان ہو گا۔

چُنانچہ خلیفہ کے حُکم سے عُلماء اور قاضی نہایت تزک و احتشام سے ایک خلعت فاخرہ لے کر اس کے خیمے میں گئے اور نئے وزیر کو الملک الناصر کے خطاب سے سرفراز کیا یہ جواں سال وزیر صلاح الدین تھا۔

۷

صلاح الدّین

صلاح الدین اس وقت برسرِ اقتدار آیا جب مشرق اوسط کی بوقلموں سیاست غیر معمولی طور پر تغیّر پذیر تھی، اِسے سخت کٹھن کام درپیش تھا۔ ایک طرف وہ "شیعہ" خلیفہ کا وزیر تھا تو دوسری طرف دمشق کی سُنی العقیدہ فوج کا سپہ سالار۔ ملک اندرونی شورشوں اور بیرونی خطروں سے دوچار تھا۔ بحالی امن کے لیے مُفسد اور سازشی عناصر کے انسداد کے علاوہ اسے یروشلم کے کُہنہ مشق جنگجو حکمران کے حملے کا خطرہ بھی ہر دم لاحق تھا۔ چند امیر اس گمنام نوجوان کی سیادت کو گوارا نہ کر سکے اور آتش حسد سے جل کر اپنے لشکروں سمیت دمشق واپس چلے گئے۔ باقی ماندہ امیر منتظر تھے کہ کب نورالدین اس کی جگہ کسی اور کو نامزد کرتا ہے۔

لیکن صلاح الدین[1] نہایت صبر و سکون سے ان پریشان کن حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ بالآخر وہ

---

[1] مسلمان مؤرخ عموماً صلاح الدین کو اس کے لقب الملک الناصر سے یاد کرتے ہیں۔ صلیبی جنگ آزماؤں نے اس کے نام کی شکل بگاڑ کر "صلادین" کر دی تھی۔ چنانچہ گزشتہ سات صدیوں سے وہ عیسائی دُنیا میں اسی نام سے مشہور ہے۔ (مصنف)

کامیاب ہُوا اور اس نے اپنے عظیم الشان یورپی ہم عصر حکمرانوں، یعنی فریڈرک بار بروسا اور رچرڈ شیر دل سے بھی زیادہ ناموری و شہرت حاصل کی۔

ابتدا ہی سے وہ متحمل اور مستقل مزاج تھا۔ اس کے آباؤ اجداد کُرد تھے۔ کُردستان کے کوہستانی علاقوں میں شیخ قبیلہ کی سیادت مسلّم تھی۔ سکاٹ لینڈ کے کوہستانی قبائل کی طرح اس زمانے کے کُرد بھی دو ضابطوں کے پابند تھے۔ یعنی تلوار اور اطاعت امیر کا ضابطہ۔ وُہ عربوں کے مثیل تھے، ویسے ہی لانبے، پتلے، بلاکوش اور جفا کش۔ ان کے اخلاق میں قدیم یُونانی بزرگوں کے شریفانہ تفاخر کی جھلک نظر آتی تھی، ان کا قول ان کی ضمانت تھا، ان کے نمک خوار ان کی تلوار کی زد سے مامون رہتے۔ کُرد فطرتاً جنگجو اور مذہباً نیک مُسلمان تھے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کرد کو محض جنگ آزمائی سے کوئی رغبت نہ تھی۔ اسے محض لڑنے کے لیے لڑنا گوارا نہ تھا۔

اس بُخار زدہ لاغر اندام اِنسان میں اِتنی قوت نہ تھی کہ جنگ کو تفریح بنا سکے وہ طبعاً امن پسند اور صُلح پسند تھا، اسے ـــــ جنگ و جدال، اور لڑائی جھگڑوں سے نفرت تھی، وہ بااخلاق، باحیا اور خاموش طبع انسان تھا۔ اسے عُمدہ گھوڑے، نفیس شراب اور اعلےٰ کتابیں پسند تھیں۔ وُہ چوگان کا اچھا کھلاڑی تھا اور مطالعہ و فراغت کو اعزاز و القاب پر ترجیح دیتا تھا۔

وُہ مصر جانے پر آمادہ نہ تھا، "خُدا کی قسم اگر مجھے مصر کا تاج و تخت بھی پیش کیا جائے تو مَیں نہیں جاؤں گا۔ مَیں ان مصائب کو کیسے بھُول جاؤں جو مَیں نے اسکندریہ میں جھیلے تھے"۔

لیکن اسے سُلطان نورالدین کے فرمان پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ وہی نوجوان سپہ سالار تھا جس نے ایک دفعہ شیرکوہ کے حُکم سے مسیحی محاصرین کے خلاف اسکندریہ کی اڑھائی مہینے تک دلیرانہ مدافعت کی تھی۔ اس کی آمد پر یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ صلیبی سپاہی بھی

اس کی مراجعت پر خوش ہیں۔ وہ اس کے قدر شناس تھے۔

"تقدیر کا لکھا دیکھئے ابھی صلاح الدین اب مصر کا حاکم ہے۔" بازاری مسخرے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہتے۔

ہمیں صلاح الدین کے ابتدائی حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں۔ اس کی زندگی کا انداز زاہدوں اور عالموں کا سا تھا جس میں کوئی سپاہیانہ شان نہ تھی، لیکن اس کے باوجود دنیائے اسلام کے حکمران اسے عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے اور عسکر و سپاہ نے بلا چون و چرا اس کی سیادت تسلیم کر لی۔ اس نے ثابت کر دیا کہ واقعی وہ اعلیٰ صفات کا قائد ہے۔ جب قاہرہ کے شورش پسند عناصر نے فساد برپا کیا تو اس نے شورش کے سرغنوں کو بے دریغ تختۂ دار پر لٹکا دیا اور جب دشمن نے دمیاط پر پیش قدمی کی تو اس نے دشمن کو فوراً اُلٹے پاؤں مار بھگایا۔

پھر اس نے تیزی سے صحرا کو عبور کر کے ایمارک کی سرحدی چوکیوں کو تہس نہس کر دیا۔ ان کامیابیوں کے باوجود وہ قاہرہ کی پریشان کن ذمہ داریاں قبول کرنے پر رضامند نہ تھا۔ اس کا زیرک اور سیاست دان باپ ایوب دمشق کا والی تھا۔ جب وہ قاہرہ آیا تو صلاح الدین فوراً اس کے حق میں وزارت سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن بوڑھے کُرد نے اس کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"میں تمہاری قسمت میں کیوں دخل دوں۔ خدا وزارت تمہیں مبارک کرے۔"

چنانچہ صلاح الدین اپنی تمام تر توجہ بدنظمی کا انسداد اور نظام حکومت بحال کرنے پر صرف کرنے لگا۔ اس نے نہایت تن دہی اور جانفشانی سے یہ کام سرانجام دیا اور ثابت کر دیا کہ واقعی وہ حاکم بننے کا اہل ہے۔

قاہرہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ آگ سے جلے ہوئے، طاعون سے اُجڑے ہوئے اور گندے پانی سے سڑے ہوئے اس شہر کو کئی نسلوں سے مضبوط حکومت نصیب نہ ہوئی تھی۔

نئی آبادی کے محلّے اور مسجدیں پُختہ موٹی اینٹوں کی فصیل کے اندر واقع تھیں، ورنہ باقی شہر ایک نیم برباد خرابے کی طرح بھوری پست پہاڑیوں اور غزہ کے اہرام کی چوٹیوں کے درمیان پھیلا ہُوا تھا۔ کھنڈروں میں دن کے وقت بدو منڈلاتے پھرتے اور جب دریا پر شام کی دُھند چھا جاتی، مقبروں کے پتّھر اُکھاڑ کر لے جاتے۔ لیکن بازاروں میں گہما گہمی بدستور تھی، ملبے کے ڈھیروں سے دولت کی چمک ماند نہ پڑی تھی۔ بازار کی محرابوں تلے خوش رنگ قالینوں کے انبار لگے رہتے اور پٹ سن کی گانٹھوں کے ساتھ روغن زیتون سے لبریز مرتبان رکھے نظر آتے۔ فارس کے جواہرات، مروارید اور ہند کے گرم مسالوں سے معمور صندوقچوں کے اُوپر رات کو رنگدار قندیلوں کی روشنی کھیلتی اور آہنی دروازوں کے باہر المغرب اور تریے کے قوی ہیکل شمشیر باز پہرے پر ایستادہ ہوتے۔ تنگ اور پُر پیچ سوق کی بھول بھلیّوں میں ہر وقت طرح طرح کے تاجروں اور خریداروں کا ہجوم رہتا۔ نیلے لباس والے یہودی، آرمینیا اور وینس کے عیسائی خریداروں سے اُونچی آواز میں تکرار کرتے سُنائی دیتے۔ ان نصرانی خریداروں کے گلوں میں گھنٹیاں آویزاں ہوتیں جو ان کے عقیدے کا اعلان کرتی رہتیں۔

یہ الف لیلہ کی دُنیا کا ایک شہر تھا۔ شب و روز پُر رونق رہنے والا عافیت کدہ اور دانش گاہ۔ جُبّہ و عمامہ سے آراستہ عرب شیوخ اور سُرخ کپڑوں میں ملبوس حبشی سوق میں شانہ بہ شانہ چلتے نظر آتے۔ دیبا و حریر میں سر تا پا ملفوف نازک اندام چرکسی کنیزیں، عصا بردار، سیاہ فام خواجہ سراؤں کے حلقوں میں تیزی سے گزر جاتیں اور فضا خوشبو سے مہک اُٹھتی۔ غلاموں کی منڈی میں نووارد نیلی آنکھوں والی سفید خام یُونانی کنیزوں کو تُرک زادے بے باک نگاہوں سے گھورتے۔ جواہر نگار خلعتوں میں ملبوس مملوک امراء مہینہ بھر میں کچی اینٹوں کے محل کھڑے کر دیتے اور مقتول دشمن کی لاش پر قالین بچھا کر دعوت اُڑانے سے بھی گریز نہ کرتے۔

لیکن صلاح الدین اس گہما گہمی اور ہنگامہ پروری سے بے تعلق رہا۔ اس نے فاطمی

امراء کے بجائے اپنے امیر مقرر کیے۔ جب اس کے امیر خالی شدہ محلات کو لوٹنے میں مصروف تھے، صلاح الدین مسجد کے نزدیک ایک چھوٹے سے گھر میں مقیم رہا۔ اِس نے شہر میں ایک گراں قدر کتب خانہ ڈھونڈ نکالا جس میں ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں تھیں۔ منتخب مسودے اپنے گھر بھجوا کر باقی ماندہ ساری کتابیں اُس نے ایک مشہور عالم قاضی الفاضل کی نذر کر دیں اور انھیں ہمیشہ کے لیے اپنا دوست بنا لیا۔

اِس نے شراب نوشی اور لہو و لعب کے مشاغل ترک کر دیئے اور سادگی بجنت کوشی کی زندگی اختیار کر لی۔ وُہ طلوعِ سحر سے پہلے بیدار ہو جاتا اور وضو کر کے نمازِ فجر ادا کرتا۔ اس کے بعد خُدام اس کی سلامی کے لیے حاضر ہوتے، وُہ تازہ پانی سے ڈھلا ہُوا تھوڑا سا پھل ناشتے کے طور پر کھاتا، پھر صف بستہ لشکر کا معائنہ کرتا اور سالاروں کی رپورٹیں، عُلماء اور سوداگروں کی شکایات سُنتا۔ ان کے رُخصت ہو جانے کے بعد وُہ گھوڑے پر سوار ہو کر حسبِ معمول معائنے کے لیے نِکل جاتا اور دھوپ کی گرمی تیز ہونے سے پہلے پلٹ آتا۔ معائنے کے وقت وُہ وقار و تمکنت کا پیکر معلوم ہوتا۔ لمبا پتلا چھریرا نوجوان، تیر کی طرح سیدھا۔ اِس کی آنکھوں میں پُرسکون اور فکر انگیز چمک جلوہ گر ہوتی، اس کی سیاہ طربوش پر سفید عمامہ ہوتا اور اس کے سیاہ جُبّے کی کھُلی آستینوں کے حاشیے زربفت کی چمک سے جگمگاتے۔ اِس کے کمربند میں عربی تلوار آویزاں ہوتی۔ تلوار کا دستہ سونے کا یا سنگ یشب کا ہوتا۔ اِس کے اصطبل میں خالص عربی نسل کے گھوڑے ہنہناتے، گھوڑوں کی لگامیں اور ساز و سامان سونے اور چاندی کے سکّوں سے جھلمل جھلمل کرتے۔ زرہ و زرہ بکتر میں ملبوس محافظ دستے حلقہ باندھے اس کے گرد ہوتے۔ جلوس کے آگے سوار چاندی کے نقارے بجاتے چلتے اور ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے سوڈانی سپاہی بلند آواز سے پکارتے "الملکُ الناصر تشریف لاتے ہیں"۔

اہلِ مشرق حکمرانوں سے شان و شکوہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر صلاح الدین لمحہ بھر کے لیے

بھی زمامِ اقتدار میں ڈھیل آنے دیتا تو شاید تسلیم بجا لاتے ہوئے ہجوم میں سے کچھ لوگ خنجر نکال کر اُسے لوٹنے کے لیے چل پڑتے۔

لیکن یہ نوبت نہ آئی۔ اپنے والد ایوب کے دانش مندانہ مشوروں اور مرحوم شیرکوہ کے مملوک امیروں کی اطاعت سے اِس کا اقتدار مستحکم ہو گیا۔ اِن مملوک امیروں میں سے قراقش نامی امیر فنِ قلعہ سازی کا ماہر تھا۔ جب تباہ کن زلزلے کے بعد قاہرہ کی فصیلیں مسمار ہو گئیں تو اِس نے شہر سے متصل پہاڑیوں کے سلسلے پر ایک نیا قلعہ تعمیر کرایا، جس کی مضبوط فصیل شہر سے ہوتی ہوئی دریائے نیل تک چلی گئی تھی۔

صلاح الدین کے تمام اعزّہ قاہرہ میں جمع ہو گئے۔ ان میں اس کا نوجوان اور شجاع بھتیجا تقی الدین بھی تھا جو شمالی کردستان کے وحشی شہسواروں کا سالار تھا۔ صلاح الدین کو اپنے جنگ آزمودہ، بے خوف اور متلوّن مزاج بھائی تُوران شاہ کے آنے سے بھی بہت تقویت حاصل ہوئی۔

سُلطان نُور الدین نے اِسے تہنیت کا پیغام اور تازہ دم فوج بھیجی اور اسے اپنے ارادوں سے بھی مطلع کیا۔ سُلطان نُور الدین فتحِ مصر کے منصوبے پر بہت مسرور تھا، یہ اِس کی دیرینہ آرزو تھی۔ اِس کی خواہش تھی کہ خلیفۂ مصر کو معزول کرنے کے بعد صلاح الدین صلیبی ریاستوں کے استیصال میں اِس کا ہاتھ بٹائے اور وہ دونوں بیک وقت مصر و شام سے صلیبی ریاستوں پر یلغار کر کے اِنھیں پیس ڈالیں۔

لیکن صلاح الدین فوری طور پر سُلطان کا فرمان پُورا نہ کر سکا۔ اِسے خوب معلوم تھا کہ معمّر سُلطان اب لب گور پر ہے اور اگر اس وقت وُہ مصر کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سُلطان کے ساتھ شامل ہو گیا تو مصر پھر بدامنی اور فساد کی لپیٹ میں آ جائے گا اِس کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور سُلطان کے لشکر میں وُہ بے دست و پا ہو کر رہ جائے گا غالباً کسی دوسرے امیر کو اس کی جگہ تعینات کر دیا جائے گا، لیکن اِسے سُلطان کی مخالفت

اور ناراضی بھی گوارا نہ تھی۔ چنانچہ ایوب کے مشورے پر صلاح الدین نے انوکھی حکمت عملی سے کام لیا۔ جب سلطان نورالدین اپنی فوج سمیت شمالی شام میں مصروف پیکار ہوتا تو وہ صحرا کے کنارے پر واقع صلیبی قلعوں پر پے در پے حملے شروع کر دیتا اور جب سلطان کو اس کی یلغار کی خبر ملتی اور وہ خوشی خوشی اس کی امداد کے لیے جنوب کا رخ کرتا تو صلاح الدین کسی نہ کسی مصلحت ملکی کے بہانے دشت سینا کو عبور کر کے واپس مصر چلا جاتا۔

لیکن بوڑھا پختہ کار سلطان جلد ہی اس آنکھ مچولی کی غایت سمجھ گیا۔ چنانچہ یہ افواہ پھیل گئی کہ سلطان بنفس نفیس مصر پر اقدام کر کے اس کے نوجوان مالک کو معزول کر دینا چاہتا ہے۔

صلاح الدین نے مجلس مشاورت طلب کی۔ ایوب کے ساتھ اس کے قرابت دار، نامور امیر اور مملوک سردار قالین پر بیٹھے تھے۔ صلاح الدین نے ان سے سوال کیا "اگر سلطان نورالدین مصر پر حملہ آور ہو تو آپ لوگ کیا کریں گے؟"

تقی الدین نے پرجوش لہجے میں کہا "ہم سلطان سے جنگ کریں گے اور اسے سرزمین مصر سے دھکیل دیں گے۔"

حاضرین نے تقی الدین کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ صلاح الدین کے پروردہ اور نمک خوار ہیں، وہ اس کا ہر طرح ساتھ دیں۔

یہ سنتے ہی بوڑھا ایوب بپھر گیا۔ اس نے اپنا سفید سر اٹھاتے ہوئے کہا "میں تمہارا باپ ہوں اور الحریمی تمہارا چچا ہے، اگرچہ یہ لوگ تمہارے وفادار ہیں لیکن ہم سے زیادہ تمہارا کوئی خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔"

"بجا ارشاد ہوا۔"

"خوب! تو پھر کان کھول کر سن لو! اگر میں اور تمہارا چچا سلطان نورالدین کو دیکھ پائیں تو ہماری گردنیں خود بخود ادب سے جھک جائیں گی۔ ہم فوراً اُن کی رکاب کو بوسہ

دے کر زمین بوس ہو جائیں گے اور اگر سُلطانِ معظّم ہمیں تمہاری گردن اُڑانے کا حُکم دیں تو یقین رکھو ہم فوراً تعمیل کریں گے۔ یہ ہے ہماری نیّت اور جلالِ سُلطانی کے رُوبرو ان لوگوں میں سے کسی کی جُرأت نہ ہو گی کہ اپنے گھوڑے کی زین پر ڈٹا رہے۔ ہر ایک شرف قدمبوسی حاصل کرنے کے لیے دَوڑے گا۔ یہ مُلک، یہ لشکر و سپاہ، سب کچھ سُلطان کا ہے اور اگر سُلطان معظم کسی اور کو تمہاری جگہ مقرّر فرمانا چاہیں تو ان کا حق ہے۔ ہم ان کے مقرّر کردہ امیر کی بسر و چشم اطاعت کریں گے۔"

مجلس مشاورت کے تمام ارکان نے بیک آواز تائید کی اور کہا:۔

"واقعی، ہم سُلطان کے غلام اور نمک خوار ہیں۔" اِس کے بعد صلاح الدین نے مجلس مشاورت برخاست کر دی اور تخلیے میں ایوّب نے اپنے بیٹے کو بڑے تلخ انداز میں سمجھایا[1]۔

"تم تو نرے بیوقوف ہو، احمق کہیں کے! یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ تم اِن لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنے ارادے پیش کرنے لگے۔ اگر سُلطان نورالدین کو تمہارے اِس احمقانہ منصوبے کا عِلم ہو گیا تو وُہ یقیناً مصر پر حملہ آور ہو گا اور اس وقت

---

[1] کیا مصر پر قبضے کے بعد صلاح الدین کی وفاداری متزلزل ہو چکی تھی؟ اِس سوال پر مؤرخین میں اختلاف ہے۔ صلاح الدین کے حصن الشوبک اور کرک کا محاصرہ اچانک ختم کر کے واپس چلے جانے سے ان شکوک و شبہات کو تقویت پہنچتی ہے لیکن یہ شُبہات دُور ہو جاتے ہیں، اگر یہ بھی معلوم ہو کہ مصر میں بغاوت کے آثار تھے اور فاطمی گروہ سازشوں میں مصروف تھے۔ اِس امر کی تصریح صلاح الدین نے اپنے خط میں کر دی تھی جو اس نے سُلطان کو واپس آنے کے بعد تحریر کیا تھا۔ بعض مؤرخ مجلس مشاورت اور نجم الدین ایوب کی تقریر کو مُستند نہیں سمجھتے، لیکن ابن اثیر کے قطعی بیان کا ابطال بھی آسان نہیں، کیونکہ سُلطان صلاح الدین کے حالاتِ زندگی پر وہ نہایت معتبر سمجھے گئے ہیں۔

(مترجم)

تمہارے ان وفاداروں میں سے کوئی بھی تمہاری حمایت پر نہیں آئے گا۔ مجھے تو یہاں تک یقین ہے کہ ان میں سے اکثر سُلطان کو فوراً تمہارے ارادوں سے مطلع کر دیں گے، تم اِسی وقت سُلطان کو لِکھو مجھے حلقہ بگوش بنانے کے لیے حضور لشکر کشی کی زحمت کیوں گوارا فرمائیں۔ اِس سے بہتر ہے کہ میری گردن میں کپڑا ڈال کر میرا گلا گھونٹ دیا جائے۔ جب وُہ تمہارا خط پڑھے گا تو اُس کا دِل تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائے گا اور وُہ بے کھٹکے اپنی سلطنت کے اہم امور میں مصروف ہو جائے گا۔ اِس طرح سے تمھیں مُہلت مِل جائے گی۔ اللہ پر بھروسا رکھو وُہ علیم و خبیر ہے؟ لہ

صلاح الدین نے محسُوس کیا کہ اس کے والد نے ٹھیک کہا ہے۔ مصری فوج واقعی صلاح الدین کی وفاداری تھی، لیکن یہ ناممکن تھا کہ سُلطان نُور الدین چڑھائی کرے اور فوج صلاح الدین کا ساتھ دے۔ ایسی صُورت میں ساری فوج اُسے چھوڑ کر سُلطان کے پرچم تلے جمع ہو جاتی۔ چُنانچہ صلاح الدین نے ایک نہایت جُرأت مندانہ اقدام کیا۔

اگلے جُمعہ کو لوگ گروہ در گروہ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ یہ عالیشان مسجد بہت کُشادہ تھی۔ اِس کے صحن اور برآمدوں میں نمازیوں کی صفیں آراستہ تھیں۔ مسجد کی اُونچی چھت میں قندیلیں اور بلوریں فانُوس آویزاں تھے جن کی روشنی صاف اور خوش رنگ قالینوں پر پڑ رہی تھی۔ مسجد کی فضا نہایت پُر سکون اور عقیدت افزا تھی۔ جب امام حجرے سے منبر کی طرف بڑھا تو ہر سمت سے نظریں اس کی طرف اُٹھیں۔ گہرا سکوت چھا گیا جس میں لوگوں کے تیز تنفّس کی آواز صاف سُنائی دے رہی تھی۔ لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ امام حسبِ دستور سفید کپڑوں میں

لہ ابن اثیر کی روایت ہے کہ خلوت میں نجم الدین ایوب نے اپنے بیٹے کو پُوری حمایت کا یقین دلایا اور کہا۔

واللہ، لو اراد نور الدین قصبۃ من السکر لقاتلتہ الا علیھا حتی امنعہ او اقتل

خُدا کی قسم اگر نُور الدین ہمارے رکھیتوں میں سے) ایک بھی گنّا توڑنے کا قصد کرے تو میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک اِسے روک نہ دُوں یا لڑتا ہُوا مارا نہ جاؤں۔ (مترجم)

نہیں بلکہ عباسیوں کے سیاہ لباس میں ملبوس ہے۔ اس کا عمامہ بھی سیاہ تھا اور سُنّت صحابہ کے طور پر اس کے پٹکے سے تلوار بھی آویزاں تھی۔ مُرصّع منبر پر چڑھتے ہوئے اس نے لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے تلوار کی نیام سے تین مرتبہ منبر کے چوبی تختوں کو کھٹکھٹایا، لیکن اس کی ضرورت نہ تھی، لوگ پہلے سے ہی دم بخود تھے۔

امام نے تسبیح و تہلیل کے بعد خطبہ شروع کیا۔ اس کی مترنم آواز مسجد کی محرابوں میں گونجنے لگی "سلام علیٰ اہلہ واصحابہ، سلام علی امھات المؤمنین، وسلام علی امیر المومنین الخلیفہ المستضی بامر اللہ ۔۔۔"

لمحہ بھر کی حیرت اور تذبذب کے بعد حسب معمول نماز جمعہ ادا کی گئی۔

یہ نہایت جرأت مندانہ اقدام تھا۔ امام نے فاطمی خلیفہ کے بجائے خلیفۂ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا تھا مسجد کے قریب ہی محل میں، اطلس و کمخواب کے پردوں کے پیچھے فاطمی خلیفہ موجود تھا لیکن مجبور صلاح الدین نے خلیفہ مصر کو عملاً معزول کر دیا تھا۔ اس اقدام سے بہت سے لوگ اس کی جان کے دشمن اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، لیکن اس نے مخالفت کی پروا کیے بغیر علانیہ اپنا موقف واضح کر دیا تھا کہ خلیفۂ بغداد کے سوا وہ کسی اور کی خلافت و سیادت تسلیم نہیں کرتا[1]۔

صلاح الدین نے فوراً خلیفۂ مصر کے خزانوں پر بھی قبضہ کر لیا، جن کی سنگین دیواروں کے اندر سونے اور چاندی کی اینٹیں چھت تک چنی ہوئی تھیں، کافوری صندوقچے، نایاب قیمتی پتھروں سے لبریز تھے۔ ہم وزن اور ہم رنگ، تراشیدہ اور ناتراشیدہ، سُفتہ و ناسُفتہ

---

[1] اگرچہ عملی طور پر صلاح الدین مصر کا مالک و مختار تھا، لیکن اس نے خلیفۂ بغداد کے ساتھ سلطان نورالدین کے نام کا بھی خطبہ پڑھوایا اور اسی کے نام پر سکّے مضروب کئے گئے۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صلاح الدین خلوصِ دل سے سلطان کی سیادت کو تسلیم کرتا تھا اور سلطان نورالدین نے حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر مصر کے معاملات میں مداخلت ترک کر دی تھی۔ (مترجم)

جواہرات احاطۂ شمار سے باہر تھے۔ اِس کے علاوہ بیش قرار موتیوں سے مرصّع طلائی طاؤس اور آبنوسی چیتا بھی دستیاب ہوئے۔ خزانوں پر قبضہ کر لینے کے بعد صلاح الدین نے قراقش کو حکم دیا کہ حصار کی تعمیر بہ عجلت تمام مکمّل کی جائے۔ قراقش نے شہر پناہ اور آب رسانی کی نہر بنانے کے لیے اہرام کے وزنی پتھر بھی استعمال کرنے سے دریغ نہ کیا۔ نہر کوہستانی چشموں سے صاف پانی لانے کے لیے بنائی گئی تھی۔ شہر کے گندے پانی کے نکاس سے دریا کے پانی میں سڑاند پیدا ہو جاتی تھی، چنانچہ دریا کے متعفّن پانی کے بہاؤ کو شہر سے دُور رکھنے کے لیے ایک مضبوط بند تعمیر کیا گیا۔ سلطان نورالدین کی تقلید میں اِس نے بھی قاہرہ میں ایک دارالعلوم اور شفاخانہ قائم کیا۔

ایک ہسپانوی عرب مؤرخ جس نے کئی سال بعد شفاخانے کو دیکھا تھا، اپنے مشاہدات یوں قلم بند کرتا ہے:-

"اِس نے ایک لائق اور تجربہ کار طبیب کو شفاخانے کا ناظم مقرر کیا، جس کے پاس ہر قسم کی دواؤں کا وافر ذخیرہ تھا۔ شفاخانے کی محل نما عمارت کے عالی شان ایوانوں میں پلنگ بچھے تھے جن پر اُجلے بستر لگے ہوئے تھے۔ صبح و شام خدام مریضوں کی تیمارداری کرتے۔ اِس شفاخانے کے بالکل سامنے عورتوں کے لیے علیحدہ شفاخانہ تھا۔ اِس کے قریب ہی ایک کشادہ عمارت تھی، جس کے کمروں کے آہنی دروازوں کے پیچھے خطرناک قسم کے پاگل مریضوں کو بند رکھا جاتا تھا۔ صلاح الدین کو شفاخانے سے بڑی دلچسپی تھی، وہ ہر معاملے کو بغور پرکھتا اور ہر بات کی بطورِ خود تحقیق کرتا۔"

رفتہ رفتہ اِس کے دربار کی رونق بڑھنے لگی۔ بہت سے اہلِ کمال اِس کے دربار میں جمع ہو گئے۔ اِس زمانے کے تقدیر پرست لوگوں کا خیال تھا کہ حکومت فضلِ ربّی کا نشان ہے، چنانچہ لوگ دولت و شہرت کی تلاش میں خوش بخت حکمرانوں اور بلند اقبال فاتحین کے دروازوں پر دستک دیتے۔

قاضی الفاضل کو سلطنت کے ناظم الامور کا منصب دے دیا گیا۔ نئے نئے چہرے صلاح الدین کے دربار میں نظر آنے لگے۔

عرب[1] فقیہ عیسے الہکاری کی عزت افزائی گئی۔ شاعر، نجومی اور مقرر "علوہ"[2] یعنی عقاب کو بھی اعلےٰ منصب عطا کیا گیا۔ صلاح الدین کو علماء و فضلا کی صحبت میں رہنا بہت مرغوب تھا۔

امن و امان کے باوجود اسے یہ فکر تھی کہ اگر سلطان نورالدین نے حملہ کر دیا تو کہاں پناہ لی جائے۔ چنانچہ اس نے احتیاطاً توران شاہ کو کسی محفوظ مقام کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ توران شاہ دریائے نیل کے چڑھاؤ کے رُخ پر جنوب کی طرف نکل گیا۔ وہ سیاہ فام حبشیوں کی وحشیانہ حرکات سے سخت متنفر ہو کر واپس آیا، کیونکہ جب وہ ان سے خطاب کرتا تو وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگتے۔ بہر کیف توران شاہ نے صحرائے عرب میں اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

لیکن وقت کی تیز رفتاری نے اسے جائے پناہ کی تلاش سے بے نیاز کر دیا۔ پہلے اس کا باپ ایوب اچانک مر گیا۔ وہ تنومند بوڑھا گر د بڑی بے پروائی سے سرپٹ گھوڑا دوڑائے شہر کے دروازے سے باہر جا رہا تھا کہ گھوڑا بدکا اور وہ گر کر مر گیا۔ یروشلم کا حکمران ایمالرک بھی چل بسا اور سلطان نورالدین کو بھی موت نے مصر پر فوج کشی کی مہلت نہ دی۔

---

[1] مصنف نے عج بری تحریر کیا ہے جو ظاہر ہے الہکاری کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہے جسے غالباً ہم عصر یورپی تذکرہ نویسوں نے بگاڑ دیا۔ ظاہر ہے شہاب الدین محمود الحاری فقیہ نہیں تھا بلکہ عمائد میں شامل تھا۔ اس لیے یہاں اوّل الذکر سے مُراد ہے۔ (مترجم)

[2] لفظ "علوہ"، کی تحقیق نہیں ہو سکی کہ یہ کس امیر کا نام یا خطاب تھا۔ (مترجم)

یہ واقعات ۱۱۷۴ء میں رُونما ہوئے۔ دمشق کی نو زائیدہ سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ فوجی امیر خود مُختار حکمران بن بیٹھے۔ یہ حالات نہایت تشویشناک تھے، اسلامی سلطنت کا اتحاد خطرے میں تھا۔ صلاح الدین نے حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد سلطنت کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لیے تمام ذمہ داریاں خود سنبھال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ واقعی وہ نورُالدین کا بہترین جانشین ثابت ہُوا اور وہی نُورالدین کے بلند مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا اہل تھا۔ اِس کی شخصیت اور اس کا کردار اس کی کامیابی کی ضمانت تھے۔ وُہ نہایت متحمّل مزاج اور صابر انسان تھا، لیکن اس کی بُردباری میں آبدار فولاد کی سی چمک اور ناقابلِ شکست سختی تھی۔

۸

اعلانِ جنگ

جہاد ابتدا ہی سے صلاح الدین کے پیشِ نظر تھا۔ اِسے خُوب معلوم تھا کہ صرف جہاد سے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوت کی شیرازہ بندی ہوسکتی ہے۔ ترکمان، کُرد، عرب، اتابیگ، بدوی قبائل کے شیوخ اور مصر کے اُمراء صرف نعرۂ جہاد ہی سے متحد ہو سکتے ہیں۔ اِن متفرق اور متحارب گروہوں کو جمع کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وُہ یہ کہ عَلَمِ جہاد بلند کیا جائے۔

چُنانچہ اس کی طرف سے خلیفۂ بغداد کی خدمت میں ایک عرضداشت روانہ کی گئی جس میں اِس نے صلیبی حملہ آوروں کے خلاف اپنے کارناموں کے تذکرے کے بعد اپنے عزمِ جہاد کا اعلان کیا تھا۔ ”دُنیائے اِسلام کو صرف جہاد ہی کے ذریعے ان غیر مُلکی حملہ آوروں سے نجات مِل سکتی ہے۔ خُدا کے فضل سے قاہرہ کی حکومت امیرالمؤمنین کے سامنے سرنگوں ہو چکی ہے اور انشاءاللہ مَیں جلد ہی خلیفۂ اِسلام کا پرچم یروشلم پر بھی لہرا دوں گا۔“

لیکن اِس عزم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بارہ سال لگ گئے۔ اِس عرصے میں

سُلطان پیہم قتال و جدال میں مصروف رہا۔ اِس کے یہ بارہ سال اپنے مرحوم آقا کی پراگندہ سلطنت کے ٹکڑوں کو متحد کرنے، بغاوتوں کی آگ بجھانے اور صلیبی ریاستوں کے خلاف لشکرکشی میں گزر گئے۔ جہاد کے اعلانِ عام سے پہلے مُلکی اور فوجی استحکام ضروری تھا۔ صلاح الدین نے نہایت تدبّر اور دانش مندی سے شام اور مصر کی قوتوں کو متحد کر لیا تھا۔ وُہ اِسلامی دُنیا کی سیاسی روایت سے آشنا تھا کہ صرف دستِ شمشیر زن ہی عصائے حکومت سنبھال سکتا ہے۔

اِس نے کئی بار اپنے مُسلمان حریفوں کے خلاف بھی فوج کشی کی لیکن اُسے مُسلمانوں کے خلاف شمشیر آزمائی سخت ناگوار گزرتی۔ وہ ہمیشہ اُس وقت تلوار اُٹھاتا جب مصالحت کی ہر تدبیر ناکام ہو جاتی۔

"بے کار خونریزی سے ہمیشہ اجتناب کرو، کیونکہ خُون کبھی رائیگان نہیں جاتا۔ تمھیں اپنی رعایا کے دلوں پر حکومت کرنی چاہیے۔" چند سال بعد سُلطان نے اپنے بیٹوں کو وصیّت کرتے ہوئے اپنی زندگی کا زرّیں اصول بیان کیا۔

اہلِ دمشق نے صلاح الدین کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور شہر کے دروازے کھول دیے لیکن اِس کے چند ہم وطن اتابیگ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، انھیں سُلطان متوصل کی حمایت حاصل تھی، وُہ اعلےٰ پائے کے شہسوار اور بے خوف جنگ آزما تھے۔ ایک مرتبہ وُہ قرن الحماۃ[1] کے میدان کے قریب سُلطان کی فوج پر اچانک ٹوٹ پڑے اور دُوسری مرتبہ انھوں نے قلعۂ حلب کے سامنے پھیلے ہوئے گندم کے سُرخ کھیتوں میں ایک خُونریز معرکہ برپا کیا اور سُلطان کی فوجوں سے شکست کھا کر بھاگے۔ بالآخر مجبور ہو کر صلاح الدین نے

---

[1] قرونِ حماۃ۔ اِس پہاڑ کی دو سینگ نما چوٹیاں ہیں جو ایک دُوسرے کے مقابل ہیں۔ حماۃ ولایت کا صدر مقام تھا۔ تیرھویں صدی میں اس کے گرد مُستحکم فصیل تھی۔ یاقوت اور دمشقی نے اِس شہر کے عُمدہ نظامِ آب رسانی کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ (مترجم)

مصلحت کوشی ترک کر دی اور سرزمین شام کو اعلانیہ طور پر اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ خلیفۂ بغداد نے شام پر اس کے تسلّط کی توثیق کر دی اور اسے خلعت و علم مرحمت فرمائے۔

اِس عرصے میں ایک خوفناک دُشمن اِس کے خلاف صف آرا ہو گیا۔ قاہرہ کو مُفسدوں اور مجرموں کے اڈّوں سے پاک کرنے کی مہم میں اسے اسماعیلیوں کی خُفیہ آماجگاہ کو بھی تباہ کرنا پڑا۔ اِس کے بعد اسماعیلی اِس کے پکّے دُشمن بن گئے۔ انھوں نے سوڈانی شر پسندوں کو بغاوت پر اُکسایا، صلاح الدین نے فوراً بغاوت کچل دی اور شہر کے دروازوں پر سرغنوں کو سُولی پر لٹکا دیا۔ اسماعیلیوں کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے فدائی میدان میں اُتر آئے۔ وُہ صلاح الدین کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ فدائیوں کی پہلی قاتلانہ کوشش کو صلاح الدین کے مُحافظ دستے کی ہوشیاری نے ناکام بنا دیا۔

ہر ایک کو خیمۂ سُلطانی میں داخل ہونے کی اجازت تھی، وُہ کسی کو باریابی سے نہ روکتا۔ ایک دِن ایک چھوٹی سی بُرقع پوش لڑکی آئی۔ اِس نے نقاب اُٹھا کر کہا کہ "مَیں سُلطان نُورالدین کی بیٹی ہوں۔" سُلطان نے بڑی متانت اور تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور پُوچھا "مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"؟

"مجھے اعزاز کا شہر بخش دیجئے۔"[1]

سُلطان نے وُہ شہر بلا تامل سُلطان نُورالدین کی صاحبزادی کے حوالے کر دیا جسے اِس نے جان پر کھیل کر صبر آزما محاصرے کے بعد فتح کیا تھا۔ سخاوت اِس کی فطرت تھی۔ ایک تذکرہ نویس اِس کی بے مثال سخاوت کا حال یُوں بیان کرتا ہے کہ "سُلطان اپنے شاہی اصطبل کے سارے گھوڑے لوگوں کو بخش دیتا اور کبھی کبھی تو وُہ اپنی سواری کے گھوڑے کا بھی وعدہ کر لیتا۔"

---

[1] حلب کے شمال میں ایک قصبہ تھا جہاں حشرات الارض نہیں ہوتے تھے۔ ابوالفدا کا بیان ہے کہ یہ نہایت خوشگوار مقام ہے۔ یہاں کپاس اور پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ (مترجم)

صلاح الدین حسبِ معمول اپنے خیمے میں بیٹھا تھا کہ تین مختلف وضع کے مہمان وارد ہوئے۔ وہ تینوں فدائی سلطان پر ٹوٹ پڑے۔ سب سے پچھلے کو تو محافظ کی تلوار کے وار نے گرا دیا، لیکن باقی کے دو سلطان پر حملہ آور ہو گئے۔ پہلے نے خنجر کا وحشیانہ وار کیا جو سلطان نے بڑی مستعدی سے روک لیا اور پینترا بدل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اس کے فولادی خود پر دوسرے خنجر کی تیز ضرب لگی۔ اسے گردن پر معمولی سا زخم آیا، لیکن پیشتر اس کے کہ حشیش کے نشے میں چور فدائی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوتے سلطان کے محافظوں نے لپک کر انھیں پچھاڑ دیا۔ ان کے ہتھیار چھین لیے گئے۔ انھیں سخت اذیت ناک[1] عذاب دے کر اعترافِ جرم کروایا گیا اور بعد میں اُن کے سر تن سے جدا کر دیئے گئے۔ انھوں نے اعتراف کر لیا کہ ہمیں شیخ الجبل نے اس کام کے لیے مامور کیا تھا۔

دوسرا حملہ سلطان کے تحمل اور اس کے امراء کی برداشت سے باہر تھا۔ ساری فوج کو صف در صف کھڑا کیا گیا اور جس سپاہی کی وفاداری کی تصدیق نہ ہو سکی اُسے فوراً نکال دیا گیا۔

پھر فوج نے حشیشین کی کمین گاہوں کا رُخ کیا جو اُسامہ کے وطن سے مغرب کی جانب طویل وادیِ حما اور سمندر کے درمیان پہاڑیوں میں واقع تھیں۔

یہ کوہستانی سلسلے چیڑ کے جنگلوں سے سیاہ نظر آتے تھے۔ چٹانوں کے سبز کناروں پر نیم وحشی مویشی چرتے رہتے۔ دُور بلند چوٹیوں پر ایستادہ قلعے بادلوں میں معلّق دکھائی دیتے۔ صلاح الدین کے سواروں نے وادیوں کو تاخت و تاراج کیا۔ وہ مویشیوں کو ہنکاتے ہوئے دامنِ کوہ میں پہنچ گئے۔ جہاں دیہات کے کچّے مکانوں کی پست چھتوں سے

---

[1] ابوزید وجدی لکھتا ہے کہ تینوں فدائی موقع ہی پر قتل کر دیئے گئے تھے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک فدائی کو سلطان کے بھائی طغرل نے پکڑ کر ہلاک کر دیا، اور دوسروں کا بھی یہی حشر ہوا۔ ہیرلڈلیم نے ان کی گرفتاری اور عذاب دینے کی جو داستان بیان کی ہے۔ اس کی معتبر ذرائع سے تصدیق نہیں ہو سکی۔ یہ واقعہ محاصرۂ اعزاز کے دوران میں ہوا تھا۔ (مترجم)

اُوپر سنگلاخ اور دُشوار گزار چٹانوں کے دائرے میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اِن عمودی چٹانوں کے اُوپر قلعے کی ساٹھ ساٹھ فٹ اُونچی دیواریں کھڑی تھیں۔ یہ مصیاف کا قلعہ تھا۔ جو بلادِ شام کے فدائیوں کی قوت کا مظہر اور مرکز تھا۔

شامی فدائیوں کا سربراہ[1] شیخ رُکن الدین تھا۔ یہ مشہور تھا کہ وُہ دن کے وقت مصیاف کی چار دیواری سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔ البتّہ رات کو اس کے تصرفِ رُوحانی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وُہ ہر مادّی رکاوٹ کو غیر مرئی طور پر عبور کر لیتا ہے۔ فدائی اسے انسان کے بجائے زندہ خُدا سمجھتے تھے، کیونکہ کبھی کسی نے اسے کھاتے، پیتے، سوتے حتیٰ کہ تھُوکتے ہوئے بھی نہ دیکھا تھا۔

چٹانوں کی عمودی بلندی پر ایستادہ قلعے کی مضبوط فصیلیں ہفتہ بھر صلاح الدین کے آلات محاصرہ کا مُنہ چڑاتی رہیں۔ اِس محاصرے کا کیا انجام ہُوا؟ اِس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت ہے کہ ایک دِن سُلطان بیدار ہُوا تو اس کے بستر کے قریب زمین میں ایک خنجر گڑا ہُوا تھا۔ جس کے ساتھ ایک رُقعہ تھا۔ اس میں لکھا تھا:

"جو کچھ تمھارے پاس ہے، بالآخر ہمارے پاس لَوٹ آئے گا۔" جان لو کہ تم ہمارے قبضے میں ہو اور ہماری گرفت میں رہو گے، جب تک کہ محاصرہ ختم نہ ہو جائے۔"

دُوسری رات صلاح الدین کے محافظ دستے نے شاہی خیمے کے گرد ایک آہنی گھیرا ڈال دیا اور خیمے کے پردوں کے چاروں طرف آٹا بکھیر دیا۔ انھوں نے صبح دیکھا تو سُلطان محفوظ تھا۔ رات بھر کسی مشکوک شخص کی صُورت نظر نہ آئی تھی۔ بھلا کوئی آدم زاد بیدار محافظوں کے نرغے میں کیونکر گھُسنے کی کوشش کرتا، لیکن سفید آٹے کی تہہ پر پاؤں کے نشان تھے۔ کوئی خیمے میں داخل ہو کر باہر نکلا تھا۔ آمد و رفت کی صُورت میں پاؤں کے پنجے باہر کی طرف مُڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہ دیکھ کر کچھ پہرہ دار خوفزدہ ہو گئے اور چند ایک نے مرنے مارنے کے ارادے سے فوراً تلواریں سونت لیں۔ دُوسرے دِن مصیاف سے نیز کے

---

[1] صلیبی حشیشین یعنی فدائیوں کے سربراہ کو عموماً شیخ الجبل کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔

ساتھ بندھا ہوا ایک رُقعہ لشکر گاہِ سُلطانی میں گرا، لیکن اِس مادی ذریعۂ مراسلت سے بھی لشکر کا ہراس دُور نہ ہُوا اِس رُقعہ میں مرقوم تھا:-

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جہاں چاہتے ہیں، جاتے آتے ہیں۔ تم کسی طرح ہمیں نہیں روک سکتے"۔

اِس واقعے کے بعد سُلطان کی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا اور رات کو کوئی بھی آرام کی نیند نہ سو سکا۔ یہ افواہ گرم ہوگئی کہ اگر سُلطان نے ایک ہفتے کے اندر مصیاف کا محاصرہ نہ اُٹھایا تو وُہ قتل کر دیا جائے گا۔

صاحب المصیاف نے حسب وعدہ اپنے رُوحانی تصرف کا مظاہرہ کیا۔ رات کی تاریکی میں ہر ایک نے اسے قلعۂ مصیاف سے حیرت انگیز طریقے پر نکلتے اور محاصرین کے نرغے سے غائب ہوتے دیکھا۔

مصیاف کے سنگین بُرجوں پر ایک نیلی روشنی نمودار ہوئی اور پھر یک دم نیچے کسی چٹان پر اُتر آئی۔ سیاہ چٹانوں پر سے پھلانگتی ہوئی یہ روشنی لمحہ بھر میں تاریک گھائیوں میں ڈوب گئی اور پھر آناً فاناً کہیں دُور جا اُبھری۔ اِس روشنی کو نشانہ بنانے اور اس پر مشعلیں پھینکنے کی تمام کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں۔ غول بیابانی کی طرح یہ روشنی کبھی دفعتہً نزدیک آجاتی اور کبھی دُور چلی جاتی۔ بالآخر وہ ان کی صفوں کو تیر کی طرح چیرتی ہوئی پہاڑوں میں جا کر گم ہوگئی۔

اِس حکایت کی حیثیت کچھ بھی ہو، امر واقعہ یہ ہے کہ شیخ الجبل نے صلاح الدین کو فدائیوں کے حملوں سے حفاظت کی ضمانت دی اور سُلطان نے بھی ہفتے کے اخیر تک مصیاف کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ اِس کے بعد فدائیوں نے سُلطان کو پریشان نہ کیا اور نہ سُلطان ہی نے ان کے علاقے کا رُخ کیا۔

صلاح الدین کی صدیت میں اہل دمشق کو ایک مُحافظ اور مُربی مل گیا۔ سُلطان نے

مصر کا انتظام قاضی الفاضل اور قراقش کے حوالے کر دیا تھا۔ دمشق نہروں اور باغات کا شہر تھا وُہ اپنا بیشتر وقت اس شہر کے پُر فضا باغوں میں گزارتا جہاں سائل اپنی عرضداشت لے کر بلا روک ٹوک اس کے پاس جا پہنچتا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ صلاح الدین کے پاس سے کوئی بھی خالی ہاتھ واپس نہیں آتا۔ صلاح الدین کے ندیم اور امراء اسے فقیروں اور سائلوں کے ہجوم سے محفوظ رکھنے کی بارہا کوشش کرتے، لیکن سُلطان ان کی مخلصانہ کوششوں کو دیکھ کر شفقت آمیز انداز میں مُسکرا کر خاموش رہتا۔

ایک دفعہ اس نے دیکھا کہ خزانہ معمور ہے تو اس نے مقدم، یعنی خزانچی کو حُکم دیا کہ ساری دولت امیروں، سپاہیوں اور نوکروں میں تقسیم کر دی جائے۔

مقدم نے کہا "میرے آقا مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ہے۔ جب سُلطان نورالدین اس تخت پر جابس فرما تھے جس پر آپ جلوہ افروز ہیں، انھوں نے بھی مجھے یہی حُکم دیا تھا کہ مٹھیاں بھر بھر کے خزانہ لٹادو، لیکن جب میں نے پہلی مٹھی بھری تو سُلطان نے ارشاد فرمایا ٹھہرو، اگر تم یونہی بانٹنے لگے تو سب کو نہ دو"۔

یہ سُن کر صلاح الدین مُسکرایا اور کہنے لگا "لالچ بادشاہوں کو نہیں صرف سوداگروں کو سزاوار ہے۔ تم دونوں ہاتھوں سے خزانہ لٹا دو"۔

جب وہ محاذ جنگ پر ہوتا تو اہل دمشق اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے ناقہ سوار، نامہ بروں اور پیام رساں کبوتروں کی آمد کا بڑی بے صبری سے انتظار کیا کرتے جب سُلطان نے شمالی علاقے مسخر کر کے بالآخر حلب بھی فتح کر لیا تو دمشق میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی اور لوگوں نے جشن چراغاں کیا، لیکن جب سُلطان کی فوج کو ندی عبور کرتے وقت عیسائی حُکمران کے اچانک حملے سے نقصان اُٹھانا پڑا تو لوگوں نے اس کا سوگ منایا۔ یہ مختصر لڑائی نہایت خُونریز تھی۔ مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، لیکن وُہ حملے سے غافل تھے۔ عیسائی بکتر بند سواروں کی شدید یلغار سے وُہ سراسیمہ ہو گئے اور ان کا

شیرازہ بکھر گیا۔ سلطان کے محافظ دستے کی پامردی اور بے جگری سے سلطان کی جان بچ گئی۔ وہ بارش اور سردی میں گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا قاہرہ پہنچا۔

یہ نہایت عبرت آموز تجربہ تھا۔ اس کے بعد صلاح الدین نے سرحد عبور کرنے میں کبھی غفلت روا نہ رکھی۔ جب اہل دمشق کو معلوم ہوا کہ سلطان نے عیسائیوں سے اپنی شکست کا بدلہ لے لیا ہے اور ستر آدمی قیدی بنا لیے گئے ہیں جن میں کئی عمائد بھی شامل ہیں تو شہر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

اس واقعے کے بعد سلطان نے ۱۱۸۰ء میں صلیبی ریاستوں سے عارضی صلح کر لی اور اپنی سلطنت کے انتظام و انصرام میں مصروف ہو گیا۔ وہ عالم اسلام میں ہمہ گیر امن و اتحاد کے خواب دیکھنے لگا۔ وہ تمام مسلمان حکمرانوں سے نہایت صلح پسندانہ اور برادرانہ تعلقات رکھنے کا آرزومند تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ فرماں روائے موصل اور ایشیائے کوچک کے سلجوق سلطان سے اتحاد و تعاون کی بنیاد پر تعلقات استوار ہو جائیں۔ وہ جنگ کو ایک ناگزیر ضرورت سمجھتا۔ اسے قتال و جدال سے کوئی خوشی محسوس نہ ہوتی۔ وہ پائیدار امن کا خواہاں تھا۔

جب تک سرزمین شام پر صلیبی ریاستیں موجود تھیں، پائیدار امن کا قیام ناممکن تھا۔ اس نے ان ریاستوں کے استیصال کے لیے اپنی تمام تر قوت اور وسائل مجتمع کرنے شروع کر دیے۔ اس نے عزم صمیم کر لیا کہ دو سال کی عارضی صلح کی میعاد گزرنے کے بعد وہ صلیبی حملہ آوروں کو ساحل شام سے سمندر میں دھکیل دے گا اور یروشلم کو دوبارہ فتح کر کے عالم اسلام کو متحد کر دے گا۔ عالم اسلام کو متحد کرنے کے لیے وہ جہاد اکبر کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

زمانۂ امن میں اس نے اپنی فوجیں منظم کیں۔ اس دوران میں اسے بے شمار عرضداشتیں موصول ہوئیں۔ ان میں سے ایک عرضداشت اسامہ کے بوڑھے ہاتھوں نے تحریر کی تھی۔

اِس کی املاک اور اراضی پر صلیبی غاصبوں نے قبضہ جما لیا تھا اور اب وُہ خیرات پر بسر اوقات کرتا تھا۔ یہ عرضداشت گویا عہدِ ماضی کی آواز تھی جس نے سُلطان کا دِل ہِلا دیا۔ تحیتہ و سلام کے بعد تحریر تھا:۔

"ہمارے مولا الملک الناصر صلاح الدین کو اللہ تعالےٰ عمرِ دراز عطا فرمائے اور اسے ہر شر سے محفُوظ و مامون رکھے۔

اللہ تعالےٰ سُلطان معظم کو اِس دُنیا میں اور دارالآخرت میں جزائے خیر دے جس نے ایسے درماندہ حال پر رحم کھایا جو اولاد اور دَولت سے محروم ہو چکا تھا، جس نے اِس بے کس و بے نوا کو اس کے دُور اُفتادہ وطن سے بُلایا اور اس پر نعمت کے دروازے کھول دیے۔ جس نے نہایت کرم سے اِسے عزّت و شرف سے نوازا اور جس نے اُس کی دستگیری کی جس کا اِس دُنیا میں کوئی سہارا نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ اُسے دین و دُنیا میں نصرت عطا فرمائے جس نے کمال فیاضی سے مجھے اِن خدمات کا صلہ بخشا جو دُوسرے آقاؤں کے لیے کی گئی تھیں اور پھر ان خدمات کا یُوں شمار کیا جیسے وہ خود شاہد رہا ہو۔ جس نے انتہائی لُطف و کرم سے اِس وقت تحفے ارسال کیے۔ جب مَیں رات کو محوِ استراحت تھا، تاکہ مجھے تحائف وصول کرنے کے لیے اُٹھنے کی بھی زحمت نہ ہو۔ جس نے دوبارہ مجھے وُہ عزّت بخشی جو زمانے نے مجھ سے چھین لی تھی۔

"اللہ تعالےٰ سُلطان کا حافظ و ناصر ہو جس نے سلاطینِ سلف کی روایات تازہ کر دی ہیں جس نے خاندانِ ایّوبی کو مُستحکم بنا دیا ہے اور جس کی شمشیر سے سلطنت اہل اِسلام کے لیے ناقابلِ شکست حصار بن گئی ہے"!

سُبحان اللہ ربّ العٰلمین

گرمیوں کا غبار آسمان پر چھایا ہُوا تھا اور ایک ملگجی سی دُھند قاہرہ اور دریائے نیل پر چھائی ہوئی تھی۔ جب سیاہ عَلم بلند کیے گئے۔ سُلطان گھوڑے پر سوار لشکر کی

قیادت کر رہا تھا، زرہ بکتر میں ملبوس مملوک سواروں کے دستے بازاروں سے گزر رہے تھے، گھوڑوں کی ٹاپ سے پتھروں سے شرارے نکل رہے تھے، ہر کوچہ و بازار میں لوگ جوق در جوق جمع تھے، در و بام پر عورتوں کا ہجوم تھا، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس فقیر گروہ در گروہ کھڑے تھے، دوکاندار بھی اپنی دکانیں بند کر کے مجاہدین کا نظارہ کرنے کے لیے نکل آئے تھے۔ ایک خوبرو کرد نوجوان سلطان کی رکاب تھامے چل رہا تھا، یہ سلطان کا بھائی ملک العادل تھا۔ توران شاہ توفات پا چکا تھا لیکن تقی الدین اس جلوس سے غیر حاضر تھا۔ وہ شمال میں فوجیں فراہم کرنے میں مصروف تھا۔ قراقش نہایت غمگین نظر آتا تھا۔ وہ رکاب کو بوسہ دینے کے لیے بڑھا۔ رخصت ہوتے وقت وہ آبدیدہ ہو گیا۔ سلطان نے قراقش کو قلعے کی تعمیر مکمل کرنے کے لیے قاہرہ میں چھوڑ دیا تھا، جس کی آدھی اٹھی ہوئی دیواریں اب بھوری پہاڑیوں سے نظر آنے لگی تھیں۔

ہلکی ہلکی باد شمال چل رہی تھی، اس کے نرم جھونکوں میں سیاہ علم لہرا رہے تھے۔ مملوک سوار گھوڑے دوڑاتے گزر رہے تھے، نقاروں کی گونج میں کبھی کبھی ہجوم کے شور کی بازگشت سنائی دے جاتی۔

صلاح الدین نے اپنی زرد عبا شانوں پر درست کرتے ہوئے اِردگرد دیکھا۔ لوگ فرطِ جوش سے چلا رہے تھے: "سلطان مرحبا! ——— مرحبا ملک الناصر ——— خدا سلطان غازی کا سایہ ہم پر قائم رکھے! ——— مرحبا! ——— ملک الغازی! ——— ملک الناصر ——— !"

ہجوم میں سے ایک چھریرے بدن کے شاعر نے آگے بڑھ کر مترنم آواز میں الوداعی شعر پڑھے:

"نجد کے پھولوں کی خوشبو سے لطف اٹھا لو، کیونکہ شام کے اندھیرے کے بعد یہ

خوشبوئیں نہیں رہیں گی"[۵۱]۔

ہجوم پر سکوت طاری ہو گیا۔ گویا ان کے دلوں نے ان اشعار میں بدشگونی کی آواز سُن لی تھی۔ لوگ دم بخود ہو گئے جیسے نکھری ہوئی دھوپ میں یک دم یخ بستہ زمستانی ہوا کا جھونکا گزر جائے۔

---

۵۱ قدیم عرب شاعر ابو الصخر الہذلی کے یہ اشعار باب الحماسہ میں مندرج ہیں۔ یہ غزل عربی شاعری میں بہت معروف ہے۔ ابن خلکان نے صلاح الدین کی روانگی کا منظر بیان کرتے ہوئے بھی اِن اشعار کو نقل کیا ہے۔ (مترجم)

۹

تارکانِ وطن

یثھر کی خاکستری چھتیں تیز دھوپ میں تپ رہی تھیں اور صحرا سے آتی ہوئی تیز لُو کے جھونکے سنگین دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔ بادِ سموم کے اِن خُشک جھونکوں سے بُخار پھیلتا اور پیاس کی شدّت بڑھتی۔ گرمیوں میں ارضِ موعود کے شہر و قریہ اور کوہ و وادی دھوپ اور لُو میں جُھلستے رہتے۔

اِنسان اور حیوان اِس صحرائی ہَوا سے یُوں گھبراتے جیسے وُہ کسی خوفناک دُشمن سے دوچار ہوں۔ اِن کی رگوں میں خُون کی رفتار سُست پڑ جاتی، ہر ذی رُوح دھوپ اور لُو سے بچنے کے لیے چھاؤں تلاش کرتا، البتّہ دیوارِ گریہ کے پاس کہیں کوئی بے اعتنا زائر دوزانو نظر آ جاتا۔

مسقف بازار کے سائے میں ایک سوار آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ وُہ سفید بادلہ کی کُھلی عبا پہنے تھا، اِس کے گھٹے ہوئے سر پر مخملی ٹوپی تھی، اِس کی بے تحاشا بڑھی ہوئی داڑھی کمر بند کو چُھو رہی تھی اور کمر بند سے ایک لمبی تلوار لٹک رہی تھی۔ اِس کی عبا کے

سینے پر ٹیپل کی سُرخ صلیب چمک رہی تھی۔ لمبے بالوں والے چند مسلح آدمی نارمن فرنچ زبان میں باتیں کرتے ہوئے ایک چھپر نما دُکان کے سامنے سے سُنہری زیوروں کو غور سے گھُورتے ہوئے گزُرے۔ عطار کی دُکان پر کسی بیگم کا کم سن خدمتگار خشک مزاج ارمنی سے ایک پیسے کے لیے جھگڑ رہا تھا۔ سیاہ لبادے میں ملبوس راہب نے بکرے کی ران کو بڑے ماہرانہ انداز میں ٹٹولا اور نفی میں سر ہلا دیا، لیکن ننگ دھڑنگ دیسی لڑکا گوشت کا ٹکرا تھامے خاموش کھڑا رہا اور پھر اس نے ایک طویل جمائی لی۔

صراف کی دُکان سے سکّوں کی کھنک کے علاوہ یُونانی اور عربی کی ملی جُلی آوازیں آ رہی تھیں۔ صراف سونے اور چاندی کے سکّوں کو بجا بجا کر پرکھ رہا تھا۔ بازار میں سیاہ بکریوں کا گلّہ کمیلے کی طرف ہانکا جا رہا تھا۔ راستے میں کہیں انھیں گنّے کا ڈھیر مل گیا تو بس پھر کیا تھا۔ بکریاں ٹمپلر شہسوار کے گھوڑے کی ٹانگوں کے نیچے سے نکل نکل کر رس دار گنّوں پر ٹوٹ پڑیں۔

یروشلم میں لوگ دِن ڈھلنے سے پہلے باہر نہیں نکلتے۔ سواروں نے سینٹ این کے گرجا کا رُخ کیا، جہاں جمیز کے درختوں کے سائے تلے نشیبی تالاب کے کنارے لوگ کسی شادی کی تقریب میں شامل ہونے کے لیے اکٹھے ہو رہے تھے۔ امراء کے سامن کے لباس اور خواتین کی خوش رنگ ریشمی پوشاکیں دستۂ گل کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ وُہ اس تالاب کے کنارے منتظر رہے، جس کے گہرے سبز پانی میں کبھی ایک فرشتہ اُترا تھا۔ بالآخر گھنٹیوں کی مسرت آفریں ٹن ٹن سُنائی دی اور ایک دوشیزہ ان کی دو رویہ قطار میں سے گزُری۔ وُہ بڑے پُر وقار انداز سے تن کر چل رہی تھی۔ اِس کے سر پر سُنہری تاج تھا، اِس کے زری کے لباس کے چمکتے دامن پر سُورج کی آخری کرنیں جھلملا رہی تھیں۔ اِتنے میں ایک دستار پوش مُسلمان مُسافر کہیں سے اِدھر آ نکلا۔ وُہ حیرت سے انھیں دیکھتا رہا، حتےٰ کہ شہزادی اور خوش پوش براتی گرجا کے اُونچے اور نکیلے دروازے میں داخل ہو گئے۔

دوبارہ گھنٹیاں بجیں جس کے جواب میں بچوں کے شور و غل کا نعرہ بلند ہُوا۔

تالاب کے کنارے مُسافر اکیلا رہ گیا۔ وُہ اپنی چھڑی کا سہارا لیے کھڑا رہا۔ جمنیر کے درختوں کے سائے تاریک تر ہو گئے اور شاید وُہ یہ سوچتا رہا کہ یہ نصرانی بھی کیسے عجیب ہیں کہ ان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔

مزارِ مقدس سے لے کر کلیسائے صیہون تک کے بلند میناروں سے عشا کی گھنٹیاں بجیں اور پھر گہرا سناٹا چھا گیا۔ کہیں کہیں زندگی کے آثار باقی تھے۔ ممیاتی ہوئی بھیڑیں ایک تنگ دروازے سے گزر رہی تھیں۔ جہاں ایک نیزہ بردار یونہی بے مصرف بیٹھا تھا۔ ایک لڑکا کلبلاتی بھیڑوں کے ہجوم کو چیرتا ہُوا بڑھا۔ وُہ ایک داڑھی والے شخص کا ہاتھ کھینچ رہا تھا۔ داڑھی والے کے ہاتھ میں دُوسرے آدمی کا ہاتھ تھا، دُوسرا آدمی تیسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور تیسرا چوتھے کا ہاتھ تھامے چلا آ رہا تھا۔ یہ سب اندھے تھے جو صلیب گاہِ مسیح پر اپنی آنکھوں کے نُور کی بحالی کے لیے دُعا مانگنے حاضر ہوئے تھے۔

جب شام کے سائے رات میں ڈھل گئے تو بادشاہ اپنے محل کی شہ نشین پر نمودار ہُوا۔ یہ محل مینارِ داؤد کے متصل تھا۔ بادشاہ تنہا تھا اور اُس کا چہرہ نقاب سے ڈھکا ہُوا تھا۔ وُہ لکڑی کے تخت پر آہستہ سے بیٹھا جیسے درد میں مُبتلا ہو، اس کے ہاتھ کھُلی آستینوں میں چھُپے ہوئے تھے۔ امراء اور عمائد اس کی آواز پر ہمہ تن گوش تھے لیکن اس نے کسی کو مخاطب نہ کیا۔ وُہ بالڈون تھا، شاہِ ایمالریک کا بیٹا۔ وُہ خُدا کے فضل سے یروشلم کی ریاست کا چھٹا فرمانروا تھا۔ وُہ نوجوان تھا لیکن بچپن ہی سے جذام میں مبتلا تھا۔

وُہ بالڈون جذامی کے نام سے مشہور تھا اور گاڈفرے، یعنی شاہ بالڈون اوّل کا آخری جانشین تھا۔ وہ بہت صابر اور حوصلہ مند تھا، اسے نہ صحت کی

اُمید تھی، نہ افاقہ کی توقع، پھر بھی وہ اپنے روز افزوں درد کو نہایت خاموشی اور استقلال سے برداشت کر رہا تھا۔ وہ وقت خواب و خیال ہو کر رہ گیا تھا جب وہ اچھا خاصا خوبرو تھا اور جب اُس نے عسقلان کے قلعے سے ٹمپلروں کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے صلاح الدین کے لشکر پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا تھا۔ اُس وقت وہ سولہ سال کا نوجوان تھا، لیکن اب چھ سال کی مدت میں وہ اِس قدر معذور ہو چکا تھا کہ اپنی بہن کی شادی میں شامل ہونے سے بھی قاصر تھا۔

اِس کے اولاد نہ ہوئی تو یروشلم کا کیا بنے گا؟ فکرِ فردا سے وہ اکثر پریشان رہتا، کیونکہ اِسے یہ شدید احساس تھا کہ مَیں چند دِن کا مہمان ہوں۔ کسی دُشمن کو پینسٹھ سال سے یروشلم پر چڑھائی کرنے کی جُرأت نہ ہوئی تھی۔ صلیب الصلبوت کی مقدّس لکڑی سونے کے خول میں نہایت حفاظت و احترام سے اسقف اعظم کے حرم میں رکھی تھی۔ صلیب گاہ مسیح کی چٹان پر ہر جگہ زائرین کی صلیبیں نصب تھیں جن کے پاس دِن رات شمعیں فروزاں رہتیں، ہر وقت خُدا کی حمد و ثنا کے گیت گائے جاتے۔ کیا یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا؟

یہ سوال اسے پریشان رکھتا۔ معذور لوگوں کی طرح اِس کی قوتِ احساس بھی نہایت تیز ہو گئی تھی۔ وہ گیسمنی کے ہر پُرانے اور خمیدہ زیتون کے درخت اور قدرون کی خشک گزر گاہوں کے پتھروں سے خُوب آشنا تھا، کیونکہ شام کو جب دُور کلیسا کی گھنٹیاں بجتیں وہ اکثر یہاں بیٹھا غروبِ آفتاب کا منظر دیکھا کرتا۔

یروشلم کی زندگی بدستور ویسی تھی، زائرین کے ہجوم حسبِ معمول قربان گاہوں پر شمعیں روشن کرتے لیکن بالڈون کو مستقبل کا اندیشہ لاحق تھا۔ اِس کی موت کے بعد یروشلم کا کیا حشر ہو گا؟ اِن عظیم الشان گرجوں کے اسقف زمینوں کے اِس قدر کیوں مشتاق ہیں؟ اِن کے تصرف میں وسیع کھیتوں کے علاوہ کئی گاؤں اور مقدّس مقامات بھی ہیں۔ وہ مقامی باشندوں سے بھی محاصل وصول کرتے ہیں لیکن اِن بیچاروں کے لیے

کچھ نہیں کرتے۔ بادشاہ کے پاس تو صیہون کے راہوب سے بھی کم زمین تھی، وہ کیا کرے؟
زائرین آتے، دُعائیں کرتے، منتیں مانتے، عبادت کرتے اور چلے جاتے، لیکن یروشلم کا دفاع مقامی حکمران کا فرض تھا، جسے پچھلے سال کم و بیش قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔
زائرین کی زبانی یہ سُنا گیا کہ یورپ میں عظیم الشان گرجوں کی تعمیر ہو رہی ہے۔ لوگ رات کو مشعلوں کی روشنی میں پتھر ڈھو کر لاتے ہیں اور بہت سے نیک لوگ ہم آواز ہو کر گاتے ہیں۔
یورپ کے بادشاہوں کی طاقت میں دِن بدن اضافہ ہو رہا ہے، لیکن کہاں ہیں شاہانِ یورپ؟ کہاں ہیں ان کے مسلّح لشکر؟ سمندر پار کر کے یروشلم کے حکمران کی مدد کے لیے تو کوئی آتا نہیں یورپ کے اہلِ کلیسا صرف گناہ گاروں کو کفارہ ادا کرنے کے لیے یہاں کیوں بھیج دیتے ہیں؟ سمندر پار سے صرف مجرم، قاتل، طالع آزما مفلس، بے ملک اور آوارہ لوگ ہی کیوں یہاں آتے ہیں؟
آدھی ساحلی بندرگاہیں اطالوی تاجروں کے قبضے میں تھیں۔ وہ صلیبیوں کی طرح صلیب کا نشان زیب تن کرتے ہیں، لیکن وہ کبھی صلیبی جنگ میں شامل نہیں ہوتے۔ وہ اپنی رُوحانی نجات اور اپنے بٹوے پُر کرنے میں مصروف رہتے ہیں ۔
بالڈون کا جسم وَرم میں مبتلا تھا۔ اور اس کا دِل شک اور اندیشے سے فگار، اس نے اپنی بہن سِبل کو شادی کرنے کا حکم اِس لیے دیا تھا کہ کوئی یروشلم کے تاج و تخت کا وارث بنے۔
بالڈون شاہ نشین پر کھڑا دمشق ہوا پر آتی ہوئی گھنٹیوں کی جھنکار سُنتا اور اکیلا کھڑا سوچتا رہا، یہاں تک کہ رات کی سیاہی کے دبیز پردوں میں شہ نشین اور اس کا باغ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور بالڈون کا چہرہ بھی ہمیشہ کے لیے ظلمتِ شب میں رُوپوش ہو گیا ۔

سن ۱۱۸۳ عیسوی میں بہار کا موسم گیلیلی کے علاقے میں کچھ پہلے ہی شروع ہو گیا۔

نشیب سرسبز ہو گئے اور گھاس کے نیلے پھول مسکرانے لگے۔ ماہی گیر نیلے پُر سکون سمندر میں اپنے جال پھیلاتے، سیاہ مویشی آہستہ آہستہ کنارِ آب تک آتے اور پانی میں کھڑے ہو کر مزے سے پانی پیتے۔ چشموں کی دیواروں کے سایوں میں سفید آبی پھول کھلے تھے۔ سبز پہاڑیوں کے نشیب میں ڈوبی ہوئی جھیل کی نیلگوں سطح کے اوپر بادلوں کے سفید گالے بکھرے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں آوارہ پھر رہے تھے۔

یہ ماحول کتنا پُر سکون اور روح پرور تھا، لیکن گیلیلی اور طرابلس کے حکمران ریمنڈ کے لیے یہ موسم تفکرات کی تمہید تھا، کیونکہ اس موسم بہار میں صلاح الدین سے عارضی صلح کی میعاد ختم ہو رہی تھی۔ ریمنڈ یروشلم کی مسلح افواج کا سپہ سالار تھا، وہ اپنی بیوی اپنے مطربوں اور اپنے سرداروں کے ہمراہ قلعۂ طبریہ میں فروکش تھا۔ بحرِ طبریہ کے کنارے سیاہ سنگ خارا کا یہ قلعہ عیسائی ریاستوں کا محافظ تھا۔ اس آہنی حصار کے ایوان اور مینار کنارِ آب تک پھیلے ہوئے تھے اور اس کی بلند قامت دیواروں کے نیچے ماہی گیر اپنے جال بچھاتے تھے۔ ریمنڈ طبریہ میں مقیم رہا۔ مشرق کی طرف دُور نیلی پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آتا تھا۔ اِن پہاڑیوں سے کئی راستے طبریہ کی جانب آتے۔ ریمنڈ طبریہ میں رہ کر اِن راستوں کی حفاظت کر سکتا تھا۔ دمشق کو جانے والی شاہراہ بھی طبریہ کی جھیل کے پاس سے گزرتی تھی۔ طبریہ کا قلعہ اس شاہراہ کا محافظ تھا۔ ریمنڈ کو خطرہ تھا کہ ہواؤں کے ستارے، یعنی مسلمان شاہسوار اسی راستے سے طبریہ پر ٹوٹ پڑیں گے۔

اہلِ طبریہ موسمِ بہار سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دوشیزائیں اور خوبرو سردار نرم کپاس کے سبز کھیتوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے۔ انار کے سایوں میں چہلیں کرتے، کھیلتے اور ہنستے، مغنی اپنے سازوں پر ابوالقاسم[1] اور نکولیٹ کی نئی داستان کی دُھنیں چھیڑ دیتے۔

---

[1] قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی ایک مشہور رومانوی داستان جو پروونس میں بہت مقبول تھی۔ (مترجم)

وُہ اپنے گلکار دستانوں پہ باز بٹھائے سبز وادیوں میں شکار کے لیے نکل جاتے اور ان کے پیچھے مُسلّح سواروں کی زِرہ بکتر کی جھنکار سُنائی دیتی۔

وُہ چکاروں کے پیچھے گھوڑے دوڑاتے، کُتّے شکار کی بُو پا کر بھونکتے اور کوہ طبور کی بلند چوٹی سے شکستہ لباس راہب اور کمان لکڑی کے بیلچوں کا سہارا لیے ان من چلوں کو خاموشی سے دیکھتے۔ وُہ عربی گھوڑوں کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیتے اور ان کے خوش رنگ لباس ہواؤں میں اُڑتے دکھائی دیتے۔ وُہ اِس سرزمین کے نونہال تھے، یہ ساحل فلسطین کی نئی پود تھی۔ وُہ اِس سمندر پار علاقے میں پروان چڑھے تھے۔ خدمتگار ان کے حضور میں رہتے، بغدادی سوداگر اُن کے لیے موتیوں سے مرصّع کتان کے لباس اور جواہر نگار زینیں لاتے۔

اگرچہ تمازتِ آفتاب سے اِن کی سفید جِلد قدرے بھُوری ہو گئی تھی لیکن انہیں اس کی پروا نہ تھی۔ دوشیزاؤں کی بھوری آنکھوں میں ان کی گمنام ارمنی ماؤں کی جھلک نظر آتی تھی اور بعض لڑکیوں کے گول گول رُخسارے ان کی یُونانی ماؤں کا پتا دیتے تھے۔ یہ سب کچھ سمندر پار والوں کی کیفیت تھی، لیکن یہ سمندر پار والے نارمنڈی کے رہنے والے نہ تھے۔ ان کی آنکھیں یورپ کے سیاہ دود زدہ کمروں سے کبھی آشنا نہ ہوئی تھیں، انھوں نے یورپ کے تاریک اور مرطوب جنگل دیکھے نہ تھے۔ جہاں سردیوں میں دھوپ ٹھٹھری رہتی ہے۔ وُہ خُشک لاطینی کتابوں سے واقف نہ تھے۔ وہ کہیں کشیدہ کاری کے اُونچے چوکھٹے یا یورپی عورتوں کے بھاری سیاہ لباس دیکھ پاتے تو حیران رہ جاتے۔ انھیں اِن فضول چیزوں کی کیا ضرورت تھی جب کہ شامی لڑکیاں ان کے لباسوں پر کشیدہ کاری کرنے اور بامروّت عرب طبیب ان کے عِلاج کے لیے حاضر تھے اور تفریح کے لیے شام کی شاداب وادیاں اور سرسبز کھیت موجود تھے۔

شام کو شکار ختم ہُوا تو مغنیّوں کے نغمات بھی خاموش ہو گئے۔ قلعہ کے اندر قصر کی شہ نشین پر سبھی لوگ ضیافت کے لیے جمع ہو گئے۔ طبریہ کی جھیل کی نیلگوں سطح پر تارے

جھلا رہے تھے، کاؤنٹ ریمنڈ ایک اُونچی نشست پر بیٹھا اپنے شکاری کُتّے سے کھیل رہا تھا، اس کے شانے کے پیچھے ایک دُبلا پتلا سردار کھڑا تھا۔ جونہی ریمنڈ کا جام خالی ہوتا وُہ جھک کر اسے بھر دیتا۔ ریمنڈ کو سُرخ رنگ کی تیز دیسی شراب بہت پسند تھی، وہ یونانی انگوروں کی خوشبودار شراب کا بھی دلدادہ تھا۔ واقعی یونانی شرابیں کثیف بوزہ اور شراب عسل سے بہتر تھیں۔ بے حس مقامی خدمتگار شعلیں اُٹھائے ایستادہ تھے جن کی تیز روشنی میں ستارے نظر نہ آتے تھے۔

بڑی بُوڑھی بیگمات جو شادی میں شریک ہونے کے لیے یروشلم گئی تھیں، ان کی زبان پر کئی کہانیاں اور افسانے تھے۔ کبھی شادی ایسے بھی ہوئی ہے کہ امراء کو محض ایک ہفتے کی مُہلت دی جائے۔ ارے توبہ! بچاری دُلہن اکیلی ہی گرجا میں داخل ہوئی، لیکن نہایت پُروقار تھی —— اِس کے متعلق سبھی کو اتفاق تھا —— ارے وہ تو مردانہ حوصلے کی مالک ہے! اچھا یہ بھی سُنا کہ اسے جہیز میں عسقلان اور رجافہ کے شہر ملے ہیں۔ سبل اپنی دُھن کی پکّی ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ اس نے اپنے معذور بھائی کا دل رکھنے کے لیے اس کی بات مان لی۔ حیرت ہے کہ اس نے ایسا شوہر چُنا ہے؟ نہ جانے سواحل کے خوبرو حکمرانوں پر اس کی نظر کیوں نہ ٹھہری، حالانکہ سبھی شوق سے سُلگتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن اِس نے نووارد کا انتخاب کیا ہے تو وُہ شکیل نوجوان لیکن ہے بے مغز۔ وُہ بے مُلک کا نواب ہے۔ وہ پوشو کا نائٹ ہے۔ اس کا نام گائی ہے اور وہ ایمالرک آف لوگنان —— محافظ[1] یروشلم کا بھائی ہے۔ ارے ایمالرک آف لوگناں اہلِ سیف میں سے تو تھا، لیکن گائی تو اس صفت سے بالکل عاری ہے۔ گائی کے پاس حسین آنکھیں

---

[1] زمانہ وسطیٰ میں نائٹ کانسٹیبل نہایت معزز اور اعلیٰ عہدہ ہوتا تھا اور اس پر تجربہ کار اور جنگجو امراء کو متعین کیا جاتا تھا۔ مرورِ زمانہ سے انگلستان میں یہ عُہدہ محض اعزازی ہو کر رہ گیا ہے اور عام استعمال میں کانسٹیبل کا لفظ سپاہی کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ (مترجم)

اور نہ لنواز   طور طریقوں کے سوا اور کیا رکھا ہے؟ اچھا تو کیا یہ سچ ہے کہ اسے کسی ڈیوک کے قتل کے الزام میں ملک بدر کیا گیا تھا؟

سنا ہے کہ گائی کسی خوبصورت بیوہ کاؤنٹس کی محبت کا دم بھرتا تھا، لیکن عسقلان کی عورتیں کہتی ہیں کہ سبل اس پر بہت پہلے کی فریفتہ ہے، لیکن وہ بڑی اخفا پسند عورت ہے۔ اس نے کسی کو اپنے راز کی بھنک تک نہیں پڑنے دی۔

اچھا تو کسی نے ایمالرک کی طرف بھی دیکھا، وہ کیوں غصے سے بھرا بیٹھا تھا۔ بیچارہ بادشاہ تو سخت پریشان ہے، وہ ہر قیمت پر تلافیٔ مافات کرنے پر آمادہ ہے، لیکن اب پچھتائے سے کیا ہوتا ہے"۔

اس انداز سے گفتگو جاری رہی۔ ان کے لیے یہ واقعی قابل ذکر واقعہ تھا۔

ریمنڈ اور اس کے ندیم کافی دیر تک بیٹھے شراب پیتے رہے، یہاں تک کہ خواتین رخصت ہوگئیں اور مشعل بردار بھی چلے گئے۔

ایک صدی پیشتر اس کے جدِ امجد ریمنڈ آف ٹولو صلیبی جنگ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے اسی طرح پروونس میں بیٹھا دادِ عشرت دے رہا ہوگا۔ پروونس کے باشندے تفکرات کے عادی نہیں ہوتے، وہ شراب و نغمہ میں اپنا وقت گزار دیتے ہیں۔

ریمنڈ پانچ سال تک مسلمانوں کی قید میں رہا تھا، اس چوٹ کا زخم ابھی ہرا تھا۔ اور عیش و طرب کے ہنگامے بھی اس تلخ یاد کو اس کے ذہن سے محو نہ کر سکتے تھے۔ ریمنڈ کو عافیت کوشی اور تعطل سے نفرت تھی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ عیسائی زرہ پوش لشکر کو مجھ سے بہتر سالار نہیں مل سکتا۔ وہ پیش قدمی کرنے میں دلیر اور دشمن کی چالوں کو سمجھنے میں ماہر تھا۔ وہ مسلمانوں کے اسلوبِ جنگ سے بخوبی واقف تھا، لیکن سرحدوں کے محافظ ٹمپلر اسے سخت ناپسند کرتے تھے اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اب اس کے دشمن بادشاہ کے بہنوئی کی حمایت کریں گے۔

ٹمپلروں کے سردار اور کرک کے حاکم ریجنالڈ سے بھی اس کا جھگڑا تھا۔ کرک کی آب و ہوا سخت گرم تھی۔ گرمی کی شدت سے صلیبیوں کی جسمانی قوتیں زائل ہو جاتیں۔ وہ گرمیوں کے طویل ایام دشمن کے خلاف فوج کشی کرنے یا دادِ عشرت دینے میں گزارتے۔ ہر وقت کی تُندسواری اور سخت کوشی سے وہ بدمزاج ہو گئے تھے اور ان کی زندگیاں کوتاہ ہو گئی تھیں، لیکن پھر بھی وہ بادشاہ کے حکم پر جنگ کے لیے پابہ رکاب رہتے۔ کاش کہ اس وقت شاہ بالڈون معذور نہ ہوتا یا گائی آف لوگنان ہی بہادر شخص ہوتا اکیلا ریمنڈ کیا کر سکتا تھا؟

اب صلاح الدین کیا کرے گا، کونسا مقام اس کا نشانہ بنے گا اور شہسوارانِ صحرا کا رُخ کس طرف ہو گا؟ ریمنڈ کو کچھ معلوم نہ تھا۔ اب دشمن کی تاک میں رہنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ریمنڈ اپنے قلعے کو چھوڑ کر پیش قدمی کرنے سے قاصر تھا۔ وہ قلعے میں مقید ہو کر رہ گیا۔ اس نے شہر پناہ کا گشت کرنا اپنا معمول بنا لیا۔ اس کی نگاہیں جھیل سے پرے دُور اُفق پر جمی رہتیں۔ اس کے اہل و عیال قصر میں مزے کی زندگی گزارتے۔ اس کی بیوی زیادہ تر سوتی رہتی۔ نوجوان لڑکیاں اور فوجی سردار اکثر شکار کے خواب دیکھتے، کہانیاں سُنتے اور سایوں کے کھیل دیکھتے رہتے۔

ریمنڈ کو سکونِ خاطر نصیب نہ تھا۔ بہار کی ان پُرفضا خنک راتوں میں بھی اس کی آنکھوں سے نیند غائب رہتی۔ طبریہ کی جھیل کی پُرسکون نیلی سطح پر درخشاں ستارے جھلملاتے نظر آتے، لیکن اس کی بے خواب آنکھیں سامنے پہاڑ کو گھورتی رہتیں جس پر ہیروڈ کے محل کے کھنڈر پھیلے ہوئے تھے اور جہاں گہرے غاروں کے اوپر گندھک کے چشموں کا پانی قطرہ قطرہ ٹپکتا رہتا تھا۔ اس ویران محل کے رنگا رنگ فرش سے پرے نکل کر ایک راستہ سرزمین فلسطین کو جاتا تھا۔

ریمنڈ نے اس فصلِ بہار میں بہت پینی شروع کر دی تھی۔ آج رات محفلِ خاص گرم تھی۔

ریمنڈ نے پے درپے کئی جام خالی کر دیے تھے۔ اس کی مخمور آنکھوں میں تاریک سائے سے گھومنے لگے اور وہ خواب کی دُنیا میں کھو گیا۔

طبریہ کی نشیبی جھیل سے متصل، پہاڑوں کی بلندیوں سے نفیر کی خوفناک آواز آ رہی تھی اور ایک عجیب مخلوق وہاں جوق در جوق جمع ہو رہی تھی۔ سرزمین فلسطین[1] پر بھوتوں کے پرے اُتر آئے تھے۔ بادِ صحرا کے تُند جھونکوں سے ہالفرن کے قدیم ایوان لرزنے لگے۔ بھوت سال کی موت کا بھیانک گیت گا رہے تھے، جِس کے شوروں میں فراعنہ کی تیز رفتار رتھوں کے آہنی پہیّوں کا شور سُنائی دے رہا تھا۔ اِس خوفناک گیت میں انطاخس کے ہاتھیوں کی گرج اور زرہ پوش رومن سپاہ کے قدموں کی باقاعدہ چاپ بھی ملی ہوئی تھی۔

یہ شاہراہ سب کے قدموں سے آشنا تھی۔ بالآخر صحرا سے ایک طُوفان اُٹھا جس میں پُرجوش سواروں کے نعرے اور سبک رفتار گھوڑوں کی برق پاش ٹاپ بجلی کے کوندوں کی ہم نوا تھی —— وُہ پھر آ رہے تھے —— ماضی کے بھُوت پھر پہاڑوں کی بلندیوں پر منڈلا رہے تھے۔

---

[1] آرماجیڈن اِس لفظ کی مختلف تشریحات پیش کی جاتی ہیں۔ تورات قدیم کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے جہاں قدیم پیغمبروں کے دور میں بیشتر لڑائیاں ہوئیں مجازاً یہ لفظ فلسطین کے لیے بھی اِستعمال ہوتا ہے۔

۱۰

صلاح الدّین کی یلغار

اِس موسم گرما کی بات ہے: الصور کا فاضل اسقف اعظم ولیم نئے گرجے کے ایوان میں تاریخ لکھنے میں مصروف تھا۔ یہ گرجا ساحل سمندر پر واقع تھا اور سمندر کی لہریں اس کے قدم چھوتی تھیں۔ اِس پُرسکون ماحول میں اس نے کئی نئے باب لکھے اور تفصیل سے بیان کیا کہ کیسے عیسائی لشکر صلاح الدین کے متوقع حملے کی روک تھام کے لیے صفوریہ کے گاؤں کے قریب جمع ہوئے اور کیسے شاہ بالڈون خود وہاں پہنچا۔

"ہمارے لشکر صفوریہ کے کنوؤں کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ اِس وقت بادشاہ کو ناصرہ کے مقام پر سخت بُخار ہو گیا۔ جذام کی وجہ سے وہ اِس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ بُخار کی شدت بمشکل برداشت کر سکا۔ اِس کی آنکھیں بے نور اور اس کے ہاتھ پاؤں مرجھا کر از کار رفتہ ہو چکے تھے۔ وہ کاروبار حکومت چلانے سے قاصر تھا، تاہم یہ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو جائے۔ اِس کا جسم کمزور ہو چکا تھا لیکن عزم اور حوصلے کی توانائیاں بدستور قائم تھیں۔ وہ اب بھی اپنے احکام کی سختی سے

پابندی کراتا۔

لیکن جب بخار نے اُس کا ست نکال دیا تو اس نے امراء کو طلب کیا اور اپنے بہنوئی گائی آف لوگنان حاکم جافہ و عسقلان (جس کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے) کو اپنی سلطنت کا ناظم الامور مقرر کیا۔ اِس نے یہ بھی تاکید کر دی کہ اس کی زندگی میں کسی دُوسرے کی رسمِ تاجپوشی ادا نہ کی جائے۔ بادشاہ نے یروشلم کا شہر اپنے تصرف میں رکھا۔

اعیانِ مملکت، بادشاہ کی اِس حرکت سے سخت ناراض ہوئے۔ چند امیروں کو گائی کی سیادت گوارا نہ تھی۔ دُوسروں کی رائے یہ تھی کہ اِس نکمے شخص کے اقتدار سے مملکت تباہ ہو جائے گی۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کا یہ خیال تھا کہ وُہ سلطنت کی خاطر خواہ حفاظت کرے گا۔ عام لوگوں کی زبان پر بھی گلہ اور شکایت کے الفاظ تھے۔ وُہ کہتے کہ "جتنے حاکم اُتنے حکم"۔

یہ منصب پاکر گائی سخت مغرور اور متکبر ہو گیا۔ اُس سے کئی احمقانہ حرکات سرزد ہوئیں اور یہ اعزاز اس کے نصیب میں زیادہ دیر تک نہ رہا۔

اِس اثنا میں جب کہ ہماری فوج صفوریہ میں مقیم تھی، صلاح الدین زرہ پوش سواروں کا لشکرِ جرّار لے کر اچانک ہمارے مُلک کی حدود میں داخل ہُوا۔ وہ بحرِ طبریہ کے جنوب سے گزرتا ہُوا اُردن کے میدان میں پہنچ گیا اور اس نے اپنے دستے چاروں طرف پھیلا دیئے۔

وُہ بیسان پہنچے تو شہر خالی تھا۔ انھوں نے رسد اور خوراک کے ذخیروں پر قبضہ کر لیا اور قلعے کو مسمار کر کے چلے گئے۔

جب ہمارے سرداروں اور امیروں کو دُشمن کی فرودگاہ کا علم ہُوا تو انھوں نے گھوڑوں پر زینیں کسیں، جسموں پر زرہ بکتر سجائے اور طے شدہ تجویز کے مطابق جنگ کے لیے اپنی صفیں آراستہ کیں۔ پھر صلیب الصلبوت کے جلو میں پیش قدمی شروع کی۔ اگر خُدا اپنے بندوں کے گناہوں سے ناراض نہ ہوتا تو عیسائی لشکر یقیناً دشمن کو شکست فاش دیتا۔

عیسائی لشکر کی تعداد کم نہ تھی۔ اس میں تیرہ سو سوار اور مسلح نائٹ اور سارجنٹ تھے اور پندرہ ہزار پیادے۔

وہ حضرت مسیح کے شہر ناصرہ سے گزر کر ایک میدان میں پہنچے جسے عہد عتیق میں اسدرلون کہا جاتا تھا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے تیزی سے بتانیہ کے چشمے کا رُخ کیا جہاں صلاح الدین اپنے ٹڈی دَل لشکر سمیت موجود تھا۔ صلاح الدین کے لشکر سے سارا علاقہ پٹا پڑا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں صلاح الدین سے معرکۂ کارزار گرم ہو گا لیکن صلاح الدین نے چشمہ چھوڑ دیا اور وہاں سے ہٹ کر ایک ہزار گز کے فاصلے پر اپنے عَلَم گاڑ دیے۔

صلاح الدین کا ایک لشکر جرین خورد کی طرف بڑھا اور اسے بزور چھین لیا۔ ترکوں نے دُوسرے حملے میں فار بلیت کا قلعہ سخر کر لیا اور قلعے کے تمام املاک، اشخاص اور مویشیوں پر قبضہ جما بیٹھے۔ عربوں کا تیسرا لشکر براہِ راست ہماری فوج کی طرف بڑھا اور وہ اِس قدر قریب آ گیا کہ عیسائی لشکر میں سے کسی کو سڑک پر نکلنے کی جُرأت نہ ہوتی جو بھی نکلتا مارا جاتا۔[1]

کچھ دستے کوہ طبور پر چڑھ گئے اور انھوں نے ایک ایسی حرکت کی جو اس سے پہلے ان سے کبھی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے یونانی کلیسا کے سینٹ ہلینا نامی گرجا کو لوٹ کر مسمار کر دیا۔ ترکوں کے ایک دستے نے ناصرہ کا رُخ کیا، وُہ ناصرہ کے متصل پہاڑی پر چڑھ گئے۔ جب لوگوں نے دُشمن کو پہاڑی کی چوٹی پر مسلط دیکھا تو شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بُوڑھے، عورتیں اور بچے گرجے میں پناہ لینے دَوڑے۔ گرجے کے دروازے پر اتنا ہجوم ہو گیا کہ کئی بے چارے وہیں پس کر رہ گئے۔

---

[1] عیسائیوں نے چشموں کے نزدیک مورچے بنا لیے تھے لیکن عیسائی لشکر میں کوئی ایسا قائد نہ تھا جو جنگی منصوبے کو کامیاب بنا سکے۔ یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس جنگ میں ایک عیسائی زرہ پوش سوار کے مقابلے میں غالباً چھ مسلمان سوار تھے (مصنف)

ہمارے امراء کی فوج چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں آگئی۔ وہ اِس بُری طرح سے گھر گئی کہ کسی کو خوراک اور رسد کی فراہمی کے لیے بھی باہر جانے کی گنجائش نہ رہی۔ ہماری فوج میں قحط پھیل گیا۔ پیادہ سپاہیوں اور کسانوں کو سخت قلّت اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ جنیوا اور وینس والوں کو بھی فاقوں کی نوبت آگئی۔ یہ لوگ اپنے جہاز بندرگاہ میں چھوڑ کر ہماری امداد کے لیے آئے تھے۔ اِن کے ساتھ وہ زائرین بھی تھے جو اکتہ میں وطن واپس جانے کے لیے جہازوں کے منتظر تھے۔

جب ہمارے امراء نے لوگوں کی مصیبت دیکھی تو باہم مشورہ کر کے گردو نواح کے قلعہ داروں کے پاس قاصد بھیجے اور اُن سے درخواست کی کہ جس قدر ممکن ہو ہمیں کھانے کا سامان مہیّا کیا جائے۔ انھوں نے بخوشی کھانا بھجوا دیا۔ ہمارے کئی سردار رسد لانے والے قافلوں کی حفاظت کے لیے ان کے ہمراہ جاتے۔ ایک مرتبہ ہمارا ایک دستہ ازراہِ حماقت راستے سے بھٹک کر دشمن کے ہتّھے چڑھ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کو بھی خوراک کی قلت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ وہ قیدیوں سے زیادہ کھانا حاصل کر کے خوش ہوتے۔

جو لوگ ترکوں کے طریقِ جنگ سے واقف تھے ان کا خیال تھا کہ جلد ہی وہ سخت نقصان اُٹھائیں گے، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ہمارے سردار اور راہبر باہمی حسد اور نفاق کا شکار ہو گئے اور انھوں نے جنگ سے لاپروائی برتنی شروع کر دی۔ وہ کاؤنٹ گائی حاکمِ جافا سے سخت متنفّر تھے، جو صرف اجنبی ہی نہیں، نالائق، متکبّر اور بیوقوف بھی تھا۔

"پورے آٹھ دن تک ترک بلا روک ٹوک اِس علاقے کو تاخت و تاراج کرتے رہے اور ہماری فوج بے کار پڑی رہی۔ بالآخر آٹھویں دن صلاح الدین فوجوں سمیت اپنے مُلک واپس چلا گیا۔"

یہ ولیم صوری کا بیان ہے، البتہ اس نے یہ تحریر نہیں کیا کہ کیسے صلیبی فوج پہلی دفعہ مسلمانوں کی کمزور فوجوں کے مقابلے میں بھی معطل رہی اور کیسے مسلمان لشکر بلا مزاحمت واپس چلے گئے۔

شاہ بالڈون، گائی کے حق میں دست بردار ہونا چاہتا تھا لیکن فوج کے باہمی نفاق سے وہ قائل ہو گیا کہ گائی کے بجائے کسی اور شخص کو نامزد کرنا چاہیے جو عنانِ حکومت اچھی طرح سنبھال سکے۔ اگرچہ اس کا کوئی مونس و غمخوار نہ تھا اور وہ اپنی دکھ بھری زندگی میں تنہا تھا، تاہم بادشاہ کی حیثیت سے سلطنت کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نے طبریہ کے حاکم ریمنڈ کو نائب السلطنت مقرر کیا اور یروشلم کے اسقف اعظم سے درخواست کی کہ وہ سبل کو گائی سے طلاق لینے کی منظوری دیدے لیکن اسقف اعظم نے اس کی درخواست رد کر دی۔ بالڈون سخت برہم ہوا اور امراء کی مجلس مشاورت میں گائی کا مقدمہ پیش کرنے کی دھمکی دی۔ اس اثنا میں گائی اپنی بیوی کو لے کر عسقلان بھاگ گیا۔ بالڈون بے چارہ بھی محمل میں بیٹھ کر عسقلان پہنچا لیکن گائی نے شہر کے دروازے بند کر دیے۔ بالڈون بمشکل محمل سے اترا۔ اس کا نحیف جسم خاکستری عبا میں ملبوس تھا اور اس کے چہرے پر نقاب پڑی تھی۔ وہ لنگڑاتا ہوا دروازے تک گیا اور اپنی کمزور مٹھیوں سے زور زور سے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی "تم واپس چلے جاؤ"۔ بے چارہ کوڑھی لنگڑاتا ہوا محمل میں واپس آگیا، وہ اس سے زیادہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔

ولیم آف ٹائر (صوری) نے امیروں اور نوابوں کی بڑے سخت الفاظ میں برائی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے "ان لوگوں میں اور کافروں میں کوئی فرق نہیں اور سارے فلسطین میں ایک عورت بھی نہیں جسے باعصمت کہا جا سکے"۔ لیکن یہ امیروں اور سرداروں کا قصور تھا عوام اس سے بری الذمہ تھے۔

واقعی یورپی عیسائی اپنی نوّے سالہ حکومت کے دوران میں کافی بدل گئے تھے، وہ عرب اہلِ علم سے روشناس ہوئے۔ انھیں ایشیا کے کئی قدیم راہبانہ طریقوں سے سابقہ پڑا تھا، جن میں نسطوری تارکین، خاموش ارمنی راہب اور سفید کلاہ پوش قبطی درویش بھی تھے۔ زائرین کے لیے یروشلم کی راہ صاف ہو جانے کے بعد مارونی اور ونیقی فرقے کے راہب بھی مزارِ مسیح کی زیارت کے لیے آنے لگے تھے۔

صلیبیوں کو یہاں آکر پتا چلا تھا کہ پطرس اعظم دراصل روم کا نہیں بلکہ انطاکیہ کا رہنے والا تھا۔ انھیں اب معلوم ہوا کہ صلیب گاہ مسیح شہر پناہ سے باہر واقع ہے حالانکہ پادری اس مقدس چٹان کو یروشلم کے اندر بتاتے تھے۔ وہ سرزمین اسرائیل میں کاشتکاری کرنے لگے تھے، وہ مقامی باشندوں کے ساتھ مل کر مکئی، جو اور دالوں کی کاشت کرتے۔ ان کی محنت شاقہ سے قحط سالی کا مداوا ہوتا تھا۔ وہ مشقّت اور عسرت کی زندگی بسر کرتے لیکن گرجوں کی دولت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا، حالانکہ ان کی آمدنی کا بیشتر دارومدار عشر پر تھا جو وہ ادا کیا کرتے تھے۔

ہمارے تذکرہ نویس ولیم آف ٹائر کو یروشلم کے اسقفِ اعظم ہرقلیس کی دولت کا حال خوب معلوم تھا۔ اس کے صندوق سیم و زر سے لبریز تھے، وہ دولت کا پجاری تھا۔ وہ اعلیٰ پائے کا عالم نہ تھا۔ اس کی زندگی حرص و ہوس کا افسانہ تھی۔ کسی زمانے میں وہ شراب خانے کا ایک معمولی مطرب تھا۔ اس اسقف اعظم کے متعلق لوگوں میں کئی ہجویہ گیت مشہور تھے۔ گیتوں کی زبان میں اسے عام طور پر "بیگم اسقفِ اعظم" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

لیکن ہمارے فاضل وقائع نگار نے ایسی باتوں کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھا حالانکہ اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ زمینیں جو کلیسا کی ملکیت نہیں تھیں، رفتہ رفتہ نیم مذہبی اور فوجی اداروں یعنی ٹمپل اور ہاسپٹل کی جماعتوں کے تصرف میں چلی گئی تھیں۔ سرزمینِ قدس کے یہ خادم اس کے حقیقی مالک بن گئے تھے۔ طبریہ اور کرک کے قلعوں کے سوا سارے

سرحدّی قلعے اِن کے قبضے میں تھے۔ یہ جماعتیں براہِ راست روما کے پاپائے اعظم کے ماتحت تھیں۔ قانون کے مجرم ان کے ہاں پناہ لے کر محفوظ رہ سکتے تھے،
یروشلم میں اسلامی جہاد کی مزاحمت کرنے والا کوئی سہ دار نہ تھا۔ اِس لیے فلسطین کے دفاع کا انحصار ان سرحدّی قلعوں پر تھا۔ بانیاس اور حصین یعقوب کے سوا باقی سب قلعے صحیح وسالم تھے۔ اِن قلعوں کی تعمیر میں کئی سال صرف ہوئے تھے، کیونکہ ان کی چوڑی دیواروں میں لگانے کے لیے بھاری پتھر دُور دُور سے کھینچ کر لائے جاتے تھے۔ اِن پتھروں کو تراشنا بھی صبر آزما کام تھا۔ چند قلعوں کی تعمیر حال ہی میں ختم ہوئی تھی۔ ان میں سے حصین یعقوب کو صلاح الدین نے ایک ہفتے میں برباد کر دیا تھا۔
ہمارے فاضل اسقف اعظم کا خیال تھا کہ دشمن قلعوں کو تسخیر نہیں کر سکے گا۔ یہ قلعے فلسطین کی بلندیوں پر چھائے ہوئے تھے۔ بانیاس سے لے کر بیئر شیبا تک قلعوں کی قطار پھیلی ہوئی تھی۔ یہ قلعے ایک دوسرے سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھے۔ صیدا کا قلعہ ساحلِ سمندر پر تھا۔ قلعے کی مضبوط فصیلوں کے اندر شہر آباد تھے۔ چند قلعے تو بالکل فصیل دار دیہات معلوم ہوتے جن کے درمیان ایک چوکور سنگین مینار کھڑا کر دیا گیا ہو۔ لیکن کچھ قلعے کرک کی طرح ناقابلِ تسخیر بھی تھے۔ مسلمانوں نے کرک کو شعلۂ فرنگ کا نام دیا تھا۔ اس کی بلند دوہری دیواریں پہاڑ کی عمودی چوٹی پر کھڑی تھیں۔ یہ طرابلس تک کی ہاسپٹلر جماعت کا صدر مقام تھا۔ اس کے اندر غلام گردشوں میں یک ہزار گھوڑے باندھے جا سکتے تھے اور اس کے کمروں میں پانچ ہزار آدمی پناہ لے سکتے تھے۔ اِس کے گول بُرج بذاتِ خود قلعے تھے۔ اِن بُرجوں میں علیحدہ دروازے اور پل اُٹھانے والی کلیں نصب تھیں۔ ان کے اندر کئی مسقف راستے تھے۔ یہ بُرج سو فٹ اُونچے تھے جن کی بلندی سے اِردگرد میلوں تک کا علاقہ نظر آتا تھا۔ چٹان کی عمودی ڈھلان پر آلاتِ محاصرہ بے کار تھے اور اس کی دیواریں منجنیق کی زد سے باہر تھیں۔ ہاسپٹلروں نے قلعہ گری کا

فن بیزنطینیوں سے سیکھا تھا۔ کرک کا قلعہ ان کے وطن مالوف فرانس کے عظیم ترین قلعوں یعنی کاؤسی اور پیئر فانڈز سے دُگنا تھا۔

پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر یہ قلعے عظیم الشان سفید یادگاروں کی طرح نظر آتے رات کو یہ قلعے ایک دُوسرے کو اشاروں سے خبردار کر دیتے۔ پانی حوضوں میں محفوظ رکھا جاتا اور کئی قلعوں میں پانی کے ذخیروں تک مسقف راستے بنائے گئے تھے۔ یہ قلعے صرف اچانک حملے کی صُورت میں ہی سر کیے جا سکتے تھے، وگرنہ یہ حصار نہایت محفوظ اور یروشلم سے امدادی فوج کے پہنچنے تک اپنی مدافعت کرنے کے بخوبی اہل تھے۔ ہر قلعے میں یلغار اور محاصرے کے ماہر سینکڑوں آزمودہ کار سپاہی ہر وقت پا بہ رکاب رہتے۔ ہر مسلمان حملہ آور کو ان قلعوں سے ہو کر گزُرنا پڑتا اور یہ ناگزیر تھا کہ وہ اپنی فوج کا معتدبہ حصّہ ان قلعوں پر کڑی نظر رکھنے کے لیے پیچھے چھوڑے۔ کوئی بھی مسلمان فاتح قلعوں کا یہ منظّم سلسلہ اپنے عقب میں چھوڑ کر یروشلم پر پیش قدمی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

قلعوں کے اس جنوباً شمالاً پھیلے ہوئے سلسلے پر صلاح الدین نے کئی کاری ضربیں لگائی تھیں لیکن وہ بھی ان کو اچانک حملے سے مسخر کرنے سے قاصر تھا، کیونکہ ہر راستے اور ہر قلعے کی ڈھلان پر پہرے داروں کی مسلّح چوکیاں موجود تھیں۔

اسقف اعظم ولیم آف ٹائر کے تذکرے کی آخری سطور نہایت اذیّت ناک ہیں۔ شاہ بالڈون نے اس سے حیات بعد الممات کا ثبوت طلب کیا۔ اس سوال سے اسقف کو سخت صدمہ ہُوا اور اس نے طویل منطقیانہ دلائل سے بادشاہ کی تسلّی کرنی چاہی، لیکن بادشاہ کو اطمینان نہ ہُوا۔ اس کے دِل میں یہ شک جاگزین ہو چکا تھا کہ میرے کوڑھ کی شفا کے لیے سب گرجوں میں دُعائیں مانگی گئیں لیکن کوئی دُعا قبول نہ ہوئی۔

آخر کیوں؟

ولیم اُس کی بے راہ روی اور کفر کو یروشلم کے مصائب کا سبب گردانتے لگا۔

شاہ کی اولادِ نرینہ سے محرومی اور مسلمانوں کی روزافزوں قوت، قہرِ خداوندی کی کھلی نشانیاں تھیں۔ ولیم کا اندازِ فکر اس کے مذہبی عقیدے کا ترجمان تھا۔ بالآخر ولیم نے اپنی کتاب کے ورق طاق میں رکھے۔ اس نے تصنیف و تالیف کا کام ملتوی کر کے صور کو خیر باد کہا اور یورپ کی راہ لی۔ دیگر سفیر بھی اس کے شریکِ سفر تھے، وہ فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں سے یروشلم کے لیے اعانت طلب کرنے نکلے تھے۔

بحیرۂ مردار کے نشیب پر چھائی ہوئی نیلی دھند اور ماب کے سلسلۂ کوہ کی بنجر چوٹیوں سے پرے اور یروشلم کے برجوں کے پہرہ داروں کی عقابی نظروں سے دور کئی قلعے واقع تھے مثلاً کرک یہ صحرا کا سنگِ خارا، زیتون کے گہرے سبز باغات سے اوپر مانٹ ریال کی سفید دیواریں نظر آتی تھیں۔ وادیٔ موسیٰ کے اوپر اہامنت کا قلعہ ایستادہ تھا۔

یہاں کی زمین زرخیز تھی، انجیر اور انار کے درخت چشموں پر سایہ ریز تھے یہ قلعے صحرائی رستوں کے سنگم پر واقع تھے۔ یہاں سے ضربِ حج جنوب کی طرف مکّہ کو جاتی اور مشرق سے آنے والے قافلے مصر کی طرف مڑتے۔ یہ سرحدّی قلعے اسلامی دنیا کی شہ رگ پر خنجر کی طرح آویزاں تھے، یہ قلعے اسلامی دنیا کے حلق میں کانٹے تھے جن کو گوارا کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ سلطان نورالدین نے بڑی جانفشانی سے ان قلعوں کو سَر کرنے کی کوشش کی اور صلاح الدین نے پے درپے ان پر کئی ضربیں لگائیں لیکن اس کے باوجود یہ قلعے کانٹے کی طرح اسلامی دنیا کے دل میں کھٹکتے رہے۔ کرک کا قلعہ ایک گرگ باراں دیدہ کی کمین گاہ بن چکا تھا۔ اس شخص کو عرب مؤرخ ارناطہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ بوڑھا ارناطہ ایک تجربہ کار، عیّار اور مستقل مزاج سپاہی تھا۔

جوانی کے زمانے میں وہ ریجنالڈ آف شیسٹون سو۔ مارن کے لقب سے مشہور تھا۔ اس منچلے نے نہایت بے جگری اور دلیرانہ جذبے سے جنگ آزمائی کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اس نے

لہ جن مروّجہ راستوں سے حاجیوں کے قافلے آتے ہیں وہ ضرب الحج کہلاتے ہیں۔ (مترجم)

کئی مرتبہ صحرا کے تپتے ہوئے گھروں میں پناہ لی تھی اور کئی بار اپنے دشمن کے گھر کی چھت کو نذر آتش کیا تھا۔ وہ پرلے درجے کا جھوٹا اور بددیانت تھا، وہ انتہائی سنگ دل اور ظالم تھا۔ اسے موت کی پروانہ تھی، وہ تلوار کی نوک سے اپنی راہ نکالنی خوب جانتا تھا۔ وہ ماہر شمشیر آزما اور نڈر رہزن تھا، وہ بہادر تھا اور سپاہی اُس پر جان چھڑکتے تھے۔ اس میں صرف یہی دو خوبیاں تھیں، باقی انسانی صفات سے وہ عاری تھا۔ پہلے اُس سے ہم اس موقع پر متعارف ہوتے ہیں جب وہ کسی کی بیوی کو اغوا کر کے انطاکیہ لے بھاگا تھا اور بعد میں انطاکیہ کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ انطاکیہ بڑا شاندار شہر تھا جس میں بیزنطینی عظمت کی رمق باقی تھی۔ انطاکیہ کی فتح سے ریجنالڈ کا حوصلہ اس قدر بڑھا کہ اس نے بیزنطینی قیصر سے جزیرۂ قبرص چھیننے کی کوشش کی لیکن منہ کی کھائی اور قیصر کے رُوبرو اسے سرنگوں ہونا پڑا۔ اس نے سلطان نورالدین کے خلاف جرأت کی تو پندرہ سال قید و بند میں گزارنے پڑے، بالآخر جب رہائی نصیب ہوئی تو اسے کرک کا قلعہ دار مقرر کر دیا گیا۔ کرک سرزمینِ قدس کی بیرونی فصیل تھا۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک مقام تھا جس کی حفاظت اس گرگ خون آشام کے سپرد کی گئی تھی۔

ریجنالڈ کے سوا شاید کوئی اور عیسائی وہ انوکھی چال نہیں سوچ سکتا تھا جو ریجنالڈ کے پُرفن دماغ نے اختراع کی تھی۔ جب صلاح الدین نے جہاد کا اعلان کیا تو ریجنالڈ نے فوراً مکۂ معظمہ یعنی حرمِ اسلام کو تباہ کرنے کی غرض سے فوج کشی کر دی۔

اس حملے کا منصوبہ کافی دیر سے اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا۔ وہ اپنے سنگین قلعے میں بیٹھا جہاز تیار کراتا رہا۔ جہازوں کے مختلف حصے قلعے میں بنا کر بحیرۂ قلزم کے شمال میں پہنچائے جاتے۔ سادہ لوح دوست پرور عرب اس پُراسرار سامان کو اپنے اونٹوں پر لاد کر مقررہ مقام پر پہنچا دیتے۔ اس نے متفرق حصوں کو جوڑ کر سالم جہاز بنائے اور اُن پر سیاہ رنگ کر کے چھپا دیا اور بحیرہ قلزم پر مسلمانوں کی

بندرگاہ ایلہ[1] کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ اس اثناء میں دو جہاز خفیہ طور پر جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ بحیرۂ قلزم میں ان کا ورود بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ پُرسکون فصیل دار ساحلی دیہات کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے جنوب کی طرف بڑھتے گئے۔ بحیرۂ قلزم میں جو گذشتہ پانچ سو سال سے اسلامی تسلط میں تھا اور جیسا کہ اب بھی ہے یہ عیسائیوں کی پہلی مداخلت تھی۔ وہ ایک سال تک قتل و غارت میں مصروف رہے۔ یہ بکتر بند اور عبا پوش رہزن پُرامن حاجیوں کے جہازوں اور قافلوں کو لوٹنے کی تاک میں لگے رہتے۔ کسی تذکرہ نویس نے اس مہم کی تفصیلات نہیں لکھیں۔

ایک عرب مؤرخ کا بیان ہے "ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہو" وہ اچانک پُرامن دیہات اور قافلوں کو اپنے سفاکانہ حملوں کا نشانہ بناتے۔ ان کے شکار سراسیمہ رہ جاتے۔ وہ لہراتی کھجوروں کے سائے تلے، مٹی کے مکانوں میں بسیرا کرتے۔ ان کے جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوتے۔ دیہات میں ان کی آمد و رفت رہتی اور وہ ضروری معلومات اور سامان فراہم کرتے رہتے۔ حتیٰ کہ حاجیوں کا کوئی قافلہ ان کی زد میں آجاتا لیکن وہ مکافات کو زیادہ دیر تک نہ روک سکے۔ اس وقت صلاح الدین شمال میں مصروف پیکار تھا۔ اس کے بھائی ملک العادل نے مصری ساحل سے ایک بحری بیڑا ان قزاقوں کے تعاقب میں بھیجا دونوں فریقوں میں کیا کیا معرکے برپا ہوئے؟ اس کا حال ہمیں معلوم نہیں۔

ایک مرتبہ تو یہ منچلے مدینہ منورہ سے ایک دن کی مسافت کے فاصلہ پر پہنچ گئے تھے اس مقدس شہر کی سلامتی خطرے میں تھی، لیکن مسلمان بحری بیڑے نے انھیں فوراً دبوچ لیا۔

---

[1] یہ بندرگاہ خلیج عقبہ کے دہانے پر واقع ہے اور موجودہ زمانے میں یہ عربوں اور اسرائیل کے درمیان متنازع علاقہ ہے۔ (مترجم)

"ہم نے ان کا سخت تعاقب کیا اور کافروں کے اس دیدہ دلیر گروہ کو واصلِ جہنّم کر دیا۔ ہم نے ان کا نام و نشان مٹا دیا اور اس معرکے میں ایک سو ستر قیدی بنائے۔"

صرف دو قیدیوں کو "مکّہ" بھیجا گیا تا کہ انھیں عید الاضحیٰ کے موقع پر حاجیوں کے اجتماع کے سامنے قتل کیا جائے۔ باقی قیدیوں کو اونٹوں اور گدھوں پر اس طرح جکڑا گیا کہ ان کے مُنہ جانوروں کی دُم کی طرف تھے۔ انھیں قاہرہ بھیج دیا گیا جہاں اس فتح کی خوشی میں مسرت کے شادیانے بجائے گئے۔

"اِن کے مصائب اور کارناموں کے تذکرے سے ہم لوگ انگشت بدنداں رہ گئے ——— سُلطان نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کے سر قلم کر دیے جائیں۔ ان میں سے کوئی اپنے کارناموں کے راگ گانے اور قلزم کے بحری راستوں کی نشاندہی کرنے کے لیے زندہ باقی نہ بچا۔ کُفّار اور حرمین کے درمیان بحیرۂ قلزم ایک ناقابل تسخیر "حدِّ فاصل تھا"۔"

مُسلمان تذکرہ نویسوں کا اندازہ غلط تھا۔ ایک آدمی بچ نکلا اور وہ ریجنالڈ تھا۔ وہ کرک واپس پہنچ کر کچھ دنوں تک مجروح بھیڑیے کی طرح خاموشی سے اپنے زخم چاٹتا رہا۔ اس شکست سے اس کے عزم میں کوئی کمزوری واقع نہ ہوئی اور جونہی وہ اپنی قوت مجتمع کرنے میں کامیاب ہوا اس نے دوبارہ کرک کے قُرب و جوار سے گزرنے والے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔

اس "گرگ خونخوار" کے غار میں اس سال ایک شادی کی تقریب مُنعقد ہوئی، جوان سال نائٹ ہمفرے آف ٹورون کی شادی شاہ بالڈون کی چھوٹی بہن ازابیل سے ہوئی۔ یہ ہمفرے آف ٹورون اس ہمفرے کا بیٹا تھا جس نے ایک روایت کے مطابق بیس سال پہلے اسکندریہ میں صلاح الدین کے شانے پر شمشیر مَس کر کے اسے نائٹ بنایا تھا۔ نوجوان ہمفرے یروشلم کے قدیم اور معزّز خاندان کا ممتاز فرد تھا۔

ازابیل نوجوان اور خوبصورت تھی اور یروشلم کے شاہی خاندان کی شہزادی!
ہمیں صرف اسی قدر واقعات معلوم ہیں یہ راز ہم نہیں جانتے کہ ان کی شادی دورافتادہ کرک میں ریجنالڈ کے درشت شمشیر آزماؤں کی تلواروں کے سائے میں کیوں ہوئی؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ریجنالڈ ہمفرے کا عزیز تھا۔ ریجنالڈ نے اس موقع پر ماورائے اردن سے کئی سازندے اور مطرب بلائے اور مہمانوں کی ضیافت کے لیے ایک دو رجن دنبے ذبح کرائے۔

گاؤں کے عرب باشندے روشنیوں کا منظر دیکھنے اور موسیقی کی تانیں سننے کے لیے پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ کرک میں عیش و طرب کا ہنگامہ برپا تھا۔ بالآخر آدھی رات کے قریب دولھا اور دلہن کو ایک چھوٹے سے برج میں پہنچا دیا گیا، جو پانچ سو گز چوڑے اندرونی صحن میں واقع تھا۔ برج کے دروازے بند کر دیے گئے، عیش و طرب کا ہنگامہ سرد ہو گیا اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا ——— دفعتہً رات کے سیاہ پردوں سے عجیب آوازیں اٹھنے لگیں۔ آہستہ آہستہ نقارے کی گونج بلند تر ہوتی گئی۔ نفیریاں زور زور سے بجنے لگیں اور طبل کی دف دف تیز تر ہوتی گئی ——— تلواروں کی جھنکار قریب تر آ گئی اور پھر یا اھل السلام ——— یا اھل السلام ——— کا نعرہ صاف سنائی دینے لگا۔

یہ صلاح الدین کی فوج تھی۔ وہ ریجنالڈ سے مکّہ پر حملے کا انتقام لینے ناگہانی طور پر آن پہنچا تھا۔ صلاح الدین کے سپاہیوں نے قلعے کی بیرونی دیوار پر دھاوا کر کے عیسائی شمشیر آزماؤں کو کھلے احاطے سے مار بھگایا۔ وہ اسلحہ خانہ اور پانی کے حوض سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور قلعے کی گہری خندق کے پار آ کر دم لیا، لیکن مجروح بھیڑیا اتنی آسانی سے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔ ریجنالڈ اور اس کے بیشتر سپاہی اٹھاؤ پل سے خندق کے پار جا چکے تھے۔ یہ گہری کھائی قلعے کے بیرونی

حصّے کو اندرونی حصار سے جُدا کرتی تھی۔ صلاح الدین نے بقایا چار دیواری پر دھاوا کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے خندق کے مقابل اپنے آلاتِ محاصرہ نصب کر دیے۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہُوا کہ اس حملے سے شادی کی تقریب میں مداخلت ہوئی ہے اور دُولھا دلھن اندرونی حصار کے بُرج میں مقیم ہیں تو حکم دیا کہ اس بُرج کو نشانہ نہ بنایا جائے۔

ریجنالڈ نے ضیافت کے دسترخوان سے سُلطان کی خدمت میں کھانا اور شراب بھجوائی اور معذرت چاہی کہ وُہ جلدی میں اپنے بِن بُلائے مہمان کی شایانِ شان خاطر و مدارات نہیں کر سکا۔

صلاح الدین کے اسلحہ کاروں نے اپنے منجنیقوں سے اندرونی قلعے کو پیہم سنگباری کا نشانہ بنایا۔ ریجنالڈ مہینہ بھر بڑی پامردی سے ڈٹا رہا حتیٰ کہ اس کے حریف رمنڈ کی قیادت میں یروشلم کی فوجیں دریائے اردن کو عبور کر کے اس کی کُمک کے لیے آن پہنچیں۔

صلاح الدین کی فوج زیادہ نہ تھی۔ اِس نے محاصرے کو طُول دینا مناسب نہ سمجھا اور شمال کی طرف پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اِس فیصلے سے پیشتر ریمنڈ نے سُلطان کے خیمے میں پہنچ کر صُلح کی گُفتگو کی۔ سُلطان مان گیا۔ اور فریقین میں پانچ سال کے لیے عارضی صُلح طے پا گئی۔ طبریہ کے اِس نوجوان حاکم کی نظروں میں یہ عارضی صُلح ہی یروشلم کی سلامتی کا بہترین ذریعہ تھی۔ صلاح الدین کو بھی مُہلت کی ضرورت تھی۔ اس نے شورش پسند شمالی علاقے پر اپنا تسلّط جما لیا تھا لیکن مشرق کی جانب موصل میں ابھی فتنہ فرو نہیں ہُوا تھا۔ حلب کی حفاظت کے لیے تقی الدین ایک لشکر لیے وہاں پڑا تھا۔ اِس لیے وُہ عیسائیوں کے خلاف اپنی پُوری قوّت اور وسائل استعمال کرنے سے قاصر تھا۔ چُنانچہ اس نے عیسائی ریاست کے استیصال سے پہلے مُوصل اور عراق کے شمالی کوہستانی علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔ ۱۱۸۲ء کے ابتداء میں صلاح الدین سرحد سے واپس چلا گیا۔

دُوسرے سال یروشلم کا شاہ بالڈون لاولد مر گیا۔

۱۱

رسمِ تاجپوشی

مینارِ داؤد سے مُلحق شاہی محل کی غلام گردشیں ایک سال تک ویران اور افسردہ رہیں۔ اسقفِ اعظم نے تاجِ شاہی کو حرمِ کلیسا میں محفوظ کر دیا تھا۔ نائٹ اور امیر، سالار، سردار اور گرینڈ ماسٹر[1] راہب خانے میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ روز بہ روز یہ جھگڑا شدید تر صُورت اختیار کرتا گیا۔ کئی امیر کم عمر ریمنڈ کی سرپرستی کے مدّعی تھے اور کئی امیر اسے تاجِ شاہی کے لائق نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس نے صلاح الدین سے اہانت آمیز عارضی صُلح کی تھی۔

اسقفِ اعظم اِن سب کے دلائل خاموشی سے سُنتا رہتا اور وُہ ٹمپلر جماعت کے سردار ڈی رڈ فورڈ کی باتوں پر خاص توجہ دیتا۔ سبل بڑی اولوالعزم شہزادی تھی، اسے تاج و تخت کی بازی میں اپنے خاوند کی کمزوری کی پروا نہ تھی۔ وُہ مرحوم بادشاہ کی سگی بہن اور جاگیردارانہ دستور کے مطابق تخت کی جائز وارث اور دعویدار تھی۔

---

[1] ہاسپٹلر اور ٹمپلری جماعتوں کے سردار گرینڈ ماسٹر کہلاتے تھے۔

لیکن کئی امیر شہزادی سبل کے اِس لیے مخالف تھے کہ وُہ گائی کو بالڈون کے تاج کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اِس مخالف گروہ کا سردار حاکم طرابلس یعنی ریمنڈ تھا۔ وہ شہزادی ازابیل اور ہمفرے آف ٹورون کے حامی تھے۔ کئی امیروں نے شہزادی ازابیل کی اطاعت قبول کرلی۔ لیکن ہمفرے کو جاگیردارانہ دستور کا اتنا پاس تھا، کہ اِس نے تاج شاہی حاصل کرنے کے لیے ازخود کوئی اقدام نہ کیا۔

یہ لوگ صلاح الدین کے خطرے سے بے نیاز تھے، کیونکہ انھیں خبر مل چکی تھی کہ شمالی علاقے میں صلاح الدین سخت بیمار ہے۔ سُلطان اپنے قول کا پکا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ سُلطان مرے یا جیئے پنج سالہ صُلح بہرصورت قائم رہے گی۔

اِس عرصے میں ریجنالڈ حاکم کرک اپنے سوار دستوں کو ساتھ لے کر یروشلم میں داخل ہُوا۔ سفید محل کے کمروں سے مسلح ٹمپلر جنگجو بھاگتے ہوئے نکلے اور ریجنالڈ کے ہمراہ ہولیے۔ یہ محل کسی زمانے میں مسجد تھا۔ عسقلان کے نیزہ بردار بھی آن پہنچے۔ رات کو سارے لشکر نے یروشلم پر دھاوا بول دیا اور نہایت آسانی سے شہر میں داخل ہوگئے۔ صبح ہوئی تو شہر شہزادی سبل کے حامیوں کے ہاتھوں میں تھا۔

اسقفِ اعظم ہرقلیس نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً جاگیردارانہ دستور کے نفاذ پر رضامند ہو گیا۔ تماشائیوں کے گروہ کے گروہ جلوس کی شکل میں جمع ہو گئے اور یہ جلوس آہستہ آہستہ کلیسائے مزارِ مسیح کی طرف روانہ ہُوا۔ ٹمپلر سواروں کے سفید چغوں اور اہلِ کرک کے خاکستری نشانوں کے ہجوم میں زرد رُو شہزادی سبل اور خاموش گائی آہستہ آہستہ چلے جارہے تھے۔ یہ جلوس بصد احترام کلیسا کے دروازے سے اندر داخل ہُوا۔ کلیسا کی فضا نیم تاریک تھی، مرمر کے بلند ستونوں کے درمیان شمعیں جھلملا رہی تھیں، سیاہ پوش راہب مزارِ مقدس کے قریب سرنگوں ایستادہ تھے، ہرقلیس اپنا مخصوص لباس اور کلاہ پہنے قربان گاہ کے پاس کھڑا تھا۔ اِس نے شیشی سے شہزادی کے

سر پر[1] تیل چھڑ‌ا اور پھر اس کے سر پر تاج شاہی رکھتے ہوئے اپنا خطبہ ارشاد کیا۔ اس کی آواز گنبد میں گونج رہی تھی +

"معزز مذہبی پیشواؤ، امیرو، شہریو اور حاضرین! ہم اعلان کرتے ہیں کہ آج ہم عالی مرتبت شہزادی سبل، کاؤنٹس آف جافا اور عسقلان کی رسم تاجپوشی ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کیا آپ کو منظور ہے کہ وہ سلطنت کی ملکہ عالیہ ہوں"؟

اسقف اعظم نے تین مرتبہ سوال دہرایا اور اس کے جواب میں دبے لہجے میں ہاں کی آوازیں سنائی دیں۔ رسم تاجپوشی ختم ہوئی، ملکہ سبل اپنی نشست سے اُٹھی اور اپنا تاج اُتار کر اپنے خاوند کے سر پر رکھ دیا۔ "اب میں ملکہ سبل یہ تاج اپنے خاوند کو بخشتی ہوں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے خاوند کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ گرجا کی بلند نشست پہ بٹھا لیا +

یروشلم کے کانسٹیبل ایمارک نے اپنے بھائی کی تاجپوشی کا منظر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ "خدا کی قسم انہوں نے گائی کو بادشاہ بنایا ہے تو مجھے خدا بنانا چاہیے تھا"؟

شہزادی ازابیل نے سبل اور گائی کی تاجپوشی کے خلاف آواز بلند کی لیکن اس کا خاوند ضابطۂ جاگیرداری کا پابند اور تن آسان شخص تھا۔ وہ جھگڑا مول لینے کو تیار نہ تھا۔ ریمنڈ کو کیا پڑی تھی کہ وہ مدعی سست گواہ چست کے مصداق لڑائی کو دعوت دیتا۔ البتہ اس نے خود شاہ یروشلم کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رفتہ رفتہ کئی لوگ ریمنڈ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ریمنڈ دل برداشتہ ہو کر صلاح الدین کے پاس چلا گیا اور اس کی

---

[1] زمانۂ وسطیٰ کے یورپ میں تاجدار کے سر پر تیل چھڑ‌نا رسم تاجپوشی کا جزو اعظم سمجھا جاتا تھا یہ رسم لاٹ پادری یا اسقف اعظم ادا کیا کرتے تھے۔ انگریزی میں اسے Annoitment کہتے ہیں۔ انگریزوں کے ہاں اب تک یہ رسم قائم ہے +

اطاعت قبول کر لی۔

دن بیت کر مہینے بن گئے۔ ریجنالڈ سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ اسے عارضی صُلح سخت ناگوار معلوم ہونے لگی۔ وُہ سوچنے لگا کہ صُلح تو رینڈ نے طے کی تھی، مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ویسے بھی رینڈ ان دِنوں مغلوب ہے، وُہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ یہ سوچ کر اس کی نیّت میں فتور آ گیا اور جب قاہرہ سے آنے والا ایک عظیم الشان قافلہ کرک کے نزدیک ٹھہرا تو اس قافلے کے سامان تجارت کی فراوانی اور غلاموں کی کثرت دیکھ کر ریجنالڈ کی قزاقانہ فطرت بے قابو ہو گئی۔

ریجنالڈ نے قافلہ لُوٹ لیا اور آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ صلاح الدین نے سخت احتجاج کیا اور لکھا کہ یہ میرا ذاتی قافلہ تھا جو عارضی صُلح کی ضمانت کے ماتحت پُرامن طریقے پر سفر کر رہا تھا۔ سلطان نے آدمیوں کی رہائی کا فوری مطالبہ کیا۔ ریجنالڈ نے سلطان کے احتجاج کی پرواہ نہ کی بلکہ نہایت سفاکانہ دلیری کے ساتھ مکّہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے ایک اور قافلہ کو لُوٹ لیا۔ یہ تھا اس کا جواب۔

صلاح الدین کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے کہا "انشاء اللہ میں اس شخص کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔" اس اثنا میں وہ صحت یاب ہو چکا تھا اور موصل میں اس کی مہم کامیاب رہی تھی۔ اس نے پہلی مرتبہ دُور دراز علاقوں سے سپاہ طلب کی۔ ترکمان قبائل اور عراق کے کرد اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

اس کے سوانح نگار کا بیان ہے کہ اس کا اعلیٰ نصب العین اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تھا۔ اس کے دل میں اور اس کی زبان پر جہاد کا نام تھا۔ اس کا عمل جہاد کے لیے اک سعی پیہم تھا۔ وُہ ہر وقت لشکر، سپاہ، تیر و تفنگ اور آلات محاصرہ کی باتیں کرتا اور جہاد کے متعلق سوچتا رہتا۔ وُہ سارا دن ایک چھوٹے سے خیمے کے سائے میں گزار دیتا۔

صلاح الدین کا شوقِ جہاد نئی سپاہ میں بھی سرایت کر گیا۔ اس نے دریائے اردن کا رُخ کیا۔ دُوسری طرف تقی الدین جنگ آزمودہ سواروں سمیت انطاکیہ کے قرب و جوار میں حرکت پذیر تھا۔ وُہ انطاکیہ کے عیسائی لشکر کا راستہ روکے ہوئے تھا تاکہ وُہ یروشلم کی عیسائی فوج سے نہ مل سکے۔ پھر جون ۱۱۸۷ء میں تقی الدین نے بڑی سُرعت سے جنوب کا رُخ کیا اور اپنے مجاہد چچا سے جا ملا۔

سُلطان نے اپنے سیاہ پرچم کھول دیئے اور طبریہ کی جھیل کے قریب دریائے اردن کو عبور کر لیا۔ اِس مرتبہ مراجعت کا کوئی سوال نہ تھا۔ صلاح الدین صلیبیوں کی عسکری قوت کو پاش پاش کر کے انھیں سرزمین قدس سے نکال دینے کا عزم بالجزم کر چکا تھا۔

صلیبی بہادر بھی جنگ کی تیاریوں میں نہایت جانفشانی سے مصروف تھے۔ بادشاہ نے اعلانِ عام کے ذریعے سے امیر، غریب، دہقان، قلعہ دار اور جہاز راں غرضیکہ ہر ایک عیسائی کو بُلایا۔ پیدل اور سوار نے صفوریہ کا رُخ کیا۔ طرابلس کے بہادر، بحری طالع آزما، صور کے نیزہ بردار اور صف بستہ زرہ پوش ٹمپلر جانباز جوق در جوق میدانِ کارزار میں پہنچنے لگے۔ نوجوان امیر اپنے ایوانوں سے رُخصت ہوئے، ان کی عباؤں میں پھول اور ان کے دلوں میں الوداعی بوسوں اور مسکراہٹوں کی یادیں جگمگا رہی تھیں۔ درشت مزاج قلعہ دار رنالٹ تیزی سے اپنی سنگین پناہ گاہوں سے نکلے۔ اور تو اور وحشی ٹرکوپول[1] بھی میدان میں پہنچ گئے۔ غرضیکہ ہر طبقے، ہر قبیلے اور ہر قماش کے لوگ اکٹھے ہوتے گئے۔ ہر وقت خشک زمین کے سینے سے گرد و غبار کے بگولے اُٹھتے رہتے اور جب غبار چھٹتا تو اس میں سے پیدل یا سوار نمودار ہوتے۔

وُہ مقبروں میں اُگے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ کر سستاتے، یا کسی

۱؎ ٹرکوپول سے مُراد یروشلم کے کلیسا سینٹ جان کے نیم مسلح راہبوں سے ہے جو بڑے جنگجو اور وحشی تھے۔

چشمے پردم لینے، وہ خشک وادیوں اور دشوار گذار راستوں سے منزلیں مارتے ہوئے آتے۔ کبھی وہ رات گرجوں میں گزارتے اور کبھی ستاروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کرتے۔ یروشلم کے نائٹ اور سیاہ پوش ہاسپٹلر جنگجو مقدس صلیب الصلبوت کے طلائی پرچم کے گرد حلقہ باندھے اسے نہایت احتیاط اور احترام سے اپنے ساتھ لائے جب پرچم بردار قافلے نے آہستہ آہستہ کوہِ کارمل کی بلندیوں پر چڑھنا شروع کیا تو دو رویہ پادری سر جھکائے دُعائیں مانگ رہے تھے۔ اس طرح ہر منزل پر پرچم کی خیر و برکت کے طفیل فتح و نصرت کی دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ قافلہ صفوریہ کے چشموں تک پہنچ گیا۔ اس علاقے میں یہ آخری چشمے تھے۔ اس سے آگے حدِ نظر تک ایک بنجر میدان پھیلا ہوا تھا جس کی حد طبریہ کے پہاڑوں کو چھوتی تھی۔ اس خشک اور بے آب و گیاہ میدان میں نہ کوئی چشمہ تھا، نہ کوئی ندی نہ نالہ۔

صفوریہ میں عیسائی لشکر کا پڑاؤ تھا۔ جنگی سردار اپنے ایوانوں اور خیموں میں بڑی بے تابی سے جنگ کے منتظر تھے۔ موسم سخت گرم تھا۔ ریمنڈ کی آنکھیں نیند سے محروم تھیں۔ اسے ہر دم اپنی بیوی اور اپنے قلعے کی فکر دامن گیر رہتی اس کا قلعہ پہاڑوں کے اس پار طبریہ کی جھیل کے کنارے واقع تھا۔ یہ علاقہ مسلمان سواروں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ کرک کے سردار ریجنالڈ کو یارائے صبر نہ تھا۔ اب ریمنڈ اور ریجنالڈ نے مفاہمت کر لی تھی۔ وہ ذاتی اختلافات ختم کر کے مشترکہ خطرے کے خلاف متفق ہو چکے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ ہمفرے آف ٹورون، بالین ڈی ابیلن، کانسٹیبل آمارک اور ٹمپلر سردار اس فوجی اجتماع میں موجود تھے۔

دن گذرتے گئے اور وہ منتظر رہے۔ مخبر مسلمان فوج کی خبریں لاتے رہتے۔ بالآخر انھیں معلوم ہوا کہ صلاح الدین دریائے اردن پار کر کے طبریہ کی بلندیوں میں خیمہ زن ہے، وہ ان کے مقابل پندرہ میل کے فاصلے پر موجود ہے۔ صلاح الدین کی

فوج پچیس ہزار سواروں پر مشتمل ہے۔ اور وہ بھی حملے کے منتظر ہیں۔ اِن کے مورچے دُور سے نظر آتے تھے۔ صلاح الدین عیسائی لشکر کو یُوں عقب میں چھوڑ کر یروشلم پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ساحل کے کِنارے کِنارے عیسائی فوج کی زد سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ دونوں فوجیں بالمقابل پڑی، ایک دُوسرے کی پیش قدمی کی منتظر رہیں۔ دونوں فوجیں ہوشیار اور مُحتاط تھیں۔ اِس تکلیف دہ اِنتظار میں جُون کا مہینہ بھی گزر گیا۔

بالآخر صلاح الدین نے ایک لشکر کو جھیل کے کنارے طبریہ پر حملہ کرنے بھیج دیا۔ مسلمانوں نے طبریہ شہر کی بیرونی دیواروں پر دھاوا کر کے ایک ہی دن میں قبضہ کر لیا۔ "ریمنڈ کی بیوی اور مختصر سی فوج محصور ہو کر رہ گئی۔"

اِس رات عیسائی فوج کے سردار بادشاہ کے خیمے میں جمع ہوئے کہ اب کیا کیا جائے؟ ٹمپلروں کے سردار ڈی رڈ فورڈ نے بڑی سنجیدگی سے کہا "یہ سخت بے عزّتی ہے کہ ہم بیٹھے رہیں اور دُشمن اِس قلعے کو ہتھیا لے جو ہماری دسترس میں ہے"۔

ریجنالڈ نے اِس تجویز کی پُر جوش تائید کی۔ انھوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا بادشاہ نے قدرے تامل کے بعد کہا "مجھے جنگ شروع کرنے کی جُرأت نہیں"۔

اب ریمنڈ کی باری تھی "میرے رفیقو! آپ اِس خطرے کا کیوں اندازہ نہیں کرتے جو ہمیں اِس شخص صلاح الدین سے درپیش ہے"۔ اِس نے واضح کر دیا کہ اگر مُسلمانوں کے خلاف پیش قدمی کی گئی تو راستے میں پانی بالکل دستیاب نہیں ہو سکے گا۔ اِس صورت حال میں پیش قدمی نہ کی جائے۔ دُشمن طبریہ پر قبضہ کر لے اور بے شک میرے اہل و عیال قید ہو جائیں لیکن پیش قدمی نہ کی جائے، یہ سراسر ہلاکت ہے۔ اگر ہم مضبوطی سے اپنی جگہ پر جمے رہے تو دشمن کو لامحالہ پسپا ہونا پڑے گا اور اگر دُشمن جنگ آزمائی ہی پر تُلا ہوا ہے تو اسے اپنے بہتر مقام کے فوائد چھوڑ کر اپنی جگہ سے

پلٹنا پڑے گا۔ کئی سردار ریمنڈ سے متفق تھے لیکن شوریدہ سر ریجنالڈ اور کئی نوجوان سردار فوری طور پر حملہ کرنے کے حق میں تھے۔ انھوں نے مجلس مشاورت کو جتا دیا کہ ریمنڈ کی رائے زیادہ قابل توجہ نہیں، کیونکہ ایک مرتبہ اس نے خُفیہ طور پر صلاح الدین سے صُلح کر لی تھی۔ بہر کیف مجلس مشاورت نے پیش قدمی کے خلاف فیصلہ دیا۔

شام کے بعد ڈی رِڈفورڈ اور ریجنالڈ بادشاہ کے خیمے میں حاضر ہوئے اور انھوں نے کمزور ارادہ گائی کو پیش قدمی کے احکام جاری کرنے پر رضامند کر لیا۔ علی الصباح فوج نے کُوچ کیا، پرچم کھول دیئے گئے۔ صف بستہ پیادے، قطار اندر قطار سوار اور جوق در جوق نیزہ بردار وسیع میدان میں بڑھتے چلے گئے۔ عیسائی فوج محض حمیت کا تقاضا پُورا کرنے کے لیے میدان جنگ میں کُود پڑی تھی۔[1]

---

[1] مسلمان مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ امراء نے صلاح الدین کو جنگ سے باز رہنے اور پسپا ہو کر عیسائی سرداروں کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر کے ان کی جمعیت کو مُنتشر کر دینے کا مشورہ دیا تھا، لیکن صلاح الدین نے اِن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔ "دشمن کی اِتنی جمعیت کثیر کبھی ہمارے مقابل دوبارہ ایک مقام پر اکٹھی نہیں ہو گی۔ بس تم حملے کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ کی رضا پر بھروسا رکھو۔" (مصنف)

۱۲

معرکۂ حطین

۲ر جولائی کی صبح کو مسیحی سالاروں نے کوُچ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ وُہ دوپہر تک اسلامی لشکر کو جالیں گے اور شام تک ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے نِکل جائیں گے۔ اِنھیں معلوم تھا کہ مُسلمان ایک گہرے نشیب کے بالائی کنارے پر صف آرا ہیں یہ نشیب طبریہ کی جھیل کی طرف جُھکتا چلا گیا تھا جو سطح سمندر سے چھ سَو فٹ نیچی تھی۔ مسیحی سالاروں کا یہ منصوُبہ تھا کہ مُسلمانوں کی صفیں توڑ کر انھیں پیچھے دھکیل دیا جائے۔ اِس طرح وُہ گہرے نشیب میں گِر کر فنا ہوجائیں گے اور باقی ماندہ قلعۂ طبریہ کی زد میں آجائیں گے۔ اِنھیں مُسلمانوں کی تعداد کی پروا نہ تھی۔ کرک کے بُوڑھے بھیڑیے نے ہنس کر کہا "لکڑیاں زیادہ ہوں گی تو آگ زیادہ جلے گی"۔

بیس۲۰ ہزار مسیحی فوج سرگرمِ سفر تھی۔ اِس فوج میں ہر قسم کے تجربہ کار سپاہی تھے۔ وُہ مذہبی جذبے سے سرشار تھے اور جنگ کے لیے کمربستہ۔ بیشتر فوج پیادہ تھی۔ پیادہ سپاہی زِرہ پہنے، پانی کے مشکیزے اُٹھائے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ سُورج کی گرمی

لمحہ بہ لمحہ تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ ان کے پاؤں تلے پتھر تپ رہے تھے اور زرہ میں دھوپ کی شدّت ناقابلِ برداشت تھی۔ ان کے خشک گلے اور نتھنے سُرخ گرد سے اَٹ گئے تھے۔ وہ گہرے نشیبوں سے اُوپر چڑھتے اور پُر خار گھاٹیوں میں اُلجھ کر رہ جاتے۔ سردار اور امیر گھوڑے دوڑاتے ہوئے آتے اور انھیں تیز چلنے کی تلقین کرتے لیکن بے سُود۔ وُہ بدستور پیچھے رہتے گئے۔

شام ہوگئی لیکن وہ مُسلمانوں کے لشکر تک نہ پُہنچ سکے۔ سالاروں نے پڑاؤ کا حُکم دیا اور فوج نے اپنے خیمے نصب کر لیے۔ تشنہ لب سپاہیوں نے جی بھر کے پانی پیا اور آرام سے سوئے، کئی مسلّح سوار رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ اس رات ریمنڈ کو نیند نہ آئی، وُہ اِس تکلیف دہ احساس سے پریشان تھا کہ اگرچہ ہم بہت دُور نکل آئے ہیں، لیکن منزل کے قریب نہیں پہنچے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ اب ہم واپس جائیں تو مسلمانوں کے رسالے کی زد میں آجائیں گے اور صفوریہ کے چشمے بھی ہماری دسترس سے باہر ہو چکے ہیں۔ اگر ہم کل طبریہ نہ پہنچ سکے تو مکمّل تباہی ہے۔

"اُف خُدایا، خُدایا! ہم تو ابھی سے لڑائی ہار چُکے ہیں۔ ہم تو مُردوں میں شامل ہیں۔"

طلوعِ سحر سے پہلے نقاروں پر چوٹ پڑی، گھوڑوں پر زینیں کسی گئیں، نیزہ برداراور تیر انداز اپنے اسلحہ کو درست کرتے ہوئے اپنے اپنے دستوں کی طرف بھاگے، جب فوج نے کُوچ کیا تو سُورج کی تیز کرنیں آنکھوں کو چُندھیانے لگی تھیں، گرمی کی بتدریج تیزی سے پیاس کی شدّت بڑھنے لگی۔ بالآخر سپاہیوں نے پانی کے آخری گھونٹ پی کر خالی مشکیزے پھینک دیے۔

تھوڑی دیر کے بعد طبل کی دف دف اور نفیریوں کی ملی جُلی آواز صاف سُنائی دینے لگی۔ اب مسلمانوں کے سیاہ اور سبز پرچم لہراتے آ رہے تھے۔ جیش در جیش مُسلمان سوار مسیحی لشکر کے بازوؤں کی طرف حرکت کر رہے تھے مسیحی لشکر کا بُرا حال

ہو رہا تھا۔ تپتی ہوئی زمین سے ان کے پاؤں جُھلس رہے تھے، گرمی سے ہوا میں ارتعاش سا تھا، فضا پر غُبار چھایا ہُوا تھا جس میں گھوڑوں کے سُموں تلے کچلے ہوئے بھُس کے تنکے اُڑ رہے تھے۔ انھیں بار بار پسینہ آتا اور سُوکھ سُوکھ جاتا۔ اُن کو اب زرہ بکتر بھی وزنی محسُوس ہونے لگے تھے +

یکدم غُبار کا دبیز پردہ پھٹا اور جنگجو عرب قبائل نمودار ہوئے۔ سنسناتے ہوئے تیر فضا کو چیر گئے، طبل کی آواز گونجی اور ایک پُر زور نعرہ بلند ہُوا۔

"یا اھل السّلام ـــــ یا اھل السلام ـــــ"

اُدھر صلیب الصلبوت۔ کے طلائی چوکھٹے کی سنہری کرنیں مسیحی لشکر کے سروں پر جگمگا رہی تھیں۔

بالآخر سُورج غُروب ہُوا اور مغربی اُفق پر سیاہی پھیل گئی۔ ہَوا خاموش تھی اور خُشک میدان کے سینے پر تنکے اور غُبار آلُود تمرس کی شاخیں بکھری پڑی تھیں +

رات کے اندھیرے میں بھُوکے پیاسے صلیبی سپاہی ٹیلوں اور چٹانوں پر بیٹھے یا لیٹے تھے۔ ہر گروہ میں لوگ بھرائی ہوئی آواز سے سرگوشیاں کر رہے تھے کچھ تشنہ لب دُعائیں مانگ رہے تھے، زخمی کراہ رہے تھے۔ اور بے سُود پانی مانگ رہے تھے۔ پسینے میں شرابور گھوڑوں پر زینیں کسی رہیں۔ زمین پر شکستہ نیزوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے، افسردہ امراء خاموشی سے خیموں میں بیٹھے تھے +

سردار، سوار، تیر انداز اور نیزہ بردار سارا دن لڑتے رہے تھے۔ سخت جانفشانی اور خُونریزی کے باوجود وہ کچھ زیادہ آگے بڑھنے نہیں پائے تھے مُسلمان سواروں کی صفیں بدستور قائم تھیں۔ اب رات کے اندھیرے میں وہ لاشوں کے پاس خستہ حال اور افسردہ خاطر بیٹھے تھے۔ پیاس کی شدّت اور تکان کی اذیّت ناقابلِ برداشت تھی۔ پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا اور اب پانی حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ نہ تھا۔ بظاہر کامیابی کی

کوئی اُمید نظر نہیں آتی تھی۔ وہ مایوس اور پریشان حال تھے۔
ایک مسلمان مؤرخ نے لکھا ہے کہ "اس رات موت کے فرشتے پہرہ دیتے رہے"۔
صلیبی پڑاؤ کے گرد مشعلیں حرکت کرتی نظر آئیں۔ سُلطان کے گشتی دستے دونوں طرف سے مسیحی فوج کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ قاریوں کی قرآن خوانی کی مترنم آواز قریب تر آتی محسوس ہوتی تھی۔ سیراب اور پُراُمید سپاہیوں کے پُرجوش نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔

"اللہ اکبر —— لا الہ الا اللہ —— اللہ اکبر ——"

صبح ہوتے ہی عیسائیوں نے دوبارہ اپنے ہتھیار سنبھالے اور میدانِ کارزار میں کود پڑے، وہ آگے بڑھے۔
اور مُسلمان مؤرخ کے الفاظ میں "گویا وہ یقینی ہلاکت کی طرف دھکیلے جا رہے تھے"۔
پیش قدمی میں پیادوں کی صفیں قدرے غیر منظّم ہوگئیں، نیزہ برداروں کے نیزے سرنگوں تھے۔ پیادہ فوج رسالے کی حمایت میں بے کار ثابت ہوئی۔ وہ غبار کے بادلوں کو چیرتے ہوئے خاموشی سے طبریہ کی خُنک گھاٹیوں کی طرف بڑھ رہے تھے جو دُور سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ پیاس کی شدّت سے وہ نڈھال ہو چکے تھے اور ان پر بُخار کی سی کیفیت طاری تھی۔ ۴ جولائی کو وہ انسانوں کے بجائے انسانی سائے معلوم ہوتے تھے۔ پانی اور اپنی زندگی کے لیے وہ بڑی جانفشانی سے لڑے۔ لوبیہ کے گاؤں کے نزدیک نہایت خونریز معرکہ گرم ہُوا۔ لوبیہ کا گاؤں سنگلاخ پہاڑیوں کی توام چوٹیوں کے سائے تلے واقع تھا۔ یہ چوٹیاں قرنِ الحطین کہلاتی ہیں۔
اِس معرکے میں پیادے سواروں سے علیحدہ ہوگئے۔ عیسائی رسالہ پیادوں اور نیزہ برداروں کی حمایت سے محروم ہو گیا۔ صلیبی سرداروں نے اسلامی لشکر کی مضبُوط صفوں پر پے در پے کئی پُرجوش حملے کیے لیکن بے سُود۔ صلیبی سواروں کے

گھوڑے مسلمان تیر اندازوں کا نشانہ بن جاتے یا تھکن اور پیاس کی شدت سے بے حال ہو کر خود بخود گر پڑتے۔ اب یروشلم کے بہادروں کی جان پر بن گئی تھی۔ وہ اپنی مدافعت کے لیے ایک گنجان دائرے کی صورت میں جمع ہونے پر مجبور ہو گئے۔ وہ مسلّح پیادوں سے علیحدہ ہو چکے تھے، جن کے چھوٹے چھوٹے گروہ فرازِ کوہ پر اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔

ریمنڈ نے چند سواروں کو اکٹّھا کر کے نہایت پُرجوش حملہ کیا اور مُسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہُوا ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

دوپہر کو تمام سردار، بادشاہ اور ریجنالڈ کے گرد حطین کے ٹیلے پر جمع ہو گئے۔ سُنہری صلیبی جھنڈا ٹیلے پر لہرانے لگا۔ صلاح الدین کے سوار چاروں طرف سے پے در پے یورش کر رہے تھے۔ وہ بڑی پامردی سے ڈٹے رہے اور کافی دیر تک تلوار و تبر سے دُشمن کے حملے روکتے رہے، حتےٰ کہ مُسلمانوں نے ان کے گرد خار دار جھاڑیوں کو آگ لگا دی۔ بالآخر جب ہوا دھوئیں کو اُڑا لے گئی اور فضا قدرے صاف ہوئی تو انھوں نے ہتھیار رکھ دیے اور تھک ہار کر زمین پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے چُندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی مُسلمان نے صلیبی جھنڈے کو سرنگوں کر دیا ہے۔

اِس جگہ صرف قیدی ہی زندہ بچے باقی تمام لوگ تہ تیغ کر دیئے گئے۔

یروشلم کے بہادر نائٹوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور جنگ حطین اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ صلیبی فوج کا نام و نشان تک نہ رہا[1]۔ بادشاہ کی دعوتِ عام پر لبیک کہتے ہوئے

---

[1] بعض مؤرخوں نے ولیم آف ٹائر کے تذکرے کی بنا پر معرکہ حطین میں عیسائی فوج کی شکست کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ یروشلم کی فوج کے سپاہی عیش پرست اور کمزور تھے اِدھر انھیں دورِ اوّل کے بلند کردار صلیبیوں سے دُور کی نسبت نہ تھی۔ دورِ اوّل کے صلیبی مجاہدوں کی فتح کا راز ان کے پاکیزہ اخلاق اور ان کی شکست کا سبب ان کی عیش پرستی اور بداخلاقی تھی۔ دراصل حقیقت کچھ اور ہے یروشلم کی فوج میں شجاعت، حوصلہ اور تجربے کی کمی نہ تھی۔ انھیں اچھّی قیادت نصیب نہ ہوئی۔ پھر سابقہ بھی مسلمانوں کی متحدّہ قوت سے پڑا۔ مُسلمان فوج نہ صرف تعداد میں زیادہ تھی، بلکہ صلاح الدین نے اِس کی قیادت بھی ماہرانہ طریقے سے کی تھی۔ (مصنف)

ہر توا نامرد صفوریہ پہنچا تھا اور وہاں مارا گیا تھا۔ اب طبریہ کے سُرخ کھیت خالی پڑے تھے۔ حطین کے میدان میں گندم کے ڈھیروں کی طرح ان کی لاشوں کے انبار لگے تھے۔ مسلمانوں نے مقتولین کے داغدار اور گرد آلود ہتھیار اُتار لیے تھے۔ قیدیوں کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ان کی پوستین خون آلود تھی۔ وہ بے بسی سے مسلمان سواروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید چند ٹرکوپول بچ نکلے ہوں یا بھٹکے ہوئے سپاہی دُشوار گزار گھاٹیوں میں چُھپ گئے ہوں۔ ان کے سوا کوئی زندہ نہ بچا تھا۔ ریمنڈ بمشکل طرابلس کے قلعہ میں پہنچا اور دو ہفتے بعد کمزوری اور شکستہ دلی سے مر گیا ؛؛

اسی شام تقی الدین کا رسالہ دشمن کے تعاقب سے ظفریاب واپس آیا۔ اس کی آمد پر خوشی کا نعرہ بلند ہُوا۔ اس وقت چند ترک تیغ زن تقریباً دوسو ٹمپلر قیدیوں کے سر قلم کرنے میں مصروف تھے۔ ٹمپلر جماعت کا یہ اصول تھا کہ کوئی ٹمپلر زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل نہ کرے۔ چنانچہ مسلمان ان سے سخت بے دردی کا سلوک روا رکھتے۔ انھوں نے ٹمپلروں کے سردار ڈی رڈفورڈ کے سوا کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔ ان سنگ دل راہب سپاہیوں کی زبان پر نہ کوئی کلمۂ احتجاج تھا نہ رحم کی درخواست۔ وہ خاموشی سے تلوار کے نیچے گردن رکھ دیتے۔ اسلامی قانون کا تقاضا تھا کہ کافر کو قتل کرنے سے پہلے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لے تو اس کی جان بخشی کر دی جائے، لیکن ٹمپلر اس سوال کے جواب میں حقارت سے خاموش رہتے۔ تلواروں کی ضرب سے ان کے سر کٹ کٹ کر گرتے رہے +

جب آخری سُرخ صلیب پوش یعنی ٹمپلر کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا تو صلاح الدین گھوڑے پر سوار اپنے خیمہ کی طرف آیا۔ خدام نے استقبال کے لیے بڑے اہتمام سے شاہی خیمہ آراستہ کیا تھا۔ قاضی اور علماء صلیب الصلبوت کے طلائی چوکھٹے کے گرد جمع تھے جو قندیلوں کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ یہ صلیبیوں کا نشان تھا اور معرکۂ عسقلان سے لے کر

معرکۂ حطین تک ہمیشہ صلیبی افواج کے جلو میں رہا تھا۔

گوشتہ نوّے سال سے سرزمین فلسطین پر صلیبیوں کا تسلّط تھا۔ سُلطان نُور الدین ساری عُمر ان کے استیصال کے خواب دیکھ رہا تھا اور اب صلاح الدین کی بدولت یہ خواب دو دِن میں شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔ ایشیا کے کسی فاتح کو ایسی شاندار کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔ یزدجرد اعظم اور سُلطان محمود کے کارنامے اس فتح کے سامنے ہیچ تھے۔ صلاح الدین کے دِل میں مُختلف خیالات جاگزیں تھے۔ اِس کی کُرد فطرت فتح کو اپنے قبیلے کی ظفر مندی سمجھ کر خوش تھی۔ اِس کا عالمانہ ذوق اِس فتح کے معانی پر غور کرنے میں مصروف تھا۔ اِس کا زُہد و اتقا اِس حیران کُن کامرانی کو نصرتِ الٰہی کی دلیل جان کر عظیم تر مُستقبل کی تمہید سمجھتا تھا۔ تائیدِ الٰہی کے بغیر حطین کے میدان میں دُشمنوں کا یہ حشر نہیں ہو سکتا تھا؟

سرداروں اور امیروں نے سُلطان کو خیمے کے باہر مُبارک باد پیش کی۔ سُلطان کے شائستہ مزاج بھائی ملک العادل نے آگے بڑھ کر ہدیہ تہنیت گزرانا۔ پُرجوش تقی الدین نے فتح کے متعلق موزوں اشعار پڑھے اور عرب امراء نے خوشی اور تحسین سے تالیاں بجائیں۔ واقعی صلاح الدین ملک الناصر تھا یعنی کہ فتحیاب و فتح گیر سُلطان۔

سُلطان کے خیمے میں جو واقعات رُونما ہوئے تذکرہ نویس نے انھیں یُوں بیان کیا ہے:-

"ابھی تک شاہی خیمہ نصب نہیں ہُوا تھا۔ صلاح الدین نے بغلی خیمے میں امیروں کو شرف باریابی بخشا۔ بہادر سپاہی قُربِ سُلطانی حاصل کرنے کے لیے اپنے اپنے کارنامے فخریہ بیان کر رہے تھے۔ قیدیوں کو پیش کرنے کے علاوہ وُہ اپنے اسیروں میں سے عیسائی امیروں کو شناخت بھی کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خیمہ آراستہ ہو گیا۔ سُلطان خیمے میں داخل ہو کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے حکم دیا کہ بادشاہ اُس کے بھائی اور شہزادہ ارناط کو

---

[1] بادشاہ سے مُراد گائی اور اس کے بھائی سے مطلب ایمالرک آف لوگنان ہے۔ عرب مؤرخ ریجنالڈ حاکم کرک کو ارناط کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حاضر کیا جائے۔ سلطان نے تشنہ لب بادشاہ کو یخ بستہ شربتِ گلاب کا ایک جام پیش کیا۔ بادشاہ نے تھوڑا سا شربت پیا اور جام شہزادہ ارناط کی طرف بڑھا دیا۔

اس پر سلطان نے مترجم سے مخاطب ہو کر کہا "بادشاہ سے کہہ دو کہ ہم نے اس شخص کو شربت پیش نہیں کیا۔ بادشاہ اپنی مرضی سے ایسا کر رہے ہیں"۔

سلطان خانہ بدوش قبائل کے قابلِ قدر فیاضانہ دستور پر کاربند تھا۔ اِس دستور کے مطابق قیدیوں کو سامان خورد و نوش دینا ان کی جان بخشی کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ خدمتگار انھیں علیحدہ اقامت گاہ میں لے گئے جہاں ان کے سامنے دسترخوان چُنا گیا۔ کھانے کے بعد انھیں چند محافظوں کے ہمراہ دوبارہ خیمہ سلطانی میں لایا گیا۔ سلطان نے بادشاہ کو بغلی خیمے میں ٹھہرنے کے لیے کہا اور حاکم کرک کو اندر بُلوایا۔ سلطان نے اُسے اِس کے گستاخانہ الفاظ یاد دلاتے ہوئے کہا "میں ہوں جو تمھارے خلاف ناموسِ مصطفےٰ کی حمایت کروں گا"۔[۱] اِس نے مترجم سے پوچھا "کیا وہ اِسلام قبول کرنے پر رضامند ہے؟"

---

[۱] پرنس ریجنالڈ (ابرنس ارناط) نے مصری قافلے پر چھاپہ مار کر سب مسافروں کو قتل کر دیا۔ جب اہل قافلہ نے محمد رسول اللہ کو فریاد کے لیے پکارا تو اس نے اُن کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا "کہاں ہیں تمھارے محمدؐ اب اُنھیں اپنی مدد کے لئے بُلاؤ"۔

"ابن محمد کہ دعوکا ینصرکم" ارناط مسلمانوں کا بدترین دُشمن تھا۔ اِس نے کئی مرتبہ بدعہدی کی تھی اور عارضی صُلح کی خلاف ورزی بھی سب سے پہلے اسی کی طرف سے ہوئی تھی۔ اِس کے متعلق ابن اثیر لکھتے ہیں ولم یکن فی الفرنج اشد منہ عداوۃ للمسلمین (فرنگیوں میں اِس سے زیادہ کوئی مسلمانوں کا دشمن نہ تھا)، واقعی وہ واجب القتل تھا۔ (مترجم)

یہ عبارت سلطان کے جملے کا لفظی ترجمہ ہے۔ ابن شداد اور ابن خلکان نے سلطان کی زبانی یوں لکھا ہے:-

"ولم تجر عادۃ الملوک ان یقتلوا الملوک واما ھذا فانہ تجاوز حدہ" (مترجم)

ریجنالڈ نے انکار کر دیا۔ سُلطان نے اپنی تلوار نیام سے نکال کر ایک ضرب لگائی اِس کا بازُو تن سے جُدا ہو گیا اور خدمتگاروں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اِس طرح وُہ مردُود واصل جہنّم ہُوا۔ انھوں نے اس کی لاش کھینچ کر خیمے سے باہر پھینک دی۔ جب بادشاہ نے اپنے رفیق کا یہ حشر دیکھا تو لرزہ براندام ہو گیا۔ اِس کا خیال تھا کہ اب میری باری ہے، لیکن سُلطان نے اِسے بُلوا کر تسلّی دی اور کہا کہ "بادشاہ بادشاہوں کو قتل نہیں کیا کرتے، لیکن وُہ شخص تو شرافت کی تمام حدود سے تجاوز کر چکا تھا۔"

۱۳

یروشلم

دُوسرے دن ریمنڈ کی بیوی نے طبریہ کا قلعہ سُلطان کے حوالے کر دیا۔ صلاح الدین نے قیدیوں کو بحفاظت اِس شہر میں رکھا۔ اب سرزمین فلسطین اِس کے قدموں میں تھی۔ سُلطان اِن غیر معمولی سیاسی حالات سے کماحقہ فائدہ اُٹھانے پر کمربستہ تھا۔ سُلطان کی فوج تقریباً صحیح و سالم تھی۔ سپاہیوں کے حوصلے بلند تھے۔ وُہ شوقِ جہاد سے سرشار اور معرکہ آرائی کے مُشتاق تھے۔ حطین کی شکست کی خبر سے عیسائی قلعوں پر سناٹا چھا گیا۔ اِن قلعوں میں لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔ قلعوں کے کئی سردار اور نائٹ معرکۂ حطین میں مارے گئے یا قید ہو گئے تھے۔ صلاح الدین نے بلاتوقف پیش قدمی شرُوع کر دی۔ اس نے ساحل کی طرف فوج کشی کر کے صلیبی ریاستوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ شمالی اور جنوبی حصّے ایک دُوسرے سے مُنقطع ہو گئے۔ سُلطان نے سب سے پہلے عکہ کے مضبوط ترین ساحلی قلعے کا رُخ کیا۔ آلاتِ محاصرہ کو جلدی سے اُونٹوں اور خچروں پر لاد کر عکہ پہنچایا گیا۔ سُلطان نے عکہ کا محاصرہ شرُوع کیا۔ عکہ کے قلیل محافظین میں تابِ مقاومت نہ تھی

انھوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے اور سُلطان نے نہایت فیاضانہ شرائط پر انہیں امان دے دی ✦

مُسلمانوں کو کسی عیسائی فوج سے جوابی حملے کا خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ سُلطان نے اپنی فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کر کے ملک العادل، تقی الدین اور دیگر امیروں کی زیر سرکردگی مختلف سمتوں میں بھیج دیا۔ سُلطان نے عکّہ اور طبریہ کا درمیانی علاقہ خود تسخیر کیا۔ اِس نے جنوب کی طرف حیفہ، صفوریہ، ناصریہ اور قیصریہ جیسے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ پھر شمال کا رُخ کیا۔ طنبنین کا بلند قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا۔ اِس اثنا میں اس کے ہراول دستے لبنان کی سُرخ پہاڑیوں کی ترائی میں بیروت کے محاصرے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ شہر صیدون نے شاہی فرمان کی تعمیل میں اطاعت قبول کر لی۔ بیروت کے شہر کے نزدیک کوئی قلعہ نہ تھا۔ صرف شہر کے گرد ایک فصیل تھی۔ آٹھ دن کے محاصرے کے بعد اہلِ بیروت نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

صلاح الدین نے بلا تاخیر مفتوحہ شہروں میں اپنے فوجی دستے متعیّن کر دیے اور جو شہری جانا چاہتے تھے انھیں جانے کی اجازت دے دی۔ قلعوں کی پناہ کے بغیر عیسائی آبادی مُسلمان شہسواروں کے رحم و کرم پر تھی۔ اکثر سپاہیوں نے لوگوں سے رسد، اسلحہ اور قیمتی سامان چھین لیا لیکن سُلطان کو مالِ غنیمت فراہم کرنے کی فُرصت نہ تھی۔ وہ صور کا ناقابلِ تسخیر قلعہ بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ اِس قلعے کی سنگین دیواروں کی دُوسری طرف سمندر کی لہریں موجزن تھیں لیکن یروشلم کی تسخیر اس کا مقصدِ اوّلین تھا۔ اِس اثنا میں ملک العادل نے حملہ کر کے جافا فتح کر لیا تھا اور وہ بیت المقدس کی طرف متوجّہ ہو رہا تھا۔ صلاح الدین بھی بڑی سُرعت سے اس سے آن ملا اور صور کی تسخیر مُلتوی کر دی گئی ✦

جولائی کے آخر میں صلاح الدین عسقلان کی سنگین دیواروں کے سامنے پھیلے ہوئے ریگ زار میں خیمہ زن تھا۔ اہلِ عسقلان نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

عسقلان کی بارہ فٹ چوڑی دیواروں اور بلند بُرجوں کے دُوسری طرف بندرگاہ واقع تھی جیسے عکہ وسطی فلسطین کی اہم بندرگاہ تھا ویسے ہی عسقلان جنوبی فلسطین کی مرکزی بندرگاہ تھی۔ مصر کی شاہراہ عسقلان کے قریب سے گزرتی تھی۔ مسلمان اسے عروس الشام کے نام سے پکارتے تھے۔ صلاح الدین اس اہم شہر کو کیونکر چھوڑ دیتا۔ اس نے محاصرے کی تیاریاں شروع کیں اور اس کے مقید حاکم گائی آف لوگنان کو بھی بلوا بھیجا۔

سُلطان نے اسیر بادشاہ سے کہا کہ اگر تم عسقلان پر ہمارا قبضہ کرا دو تو ہم تمھیں رہا کر دیں گے۔ حکمِ سُلطانی سے گائی کو شہر کی دیوار کے پاس لے جایا گیا تاکہ وُہ محافظین کو ہتھیار ڈالنے پر رضامند کر سکے لیکن انھوں نے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سُلطان نے عسقلان کے گرد محاصرے کا دائرہ تنگ تر کر دیا اور کچھ دستے عسقلان اور یروشلم کا درمیانی علاقہ مسخر کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اِس علاقے میں کہیں کہیں کوہستانی شہروں اور مقدّس خانقاہوں میں اِن عیسائیوں کی جمعیّت موجود تھی جنھوں نے یروشلم میں پناہ نہیں لی تھی۔ ساحلِ سمندر کے ساتھ غازہ اور دارم کے شہریوں نے سُلطان کے فرمان کی تعمیل میں اپنے دروازے کھول دیے اب مزاحمت بے سُود تھی۔ اہلِ رملہ نے بھی شہر کی کنجیاں سُلطان کے گماشتوں کے سپرد کر دیں اور سینٹ جارج کے مزار کے کلیسا پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ دامن کوہ میں واقع ابلین کے مستحکم قلعے نے اپنے محبوب حاکم بالین کی رہائی کے عوض ہتھیار ڈال دیے یروشلم کے عین قرب میں بیت الجبرل اور بیت اللحم جیسے راہبوں کے مرکز مغلوب اور مسیحی فلسطین سے عسقلان کا رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ امداد کی کوئی توقع نہ تھی۔ بالآخر ۴ ستمبر کو اہلِ عسقلان سُلطان سے امان کی شرائط طلب کرنے پر مجبور ہو گئے۔

دو مہینوں کی قلیل مدّت میں صلاح الدین اِس ارضِ مقدّس پر چھا گیا تھا جسے فتح کرنے کے لیے صلیبیوں کی کئی پُشتیں معرکہ آرا رہی تھیں اور اِس سلسلے میں انھوں نے

جان و مال کی بیش بہا قربانیاں دی تھیں۔ اگرچہ مشرق میں پہاڑوں کی بلندیوں پر چند قلعے باقی رہ گئے تھے لیکن ان کی اہمیت ختم ہوگئی تھی۔ ان قلعوں سے ملحقہ علاقے مسلمانوں کے قبضے میں تھے اور ساحل سمندر سے ان کا رشتہ کٹ چکا تھا۔ ان کی قسمت کا فیصلہ چند روز کی بات تھی۔ یہ قلعے ان چٹانوں کی طرح تھے جن کے دامن میں خوفناک سیلاب آجائے، وہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے تو محفوظ رہیں لیکن سلسلہ کوہ سے منقطع ہوجائیں۔

صلاح الدین کے دل میں یروشلم کی فتح کی خواہش چٹکیاں لے رہی تھی۔ یروشلم مسلمانوں کا مقدس شہر اور مسجد الاقصےٰ ان کا تیسرا مقدس مقام تھا۔ یہاں وہ متبرک چٹان تھی جس سے حضرت محمدؐ معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ وہ یروشلم کو اپنی فتوحات کا سرمایہ فخر اور اپنی خوش قسمتی کا گراں بہا معاوضہ سمجھتا تھا۔

۲۰ ستمبر کو صلاح الدین کی فوج نے مغرب کی طرف باب داؤد کے مقابل ٹیلے پر خیمے گاڑ دیے۔

چند روز ہی پہلے بالین ڈی ابلین یروشلم پہنچا تھا۔ معرکۂ حطین میں لڑنے والے سرداروں میں سے صرف وہی اکیلا یروشلم واپس آیا تھا۔ اس مصیبت کے وقت میں ملکہ سبل اور شہزادی ازابیل اپنے باہمی تنازعات کو بھول گئیں تھیں۔ قلعے میں ملحقہ علاقے کے گرجوں کے پادری اور مختلف شہروں کے پناہ گزین جمع تھے۔ ملکہ سبل اور اسقف اعظم ہرقلیس محل میں بڑی افسردگی سے مستقبل کے منتظر تھے۔ بالین کی آمد سے پہلے تو شہر میں فن حرب کا کوئی ماہر بھی موجود نہ تھا۔

تنگ گلیوں میں پریشان عورتیں باتیں کرتی رہتیں۔ مذبح سے متصل کھیتوں میں مویشیوں کا ہجوم تھا۔ ٹمپلروں کے احاطے کے نیچے جہاں کبھی جنگی گھوڑے ہوتے تھے اب وہاں خچر اور معمولی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ مزار مسیح پر ہر وقت لوگ جمع رہتے۔ وہاں بوڑھے، نوجوان، عورتیں اور بچے، راہب، شامی عیسائی، لمبی قباؤں والے تاجر،

خستہ حال زائر اور خاموش بیوائیں عبادت اور گریہ وزاری میں مصروف رہتے۔ پادری ہر وقت دُعائیں پڑھتے رہتے۔ قلعے کی بُرجیوں پر چند مسلّح سوار پہرہ دیتے اور گاہے گاہے افسردہ خاطر سے، بازاروں سے گزرتے دکھائی دے جاتے +

سب نے بالین سے قلعے کی مدافعت کا ذمّہ لینے کی درخواست کی۔ اِن بے چاروں نے حطّین کا خُون آشام میدان نہیں دیکھا تھا۔ وُہ اِس المیہ حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ پھر کیسے باور کر لیتے کہ واقعی ہماری مسلّح افواج کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ضرور کوئی مُعجزہ رُونما ہوگا اور یروشلم محفُوظ رہے گا۔ کاش کہ بالین انہیں شہر کی محافظت کی کوئی تدبیر سمجھا دے۔

لیکن بالین نے فوج کی کمان سنبھالنے سے انکار کر دیا۔ اِس نے اُنھیں صاف صاف بتا دیا کہ میری حیثیت آزاد شُدہ اسیر سے زیادہ نہیں اور مَیں سُلطان کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھانے کا حلف دے چکا ہوں۔ اس نے کہا دیکھ لیجیے میرے پاس تلوار نہیں ہے لیکن لوگوں نے اِتنا اصرار کیا، اِتنی منت سماجت کی کہ وُہ مجبور ہو گیا۔ اِس وقت ایک باقاعدہ نائٹ کیونکر غیر جانب دار رہتا جبکہ اس کے سارے ہم وطن آمادۂ پیکار تھے۔ اِس نے صلاح الدین کو ایک پُراندوہ خط لکھا اور اسے تمام صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال کی سلامتی کی درخواست کی۔

سُلطان نے اِسے جواب میں لکھا کہ مَیں تمھارے حالات سے واقف ہوں اور مَیں تمھارے اہل و عیال کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہوں۔

بالین سے جو کچھ ہو سکا اُس نے کیا۔ اُس نے تربیت یافتہ لوگوں کو بُلایا ان کی تعداد چند سینکڑوں سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے باقاعدہ رسم کے بغیر پچاس نوجوان جاگیرداروں اور سارجنٹوں کو نائٹ بنا دیا۔ گرجوں کی دولت سے برچھے، کمانیں اور ڈھالیں خریدیں۔ کسانوں، شہریوں، زائرین کو اکٹھا کیا اور انھیں آلاتِ حرب کی

تربیت دی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ ایسے آدمیوں کی امداد سے تو کوئی معجزہ بھی یروشلم کو نہیں بچا سکتا لیکن وہ مجبور تھا۔ اس کی قسمت ان لوگوں سے وابستہ تھی۔ چنانچہ اس نے مدافعت کی ہر ممکن کوشش کی۔ کم از کم دشمن جنگ آزمائی کے بغیر تو یروشلم پر قابض نہیں ہو سکے گا۔

اس اثنا میں صلاح الدین اور اس کے سالاروں نے مغربی دیوار کا بغور جائزہ لے لیا تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس دیوار کی تسخیر آسان نہیں۔ چنانچہ اس نے فوج کو شہر کے مقابل شمال مشرقی جانب ایک بلند مقام پر منتقل کر دیا۔ اس سے اٹھاسی سال پہلے صلیبیوں نے بھی یہی تدبیر اختیار کی تھی۔ یہاں پر آلاتِ محاصرہ نصب اور خندق کے ساتھ مورچہ بندی کر دی گئی تاکہ نقب زن بے کھٹکے دیوار کی بنیادوں کے نیچے سے نقب لگا کر اپنا کام سرانجام دے سکیں۔

یروشلم کی غیر تربیت یافتہ فوج کے پاس مورچے توڑنے کے لیے مناسب آلات نہ تھے۔ وہ سنگباری کرتے تو ان کے پتھر خندق میں جا گرتے۔ انھوں نے قلعے کی برجیوں پر بے شمار سپاہی اور تیر انداز جمع کر دیے تھے۔ آزمودہ کار ترک اور مملوک سرداروں نے اس وقت تک سنگین فصیل پر حملے کرنے کی کوشش نہ کی جب تک کہ نقب زنوں نے اپنا کام ختم نہ کر لیا۔ نقب زنوں نے سوراخوں کو کشادہ کر کے بنیاد کے نیچے لکڑی کے موٹے موٹے کھمبوں کی ٹھونی دے کر آگ لگا دی۔ جب لکڑیاں جل گئیں تو دیوار کا کافی حصہ گر گیا اور اس میں شگاف پڑ گیا۔

مسلمان تیغ زنوں کو اسی موقع کا انتظار تھا۔ نقارے پر چوٹ پڑی اور طبل کی دھما دھم سے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ ایک نعرہ بلند ہوا اور مسلمان سپاہی شگاف میں گھس گئے۔ مخالف سمت سے تیروں، بھالوں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ صلاح الدین شمشیر بکف حملے کی قیادت کر رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ "جیسے عیسائیوں نے

یروشلم چھینا تھا، ویسے ہی مَیں یروشلم کو آزاد کرا کے دم لوں گا۔" آج اس کی بات حقیقت بن رہی تھی۔

مسلمانوں نے دُشمن کو ہٹا کر شگاف پر قبضہ کر لیا اور وہاں اپنا مورچہ بنا لیا۔ اسی رات گویا ایک مُعجزہ سا ہو گیا۔ اِس ہنگامِ ابتلا میں پادری، عورتیں اور بچّے دُعائیں مانگتے ہوئے ایک جلوس کی صورت میں بازاروں سے گزر رہے تھے۔ اِس وقت نائٹوں نے مسلّح دستوں کی سرکردگی میں دُشمن پر زور کا حملہ بول دیا۔ انہوں نے صلیبی نعرہ بلند کیا "خُدا کا حُکم ہے"۔

انھوں نے اِس زور کی یورش کی کہ دُشمن کو شگاف سے پیچھے ہٹا دیا۔ دُوسرے دن بھی لڑائی کا ہنگامہ گرم رہا۔ بدستور نعروں کی آواز، تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی پُکار سے فضا گونجتی رہی۔ دُوسرے دِن سخت لڑائی ہوئی۔ عیسائی سپاہی مسلمانوں کی سنگباری اور تیروں کے مقابلے میں بڑی بے جگری سے ڈٹے رہے۔

ہنگامی جذبے سے سرشار ہو کر انھوں نے صلاح الدین کو قاصدوں کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ "ہم نے حلف اُٹھایا ہے کہ جیتے جی یروشلم سے دستبردار نہ ہوں گے۔ ہم اپنے گھوڑوں اور مویشیوں کو ذبح کر دیں گے۔ سازوسامان کو گرجوں میں جمع کر کے آگ لگا دیں گے، گرجوں، قُربان گاہوں، تبرکات اور پارجات کو نذرِ آتش اور عورتوں اور بچّوں کو تہِ تیغ کر دیں گے پھر ہمارے پادری اور سپاہی موت کو للکارتے ہوئے تم پر ٹُوٹ پڑیں گے۔"

ابھی یہ پیغام صلاح الدین کے زیرِ غور رہی تھا کہ اسقفِ اعظم ہرقلیس بالین سے ملا اور کہا کہ ہمارے لیے یُوں خودکُشی کرنا مناسب نہیں ذرا یہ خیال کرو کہ ایک مرد کی موت کے ساتھ پچاس عورتیں اور بچّے ہلاک ہوں گے۔ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ شہر دُشمن کے حوالے کر دیں اور عیسائی مُمالک کو چلے جائیں"۔

بالین نے اسقفِ اعظم کی تجویز کو بغور سُنا۔ دُوسرے دن اُس نے فوجی سرداروں سے

مشورہ کیا اور صُلح کی شرائط طے کرنے کے لیے صلاح الدین کے پاس حاضر ہُوا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔ البتّہ دونوں عومیت پسند انسان تھے اور انھیں یروشلم کی حالت بخوبی معلوم تھی۔ روشن ضمیر سُلطان شہر کو برباد کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا۔ اِس نے اہلِ یروشلم کو باحفظ و امان شہر چھوڑنے کی اجازت دیدی، انھیں اسلحہ اور سازوسامان ساتھ لے جانے کی بھی کھُلی چھُٹی تھی۔ نقدی کے سوا وُہ ہر چیز لے جانے کے حقدار تھے، البتہ ہر مرد کو دس اشرفیاں، ہر عورت کو پانچ اشرفیاں اور ہر بچے کو ایک اشرفی بطور زرِ فدیہ ادا کرنا لازمی تھا۔ سُلطان نے انھیں بحفاظت بندرگاہوں تک پہنچانے کی ذمّہ داری بھی قبول کر لی +

ایسی فیاضانہ شرائط بالین کے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔ اِس نے فوراً شرائط قبول کر لیں +

دُوسرے دِن عجیب منظر تھا۔ باب داؤد کے سوا شہر کے تمام دروازے بند تھے۔ اِس دروازے سے اِنسانوں کا ایک لامتناہی قافلہ گزُر رہا تھا۔ سفری لبادے پہنے عورتیں بھاری گٹھڑیاں اور وزنی بُقچے اُٹھائے آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ بچے ان کے دامن تھامے ساتھ تھے۔ پیچھے پیچھے نوکر مویشیوں کی رسّیاں کھینچتے اور بھیڑ بکریاں ہانکتے آرہے تھے۔ زر رو رُوا رمنی گدھوں پر سوار تھے اور ان کی عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں پا پیادہ سرنگوں راہب آہستہ آہستہ اپنے مُرشدوں کے جلو میں جا رہے تھے اور ان سب کے پیچھے مزارِ مسیح کی افسردہ گھنٹیاں بج رہی تھیں +

امیر و غریب، دہقان و فقیر، راہب و تاجر غرضیکہ سبھی نے یروشلم کو خیر باد کہا۔ خواتین نے ظفر مند سپاہیوں کی گُستاخ نگاہوں سے بچنے کے لیے نقاب اوڑھ لیے۔ خواتین کے جلوس میں ملکہ سبل، اس کی بہن اور معرکۂ حطین کی بیوائیں شامل تھیں۔ کچھ عورتیں تو اپنے شکستہ وقار کے زخم کو دبائے، خاموشی سے نکل گئیں لیکن کچھ عورتوں کی

فریاد طلب نگاہیں سُلطان کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ وُہ سُلطان کے حضور میں پہنچیں اور دوزانو ہوکر اپنے خاوندوں کی رہائی کی درخواست کی جو حطین کے جنگ میں اسیر ہوئے تھے۔ یہ عجیب دردناک منظر تھا کہ سرزمین فلسطین کی معزّز بیگمات ایک مُسلمان حاکم کے رُوبرو جُھک کر طالبِ کرم تھیں۔ سُلطان صلاح الدین نے ان کی فریاد کا احترام کیا۔

ہر شہری نے سُلطان کے ہوشیار افسروں کو زرِ فدیہ ادا کیا۔ جب زرِ فدیہ کی رقم جمع ہوگئی تو صلاح الدین نے اسے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔

صلاح الدین کے سامنے سے اِنسانوں کا یہ جلوس گزر رہا تھا۔ سیاہ پوش راہب اور اگسطنی جماعت کے پادری بہت افسردہ خاطر تھے۔ پھر اسقفِ اعظم ہرقلیس کی سواری برآمد ہوئی، جو اپنا خزانہ بوریوں میں بھر کے اور گدھوں پر لدوا کے لے گیا۔ وہ ہزاروں نادار اور مفلس لوگوں کو اپنے پیچھے شہر میں روتا چھوڑ گیا۔ صلاح الدین نے اسقفِ اعظم کے مال و دولت سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اس نے نادار لوگوں کو (جو زرِ فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے) سینٹ لاذرس کے بغلی دروازے سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔

اب ہجرت کا آخری مرحلہ شروع ہُوا۔ کُوچہ و بازار سے مفلس لوگوں کا ایک ہجوم اُبل پڑا۔ خستہ حال، پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبُوس مردوں اور عورتوں سے لاغر اور بیمار بچّے چمٹے ہوئے تھے۔ وہ مزارِ مسیح کے مقدّس صحن سے آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ ان کی مایُوس نگاہیں محراب دار دروازوں، متبرّک مجسموں اور خاموش گھنٹیوں کو نہایت بے بسی سے بوسے دے رہی تھیں۔ وُہ مُڑ مُڑ کر مزارِ مسیح کے گنبد کو دیکھتے اور مقدّس پتھروں کو بار بار ہاتھوں سے چھُوتے ہوئے گزرتے۔

سڑک پر لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ وُہ بے بس اور مجبور کھڑے تھے۔ وُہ حیران و سراسیمہ تھے کہ اب کیا کریں؟ اب کیا ہوگا؟ تھوڑی دیر کے بعد اسلامی فوج کے

دستے نمودار ہوئے۔ انھوں نے لوگوں کو بحفاظت ساحل تک پہنچا دیا۔ شہر کو کوئی معجزہ نہ بچا سکا۔ البتہ یہ انوکھی بات ضرور ہوئی کہ مسلمانوں نے بغیر خونریزی کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اِس پُرامن قبضے کی وجہ صلاح الدین کی رحمدلی اور فیاضی تھی۔

دُور پہاڑی کے پُرخم راستوں پر سے گزُرتے ہوئے عیسائیوں نے مُڑ کر یروشلم کی طرف دیکھا تو انہیں مزارِ مسیح کے مقدّس گنبد پر تاریک سائے چڑھتے نظر آئے۔ جنھوں نے سنہری صلیب کو اُکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا، پھر انہیں یک دم نعرے کی آواز سُنائی دی جیسے سمندر کی موجیں کہیں دُور چٹانوں سے ٹکرا رہی ہوں +

"اللہُ اَکبر ـــــ اللہ اکبر ـــــ اللہُ اَکبر ـــــ"

مُسلمان اِس فتح کو تائیدِ الٰہی اور نصرتِ ربّانی کی دلیل سمجھتے تھے۔ کیونکہ فتح حطین جُمعہ کے دِن ہوئی تھی اور یروشلم نے بھی جُمعہ ہی کے دِن ہتھیار ڈالے تھے۔ سبک رو قاصد دُور دراز مُلکوں کو یہ خوشخبری لے کر گئے۔ اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالمِین جس نے ملک الناصر کی تلوار سے نصرانیوں کا پندار ڈھا دیا ہے ـــــ"

دمشق اور قاہرہ کے عالم، قاضی اور فقیہہ القدس کی زیارت کی تیاریاں کرنے لگے۔ شاعروں نے فتح کی یادگار میں قصیدے لکھ کر سُلطان کی خدمت میں پیش کئے۔ اور عیسائیوں کی شکست کے متعلق لوگوں کی زبانوں پر کئی گیت جاری ہو گئے۔

"ان کا شہرِ عظیم ـــــ

"سرنگوں ہے وُہ شہرِ عظیم آج
بندگانِ حق کے رُوبرو
"وُہ لرزاں و ترساں ہیں آج
شمشیر آبدار کی جھلک سے
آتشِ دوزخ کی چمک سے"

ہزاروں مسلمان مسجد اقصےٰ کی صفائی اور تطہیر میں مصروف ہو گئے۔ اس متبرک مسجد کو ٹمپلروں نے اپنے محل میں تبدیل کر رکھا تھا۔ دیواروں سے چُنی ہوئی محرابیں دوبارہ کھول دی گئیں۔ گرجے سے قربان گاہ ہٹا دی گئی۔ دیواروں پر جو تصویریں اور نقش و نگار تھے، ان پر چُونا پھیر دیا گیا۔ مرمریں مجسموں کو توڑ دیا گیا کیونکہ اسلام میں بُتوں کی عبادت شرک ہے۔ فرشوں کو دھو کر گلاب سے معطر کیا گیا۔ قبلہ رُو محراب میں لکڑی کا ایک نازک اور منقش منبر رکھا گیا۔ یہ منبر سلطان نورالدین نے مسجد اقصےٰ کے لیے بنوایا تھا۔ صلاح الدین نے اپنے مرحوم آقا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اِس منبر کو حلب سے منگوا کر مسجد اقصےٰ میں نصب کرا دیا۔ مسجد میں عُمدہ قالین بچھائے گئے۔ پُرخلوص سپاہیوں نے وضو کیا اور نماز کے لیے جمع ہو گئے۔ کافروں سے بازیافتہ مسجد میں مُشتاق نمازیوں کا ہجوم تھا۔ چند لمحے بعد مؤذن مینار پر چڑھا جہاں سے گھنٹیاں اُتار دی گئی تھیں۔ مؤذن کی پُروقار آواز سے خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہُوا اور وسیع نیلے آسمان تلے اذان گونجنے لگی۔ ”اللہُ اَکبَرُ ——— اللہُ اَکبَرُ“ ———

احساسِ عبودیت سے سرشار سپاہیوں کے چہرے آسمان کی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ مؤذن کی آواز بام و در سے گزرتی ہوئی ساری وادی میں ہلکے سرود کی طرح پھیل گئی تھی۔ زرہ پوش اور جُبّہ پوش شانہ بشانہ سیدھی صفوں میں کھڑے ہو گئے۔ یہ عالمگیر اخوت کا زندہ منظر تھا۔ ان کے چہروں پر عبودیت اور طمانیت کا نُور تھا۔

”وہ صُبحِ جلیل ———
جب کُفر کے عَلَم سرنگوں ہوئے
ظُلمتِ ازلی میں رُوپوش ہوئے
وہ صُبحِ اُمید ———
اِسلام کی حیاتِ تازہ کی نوید
نُورِ ازلی کی درخشاں دمید“

حصّہ دوم

ایک جہاز مغرب کی طرف روانہ ہُوا، اِس کے ستونوں پر سیاہ بادبان لہرا رہے تھے۔ تیز ہوائیں اِسے دُور لے جا رہی تھیں، بہت دُور۔ وُہ ہر پُرسکون بندرگاہ پر یہ پیغام دیتا جاتا:

"افسوس اے عالمِ مسیحیت!۔۔۔۔۔ صد افسوس! دُشمن یروشلم پر قابض ہو گیا ہے ۔۔۔۔۔ مقدّس صلیب کھو گئی ہے اور ہماری فوج برباد ہو گئی ہے" مغرب کے راستے اور پُل، تُبک رفتار گھوڑوں کی ٹاپ سے گُونج اُٹھے۔ تیز رفتار قاصد خزاں کے خواب آلود کھیتوں، کُشادہ حویلیوں اور سرائوں سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نِکل گئے۔ ہر طرف یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

چوراہوں اور گرجوں کے دروازوں پر آدمیوں کا ہجوم ہونے لگا۔ شفق کی روشنی میں کسان بنجر کھیتوں سے گزر کر شراب خانوں اور قلعوں کی روشنیوں کا رُخ کرتے تاریک گوشوں میں سرگوشیاں سرسراتیں اور کہیں دُور سے گرجوں اور خانقاہوں کی گھنٹیوں کی

آواز سُنائی دے جاتی: افسوس ہے عیسائیوں پر ـــــ گناہ گاروں اور سرکشوں پر ـــــ افسوس ہے اُن پر جنھوں نے اس عظمتِ جہاں ـــــ یروشلم کو کھو دیا +

افسوس ! ـــــ سمندر پار دجالی طاقتیں بر سرِ اقتدار آ گئی ہیں، مشرق میں شیطان کے جھنڈے بلند ہو گئے ہیں، اور مُسلمان سواروں نے یروشلم کو پامال کر دیا ہے +

جہاں بھی چند آدمی جمع ہوتے ایسی باتیں ہوتیں ۔ کبھی ان باتوں کے پس منظر میں عجیب دبا دبا سا شور سُنائی دیتا ۔ نامکمل دُعائیہ فقرے، گھوڑوں پر زین کسنے، بے تابانہ تلواریں کھینچنے اور ترنم بجنے کی ملی جلی آوازیں کانوں میں آتیں ـــــ جیسے کہیں دُور بادل کی گرج ہو، یا جیسے سمندر کی لہریں چٹانوں سے ٹکرا رہی ہوں ۔ یہ اُس روز افزوں ہجوم کی آواز تھی جو مسیحی ممالک میں اکٹھا ہو رہا تھا اور جس کی آواز لمحہ بہ لمحہ بلند تر ہوتی جاتی تھی +

۱۴

لشکرِ اسلام

بہاءالدین کو مربّی کی تلاش تھی۔ وُہ جامع الفنون شخص تھا اور حافظِ قرآن بھی! وُہ موصل کا وزیر رہ چکا تھا۔ امورِ سلطنت سے واقفیت اور مرصّع انداز میں فرامین شاہی لکھنے میں اِسے مہارت حاصل تھی۔ وُہ بھرپور جوان تھا، صاحبِ اخلاق اور شائستہ انسان! قاضیوں کے دستور کے مطابق اِس نے سمور دار خلعت کے نیچے کئی صدریاں پہن رکھی تھیں۔ مستقل کھانسی اسے پریشان رکھتی، اِس کی کمزور ٹانگیں اس کے تیز دماغ کا ساتھ نہ دے سکتیں اِس لیے وُہ عُمدہ گدھے کی سواری کیا کرتا۔ وُہ صلاح الدین کو اپنا سرپرست بنانا چاہتا تھا۔ صلاح الدین سے وُہ بخوبی واقف تھا۔ اس نے امیرِ موصل کے نمایندے کی حیثیت سے صلاح الدین سے گفت و شنید کی تھی۔ ان دِنوں موصل اور دمشق کی صُلح تھی۔ بہاءالدین کو موقع مِل گیا اور وُہ اپنے مجوزہ محسن کی خدمت میں، جہاد سے متعلق احادیث و روایات پر ایک مقالہ بطورِ نذرانہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ ۱۱۸۸ء کی فصلِ بہار میں دمشق آیا لیکن صلاح الدین اپنے نجی لشکر کے ساتھ پہاڑی علاقے میں

مصروفِ فوج کشی تھا۔ بہاءالدین اپنے تیز رفتار گدھے پر سوار وہاں جا پہنچا۔ اس نے مقالہ خدمت سلطانی میں بھجوایا اور منتظر رہا۔

ایک قوی ہیکل مملوک نے ایوانِ سلطانی کی طرف اس کی رہ نمائی کی۔ معزز قاضی اپنے گدھے سے اُترا۔ پہرہ دار زرد چغوں میں ملبوس اپنے گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ جن کے قریب چرمی تھیلیوں اور بوروں میں بند سامان کے انبار پڑے تھے۔ باریش عرب خُدام لدی پھندی جینیموں کی طرح اِدھر اُدھر دَوڑتے پھر رہے تھے۔ ابرو باراں سے داغدار ارغوانی رنگ کے بارہ خیموں تلے ارکانِ سلطنت جمع تھے۔ جن میں دیو ہیکر مملوک سپاہیانہ آن سے چلنے والے طویل القامت وہیر، سفید ریش بزرگ، قاضی اور تفکر آمیز آنکھوں والے درویش تھے۔ کُشادہ عباؤں میں ملبوس تیکھے ناک نقشے والے عرب شیوخ خیموں کی طنابوں کے درمیان بیٹھے ہر چیز کو بغور دیکھ رہے تھے۔ سفید عماموں والے حاجی اور سبز عماموں والے سیّد باہم مصروف گفتگو تھے۔ مخملی کفتانوں اور رُوپہلی کمر بندوں میں ملبوس امیر بڑی بے تابی سے شرفِ باریابی کے مُنتظر تھے۔ غُلام شربت اور پھلوں کے طشت اُٹھائے امیروں کی خاطر و مدارات میں مصروف تھے۔

بہاءالدین کئی لوگوں سے واقف تھا۔ وُہ نوجوان شاعر علوا المعروف عقاب اور اس کے قصائد سے بخوبی آگاہ تھا، وہ وزیر اعظم عمادالدین کو بھی جانتا تھا۔ کچھ لوگ اپنی عرضداشتیں لیے آ رہے تھے اور کچھ بامُراد واپس جا رہے تھے۔ چند افراد دفتر خزانہ کے اہلکاروں سے جھگڑ رہے تھے۔ طرح طرح کے لوگ جمع تھے اور بھانت بھانت کی بولیوں کا شور تھا۔ عالم اسلام کے ہر گوشے سے سائل اور حاجتمند اُمڈ آئے تھے۔ ملک الناصر صلاح الدین کے خیمے کے اِرد گرد پُر اُمید اور بے تاب لوگوں کا ہجوم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی بڑا کُنبہ کِسی معمولی سی چیز پر جھگڑ رہا ہو، یا پُر عزم بچّے آپس میں لڑ رہے ہوں۔

جب بہاء الدین کی باری آئی تو اسے نہایت عزت و احترام سے ڈیوڑھی میں بٹھایا گیا۔ یہاں مملوک امیر تشریف فرما تھے۔ ان کے ٹوپی دار شکرے قریب ہی چکسوں پہ ایستادہ تھے۔ ایک پختہ کار مملوک شمشیر بردار سلطان کے نکیلے خود اور طلائی گلکاری سے مزین زرہ بکتر کی نگرانی کر رہا تھا۔ دوسرے مملوک نے پردہ اُٹھایا اور قاضی بہاء الدین اندر داخل ہوا۔ اس نے دہلیز کے پاس اپنے جوتے اُتارے اور نرم قالینوں پر قدم اُٹھاتا آگے بڑھا۔ خیمے کی درمیانی چوب کے پاس پہنچ کر وہ دو زانو بیٹھ گیا اور جھک کر سلطان کے حضور میں آداب بجالایا "ملک الناصر سلطانِ عالی کی خدمت میں سلام مسنون اور ہدیۂ نیاز۔"

"وعلیکم السلام جناب قاضی" سلطان نے جواب دیا۔

سلطان ایک معمولی سراپردے کے سائے میں بیٹھا تھا۔ اس وقت صرف طبیب خاص اور ساقی حضورِ سلطانی میں موجود تھے۔ سلطان کا چہرہ غیر معمولی طور پر سانولا اور پتلا تھا۔ سلطان کی مقطع ڈاڑھی میں سفید بال نمایاں تھے کتابی چہرے پر بڑی بڑی شربتی آنکھیں جگمگاتی نظر آتی تھیں مستقل معرکہ آرائی اور علالت سے اس کا فولادی جسم نحیف و نزار ہو کر رہ گیا تھا سلطان بغور قاضی بہاء الدین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے گھٹنے پر قاضی موصوف کی مجلد کتاب کھلی رکھی تھی۔ سلطان اس کے مطالعے میں مصروف تھا۔ اُس نے چند معمولی سوال کیے اور بڑی خندہ پیشانی اور انہماک سے قاضی کے جوابات سنتا رہا۔ مسئلہ جہاد ان کے زیر بحث تھا۔ وہ حضرت خالدؓ بن ولید اور امیر معاویہؓ کے جہاد پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ پھر جہاد اور صراطِ مستقیم کے معانی پر گفتگو ہوتی رہی صلاح الدین نے ساقی کو پھل اور شربت پیش کرنے کا اشارہ کیا۔ سلطان شراب کا مطلقاً روادار نہ تھا۔ قاضی بہاء الدین کی خاطر و مدارات معزز مہمانوں کی طرح کی گئی۔ دوران گفتگو میں سلطان اردگرد کے ہنگامہ اور شور سے بالکل بے نیاز تھا۔ وہ ہمہ تن گوش قاضی صاحب کی

باتیں سنتا رہا۔

اس طرح دونوں میں ایسا رشتۂ مودت استوار ہوا جو تادم مرگ قائم رہا۔ بہاء الدین کو واقعی شایان شان محسن اور مربّی نصیب ہوا تھا۔ سلطان نہایت بردبار، متحمل مزاج اور سخت کوش تھا۔ وہ عجلت پسند نہ تھا لیکن جب ارادہ کر لیتا تو اس کا عزم آہنی ناقابل شکست ہوتا۔ اس کے ظاہری سکون اور متانت کے نیچے آتشیں ولولہ پنہاں تھا۔ بہاء الدین اس عظیم شخصیت کے کردار کو بخوبی سمجھ گیا۔ وہ رزم و بزم کا قائد تھا، جنگ اور امن کا راہنما۔ معرکۂ کارزار میں وہ سر عسکر ہوتا اور اس کے اشارے پر ہزاروں جانباز موت کے پنجوں میں پنجے ڈال دیتے۔ جب جنگ کے ہنگامے سرد ہو جاتے تو یہی شخص دفتر میں ہر معمولی سپاہی کی تنخواہ کے گوشوارے کو بغور پڑھتا اور یہ التزام کرتا کہ بقایا کی پائی پائی فوراً ادا کر دی جائے صلاح الدین اسلامی تعلیمات کا دل و جان سے پابند تھا۔ وہ اپنا سارا اثاثہ اپنے خدمت گاروں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتا اور خود جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہتا۔ وہ اپنے قول کا سچا اور وعدے کا پکا تھا۔ اس کا قول تحریری معاہدوں سے زیادہ محکم اور معتبر سمجھا جاتا تھا۔

اس کی صحت خراب رہتی تھی۔ اس کی زندگی ایسی مستقل جنگ آزمائی میں گزری تھی جس کی مسلسل مصیبت اور مشقت برداشت کرنے سے تنومند انسان بھی عاجز تھے؛ وہ اس کی جانِ ناتواں پر بار نہ گزرتی تھی۔ اس کے بازوؤں میں شمشیر زنی کی قوت باقی نہیں رہی تھی لیکن پھر بھی وہ سب سے اگلی صف میں لڑنے کا مشتاق تھا۔ شاید اسے یہ فکر دامنگیر رہتی کہ کہیں میری قیادت ناکام نہ ہو جائے۔ وہ اکیاون سال کا ہو گیا تھا لیکن اس کے سوزِ دروں کی حدت میں کمی نہیں آئی تھی، وہ شمع جہاد کا پروانہ تھا۔ وہ اسی آتشِ خاموش سے اندر ہی اندر پگھلتا رہتا۔ اسے قرآن حکیم کی تلاوت یا بہاء الدین جیسے لوگوں کی گفتگو میں سکون ملتا۔ ایک بچے کے لحنِ قرآنی سے وہ

بہت متاثر تھا۔ جب وُہ قرآن سُنتا تو اُس پر رِقت طاری ہو جاتی۔

مُسلمان جانبازوں کی نظر میں سُلطان با کرامت ولی سے کم نہ تھا جس کے دم سے فتح ان کے قدم چُومتی تھی۔ لیکن بہاء الدین جیسے دانشمند شخص کو معلوم تھا کہ دراصل سُلطان کے عزم آہنی کی گرفت کے طفیل ہی مُختلف شعوب و قبائل باہم متحد ہو کر فاتح بنے ہیں۔

گزشتہ موسم خزاں میں فتح یروشلم کے بعد سُلطان نے صور کا رُخ کیا۔ اُس نے کہا۔ "اب ساحل پر صرف صور ہی اہل فرنگ کے قبضے میں رہ گیا ہے یہ اُن کی آخری آماجگاہ ہے۔ اِس پر قبضہ کر لینے کے بعد ہم اُن کے شر سے محفوظ اور وُہ اپنے ارادوں میں ناکام ہو جائیں گے"۔

مگر محاصرۂ یروشلم کے دَوران میں دو ایسے واقعات رُونما ہوئے جن سے سُلطان کا یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ صلیبیوں کو ایک نیا قائد مل گیا تھا وُہ قسطنطنیہ سے روانہ ہُوا اور جب عکّہ پہنچا تو کلیسا کی گھنٹیوں کو خاموش اور بندرگاہ کو پراگندہ دیکھ کر اس کے دِل میں خدشہ پیدا ہو گیا۔ عکّہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اِس کے جہازوں نے صور کا رُخ کیا۔ وُہ بہت تجربہ کار اور بقول بہاء الدین کے جنگ میں بھیڑیے کی طرح مکار اور خونخوار تھا۔ یہ شخص کونارڈ تھا جو اب مانسریٹ کا بیٹا۔ اُس نے صور کی کمان سنبھال لی۔ اس نے مورچے مضبوط کیے، شہر اور ساحل سے متصل ٹیلے پر ایک مضبوط خندق کھدوائی۔ صور میں گردو نواح سے بے شمار سپاہی جمع ہو گئے تھے۔ صلاح الدین شکست خوردہ عیسائی فوجیوں سے کوئی تعرض نہ کرتا تھا اور انھیں چند معمولی شرائط پر جانے کی کھلی چھٹی دے دیتا۔ اِس فیاضانہ حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہُوا کہ کئی قلعوں نے دروازے کھول دیے اور سُلطان نے بلا مزاحمت ان پر قبضہ کر لیا، ورنہ سُلطان کو ان کی تسخیر پر نہ جانے کتنا وقت صرف کرنا پڑتا لیکن ساتھ ہی اِس حکمت عملی سے کونارڈ کو یہ فائدہ ہُوا کہ صور میں خاصی عیسائی فوج جمع ہو گئی۔ مسلمانوں کے آلاتِ محاصرہ شہر کی مضبوط فصیلوں میں شگاف نہ

کر سکے۔ محاصرہ دسمبر تک جاری رہا۔ سردیوں کی بارش سے محاصرین کی پیش قدمی رُک گئی تھی۔ اِس اثنا میں کونارڈ کے جہازوں نے محاصرین کے پانچ جہازوں کو ڈبو دیا جو بندرگاہ کی ناکہ بندی کر رہے تھے۔ صلاح الدین کے امیر جنگ سے جی چُرانے لگے تھے۔ وُہ مالِ غنیمت لے کر سردیوں میں اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے تھے۔ یہ ان کا پُرانا دستور تھا کہ وُہ سردیوں میں اپنے گھروں کو چلے جاتے اور موسم بہار کی فصلیں بونے کے بعد دوبارہ لشکر سُلطانی میں آن شامل ہوتے۔ وُہ مسلسل ایک سال سے مصروف پیکار تھے۔ اب اُن کی واپسی کا وقت آ پہنچا تھا۔ چُنانچہ سُلطان صلاح الدین کو اپنی مرضی کے خلاف انھیں رُخصت دینی پڑی۔

اس نے آلاتِ محاصرہ کے کل پُرزے علیحدہ کر دیے اور دمشق کو مراجعت کی۔ اس نے اپنے جارحانہ منصوبوں کو موسم بہار تک مُلتوی کر دیا۔ چند مہینوں کے بعد دوبارہ قلعہ صور کے خلاف پیش قدمی شروع کی جائے گی۔ صور کا قلعہ "نقیب الانجم[1]" کہلاتا تھا۔ صور کی تسخیر کے بعد شمال کی جانب طرابلس الشام کے خلاف یلغار کی جائے گی۔ سُلطان اپنی مُستقل فوج کو حرکت میں لانا چاہتا تھا۔ سُلطان کی مُستقل فوج قاہرہ کے مملوکوں اور جانباز تُرکوں پر مشتمل تھی۔ اِس کے علاوہ کئی مُسلمان حُکمران اپنے لشکر لے کر عَلَمِ سُلطانی تلے جمع ہو جاتے۔ ان رضاکار لشکروں میں ساحلِ افریقہ سے لے کر عراق، حلب، مُوصل اور حماۃ تک کے دستے شامل تھے۔ مالِ غنیمت کے لیے لڑنے والے جنگجو خانہ بدوش عرب اور ترکمان قبائل بھی جا چکے تھے اور انھیں فصلوں کی بوائی سے پہلے واپس بُلانا ناممکن تھا۔ چُنانچہ جُون ۱۱۸۸ء میں صلاح الدین کی فوج کی تعداد نصف سے بھی کم رہ گئی تھی۔ سُلطان نے اِسی قلیل فوج سے ولایتِ طرابلس پر فوج کشی کی لیکن

---

[1] star of the winds کا لفظی ترجمہ "ہواؤں کا ستارہ" ہے۔ (مترجم)

اسے حصن الاکراد[1] سے دامن بچا کر جانا پڑا۔ یہ قلعہ طرابلس کی پہاڑیوں میں واقع تھا۔ اِس کی موجودگی سے صرف طرابلس جانے والی سڑک دُشمن کی دسترس میں تھی اور طرابلس کا شہر بھی دُشمن کے حملوں سے مامون نہ تھا۔ اِس قلعے کی تسخیر ہی دراصل طرابلس کی فتح کی کلید تھی۔ اِس قلعہ کی دوہری دیواروں سے سیاہ پوش ہاسپٹلر اطمینان سے سُلطان کے خیموں کا جائزہ لیتے رہتے۔ اگرچہ ٹمپلروں کے مقابلے میں معرکۂ حطین میں انھیں بہت کم نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ پھر بھی انھیں سُلطان کے خلاف کھلے میدان میں لڑنے کی جُرأت نہ تھی۔ وُہ قلعہ بند ہو کر بیٹھے رہتے۔ ولیم آف سسلی کی سرکردگی میں ایک بحری بیڑا صلیبی جانبازوں کو لے کر طرابلس کے قریب پہنچ گیا تو بھی انھیں سُلطان کے خلاف میدان میں نکلنے کا حوصلہ نہ ہُوا۔

صلاح الدین نے ایسا غیر متوقع اقدام کیا کہ دُشمن ہراساں اور سراسیمہ رہ گئے۔ صلیبی مملکت کے وسطی علاقے یعنی طرابلس کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اس نے یکدم طرطوس[2] کا رُخ کیا۔

---

[1] حصن الاکراد کو حروبِ صلیبی کے زمانے میں کریک دی شولیئر کہا جاتا تھا۔ یہ قلعہ اس کرک سے مختلف ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور جو بحیرۂ طبریہ کے قریب واقع ہے۔ حصن الاکراد کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ پہلے یہاں کردوں کی چھاؤنی تھی۔

دمشقی نے لکھا ہے کہ یہ نہایت ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے اور ولایت دمشق اور ساحلی ضلع کے خطِ فاصل پر واقع ہے۔ دمشق، قارا، البقیٰ اور بعلبک بلکہ ساحل تک کا علاقہ یہاں سے نظر آسکتا ہے۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور اس کے اِردگرد اشجار و الانہار کی کثرت ہے۔ یروشلم کی تسخیر کے بعد یہ قلعہ طبقہ یوحنّا کے جنگ آزماؤں کا مُستقر بن گیا تھا۔ بالآخر سُلطان قلاوون نے اسے دوبارہ ۱۲۷۱ء میں فتح کیا۔

[2] یاقوت کے بیان کے مطابق طرطوس ولایت دمشق کا آخری ساحلی شہر ہے۔ یہ پہلے حمص اور بعض کے نزدیک ولایتِ طرابلس میں شامل تھا۔ طرطوس کے شمال میں (بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۱۳۷)

جو ساحل پر واقع تھا۔ یہ ٹمپلروں کا مستقر تھا۔ سلطان طرطوس پہنچا اور خیمے نصب کرنے سے پہلے ہی سپاہی زرہ بکتر پہن کر تیار ہو گئے۔ سلطان نے اعلان کیا کہ "انشاء اللہ ہم شام کا کھانا طرطوس کے قلعے میں کھائیں گے"۔ فوج نے پست شہر پناہ پر دھاوا بول دیا۔ اور ایک مختصر مگر خونریز معرکے کے بعد قلعے پر قبضہ کر لیا۔ خدمتگار جو خیمے نصب کرنے میں مصروف تھے، اپنا کام چھوڑ کر سپاہیوں کے ساتھ مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ حضرت مریم کا مقدس گرجا برباد ہو گیا اور اس کی چار دیواری میں حملہ آوروں نے پڑاؤ ڈال دیا۔

طرطوس کے شمالی ریگ زار سے پرے انطاکیہ کا زرخیز علاقہ تھا جو دشمن کی تاخت و تاراج سے محفوظ تھا۔ صلاح الدین نے انطاکیہ کو ایسی آسانی سے فتح کر لیا جیسے دہقان پکی ہوئی فصل کو درانتی سے کاٹتا چلا جائے۔ بہاء الدین اور دیگر علماء بمشکل سلطان کی یلغار کا ساتھ دے سکے، وہ سلطان کے ہمرکاب رہتے، وہ ساقہ کے ہمراہ سفر کرتے اور ان کے نرم رو گھوڑے سامان رسد اور آلات سے لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ سب سے پیچھے غبارِ کارواں میں گم ہوتے۔ غروب آفتاب کے وقت ان کے قافلے کسی ندی یا چشمے کے کنارے فروکش ہو جاتے، شام کو فضا میں نسیم بحری کی خنکی تیرنے لگتی۔ مویشیوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا اور گھڑ سوار دستے ارد گرد اونچے ٹیلوں پر حفاظتی مورچے بنا لیتے۔ اس قسم کا سفر سپاہیوں کے لیے روزانہ کا معمول تھا۔ پلاؤ یا گوشت کے ساتھ ابلے ہوئے جو ان کی خوراک تھی۔ وہ

(دیکھو بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶) سلسلہ کوہ پھیلا ہوا ہے اور شہر خلیج کے ایک سرے پر واقع ہے جو دس میل لمبی ہے انطرطوس قدیم رومی قلعہ تھا جسے حضرت عبیدہؓ ابن الصامت نے ۱۷ ہجری ۶۳۸ء میں فتح کیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے یہاں بحری اڈا قائم کیا اور بحیرۂ روم کے مشرقی جزیروں کو تاخت و تاراج کیا جزیرہ روڈس (Rhodes) کو بھی اسی بحری اڈے سے فتح کیا گیا تھا اور یہیں سے قبرص و صقلیہ کے خلاف مہمیں ارسال کی گئی تھیں۔ (مترجم)

موسمی پھل بھی شوق سے کھاتے۔ رات کو وہ اپنے گدّے یا کھلی عبائیں ریت پر بچھا کر سو جاتے۔ عشاء کی نماز کے بعد تک خیموں میں مشعلوں کی گردش جاری رہتی۔ چند لوگ الاؤ کے گرد جمع ہو کر باتیں کرتے یا درویشوں کے غمناک گیت سنتے رہتے۔ نہ جانے وہ کب سوتے؟ البتہ مشرقی افق پر سورج کی شعاعیں نمودار ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے گھوڑوں پر زینیں کس کر کمر بستہ ہو جاتے۔

یہ علاقہ نہایت زرخیز تھا انجیر اور انگور پکے ہوئے تھے۔ بھیڑ بکریوں کی بہتات تھی۔ مسلمانوں کی ظفر مندانہ یلغار میں یہ قلعہ یوں ہی سرنگوں ہو گیا۔ یہ قلعہ ہاسپٹلر اور ٹمپلر جماعت کے مستقروں سے دور تھا۔ اہل انطاکیہ کو کہیں سے امداد پہنچنے کی توقع نہ تھی۔ مایوسی اور پریشانی کے عالم میں انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ مسلمانوں نے ایک دن میں جبلہ پر قبضہ جما لیا اور ہزیمت خوردہ عیسائی فوج پر جو قلعہ سے قطار در قطار نکل رہی تھی، خوب پھبتیاں کسیں لاذقیہ کے حسین شہر اور اس کے دونوں ساحلی قلعوں نے سات دن کے محاصرے کے بعد دروازے کھول دیے۔ یہاں سے مسلمانوں کو سامان رسد کے تازہ ذخیروں کے علاوہ کافی مقدار میں سونا چاندی بھی ملا

جولائی کے آخر میں صلاح الدین نے ساحلی علاقے کو چھوڑ کر اندرون ملک کا رُخ کیا۔ اس نے صیہون کی بلند چوٹی پر چڑھ کر گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں نے دوپہر کے وقت وہ کھانا کھایا جو عیسائی اپنے گھروں میں پکا ہوا چھوڑ گئے تھے۔ چند دن کے محاصرے کے بعد عمیق گھاٹی پر واقع قلعہ بھی سر کر لیا گیا۔ اس کے بعد بکا کی باری آئی۔ بالآخر صلاح الدین کی پیش قدمی دریائے ارنت[1] کے قریب ابو قزیر کے مقام پر

[1] اہل یونان اس ندی کو ارونٹیس (ORONTES) کہتے تھے۔ یونانیوں نے یہ نام قدیم شامی لفظ "اورت زیہ" سے اخذ کیا تھا جس کے معنی تیز رو کے ہیں۔ عربوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر "العاصی" (بمعنی سرکش) بنا لیا۔ عرب اسے "المقلوب" (حاشیہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۳۹)

رُکی صلاح الدین نے اپنے لشکر کو پے در پے تین پہروں میں حملہ کرنے کا حکم دیا مُسلمان جانباز ایک ہی ہلّے میں دُشوار گذار چوٹیوں پر چڑھ کر بلند دیواروں پر قابض ہو گئے۔ قلعہ دار اپنے اہل و عیال سمیت فرار ہو گیا اور اس نے اہل انطاکیہ کو اس حادثے کی خبر سُنائی ؛

ستمبر کے مہینے میں اسلامی فوج پہاڑوں سے نکلی اور جسر الحدید کے قریب دریائے ارنت کو عبور کر کے ایک خونریز معرکے کے بعد بغراس[۱] اور ربسل پر قبضہ کر لیا۔ اس معرکے کا ذکر کرتے ہوئے بہاء الدین لکھتا ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ جب ایک عیسائی گرتا تو دوسرا فوراً اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا۔ وہ ایک نا قابل شکست انسانی دیوار کی طرح مزاحمت کرتے رہے۔ گردو نواح سے عیسائی سپاہی بھاگ کر انطاکیہ میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ صلاح الدین نے انطاکیہ کی تسخیر کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے دور سے قلعے کی عظیم الشان بھوری دیواروں کا بغور جائزہ لیا اور مسلمان اسیروں کی رہائی کا مطالبہ کر کے اُسے اپنی واپسی کی شرط قرار دیا۔ اس نے انطاکیہ کے نواحی علاقے پر قبضہ کر کے انطاکیہ کی جنگی افادیت کو بے کار کر دیا تھا۔ گویا انطاکیہ کے شہر کے دانت نکال دیئے تھے۔ اب اس کی سپاہ حلب سے لے کر جبل طرسوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی جنگی قوت کو ایک بے کار اور طویل محاصرے میں ضائع نہیں کرنا

(بقیہ حاشیہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۳۸) یعنی اُلٹی ندی بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ندی دُوسری ندیوں کی مخالف سمت میں بہتی تھی۔ ادریسی کا بیان ہے کہ شہر انطاکیہ المقلوب ندی پر واقع ہے جسے "ارنت" بھی کہتے ہیں۔ چند قدیم عرب جغرافیہ دان رود الجاہ کو بھی "الارنت" سے منسوب کرتے ہیں۔ (مترجم)

[۱] یاقوت کے بیان کے مطابق بغراس انطاکیہ سے ۴ فرسخ کے فاصلے پر حلب سے انطاکیہ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ کو واقع ہے۔ یہ علاقہ طرطوس کے گرد چھایا ہوا ہے۔ ابن بطوطہ نے یہاں پر ایک مضبوط قلعے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (مترجم)

چاہتا تھا۔ اس نے دمشق کی راہ لی، راستے میں حما اور حمص کے امیروں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سلطان کی خاطر و مدارات کی۔

امیروں نے صلاح الدین سے التماس کی کہ وہ رمضان کے مبارک مہینے میں جہاد کی صعوبت نہ اُٹھائے اور آرام کرے۔ لیکن سلطان نے جواب دیا "زندگی مختصر ہے اور تقدیر کا حال کسے معلوم" اس نے فوجوں کو آراستہ کر کے جنوب کے سرکش علاقے کا رُخ کیا۔ اس کے حملے کا ہدف قلعہ سفد تھا جو طبریہ سے ملحق پہاڑوں میں واقع تھا۔ سلطان شام کے وقت سفد پہنچا اس نے فوراً قلعے کے اِردگرد چکّر لگا کر فصیلوں کا جائزہ لیا اور ایک مقام پر پانچ منجنیقیں نصب کرنے کا حکم دیا۔

"میں اُس وقت تک آرام نہیں کروں گا جب تک کہ پانچوں منجنیقیں نصب نہیں کر دی جاتیں"۔ سفد کا قلعہ سر ہو گیا۔

صلاح الدین یلغار کرتا ہوا کرک پہنچ گیا۔ دریائے اردن کی سیاہ گھاٹیوں کے اُوپر قلعہ "نجم الصبا" کے بُرج آسمان سے ہم کنار نظر آتے تھے مسلسل بارش سے پہاڑ کی چوٹی دلدل سی بن گئی تھی۔ خنک طوفانی ہواؤں سے جفاکش سپاہی یخ بستہ ہوئے جاتے۔ سلطان اور سپاہ باقاعدہ رمضان کے روزے رکھتے۔ محاصرہ شدّت سے جاری تھا۔ سلطان نے اپنا خیمہ فصیل کے ساتھ نصب کرایا۔ شاہی خیمے پر تیروں، بھالوں اور پتھروں کی لگاتار بوچھاڑ ہوتی رہتی لیکن سلطان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، وہ ذرّہ بھر پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مملوک امیروں نے اِس مُہلک سنگباری کو روکنے کے لیے انتہائی جوش و خروش سے پے درپے کئی حملے کیے۔ بالآخر تیروں کی بوچھاڑ اور فولادی عربوں کی خوفناک نشانہ بازی سے محافظ تیر انداز دیواروں سے پیچھے ہٹنے پر مجبور اور حملہ آور فصیل میں نقب لگانے میں کامیاب ہو گئے۔

"اِس اثنا میں مسلسل بارش ہوتی رہی۔ چاروں طرف اِتنی گہری کیچڑ تھی کہ پیادے تو

پیادے سواروں کے لیے بھی حرکت کرنی مشکل تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں سے ہمارا بُرا حال تھا۔" بہاؤ الدین نے اِن الفاظ میں محاصرے کا ذکر کیا ہے ۔

۵ جنوری ۱۱۸۹ء کو کرک نے ہتھیار ڈالے تو مسلمان خوشی سے دیوانے ہو گئے یہ قلعہ کبھی بوڑھے گرگ ارناط کی آماجگاہ تھا، لیکن آج اس کی فصیلوں پر خلیفۂ بغداد کے سیاہ عَلَم لہرا رہے تھے۔ حاجیوں کی شاہراہ مامون ہو گئی اور اس راستے پر قافلوں کی آمد و رفت سلامتی اور آزادی سے ہونے لگی ۔

اِس کے بعد صلاح الدین نے اپنے لشکر کو آرام کی مُہلت دی۔ اب ہر طرف سے اطمینان تھا اگر کچھ خطرہ تھا تو وہ طرابلس کے علاقے میں صور اور بلفورٹ کے قلعوں سے تھا لیکن اِس سے ضروری کام شکستہ قلعوں کی مرمّت اور مختلف قلعوں میں متعین افواج کا معائنہ تھا۔ سلطان نے رمضان کے چند دِن القدس میں بسر کیے۔ جہاں وہ مسجد اقصےٰ میں مصروف تسبیح و تہلیل رہا۔ اس کے بعد وہ اپنی مستقل فوج سمیت دوبارہ جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا ۔

فوج کا قاضی بہاء الدین بھی سلطان کے ہم رکاب تھا۔ اب بہاء الدین اپنے پُرانے گدھے کے بجائے عُمدہ عربی گھوڑے پر سواری کیا کرتا تھا۔ محترم قاضی نے شاید کبھی اِتنی صعوبت برداشت نہیں کی تھی۔ ایک دِن وہ سلطان کے ہمراہ ساحلِ سمندر پر جا رہا تھا۔ سلطان کی نظریں سمندر کی بے کنار وسعتوں میں کھوئی ہوئی تھیں، وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ چاروں طرف فکر آگیں خاموشی طاری تھی، سلطان خاموش تھا تھوڑی دیر بعد سلطان نے موجوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :

"انشاء اللہ کافر سمندر میں دھکیل دیئے جائیں گے اور میں سمندر پار ممالک میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ان ممالک کے خلاف جہاد کروں گا۔"

بہاء الدین بھی کوہستانی لوگوں کی طرح بحری مہموں سے خائف تھا۔ اس نے بڑی

ہوشیاری سے جواب دیا۔ "واقعی یہ نہایت شاندار منصوبہ ہے۔ لیکن اسے امیروں کو سرانجام دینا چاہیے۔ حضور کی ذات اسلام کے لیے سہارا ہے، آپ اسلامی دنیا کی پُشت پناہ ہیں، آپ کو ایسے خطرات مول نہیں لینے چاہییں"۔

صلاح الدین سوچ میں پڑ گیا۔ "اچھا مجھے یہ بتائیے کہ سب سے افضل موت کونسی ہوتی ہے؟"

"بلاشُبہ معرکۂ جہاد میں شہادت سب سے افضل موت ہے"۔

سُلطان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہی میری تمنا ہے"۔

بے شمار پھڑپھڑاتے ہوئے بادبان سطحِ سمندر پر نمودار ہوئے۔ خاکستری بادبان سمندری پرندوں کے غولوں کی طرح نیلی لہروں پر منڈلا رہے تھے۔ تنومند ہاتھ لمبے لمبے چپّوؤں سے جہازوں کو بے تابانہ مشرق کی طرف کھے رہے تھے۔ چپّوؤں سے اُڑتی ہوئی پھوار پر سُورج کی تیز شعاعیں رقصاں تھیں۔

راستوں اور گزرگاہوں پہ بکتر بند گھوڑوں کی بھاری ٹاپ سُنائی دیتی۔ سواروں کی سیاہ زرہیں، لمبے نیزے اور مصوّر ڈھالیں۔ لوگوں کے لیے دعوتِ نظارہ تھیں، آہن پوش سوار دوبارہ عازمِ سفر تھے۔

سیاہ پوش پادری مسیحِ مصلوب کے مجسمے اُٹھائے گھوڑوں پر سوار تھے۔ کوہ و وادی میں بادشاہوں کے زرنگار عَلَم لہرا رہے تھے۔ وادیوں میں نوابوں اور امیروں کے بگلوں اور نرسنگوں کی آواز گونجتی سُنائی دے رہی تھی۔ شمال کے برفانی علاقوں سے مسلّح سوار یروشلم کے گرم اور روشن شہر کا رُخ کر رہے تھے۔ عیسائی فوجیں اِس مقدّس شہر کی مدد کے لیے پہنچ رہی تھیں "خدارا یروشلم کی مدد کرو۔ خداوند یسوع کے مقدّس شہر میں ابدی نجات کی راہیں کھُلی ہیں ——— آؤ ابدی نجات کے طلبگارو آؤ! صلیب کی حفاظت کے لیے جانیں لڑا دو! ——— عیسائیت کے دُشمنوں کو فنا کر دو ———" سیاہ پوش راہب بآوازِ بلند

تلقین کرتے۔

عیسائی فوج یروشلم کو آزاد کرانے کے لیے نکل پڑی تھی۔ ڈینیوب کے کناروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جانباز اور صقلیہ کی بندرگاہوں سے جہازوں پر سفر کرنے والے بہادر فلسطین کی سرحدوں کی طرف ہجوم کر رہے تھے۔

۱۵

طوفان کے آثار

ہر روز کئی دلچسپ خطوط عماد الدین اور بہاء الدین کی نظروں سے گزرتے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا، ان کا آقا سلطان صلاح الدین مشرقِ وسطیٰ کا سب سے طاقتور حکمران تھا۔ اگرچہ ایشیائے کوچک میں قلیج ارسلان نے اس کی سیادت قبول نہیں کی تھی لیکن ہزیمت اُٹھانے کے بعد اسے صلاح الدین کی مخالفت کی جرأت نہ تھی۔ شاہ آرمینیا کافی عرصے تک عقاب کی طرح اپنے کوہستانی قلعوں میں پناہ گزیں رہا لیکن بالآخر اسے بھی تقی الدین کے پُرجوش رسالے کے رُوبرو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ خلیفۂ بغداد کے سفرا اکثر دربارِ سلطانی میں حاضر ہوتے۔ خلیفۂ بغداد صلاح الدین کو اپنا اور دین کا محافظ سمجھتا تھا۔ بالآخر قسطنطنیہ کے متردد شہنشاہ کے سفیر سلطان کے سفری دربار میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے سلطان کی خدمت میں تہنیت نامہ پیش کیا جس پر خاصی وزنی اور مصوّر طلائی مُہر تھی۔ "قیصر اسحاقِ فرشتہ خصال" نے صلاح الدین سے دوستانہ معاہدے کی درخواست کی تھی۔

زیرک اور دانشمند عربوں نے شاہ قسطنطنیہ کے مراسلے کی اس شق کو درخورِ اعتنا نہ

سمجھا۔ البتہ روم نے قسطنطنیہ میں مسجدیں تعمیر کرانے کی پیش کش بھی کی تھی اور نئی مسجدوں کے لیے حفاظ اور عالموں کی خدمات طلب کی تھیں۔ صلاح الدین اِس تجویز سے مسرور ہُوا کہ دُنیائے مسیحیت کے محترم ترین شہر میں صدائے اذان بلند ہو۔

ایک اور خط موصول ہُوا۔ یہ خط فریڈرک بربروصہ (المعروف بہ سُرخ ریش) رومنوں کے شہنشاہ اور جرمن ریاستوں کے حکمرانِ اعلیٰ کی جانب سے تھا۔ اِس خط میں عجیب و غریب نام تھے۔ جو عرب دبیروں کی پریشانی کا سبب بن گئے۔ بیویریا۔ سوابیا۔ سیکسنی، فرانکنیا، ویسٹ فیلیا، یہ کس کے نام تھے؟ اہل لورین اور برگنڈی، سوئستانی فریزین، اطالوی، آسٹرین، الیرین، یہ کون لوگ تھے جو اس شہنشاہ کے خادم تھے؟

شہنشاہ نے یہ تنبیہ کی تھی کہ اگر یروشلم عیسائیوں کے حوالے نہ کیا گیا تو میں اپنی ساری فوجیں لے کر تمہیں سبق دینے پہنچ جاؤں گا۔ فرعون[1] مصر کی مثال سے عبرت حاصل کرو اور یروشلم ہمارے حوالے کر دو۔"

عربوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ فریڈرک بربروصہ کون ہے، وُہ اہل فرانک کا شہنشاہ اور محافظ مسیحیت ہے۔ اِنہیں یہ معلومات قیصر اسحاق فرشتہ خصال نے بہم پہنچائی تھی۔ وہ فریڈرک سے سخت خائف تھا اِس لیے اِس نے صلاح الدین سے امداد کی بھی درخواست کی تھی۔ صلاح الدین نے فریڈرک بربروصہ کو خود یہ جواب بھجوایا۔

"اب ہمیں صرف صور، طرابلس اور انطاکیہ فتح کرنا باقی ہے ـــــــ اگر یہ شہر پُرامن طریقے سے ہتھیار ڈال دیں تو ہم صلیب الصلبوت واپس کر دیں گے، سب اسیرانِ جنگ کو رہا کر دیں گے۔ راہبوں کو مزار مسیح کی مجاورت کی اجازت دے دیں گے اِس کے علاوہ سب راہبوں کو خانقاہوں میں واپس آنے کی آزادی ہو گی۔ جہاں

[1] یہ فرعونِ موسےٰ کی سرکشی اور غرقابی کی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

وُہ غلبۂ اسلام سے پہلے مقیم تھے، زائرین امن اور سلامتی سے مزار مسیح کی زیارت کر سکیں گے۔"
اِس خط پر صلاح الدین نے خادم الحرمین الشریفین کے لقب سے دستخط ثبت کیے تھے۔

صلاح الدین کے نقطۂ نظر سے اگرچہ یہ شرائط نہایت فیاضانہ تھیں لیکن بربروسہ کو منظور نہ تھیں۔ ۱۱۸۹ء کے موسم بہار میں مسلمانوں نے سُنا کہ وُہ صلیبی جنگ کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ قیصر اسحاق فرشتہ خصال نے اِطّلاع دی کہ بُوڑھا فریڈرک ایک لاکھ مسلّح فوج لے کر آ رہا ہے اور ڈیوک آف آسٹریا بھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اہل فرانس بھی فوجیں جمع کر رہے ہیں، فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس ثانی اور انگلستان کے دلیر بادشاہ رچرڈ نے بھی اسقف اعظم ولیم آف ٹائر کے ایما پر عَلَم صلیب بلند کیا ہے۔

وینیسی تاجر مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں اپنے تجارتی اڈّے قائم رکھنے کی فکر میں تھے۔ وُہ قاہرہ میں یہ خبر لائے کہ صقلیہ کے نارمنوں کا بحری بیڑا طرابلس کی بندرگاہ کے مقابل لنگر انداز ہو چکا ہے۔ اہل پیزا کے جنگی جہاز جلد ہی پہنچنے والے ہیں اور شمالی یورپ[1] والوں کے جہاز بھی ساحل غرناطہ کے قریب دیکھے گئے ہیں۔

صلاح الدین یہ حوصلہ شکن خبریں نہایت صبر و سکون سے سُنتا رہا۔ بالآخر اس نے خلیفہ کو عیسائیوں کی جنگی تیاریوں سے آگاہ کرنے کے لیے نامہ بر روانہ کیے، قاصد کبوتر اور شتر سوار سُلطان کے احکام لے کر دُور دراز پھیل گئے۔ سُلطان نے سب باج گزار امیروں کو دعوت جہاد دی اور انہیں القدس کی محافظت کے لیے کمربستہ ہونے کی تاکید کی۔ اِس نے قراقش کو حُکم دیا کہ مصری فوجوں کو منظّم کر کے تیار رکھو۔

---

[1] NORTHERN یا اہل شمال سے مراد اہل سیکنڈے نیویا کے ممالک ہیں۔ ڈنمارک اور ناروے کے جہاز رانوں کی جنگی مہارت سارے یورپ میں مسلّم تھی اور اہل یورپ ان کے حملوں سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ (مترجم)

اس خوفناک طوفان کے آثار دیکھ کر صلاح الدین نے اندازہ کر لیا کہ اصلی معرکہ اب ہوگا۔ میں نے گذشتہ دو سال میں جن عیسائی فوجوں کو شکست دی تھی وہ موجودہ عیسائی فوجوں کا عشر عشیر بھی نہ تھیں۔ اب فرنگستان کے سارے بادشاہ اور امیر مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور ان کی فوجیں اسلامی فوج سے تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ غالباً اب مجھے دشمن کی اڑھائی لاکھ تازہ دم فوج کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور میرے پرچم تلے کبھی پچاس ہزار سے زیادہ سپاہی جمع نہیں ہو سکے۔ اب کیا ہوگا؟

سمندر پر بھی مصری بیڑے کو دشمن کے بہتر اور کثیر بیڑے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سمندر پر عیسائیوں کی فتوحات ناگزیر ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جہاں چاہیں حملہ کر سکیں گے اور دوسری جانب سے بربروصہ ایشیائے کوچک کے راستے، کوہ طورس کے دروں کو عبور کر کے حملہ آور ہوگا۔ یہ نئی قسم کی جنگ ہوگی۔ یورپی فوجیں مختلف ساحلی مقامات پر مرکوز ہو جائیں گی۔ دراصل یہ مغرب کے وسائل اور اسلحہ کا مشرقی شہسواروں سے مقابلہ ہوگا۔

سلطان کو تیاریوں کی زیادہ مہلت نہ ملی۔ وہ بالائی نیل سے لے کر کوہستان فارس تک پھیلے ہوئے مسلمان قبائل کے اجتماع کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اجتماع بہت دیر طلب تھا لیکن دریں حالات یہ بھی ضروری تھا کہ عیسائی فوجوں کے لنگر انداز ہونے سے پیشتر ہی عیسائیوں کے آخری قلعوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

مئی کے مہینے میں خبر آئی کہ کرک کا تمام قلعہ جبل تویال بھی فتح ہو گیا ہے۔ اس طرح سے بحیرہ مردار کے سارے علاقے پر اسلامی تسلط ہو گیا۔ ساحلی علاقے کے چند قلعے باقی رہ گئے تھے۔ حصن الاکراد سے طرابلس کی حفاظت ہوتی تھی اور بلفورٹ[1] سے صور کو

---

[1] عرب جغرافیہ دان بلفورٹ کو شقیف ارنون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بانیاس کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر یہ نہایت مستحکم قلعہ تھا۔ اس کے دامن میں معیطہ ندی بہتی ہے (بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۱۴۸)

پناہ ملتی تھی۔ اگرچہ سلطان اپنے حلیفوں کی آمد کا منتظر اور انطاکیہ اور طرابلس پر بہ یک وقت حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا پھر بھی اس نے اپنے نجی دستوں کی مدد سے بلفورٹ کے محاصرے کی ٹھان لی۔

یہ عظیم الشان قلعہ صلیبیوں نے حال ہی میں بنایا تھا۔ اِس کی تعمیر میں صلیبی کاریگروں نے اپنی فنی مہارت کا اعلیٰ ثبوت دیا تھا۔ زیریں لبنان کی چوٹیاں اِس قلعے کی دسترس میں تھیں۔ اِس قلعے کی سپاہ کو ایک طرف تو متلاطم سمندر نظر آتا اور دُوسری طرف کوہ ہرمون کی برف پوش چوٹیاں دکھائی دیتیں۔

بلفورٹ ایک لمبوتری سطح مُرتفع پر تھا۔ اِس کے ایک جانب پانی کا حوض تھا اور دُوسری طرف قلعے کی دیواریں عمیق گھاٹیوں کے کناروں سے سیدھی اُوپر اُٹھائی گئی تھیں۔ یہ دیواریں ناقابل تسخیر تھیں۔ سطح مُرتفع کی جانب سے یہ قلعہ ایک گہری گھاٹی سے محفوظ تھا۔ اِس گھاٹی کی دُوسری جانب ایک ڈھلوان چوٹی تھی۔ جس پر بتیس فٹ اُونچی دیواریں تھیں اِن دیواروں کے کونوں پر مضبوط بُرج بنے ہوئے تھے اِس گھاٹی کو دونوں جانب سے بند کرکے اِس میں پانی بھر دیا گیا تھا۔ بلفورٹ ایک ایسا مسلح دیو تھا جس کے قدم سنگ خارا میں جمے ہوئے ہوں۔ اِس قلعے کی پُشت گہری گھاٹی سے محفوظ تھی۔ اِس کے سینے پر وہ بیز زرہ بکتر تھی۔ سطح مُرتفع نہایت دُشوار گزار اور تنگ تھی۔ چنانچہ محصورین نہایت آسانی سے دھاوا بول کر محاصرین کو عمیق ڈھلوانوں سے پیچھے دھکیل سکتے تھے مسلمانوں نے دُو سال تک اِس قلعے سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

جب صلاح الدین بلفورٹ کے سامنے نمودار ہُوا تو قلعہ دار نے صُلح کی درخواست کی۔ ریجنالڈ آف سڈون پُرانے صلیبی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ وہ مسلمانوں کے

(دیکھو بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) ابوالفدا کے بیان کے مطابق قلعہ ایک حصہ چُونائی کا ہے اور ایک حصہ پہاڑ کی چٹانیں تراش کر بنایا گیا ہے۔ ملک الظاہر سُلطان بیبارس نے اِس قلعے کو فتح کرکے بالآخر صلیبیوں کا خاتمہ کیا تھا۔ (مترجم)

ذہن اور زبان سے بخوبی واقف تھا، وہ سلطان کے خیمے میں کافی دیر تک تبادلۂ خیال کرتا رہا۔ اس نے سلطان سے تین مہینے کی مہلت طلب کی تاکہ وہ اپنے اہل و عیال کو ساحلی علاقے میں بحفاظت پہنچا سکے۔ صلاح الدین نے بخوشی یہ تجاویز منظور کر لیں کیونکہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ بلفورٹ کا محاصرہ طویل ہونے کے علاوہ سخت مہنگا پڑے گا۔ اسے ابھی مفتوحہ قلعوں کی مرمت بھی کروانی تھی ۔

جب مقررہ میعاد ختم ہونے کو آئی تو ریجنالڈ دوبارہ سلطان کے پاس حاضر ہوا اور مزید مہلت طلب کی۔ وہ مہمان کی حیثیت سے سلطان کے ہاں مقیم رہا۔ اس اثنا میں سلطان کے امیروں کے شبہات یقین میں تبدیل ہو گئے کہ وہ محض وقت ٹالنے کے لیے بہانے بنا رہا ہے۔ انہوں نے ریجنالڈ کو گرفتار کر کے صلیب پر باندھ دیا اور اسے بلفورٹ کی دیواروں کے سامنے لے گئے۔ صلاح الدین نے اسے پیمان شکنی پر سخت سرزنش کی اور کہا کہ اہل قلعہ کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دو ورنہ تمہیں نہایت اذیت ناک عذاب دیا جائے گا۔

ریجنالڈ نے فوراً اپنے سپاہیوں کو پکارا اور کہا "خبردار قلعہ کبھی دشمن کے حوالے نہ کرنا"۔ جب اس کی بات مسلمان امیروں کی سمجھ میں آئی تو وہ فوراً اس پر پل پڑے۔ لیکن سلطان نے انہیں روک دیا۔ ریجنالڈ کو صلیب سے اتارا گیا اور قید کر کے دمشق بھیج دیا گیا۔ بلفورٹ کی مزاحمت جاری رہی ۔

سلطان، انطاکیہ اور طرابلس پر حملہ نہ کر سکا۔ ان کے بجائے سلطان کو ایک ایسے مقام کا رخ کرنا پڑا جس کی طرف اس نے کبھی توجہ نہیں کی تھی ۔

۱۶

گائی اور عکّہ

یورپی افواج کی آمد سے پہلے صلیبی خوف و ابتلا کے دور سے گزر رہے تھے۔ اس نازک مرحلے پر عیسائی قوت کو بچانے کے لیے گائی لوسگنان نے دلیرانہ اقدام کیا۔ یہ وہی گائی تھا۔ جس نے اپنی بیوی کے طفیل ایک سال تک یروشلم پر حکومت کی تھی اور جس کے متعلق تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ عقلمند نہیں بلکہ سادہ لوح انسان تھا۔

گائی ذاتی طور پر بہت دلیر تھا لیکن اس میں آزادانہ اقدام کی صلاحیت کا فقدان تھا۔ اس کی زندگی کا آغاز ناخوشگوار حالات میں ہوا تھا۔ جب انگلستان میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ تو اس نے یروشلم کی مسیحی ریاست کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں اس کا چھوٹا اور لائق بھائی امالریک کانسٹیبل کے عہدے پر فائز تھا۔ جب شہزادی سبل کی نگاہِ انتخاب اس پر پڑی تو وہ مرنے سے تختِ شاہی پر براجمان ہو گیا۔ وہ سقوطِ یروشلم تک تخت پر فائز رہا اور معرکۂ حطین کے بعد اسیر ہو گیا۔ صلاح الدین نے عسقلان کے مقام پر اسے رہا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ فتح عسقلان کے بعد

قول کے پکے صلاح الدین نے اسے آزاد کر دیا۔ گائی اپنی ملکہ کی تلاش میں سیدھا طرابلس پہنچا جہاں وہ پناہ گزین تھی۔

سلطان نے گائی کے ساتھ دوسرے امیر بھی رہا کر دیے۔ ہمفرے آف ٹورون کو کرک کی سپردگی کے عوض رہائی نصیب ہوئی۔ امالریک کو اپنے بھائی کے ساتھ ہی چھوڑ دیا گیا اور تواِرٹمپلیروں کے سردار ڈی رڈفورڈ کو بھی آزاد کر دیا گیا۔ طرابلس میں شاہی دربار کے آثار موجود تھے، یعنی پرانے امیر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ صقلیہ اور پیسا کے بحری بیڑوں میں ہزاروں تازہ دم صلیبی جانباز بھی پہنچ گئے تھے، چنانچہ سب نے جمع ہو کر صور کا رُخ کیا لیکن اہل صور نے دروازے کھولنے سے انکار کر دیا۔

حاکم صور کونارڈ نے یہ حکم دیا تھا۔ کونارڈ نے اب مارکوئیس آف مانسریٹ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کا باپ معرکہ حطین میں اسیر ہوا تھا اور بعد میں مر گیا تھا۔ کونارڈ اطالویوں کی طرح حاضر دماغ اور طالع آزماؤں کی طرح کم ضمیر شخص تھا۔ عام طور پر مشہور تھا کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو وطن میں چھوڑ آیا اور ایک بیزنطینی شہزادی سے شادی کر لی۔ یہ بیزنطینی شہزادی قیصر روم آئزک وی اینجل (اسحاق فرشتہ خصال) کی بہن تھی۔ وہ ہفت زبان تھا اور بلا کا موقع شناس۔ اس میں اگر کوئی خوبی تھی تو صرف یہ کہ گرگ کرک کی طرح وہ بھی فنِ حرب کا ماہر تھا۔ اس نے بڑی عجلت سے صور میں فوجیں اُتار دیں، چنانچہ صلاح الدین صور پر قبضہ نہ کر سکا۔ کونارڈ اپنے باپ کی جان بخشی کے عوض بھی صور سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ جب بوڑھے مارکوئیس کو قلعے کی دیواروں کے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا تو اس نے کہا کہ میرے باپ نے کافی لمبی عمر پائی ہے، اب اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ بہاء الدین کے بیان کے مطابق وہ نہایت زیرک اور زبردست شخص تھا۔ دیگر مسلمان مؤرخ بھی اس کی شجاعت کے

معترف ہیں لیکن وُہ اسے بھیڑیے سے زیادہ خونخوار اور کُتّے سے زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس کے کئی جانثار دوست اور کئی جانی دُشمن تھے، اِس شخص کا کردار ۲۰ سال تک سرزمین فلسطین کے واقعات پر اثر انداز رہا ۔

جب عیسائی پناہ گزین صوٓر کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے تو کونارڈ نے انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اگرچہ صوٓر میں پناہ گزینوں کا خاصا ہجوم تھا۔ تاہم اس شخص کے لیے قطعاً جگہ نہیں تھی جو یروشلم کا بادشاہ رہ چکا تھا۔ وہ صوٓر میں کسی حریف کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ ایک زبردست طالع آزما ایک کمزور بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ گائی سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے؟ اِن غیر یقینی حالات میں اس نے ساحل پر خیمے گاڑنا ہی مناسب سمجھا۔

یہ عجیب منظر تھا، کچھ عرصہ تو شہر اور چھاؤنی میں خوب گرما گرم بحث ہوتی رہی۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ کچھ بھی ہو گائی نام نہاد بادشاہ تو ضرور تھا صوٓر کے کئی باشندے اسے جائز حکمران تصوّر کرنے لگے۔ بقیتہ السیف امراء کی اکثریت گائی کے ساتھ تھی۔ طبریہ کے سردار ٹورون کے نائٹ اور راما آلریک اس کے ہم نوا تھے۔ ملکہ سبل اور ٹمپلروں کا قائد بھی گائی کے طرفدار تھے۔ کئی جرمن اور اہل پیزا کونارڈ کی حمایت سے دست بردار ہو کر گائی سے آملے۔ موسم گرما کے وسط تک گائی کے جھنڈے تلے چارسَو نائٹ اور سات ہزار سپاہی جمع ہو گئے تھے۔

گائی کے دلیرانہ اقدام کا اصلی محرّک تو شاید کبھی معلوم نہ ہوسکے، ممکن ہے کہ سبل نے مطالبہ کیا ہو یا سرداروں اور ٹمپلروں نے اسے ترغیب دی ہو یا ممکن ہے کہ بے دوں ہمت گائی کے دل میں حوصلے کی لہر دوڑ گئی ہو اور ہنگامی جوش میں آکر اس نے جرأت کر لی ہو۔ بہرکیف گائی کی زندگی میں ایسی حوصلہ مندی کی کوئی دُوسری مثال نہیں ملتی۔ مسلمانوں کے لشکر گائی کی فوج کے ارد گرد منڈلا رہے تھے اور عیسائی بحری بیڑے

ساحل سے قریب تر آ رہے تھے۔ دریں حالات گائی نے اپنا پڑاؤ اُٹھالیا اور عکہ کا رُخ کیا۔

تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ "کسی اور شخص نے ایسی شجاعت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اِس کا حوصلہ واقعی قابلِ داد تھا کہ وہ دُشمن کی پچیس گُنا زیادہ جمعیت کے خلاف نبرد آزما ہُوا۔"

جب گائی کو رہا کیا گیا تو اس نے حلف اُٹھایا تھا کہ میں مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھاؤں گا لیکن اب اس نے اپنی قسم توڑ دی۔ اسقف اعظم نے اصرار کیا کہ آپ بادشاہ ہیں۔ دُشمنانِ دین کے خلاف جنگ آزمائی آپ کا مقدس فریضہ ہے۔ پادریوں نے فتویٰ دیا کہ ایسے عہد کی پابندی گُناہ ہے۔ جس سے کلیسائے مقدس کے مفاد کو نقصان پہنچے گائی نے اپنے ضمیر کی تسکین کے لیے انوکھی حیلہ طرازی سے کام لیا۔ اِس نے تلوار کو کمر بند میں باندھنے کے بجائے زین کی نوک سے لٹکانا شروع کر دیا تاکہ یہ کہا جا سکے کہ اس نے تلوار نہیں اُٹھائی بہرکیف یہ حقیقت ہے کہ وہ عہد شکنی کا مجرم تھا۔

جب صلاح الدین کو گائی کی عہد شکنی کا حال معلوم ہُوا تو وہ خاموش رہا، اس نے کوئی احتجاج نہ کیا۔ بہرصورت اس کے لیے یہ سُود مند تھا کہ کسی دانشمند بہادر کے بجائے بے ضرر قسم کا گائی عیسائیوں کی قیادت کرے۔ سُلطان نے نکمّے گائی کو اسی لیے رہا کیا تھا۔[1]

---

[1] یہ مصنف کا سوئے ظن ہے۔ سُلطان صلاح الدین نے صرف نکمّے گائی ہی کو رہا نہیں کیا تھا بلکہ قابل اماَلریک، ٹورون کے جنگجو نائٹوں اور ٹمپلروں کے خُونخوار قائد رڈ فورڈ کو بھی رہا کر دیا تھا۔ سُلطان کا اصول تھا کہ جب دُشمن جنگ سے دست کش ہونے کا عہد کرلے تو اسے رہا کر دینا چاہیے۔ سُلطان کے پیشِ نظر اعلےٰ اخلاقی اور انسانی اقدار رہیں سُلطان کا مقصد جنگ نہیں، بلکہ امن تھا۔ وہ اِس وقت خُون بہاتا جب قیامِ امن کے لیے خُون بہانا ناگزیر ہو جاتا۔ (مترجم)

اس اثنا میں سُلطان بلفورٹ کے محاصرے میں مصروف تھا۔ سُلطان کے مُخبروں نے اطلاع دی کہ شاہ گائی صور کو پیچھے چھوڑ کر ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھ رہا ہے صلاح الدین پہاڑوں سے نکل کر فوراً گائی کی فوج پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا لیکن سب امیروں نے سُلطان کو اس وقت تک توقف کرنے کا مشورہ دیا جب تک کہ گائی کی منتشر فوج عکّہ نہیں پہنچ جاتی پھر گائی کی فوج کا سلسلہ مواصلات منقطع کر کے اسے لشکر سُلطانی اور عکّہ کی فوج کے درمیان دو پاٹوں میں پیس دینا آسان ہو گا۔ فوجی نُقطۂ نظر سے یہ مشورہ درست تھا۔ صلاح الدین نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور اس طرح اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی۔

صلاح الدین کو شمالی سرحد کی فکر تھی۔ اِسے بربر دستہ کی آمد اور عیسائی بحری بیڑوں کے ورود کا ہردم خدشہ لاحق تھا۔ عیسائی بحری بیڑے قسطنطنیہ سے لے کر قاہرہ تک کہیں لنگر انداز ہو سکتے تھے۔ قانُون حرب کے ہر اصول کے مطابق گائی کی سات ہزار چار سَو نفوس کی مُختصر فوج کی ہلاکت یقینی تھی۔ صلاح الدین کا رسالہ ہر دم لبنان کی بلندیوں سے بجلی کی طرح لپک کر اس حقیر دشمن کو گھیرے میں لے سکتا تھا اور صور کی طرف ان کی پسپائی کی راہیں بھی مسدُود کر سکتا تھا۔ گائی کی فوج کی حقیقت اس غیر محفُوظ مُہرے سے زیادہ نہ تھی جو خود بخود کسی خالی خانے میں آ جائے، اس پر ہر وقت زد پڑ سکتی ہے۔ یہ مسلمان شاطروں کی نہایت نکمّی چال ہوتی اگر وُہ دُوسری جانب سے خطرناک اقدام کو نظر انداز کر کے اِس بے کار مُہرے کو مارنے کے لیے اپنے زبردست مُہروں کو حرکت میں لے آتے اب بساطِ جنگ کی چالیں نہایت پُرخطر ہو گئی تھیں کیونکہ یورپ کے سارے تاجدار دُوسری طرف صف آرا تھے۔

اِس مُہرے نے حرکت کی۔ وُہ صور کے کوہستانی بازو یعنی "زینۂ صور" پر چڑھ کر آگے بڑھا۔ یہاں اِس پر مُہلک زد پڑ سکتی تھی کیونکہ پہاڑیوں کا سِلسلہ پھیلتا

ہُوا سمندر تک چلا گیا تھا۔ یہ نہایت پُر خطر اور تنگ مقام تھا۔ اب اِس مُہرے کی آئندہ چال کیا ہو گی، اِس کے لیے پہلے بساطِ شطرنج کا ملاحظہ ضروری ہے۔

سامنے عکہ کا میدان تھا۔ یہ ایک کھلا ساحل تھا جو "زینۂ صور" سے لے کر جنوب کی طرف جبلِ کارمل کے دامن تک اکیس میل میں پھیلا ہُوا تھا۔ یہ ساحلی خطہ نہایت زرخیز اور سبز تھا۔ اگست کے مہینے میں یہاں خاصی گرمی پڑتی تھی۔ ساحل سے اِس خطے کی چوڑائی اندازاً سات میل تھی، جہاں سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ شمالی جانب پست پہاڑیوں سے پرے اُونچے پہاڑ تھے جن کے پس منظر میں ہرمون کی گنجی چوٹی نظر آتی تھی۔

ساحل کے درمیانی حصے میں ایک لمبی خاکنائے دُور سمندر میں چلی گئی تھی اِس خاکنائے کے چاروں طرف دیواریں تھیں جن کے اندر عکہ کا شہر آباد تھا۔ عکہ کے جنوب میں ایک نیم ہلال نما خلیج تھی جس کا ایک سرا کوہ کارمل کے دامن تک چلا گیا تھا۔ یہاں ساحل ریتلا تھا۔ نرسلوں کے سبز حاشیے کے پیچھے کھجوروں کے جُھنڈ لہراتے نظر آتے۔ ایک سُست رو دریا میدان سے نکل کر نصف درجن شاخوں میں بٹ گیا تھا۔ یہ ندیاں سرکنڈوں اور دلدل میں گم ہو جاتیں۔ یہ تھا عکہ کا میدان جس پر تقدیر واٹرلو[1] کے میدان سے زیادہ خوفناک کھیل کھیلنے والی تھی۔

صلیبی فوج کو "زینۂ صور" کی پہاڑیوں سے عکہ میں داخل ہونے کا خطرہ ہرگز مول نہیں لینا چاہیے تھا اور اگر کوئی صلیبی فوج ایسا احمقانہ اقدام کرتی تو مُسلمان فوج کو اسے فوراً برباد کر دینا چاہیے تھا یہ اصولِ حرب کا تقاضا تھا لیکن یہ مرد اور عورتیں جو میدان عکہ میں وارد ہوئے تھے کسی اصولِ جنگ کے ماتحت نہیں آتے تھے۔ د

---

[1] واٹرلو کا معرکہ ۱۸۱۵ء میں برپا ہُوا۔ اِس لڑائی میں نپولین کو فیصلہ کُن شکست ہوئی اور یورپ کی تاریخ کا ایک نیا دَور شروع ہُوا۔ (مترجم)

جنگی منطق کے بجائے محض انسانی حماقت اور خود سری کے جذبے سے بڑھتے چلے آئے تھے۔ وُہ صور میں بے کار بیٹھ بیٹھ کر اُکتا گئے تھے۔ اِس لیے انہوں نے یروشلم کی راہ لی۔ اتفاق سے سب سے پہلے عکہ کا شہر ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ انہوں نے خطرات کے باوجود قسمت آزمانے کی ٹھان لی اور عکہ کا محاصرہ کر لیا۔

فوج میں کچھ تجربہ کار اشخاص بھی تھے۔ ان کی رائے کے مطابق فوج نے شہر پناہ کے سامنے پڑاؤ ڈالنے کے بجائے شاداب باغیچوں سے پرے سمندر سے نصف میل دور ٹیلوں کے ایک سلسلے پر خیمے نصب کیے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے پڑاؤ کے گرد گہری خندق کھودنی شروع کر دی۔ وہ تمام رات کھدائی میں مصروف رہے اور صبح ہونے تک انہوں نے قریبی ندی کا رُخ موڑ کر اس کا پانی خندق میں ڈال دیا۔ اِس طرح پڑاؤ کے گرد گہری خندق تیار ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے خندق کے اندرونی کنارے پر مٹی کا پُشتہ بنا لیا۔

قدرتی بات ہے کہ مسلمانانِ عکہ ان بِن بُلائے مہمانوں کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی لیتے۔ ایک مرتبہ مسلمانوں نے قلعے سے دھاوا کیا اور میدان میں دشمنوں سے مُٹھ بھیڑ ہوئی لیکن ایسے حملوں سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مسلمان صلاح الدین کے انتظار میں تھے کہ وُہ کب آئے اور اس گستاخانہ پڑاؤ کو نیست و نابود کر دے۔ عیسائی نائٹوں کو اپنے معسکر سے دُور جانے کے نتائج بخوبی معلوم تھے۔ اِس لیے وُہ اپنے پڑاؤ میں رہتے انہیں پانی بہ افراط میسّر تھا۔ البتہ سامان رسد فراہم کرنے کے لیے کبھی کبھی وُہ میدانی علاقے پر دھاوا کرتے۔

انہوں نے اِس نئی چھاؤنی کا نام ”تُورون“ رکھا جس کے معنی پہاڑ کے ہیں۔ انہیں ہر دم یہ خدشہ لاحق تھا کہ کسی وقت بھی ان کی راہِ فرار مسدُود کی جا سکتی ہے اور انہیں گھیرے میں لیا جا سکتا ہے۔ ان کی منتظر نگاہیں دُور پہاڑوں پر لگی رہتیں۔ صفوریہ سے

مشرق کو ایک دِن کی مسافت پر حطین کا میدان واقع تھا۔ جہاں گدھ اور کتے مُردوں کی خشک ہڈیوں کو چھوڑ کر مدت ہوئی اُڑ چکے تھے۔

وہ چٹیل ٹیلوں پر اپنی قسمت کے منتظر بیٹھے رہے۔ ملکہ کے خیمے کے سامنے صلیبی جھنڈا نصب تھا۔ وہ خندق کے کنارے گھاس میں گھوڑوں کو چھوڑ دیتے اور ارد گرد کی پہاڑیوں کا جائزہ لیتے رہتے۔

اِس جگہ کی کہانی شاہی موسیقار ایمبروز نے خوب بیان کی ہے سارے واقعات اس کی نظروں کے سامنے سے گزرے تھے۔

"ہمارے لیے نیچے درختوں کے جھنڈ میں ٹھہرنا ممکن نہ تھا اِس لیے ہم بلندیوں پر جا گزیں ہوئے۔ ہم نے ٹورون پر پڑاؤ ڈالا۔ ہمارے سپاہی عربوں کے حملوں کی مدافعت کے لیے ساری رات مسلح رہتے۔ تین دِن بعد صلاح الدین کا لشکر آن پہنچا، جس میں ترک، ایرانی اور بدوی قبائل شامل تھے۔ اس کے لشکر نے اِرد گرد کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا اور اس کا خیال تھا کہ مَیں جلد ہی عیسائیوں کا کام تمام کر دوں گا۔

"کوئی حیرانی کی بات نہیں اگر ہمیں اپنی جانوں کی حفاظت کے لیے سخت پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیں ٹورون کے تحفظ کے لیے ہر وقت چوکس اور مستعد رہنا پڑتا۔ ترک دِن رات حملے کرتے رہتے اور ان کے حملے اتنے شدید ہوتے کہ آرام تو کجا کھانا پینا محال ہو جاتا۔ جافرے آف لوسگنان نے مدافعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اگرچہ وہ پہلے بھی اپنی جفاکشی اور دانشمندی کے لیے خاصا معروف تھا لیکن اب اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ سوموار سے لے کر جمعے تک سب سخت خطرے میں تھے لیکن تم دیکھو گے کہ خُدا نے کس طرح اپنے بندوں کی دستگیری کی۔

"اس دن بادشاہ، امیر اور سپاہی اِس قدر سراسیمہ اور خوفزدہ تھے کہ وہ سارا دِن دُور سمندر کی طرف دیکھ دیکھ کر تائیدِ ایزدی کی دُعائیں مانگتے رہے۔

اور دیکھیے دُور سے جہازوں کا ایک بیڑا نظر آیا جس میں بے شمار سپاہی تھے یہ جیمز آف ایونیز فلانڈرز[1] سے آیا تھا۔

"مجھے علم نہیں کہ سکندرِ اعظم یا ہیکٹر[2] اس سے زیادہ بہادر تھے البتہ میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جیمز آف ایونیز ہی کا حوصلہ تھا کہ اس نے اپنی ساری زمینیں اور املاک بیچ کر اپنی جان کو ناموسِ مسیح کی حفاظت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جیمز کے ہمراہ چودہ ہزار آزمودہ کار مسلّح سپاہی تھے، ان کے ساتھ ڈنمارک کا بیڑا بھی تھا۔ اس بیڑے میں بڑے جیالے سردار تھے جن کے پاس کافی تعداد میں تنومند اور چُست گھوڑے تھے"۔

دراصل صورتِ حال یہ تھی کہ اہلِ پیزا[3]، ڈنمارک اور فریز لینڈ[4] کے بحری بیڑے صلیبی بہادروں کو لے کر آئے تھے۔ وُہ طرابلس سے صور پہنچے تو انہیں گائی کی پیش قدمی کی خبر ملی، چنانچہ وہ گائی کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔ وُہ جہازوں اور کشتیوں کو شہر کے قریب ساحل تک لے آئے۔ جہازوں سے اُترے اور لڑتے بھڑتے، کھلے میدان سے نکل کر تورون کے اُونچے پڑاؤ میں جا پہنچے۔

---

[1] فلانڈرز موجودہ ہالینڈ کا پُرانا نام۔ (مترجم)

[2] ہیکٹر۔ ہومر کی نظم ایلیڈ کا ایک نامور کردار، ہیکٹر ٹرائے کے بادشاہ پرام کا بیٹا تھا، وُہ ٹرائے کا نامور سالار اور بہادر تھا۔ وہ اکلینز کے ہاتھوں مارا گیا۔ جس نے پیٹروکلس کے قتل کے انتقام میں اس کی لاش کو رتھ سے باندھ کر شہر پناہ کے گرد پھرایا تھا۔ (مترجم)

[3] پیزا اٹلی کا مشہور شہر جو قرونِ وسطیٰ میں اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے معروف تھا اور آج کل جھکے ہوئے مینار کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہے۔ (مترجم)

[4] فریز لینڈ دراصل قدیم نیدرلینڈ (یعنی ہالینڈ اور بیلجیم جو اُس زمانے میں جُدا گانہ وجود نہیں رکھتے تھے) کا ایک صُوبہ تھا۔ (مترجم)

اِس کے بعد صور سے کونارڈ آف مانسریٹ بھی عیسائی فوج کے اجتماع میں شریک ہونے کے لیے اپنے جہازوں میں آن پہنچا۔ اب عکّہ میں عیسائی فوج کی تعداد تیس ہزار سے زائد ہو گئی تھی۔ عیسائیوں کے جہازوں نے عکّہ کی بندرگاہ کی ناکہ بندی کر دی۔ عیسائی فوج نے اپنے دونوں بازوؤں کو دونوں طرف پھیلا دیا۔ اِس طرح تورون کے پڑاؤ نے نیم ہلالی شکل اختیار کر لی اور عسکہ کا شہر پہاڑوں سے منقطع ہو کر رہ گیا۔

۱۷

مُحاصرے کا آغاز

جب صلاح الدین نے یہ محسوس کیا کہ صلیبیوں کی اصلی طاقت اِس نُقطے پر مرکوز ہو رہی ہے تو اس نے شمالی کوہستان سے اپنی باقی ماندہ فوج کو بُلوا لیا اور بلفورٹ کے محاصرے کے لیے چند دستے متعین کر دیے۔ صلاح الدین کی اوّلین کوشش یہ تھی کہ عکہ کو، جو محاصرے کی تاب نہیں لا سکتا تھا، سامانِ رسد پہنچایا جائے اور اس کی مدافعت کا مناسب انتظام کیا جائے۔ ستمبر کے مہینے میں سُلطان اِسی کام میں مصروف رہا۔ تقی الدین کا رسالہ آسانی سے اہلِ پیزا کی صفوں کو چیرتا ہُوا شہر تک پہنچ گیا۔ اہلِ پیزا کا پڑاؤ لشکر کے نیم دائرے کی شمالی جانب سمندر کی طرف واقع تھا تقی الدین نے ۲ دو دن تک یہ راستہ کھلا رکھا۔ غلّے اور سامان رسد سے لدے ہوئے اُونٹ قطار اندر قطار قلعہ عکہ میں داخل ہوئے اس کے علاوہ قراقش جسے قاہرہ سے بلوایا گیا تھا ایک پُوری فوج سمیت عکہ میں جاگزیں ہو گیا۔ سُلطان اور بہاء الدین قلعے کی فصیلوں پر گھوم کر دشمن کی حد بندی کا جائزہ لیتے رہے۔

شہر کے استحکام کے بعد صلاح الدین نے واپس آکر اپنی فوج کی کمان سنبھال لی جس میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ سلطان پہاڑیوں سے نیچے اترا میدان میں آکر اُس نے صلیبیوں کو گھیرے میں لے لیا اور اپنے رسالے سے ان کی صفوں پر کئی ضربیں لگائیں +

اب ایمبروز کی زبانی سُنیئے کہ اِس نازک مرحلے پر صلیبی کیسے گروہ در گروہ سمندری راستے سے پہنچے: +

"بمشکل دو ہفتے گزُرے ہوں گے کہ کاؤنٹ آف برین ہمارے ساتھ آن شامل ہُوا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی اینڈریو بھی تھا، وہ دونوں عالی نسب تھے۔ اس کے بعد فلانڈرز کا داروغۂ محل بین[2] سے زیادہ سرداروں سمیت آیا۔ ایک جرمن لینڈ گارف[1] اعلٰے قسم کے ہسپانوی گھوڑے ساتھ لایا۔ بوٹیس کے صحت مند اسقف کے ساتھ اس کا بھائی کاؤنٹ رابرٹ بھی تھا، جو نہایت ہوشیار اور مُستعد نائٹ ثابت ہُوا۔ کاؤنٹ آف بار بہت شُستہ اخلاق کا مالک تھا۔ اِس طرح کئی بہادر، دانا اور تجربہ کار سردار عیسائی فوج میں آن شامل ہوئے۔

"ہماری روز افزوں تعداد سے غنیم خائف نہیں تھا بلکہ اِس کا حوصلہ بلند تر تھا۔ مسلمان دِن رات یُورش کرتے رہتے اور کئی دفعہ تو ہمارے خیموں تک گھُس آتے۔ اہلِ عکّہ بھی دھاوے کرتے رہتے۔ یہ یاد رہے کہ اہلِ عکّہ نے کاشتکاری ترک نہیں کی تھی عکّہ کی مدافعت منتخب اور بہترین کافروں[2] کے ہاتھ میں تھی۔ شہر کی دُوسری جانب ہمارے غنیم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، حتّٰے کہ سارا میدان دُشمن کی فوجوں سے بھر گیا اور ہم ان کے گھیرے میں قیدیوں کی طرح بے بس ہو کر رہ گئے۔"

لہ زمانہ وسطیٰ کے جرمنی میں اضلاعی یا صوبائی حاکموں کا خطاب تھا۔ بعد میں سلطنت جرمنی میں صرف تین شہزادوں کا لقب قرار پایا۔ جن کی ریاستوں کو بھی لینڈ گارف کہا جاتا تھا۔ (مترجم)

لہ ہم عصر عیسائی اور مسلمان مؤرخ بالعموم ایک دُوسرے کو کافر کہتے تھے۔ (مترجم)

دسمبر کے آخر میں صلاح الدین نے شہر کے گرد عیسائیوں کے گھیرے کو توڑنے کی کوشش کی۔ حسب دستور اس نے جُمعہ کے دِن حملے کی ابتدا کی جس دن مُسلمانانِ عالم نماز جُمعہ کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ سُلطان فجر سے پہلے بیدار ہُوا اور روزہ رکھا، پھر اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کی قیادت کی۔ بہاء الدین کے الفاظ میں "وہ اُس ماں کی طرح مُضطرب نظر آتا تھا جس کا بچّہ کھو گیا ہو"۔

"صلاح الدین نے صلیبیوں کی صفوں کو پھاڑنے اور ان کے مضبوط دستوں کو متفرّق کرنے کے لیے جا بجا حملے کیے" لیکن اس دن جنگ بلا نتیجہ رہی اور آئندہ چند دنوں میں بھی جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا۔"

"ایمبروز کا بیان ہے "مجھے یاد ہے کہ ستمبر کے مہینے میں جُمعے کے دِن ہمیں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عربوں نے مُہلت دیئے بغیر اچانک حملہ کر دیا۔ عیسائی فوراً مسلّح ہوئے اور نہایت منظّم طریقے سے اپنے اپنے مقررہ سرداروں کے ماتحت جمع ہو گئے۔ ایک بازو پر ٹمپلر اور ہاسپٹلر جانباز تھے، عموماً وہی حملے کی ابتدا کیا کرتے۔ وہ دریا کے مُحاذ کی حفاظت کر رہے تھے۔ ان کے مقابل دُشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ قلب میں کاؤنٹ آف برین اور راس کی سپاہ تھی۔ ان کے ہمراہ لینڈر گارف اور جرمن بہادر بھی تھے۔ اہلِ قلب ایک ویران مسجد اور قبرستان کے پاس صف آرا تھے۔ شاہ گائی کے ہمراہ اہل پیزا اور دیگر بہادر تھے۔ وہ میمنہ کی جانب ٹورون میں دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لیے مُستعد تھے۔

"عربوں نے بڑا پُرجوش حملہ کیا۔ ان کی فوج میں اعلیٰ قسم کے منظّم دستے تھے۔ ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں نے دشمن کی اگلی صفوں کو چیر کر انھیں درہم برہم کر دیا۔ وہ بھاگتے ہوئے دُشمن کو دھکیلتے چلے گئے اور پھر ان کا تعاقب کیا۔ پھر دُوسرے عیسائی دستوں نے اتنا شدید حملہ کیا کہ دشمن کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ دشمن کا اِس قدر جمِ غفیر تھا کہ بڑھتے ہوئے

عیسائیوں کو یہ اندازہ نہ رہا کہ کس طرف مُڑیں۔ تُرک اپنی فوج کو دوبارہ مجتمع نہ کر سکے۔ وُہ تیزی سے پسپا ہو کر پہاڑوں تک پہنچ گئے۔ بس یہاں شیطان آن گُھسا اور ہمارے کئی آدمی مارے گئے۔

"ایک جرمن کا گھوڑا مُنہ زور ہو کر بھاگ نکلا۔ وُہ گھوڑے کے تعاقب میں بھاگا۔ اِس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے دوڑے لیکن گھوڑا ان کے ہاتھ نہ آیا۔ گھوڑے نے مُڑ کر شہر کے رُخ بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر عرب سمجھے کہ ہماری فوج پسپا ہو رہی ہے۔ چُنانچہ عربوں نے مُڑ کر سخت حملہ کیا۔ یہ حملہ اِس بَلا کا تھا کہ ہمارے کمانڈر فوج کی راہنمائی کے بجائے بمشکل اپنا دفاع کر سکے۔"

ایمبروز نے شیطان کو عیسائیوں کی شکست کا سبب ٹھیرایا ہے لیکن مسلمانوں کو اِس کا اصل سبب خوب معلوم تھا۔ چُنانچہ بہاءالدین نے اِس جنگ کا نہایت واضح طور پر تذکرہ کیا ہے۔

مسلمانوں کا بہترین جرنیل تقی الدین سُلطان کے میمنہ کی اور خود سُلطان قلب کی راہنمائی کر رہا تھا۔ قلب میں سُلطان کے خانگی سپاہی تھے۔ آزمودہ کار بُوڑھا مشطوب میسرہ کی قیادت کر رہا تھا۔ میسرہ میں کُردوں، عربوں اور مملوکوں کے دستے شامل تھے، میسرہ دریا کے قریب تھا۔

جب ٹمپلروں نے حملہ کیا تو تقی الدین نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا کر بلند زمین کا رُخ کیا۔ صلاح الدین نے اِس حرکت کو پسپائی سمجھا۔ چُنانچہ سُلطان نے پسپا ہوتے ہوئے میمنہ کی امداد کے لیے قلب سے اپنا محفوظ رسالہ روانہ کر دیا۔ عیسائی کمانڈروں نے مسلمانوں کے قلب کی کمزوری کو بھانپ کر بے تحاشا عَلَم سُلطانی کی طرف یورش کی۔ مسلمانوں کی چند رجمنٹیں درہم برہم ہو کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئیں۔ صلاح الدین کے مملوک منظم طریقے سے قدرے پیچھے ہٹے اور پھر سنبھل گئے۔ دوپہر کے وقت تک مسلمانوں کا

میمنہ باقاعدہ طور پر باقی فوج سے دُور جا رہا تھا اور قلب اپنے صحیح و سالم میسرہ کے محور پر گھوم کر پیچھے آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں نے کسی کمانی دار دُہرے دروازے کو زور سے دھکّا دے دیا ہو۔ عیسائی فوج مسلمانوں کی مُنتشر رجمنٹوں کے تعاقب میں، اِس شگاف سے بے تحاشا آگے بڑھتی گئی اور دریائے اردن کے پُل تک جا پہنچی۔ سامنے صلاح الدین کا پڑاؤ نظر آ رہا تھا۔ پڑاؤ کے محافظ جلدی سے سوار ہو کر دشمن کو روکنے کے لیے نکلے اور پڑاؤ خالی رہ گیا اور صلیبیوں کے پڑاؤ تک پہنچنے سے پہلے ہی مشّاق قبائلی چور خیموں کو لوٹنے لگے۔

چند نائٹ اندھا دُھند صلاح الدین کے ایوان تک پہنچ گئے۔ وُہ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ہم اپنی جمعیّت سے بہت دُور نکل آئے ہیں اور مسلمان جوابی حملے کے لیے صف آرا ہو رہے ہیں۔ پھر یہ من چلے اپنے تھکے ہارے گھوڑوں پر واپس ہوئے۔ راستے میں ایک طرف سے تقی الدین کے رسالے نے اور دُوسری جانب سے صلاح الدین نے اِن عیسائی دستوں پر شدید حملہ کر کے انھیں بُری طرح کچل دیا۔ وُہ بکھر گئے اور مارے گئے۔

اب ایمبروز کی زبانی سُنیے: "اِس معرکے میں اینڈریو آف برین مارا گیا۔ خُدا اِس کی رُوح پر رحم کرے۔ افسوس کہ اتنا بہادر نائٹ مارا گیا۔ وہ ہماری پُشت پناہ تھا۔ مارکوئیس آف مانسریٹ اِس بُری طرح سے دُشمن کے گھیرے میں آ چکا تھا کہ اگر شاہ گائی اس کی نجات کے لیے نہ آن پہنچتا تو وہ بھی مارا جاتا۔ ٹمپلروں کا جواں مرد قائد بھی مقتُول ہُوا۔ وُہ ایسا عالی ہمت اور عالی نسب انسان تھا کہ جب سب لوگ یک زبان ہو کر چلّا رہے تھے "واپس آ جاؤ ——— پلٹ آؤ ———" تو وہ بڑھتا چلا گیا اگر وہ چاہتا تو واپس آ سکتا تھا۔ لیکن اس نے ان کی چیخ پُکار کے جواب میں کہا۔ "مَیں اب واپس نہیں آؤں گا تاکہ کل کوئی ٹمپلروں کو یہ نہ کہہ سکے کہ تمھارا سردار

بھگوڑا تھا" وہ واپس نہ آیا اور تُرکوں کے ہجوم میں کٹ مرا۔ پانچ ہزار سپاہی کھیت رہے، مقتولوں کی لاشوں کو برہنہ کرکے پھینک دیا گیا۔

جب شہر والوں نے ہماری شکست کی خبر سُنی تو وہ اپنے عربی گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے دروازوں سے نکلے اور ہماری فوج پر اتنا پُر جوش حملہ کیا کہ اگر ہم اپنے حفاظتی مورچوں میں نہ گھُس جاتے تو وہ ہماری فوج کو تہس نہس کرکے رکھ دیتے۔ بالآخر ہماری فوج مقابلے پر جم گئی۔ ہمارے نائٹوں نے خاصی جوابی ضربیں لگائیں۔ شاہ گائی نے بلا کی بہادری دکھائی۔ جافرے آف لوسگنان نے اس دن بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ اس نے اور جیمز آف ایونیز نے بہادری کے جوہر دکھائے، دُشمن کی فوج شہر کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوگئی۔

اِس طرح سے وہ منحوس دِن ختم ہُوا۔ اِس سے عربوں کے حوصلے اِتنے بڑھے کہ وُہ ہر روز عیسائیوں کو سخت پریشان اور دِق کرنے لگے۔ دریں حالات بہادر سرداروں اور نائٹوں نے آپس میں مشورہ کیا "حضرات اِس طرح کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں ان شیطان کے بیٹوں سے بچنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ وہ دِن کو حملے کرکے ہمیں پریشان کرتے ہیں اور رات کو ہمارے گھوڑے چُرالے جاتے ہیں"۔

"چنانچہ انھوں نے یہ انتظامات کیے: گہری اور چوڑی خندق کھودی، پھر ڈھالوں، کشتیوں کے شہتیروں اور فالتو سامان سے خندق کے ساتھ آڑ کھڑی کردی۔ انھوں نے خندق سے ملحق زمین کو مختلف حصّوں میں تقسیم کرکے ہر حصّے پر فوجی دستے متعین کردیے۔ لیکن اس کے باوجود عربوں کے حملے مسلسل جاری رہے اور عیسائیوں کو کوئی قرار نصیب نہ ہُوا۔

"اب ایک افسوس ناک سانحہ کا حال سُنیے۔ اِس معرکے کے بعد جس میں ہمارے سرداروں نے ہزیمت اُٹھائی تھی اور ہزاروں بندگانِ خُدا جو ناموس مسیح کے لیے

آئے تھے، مقتول ہوئے تھے ایک اور دردناک المیہ رونما ہوا۔ صلاح الدین نے مقتولین کی لاشوں کو اُٹھوا کر دریائے عکّہ میں ڈلوا دیا۔ لاشیں پانی میں بہتی، ہمارے پڑاؤ میں پہنچ گئیں۔ یہ نہایت کراہت انگیز منظر تھا۔ لاشوں کے انبار جمع ہونے لگے اور چاروں طرف دماغ سوز عفونت پھیلنے لگی۔ بدبو اس قدر ناقابلِ برداشت تھی کہ ہمیں دُور تک پیچھے ہٹنا پڑا۔ لاشیں دفن ہونے کے بعد بھی فضا میں تعفّن رہا اور ہم کئی دِن تک واپس نہ جا سکے۔ اس اثنا میں عیسائی اس خندق کو گہرا کھودنے میں مصروف رہے۔ یہ خندق ہمارے لیے فصیل کا کام دیتی تھی۔ ہم اس خندق کے پیچھے پناہ گزیں تھے۔ مسلمانوں کے حملوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ گرمی ہو یا سردی، وہ بلا ناغہ حملے کرتے۔ یہ خندق بندگانِ حق اور ان کتوں کے درمیان رزمگاہ بن گئی۔ ہم اس خندق کو عمیق تر کرنا چاہتے تھے اور وہ اسے تباہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ آپ اس وقت ——— [1] تیروں کی بوچھاڑ دیکھتے۔ لوگ باری باری خندق کھودتے اور اس کی حفاظت کرتے۔ فریقین میں کئی بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ آپ سپاہیوں کو لڑتے، کاری ضربیں لگاتے، خنجر بھونکتے، زمین پر گرتے اور لوٹتے ہوئے دیکھتے تو آپ کو ان کی جانفروشی کا اندازہ ہو سکتا۔ یہ معرکے شام تک جاری رہتے اور صرف رات ہی محاربین کو جُدا کرتی۔

ہم لوگوں کو کچھ آرام میسّر تھا لیکن ہم بھی خوف اور تھکن سے پریشان رہتے۔ ہم پہرہ

[1] یہاں ایمبروز کے مسودے کی عبارت ناقابلِ فہم ہے۔ اس کا تذکرہ دراصل ایک بھونڈی سی نظم ہے۔ ایمبروز نے مسلمانوں کے متعلق ناشائستہ الفاظ اور گالیوں کا استعمال کیا ہے۔ اس سے ہم عصر عیسائی مورخوں کے تعصّب کی شدّت اور جذبات کی تلخی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے برعکس ہم عصر مسلمان ابن شداد، ابن اثیر، ابن خلکان اور اُسامہ عیسائیوں کے متعلق ایسی ناشائستہ زبان استعمال نہیں کرتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ انھیں کافر کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ واصلِ جہنّم ہوئے۔ (مترجم)

دیتے رہتے کیونکہ ہمارے سپاہی خندق ختم کرنے سے پہلے آرام نہیں کر سکتے تھے۔

"یوم الاولیا[1] کی شام کو ہم پر سخت مصیبت نازل ہوئی۔ ٹورون کی بلندی سے ہمارے پہرے داروں کو حیفہ کی سمت سے جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑا آتا دکھائی دیا۔ وہ بیڑا بڑے منظم طریقے پر عکہ کے قریب پہنچا۔ اس کی آمد کی خبر ساری فوج میں پھیل گئی، کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ بیڑا کس کا ہے؟ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جینوا یا وینس یا مارسیلز یا سسلی کے جہاز ہیں جو محصورین کی مدد کو آئے ہیں۔ ہم ابھی حیرت و سراسیمگی کے عالم میں تھے کہ وہ بڑے دلیرانہ انداز میں عکہ کی بندرگاہ میں داخل ہو گئے اور ساتھ ہی ایک جہاز بھی پکڑ کر لے گئے۔ اس جہاز میں ہمارے سپاہی اور سامانِ رسد تھا، وہ اس جہاز کو کھینچ کر شہر لے گئے۔ بچارے جہازیوں کو قتل کر دیا اور سامانِ رسد پر تصرف کر لیا۔

اور سنیئے ان سفاک ترکوں نے یوم الاولیا کو کیا ستم ڈھایا؟ انھوں نے نہایت گستاخانہ انداز میں مقتول جہازیوں کی لاشوں کو عکہ کی دیواروں سے لٹکا دیا اور واعظوں کے بقول مقتولوں کی روحیں اس رات آسمانی خوشیوں میں شریک ہوئیں۔

"اس بیڑے نے ساحل اور بندرگاہ کی اتنی مؤثر ناکہ بندی کی کہ بندگانِ خدا تک کوئی امداد نہ پہنچ سکتی تھی۔ اسی طرح سردیاں آگئیں اور ہمیں کہیں سے رسد نہ پہنچی۔ ہم نے خندق مکمل کر لی تھی لیکن بعد میں ہماری کوششوں کے باوجود یہ خندق برباد ہو گئی۔"

یہ تھا ایمبروزہ کا بے باک اور بھونڈا سا تذکرہ۔ یہ واضح امر ہے کہ صلاح الدین نے

---

[1] رومن کیتھولک کلیسا کا ایک تہوار جو یکم نومبر کو منایا جاتا ہے یہ All Saints Day یعنی یوم الاولیا کہلاتا ہے۔ ۲ نومبر کو یوم الارواح یعنی All Souls Day کا تہوار ہوتا ہے اس دن مُردوں کے حق میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ (مترجم)

عیسائیوں کی صف آرائی کو توڑنے کی ہر ممکن سعی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اگرچہ لڑائی کے پہلے دِن صلیبیوں کو شکست ہوئی اور انھیں سخت جانی نقصان اُٹھانا پڑا، لیکن بعد میں وُہ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے۔ اِدھر صلاح الدین کی انتہائی کوشِش تھی کہ حملے ایسے کاری ہوں کہ جنگ کا جلد فیصلہ ہو جائے۔ اُس وقت سُلطان ملیریا میں مُبتلا تھا۔ اس نے امیروں کو اپنے خیمے میں بُلوایا اور ان سے کہا: "اب فتح حاصِل کرنے کا امکان ہے۔ اِس وقت ہمارے دُشمن قلیل ہیں اگر وُہ یوں ہی جمے رہے تو انھیں سمندر پار سے کمک پہنچ جائے گی اور ہمیں صرف مصر سے ملک العادل کی کمک میسّر ہو سکے گی۔ یہ حملے کا بہترین موقع ہے۔"

لیکن امیروں نے دوبارہ سُلطان کو اپنا ارادہ بدلنے کی صلاح دی: "آغازِ رمضان کے ساتھ موسم خزاں کی بارشیں شروع ہوں گی۔ ہم فصلیں بونے اور روزے رکھنے کے لیے گھر واپس جانا چاہتے ہیں۔ سُلطانِ معظم علیل ہیں اور ملک العادل بھی موسم بہار سے پہلے نہیں آ سکتے۔" یہ تھے امیروں کے دلائل۔ سُلطان نے جیسے محاصرۂ صور کے وقت انھیں واپس جانے کی اجازت دے دی تھی اِس طرح رضاکار دستوں کو چھُٹّی دیدی۔ سُلطان نے لڑائی بند کر دی اور پہاڑوں میں اپنی لشکر گاہ کو واپس چلا گیا۔ مُستقل فوج کے دستوں کو دامن کوہ میں متعیّن کر دیا گیا تا کہ وہ صلیبیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔

اِس طوفانی موسم میں کوئی نیا بیڑا ساحل فلسطین تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ صلیبیوں کے جہاز مدّت ہوئی ناکارہ ہو چکے تھے۔ ٹب نما گول مال بردار جہاز، اور کھُلی کشتیاں بندرگاہ عکہ کی ناکہ بندی کرنے سے عاجز تھیں۔ تیز مغربی ہواؤں سے اِس کھُلے ساحل پر پیہم طوفانی موجیں ٹکراتی رہتیں۔ بھاری جہازوں کو کھینچ کر ریت پر نہ لایا جا سکا۔ چُنانچہ اِن جہازوں کو مجبوراً شمالی بندرگاہوں یا قبرص کی راہ لینی پڑی۔

دُھند، آندھی اور مُوسلادھار بارش میں ۱۱۸۹ء کا سال ختم ہُوا۔ عکّہ کا محاصرہ شروع ہو چکا تھا۔ صلیبیوں نے عکّہ کا محاصرہ کیا لیکن وہ خود محصور ہو کر رہ گئے۔ کُھلے میدانوں میں فوجی معرکے فی الحال بند ہو گئے تھے اور عکّہ کے میدان میں ایک نئی طرز کی جنگ جنم لے رہی تھی، جس کا نام خندقی جنگ تھا۔

۱۸

قراقش کا دبابوں کو نذرِ آتش کرنا

دُور سے عکّہ ایک تنے ہُوئے مُکّے کی طرح نظر آتا تھا جو بازوئے ساحل سے سینۂ بحر میں پیوست ہو۔۔۔۔۔۔ خاکستری رنگ کی جاندار مُٹّھی جس میں کوئی جُنبش نہ ہو۔ اس کی بیرونی دیوار گویا چھنگلیا کی گانٹھ اور کلائی کی ہڈّی سے زاویہ قائمہ بناتی ہوئی نکلی تھی۔ اِس زاویے کے بازوؤں میں ایک مربع حصار اور عظیم الشان برج تھا۔ جسے عیسائی منحوس برج کہتے تھے۔ اور جس کے مخالف سمت میں جنوبی زاویے کی طرف یہ دیوار انگوٹھے کے جوڑ تک چلی گئی تھی۔ یہاں دیوار پانی تک پہنچ گئی تھی، پھر یہ دیوار ایک بھاری انگوٹھے کی طرح جو بھنچی ہوئی مُٹّھی سے مڑا ہو، دو سَو گز تک سمندر میں چلی گئی تھی۔ دیوار کے آخر میں ایک برج تھا۔ اِس دیوار اور شہر کے درمیان بندرگاہ واقع تھی۔ اِس برج اور شہر کے درمیان یعنی مُڑے ہوئے انگوٹھے اور چوتھی اُنگلی کے درمیان پانی میں ایک تنہا برج تھا۔ اِسے لوگ برج الذباب (مکھیوں کا برج) کہتے تھے۔ اِس برج سے ایک وزنی زنجیر دیوار کے سرے تک بندھی ہوئی تھی۔

یہ زنجیر زیرِ آب رہتی اور دُشمن کے جہازوں کو بندرگاہ میں داخل ہونے سے روکتی تھی۔ جب مسلمانوں کا کوئی جہاز آتا تو اِس زنجیر کو نیچے کر دیا جاتا۔ اِس طرح ان کے جہاز بلا مزاحمت گُزر جاتے۔

بیرونی دیوار کے زاویۂ قائمہ کے اندر ایک چھوٹا زاویۂ قائمہ کھنچا ہُوا تھا۔ اندرونی زاویے پر اندرونی دیوار ایک سطحِ مُرتفع پر کھڑی تھی۔ ان دونوں دیواروں کے درمیان چوڑی جگہ میں فوجی پڑاؤ، اصطبل اور بازار واقع تھے۔ اندرونی دیوار سے اُوپر ٹمپلروں کے مستقر کے دیدبان، ہاسپٹلروں کے چبوترے اور گرجے کے گرد سفیدے کے جُھنڈ دکھائی دیتے تھے کیونکہ عکّہ کی تعمیر عیسائیوں کی مرہونِ منت تھی۔ مسلمانوں کو اس پر قبضہ کیے صِرف دو سال گزُرے تھے۔ اب گرجا کے گھنٹہ گھر کے بجائے وہاں مینارِ اذان تھا۔ اِس مینار سے مؤذن کی آواز، نمازیوں کو پانچ وقت بُلاتی اور مینار تلے واقع مسجد میں اہلِ صلوٰۃ کا ہجوم ہو جاتا۔

کئی صلیبی شہر پناہ کے ایک ایک پتّھر سے واقف تھے۔ اس کی شہر پناہ پر چار سوار مختلف سمتوں میں جا سکتے تھے۔ اِس دیوار میں کئی مربّع بُرج اور مضبُوط آہنی دروازے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ چوڑی خندق عبور کر کے، اِس فصیل پر زینے لگا کر چڑھنا ناممکن ہے اور مسلمان کبھی کسی چوبی گھوڑے[1] کو دروازے سے اندر ٹھیلنے کی اجازت نہ دیتے۔ عکّہ میں داخل ہونے کے لیے عیسائیوں کو طاقت اور آلاتِ محاصرہ کی ضرورت تھی تاکہ دیوار میں شگاف کیا جا سکے لیکن برسات کے موسم میں آلاتِ نقب و محاصرہ بھی بے کار تھے۔

میدان کی دَلدل اور کیچڑ میں ایک اور شہر آباد ہو رہا تھا۔ عیسائی محاصرین کے پڑاؤ میں ایک عجیب بستی بس رہی تھی۔ نیم ہلالی شکل میں پھیلے ہوئے کچّے مکان اور

---

[1] اِس میں ٹرائے کے مشہور چوبی گھوڑے کی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

خیمے عکّہ کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے۔ عکہ کے بُرجوں تک صرف پرتاب کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اس شہر کی دیواریں زرد مٹی اور ریت کی تھیں۔ اس کی گلیاں کیچڑ سے پُر تھیں اور نہریں بدروؤں کا کام دیتی تھیں۔

کھجور کے خمیدہ درختوں تلے بارش سے شرابور خیموں کا جُھنڈ تھا۔ اِن خیموں میں مغربی امرا اور بیگمات کی قیامگاہیں اور دربار تھے۔ جب بادل کُھل جاتے تو بیگمات زنانہ سواری کے مخصوص گھوڑوں پر باہر نکلتیں۔ لمبے لمبے سکرٹوں میں ان کے پاؤں چھپے ہوتے، زری اور مخمل کی آستینیں ان کے شانوں کو زیب دیتیں۔ دو ٹاروں کے سینوں پر مخملی صلیبیں کڑھی ہوئی نظر آتیں۔ ان کے گرد لبادہ پوش جواں سال امیروں کا جمگھٹا ہوتا۔ مغرور نائٹ کمربند باندھے قاقم وسمور کے استر والی عبائیں اور بالاپوش پہنے گھوڑوں پر تنے چلے جاتے۔ ان کے پیچھے شکاری کتے بھاگتے ہوئے جاتے۔ وہ صرف محصور شہر کے دونوں کناروں پر پھیلی ہوئی سفید ریت پر سیر کے لیے نکل سکتے تھے۔ ریت سے پرے ننگ دھڑنگ مچھیرے بہتے ہوئے کف دریا میں جال کھینچتے نظر آتے۔ کبھی وہ کسی ایسے پُر خطر میدان میں نکل جاتے جہاں عرب سوار ان کی گھات میں رہتے۔ وہ انھیں لُوٹ لیتے یا ان کے سر قلم کر کے لے جاتے۔ کبھی عیسائی سوار تیرانداز عربوں کو نشانہ بنانے نکل جاتے۔ نائٹ اپنے بے لُطف لمحات خرگوش اور غزالوں کے پیچھے گھوڑے دوڑانے میں صرف کرتے۔

اِس شہرِ خیام کے بازاروں میں قِسم قِسم کے لوگ نظر آتے۔ تاجر اپنے گوداموں میں گندم اور جَو کے ذخیروں کے بھاؤ کے متعلق باتیں کرتے۔ خدمتگار اور غلام باورچیخانوں کے سامنے جمع ہو جاتے جہاں بھیڑیں ذبح کی جاتیں اور جہاں چرمی پوستینوں میں ملبوس سپاہی دہکتے ہوئے کوئلوں پر گوشت بُھون بُھون کر کھاتے۔ نرم آہنگ پروونس[1] کے ساتھ

---

[1] پروونس فرانس کا ایک صوبہ ہے جو قرونِ وسطیٰ میں رومان اور شاعری کے لیے مشہور تھا۔ (مترجم)

کرخت جرمن زبان کے الفاظ سُنائی دیتے۔ کہیں آہن گر کے ہتھوڑے کی کھٹ کھٹ اور شمشیر ساز کی بھٹی کی ملی جُلی آوازیں کانوں میں پڑتیں، کہیں بڑھئی اپنے تیشوں سے جہازوں کے شہتیروں کو تراش کر منجنیقوں کے مستول اور دبابے تیار کرتے۔

مسلسل بارش اور کیچڑ کے باوجود ان کے حوصلے بلند تھے۔ وُہ اِس توقع سے کام کر رہے تھے کہ جلد ہی ان کے تیار کردہ مناجیق سے عکہ کے "کافروں" پر تیر برسائے جائیں گے اور ان کے دبابوں کے آہنی سر سامنے کی فصیل سے ٹکرا کر اس میں شگاف کر دیں گے۔ اِس کارِ خیر میں زائرین بڑھئیوں کا بخوشی ہاتھ بٹاتے۔ کام کرتے ہوئے وُہ مِل کر بلند سُروں میں گاتے:-

"ہمارے یسوع - ہمارے مولا
ہماری فریاد سُن!
اے شاہوں کے شاہ!
ہمارے آقا - ہمارے مولا!"

اِس کے جواب میں برہنہ پا راہبوں کی صدا بلند ہوتی:-

"ہمارے مولا، ہمارے مُشکل کُشا!
ہم پر رحم کر
ہمیں راہِ نجات دکھا"

رات کے وقت مشعل بردار مذہبی جلوس ان پُرپیچ بازاروں سے گزرتے۔ گرجوں کی کچی اینٹوں کی سِیلی دیواروں کے اندر لوگ جوق در جوق عبادت کے لیے جمع ہو جاتے۔ نئی قربان گاہوں کے سامنے لبادہ پوش بشپ سُنہری عصا لیے بیٹھے ہوتے۔ لوبان کی خوشبو سے گیلے فرش کی بُو دب جاتی۔ لوگ ہر وقت گرجوں کی طرف رجوع کرتے، بیمار آبِ مقدس کے چھینٹے لینے آتے، بچّوں کو بپتسمہ دلوانے کے لیے لایا جاتا

اور مُجرم ضمیر کا اعتراف گُناہ سے اپنے بار ہلکا کرنے حاضر ہوتے کیونکہ گرجا ہی ان لوگوں کی زندگی کا محور و مرکز تھا۔ ان کے لیے گرجا ایوانِ مشاورت، دواخانہ اور مارستان کا حُکم رکھتا تھا۔ تھکی ہوئی آنکھوں کو گرجا کی نرم روشنیوں اور خادمانِ کلیسا کے زرق برق لباس دیکھ کر سکون ملتا۔

"اے مریمؑ[52] تجھ پر تحیّۃ وسلام" اور "اے خدا[53] ہم تیری حمد کرتے ہیں"، جیسے مقدّس نغمات کے زیر و بم سے رُوحوں کو تسکین ہوتی۔ یہ گرجا اجڈ گنواروں اور بوکیس جیسے بھادر پادری کے لیے یکساں طور پر خُدا کا گھر تھا۔ پادری بوکیس کو زرہ بکتر پہن کر لڑنا بہت پسند تھا۔ وُہ ٹرپن کا مثیل بننے کے خواب دیکھا کرتا اور کہا کرتا کہ کاش مجھے بھی شارلمین[53] جیسا مرقّ نصیب ہو جائے۔

گنوار لوگ آپس میں خوش گپیاں کرتے رہتے "ارے اس فریزی کو دیکھو اب مچھلی کتنے بھول گیا ہے" اور دُوسرا کہتا "اُس اسکاسنتان کو جانتے ہو" اِس نے ابھی جوؤں کا پالنا نہیں چھوڑا" اِن لوگوں کا کوئی سردار نہ تھا لیکن ان کی بسر اوقات خوب ہوتی تھی +

سلہ AVE MARIA حضرت جبریلؑ نے حضرت مریمؑ کی خدمت میں تحیّۃ وسلام اِن الفاظ سے پیش کیا تھا رومن کیتھولک کلیسا میں یہ الفاظ مقدّس عبارات میں داخل ہیں اور عام طور پر لوگ تسبیحوں پر اِس کا وِرد کرتے ہیں۔

سلہ TE DEUM لاطینی زبان میں حمد باری کے ابتدائی الفاظ۔ رومن کیتھولک کلیسا کے اثر سے یہ لاطینی حمد زبان زدِ عام ہو گئی تھی۔ عام طور پر یہ حمد صبح کی نماز میں شکرانے کے طور پر گائی جاتی ہے غالباً اِس کا مصنّف سینٹ ایمبروز تھا۔ (مترجم)

سلہ شارلمین اہلِ فرانک کا مشہور بادشاہ تھا۔ وہ ہارون الرشید عباسی کا ہم عصر تھا۔ شارلمین اور ہارون میں سفارتی تعلقات قائم تھے۔ شارلمین امارت اندلس کا سخت مخالف تھا۔ ٹرپن شارلمین کے عہد کا پادری تھا۔ (مترجم)

چھاؤنی میں خبر مشہور تھی کہ آغاز گرما تک سُرخ رِیش شہنشاہ اپنی جرمن فوج سمیت پہنچ جائے گا۔ لوگ آپس میں اِس قسم کی باتیں کرتے رہتے کہ سُنا ہے انگلستان کے شاہ رچرڈ نے اپنے پُرانے حریف فلپ شاہِ فرانس کے ساتھ مصالحت کر لی ہے اور دونوں نے ولیم بشپ آف ٹائر کے ہاتھوں پر صلیبی جہاد کی بیعت کی ہے۔ وُہ دونوں جلد ہی اپنی فوجوں سمیت پہنچ جائیں گے۔

اِس دَوران میں خیموں کی اِس چھاؤنی کے کاریگر تین بلند قامت دبابے بنانے میں مصروف تھے۔ یہ تینوں دبابے پہیّوں پر چلتے تھے اور شہتیروں کے ایک قوی ہیکل ڈھانچے پر استادہ تھے۔ انھیں آتش زدگی سے محفوظ رکھنے کے لیے چاروں طرف کچّا چمڑا میخوں سے جڑا گیا تھا۔ اِن دبابوں کی چوٹیاں عکّہ کی دیواروں سے بلند تھیں اور جب اِن دبابوں کو دھکیل کر عکّہ کی دیواروں کے ساتھ نصب کر دیا جائے گا اس وقت اصل کارخیر کی ابتدا ہو گی۔

چند ہفتوں کے بعد برسات کم ہو گئی۔ نالیوں میں گدلا پانی خشک ہونے لگا۔ خوش گوار ہواؤں کے جھونکوں سے بالائی فضاء صاف ہو گئی اور دوبارہ نیلا آسمان نظر آنے لگا۔ دھوپ کی تمازت ذرا تیز ہو گئی عکّہ شہر کی سیلی دیواریں اور صلیبیوں کے بھیگے ہوئے خیمے خُشک ہونے لگے، بے رنگ ریت اور مٹّی سبزے کی تہ میں دبنے لگی اور سبزے کی لکیر آہستہ آہستہ میدانوں سے دامن کوہ تک پھیل گئی۔ شوریدہ سر ندیوں کا شور ختم ہو گیا اور گیلی زمین خُشک اور سخت ہونے لگی۔ ریت کے کناروں پر موجوں کی طوفانی نبضیں سُست پڑ گئیں۔ گہرے نیلے اور خاموش سمندر پر سفید بادبان نمودار ہونے لگے۔

گھوڑوں اور بھیڑوں کو سبز میدان میں چوکیداروں کی زیر نگرانی چرنے کے لیے کھُلا چھوڑ دیا گیا۔ انسانوں کے جسموں میں ایک نئی امنگ نے کروٹ لی اور دلوں میں تازہ ولولے بیدار ہونے لگے۔ سرزمینِ فلسطین پر بہار کی رنگینی چھا گئی تھی۔ بہار کی آمد کے

ساتھ ہی طبل جنگ بھی دوبارہ بجنے لگے۔ زنگ خوردہ زرہ بکتر کو دھویا اور تیل لگا کر چمکایا گیا۔ کمانوں میں دوبارہ چلّے چڑھائے گئے اور تیروں کو چھانٹا گیا۔ اِن بھدّے چوبی انجنوں کے گرد آدمی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے تھے۔ کوئی اُسے مروڑ رہا تھا، کوئی اِس انجن کو دھکیل رہا تھا۔ دونوں فریقوں کے درمیان لاوارث زمین تھی جس میں کئی نالیاں تھیں۔ وہ انجنوں کو ان نالیوں کے پلوں کے پار لے جانا چاہتے تھے۔ عیسائی سپاہی اپنے مضبوط ہاتھوں میں چمڑے سے منڈھی ہوئی بید کی ڈھالیں تھامے شانہ بشانہ ایک لمبی قطار کی صورت میں آگے بڑھنے لگے، وہ فصیل کے نزدیک پہنچ گئے۔ مسلّح نائٹ اپنے گھوڑوں پر سوار حملے کی راہنمائی کرنے کو ہمراہ تھے۔

اِس اثنا میں صور سے اہل جنیوا کا بحری بیڑا بھی عکّہ کے سمندر میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں اور صلیبیوں میں بحری جنگ شروع ہو گئی۔ صلیبی ہر روز ساحل پر کھڑے ہو کر سمندری جنگ کا نظارہ کرتے۔ سپاہی بڑی بے صبری سے اپنی باری کے منتظر رہتے۔ چند منچلے ملّاح زبردستی بندرگاہ میں گھس گئے۔ برج الذباب سے گزرتے ہوئے انھوں نے مُسلمانوں کے ایک جہاز پر چھاپہ مارا۔ یہ جہاز قیدیوں کو ساحل پر اُتار رہا تھا۔ صلیبی ملّاحوں نے اِس جہاز پر قبضہ کر لیا اور اس کو کھینچ کر لے گئے۔

ایمبروز رقمطراز ہے "اس روز ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آپ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ کیسے ہماری عورتیں بھی چاقو لیے ہوئے ترک قیدیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ وُہ ان کے سر کے بالوں کو زور سے جھٹکا دیتیں اور ان کے سر کاٹ کر تڑپتی ہوئی لاشوں کو ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیتیں۔ خُدا کے فضل سے ہمیں سمندر میں فتح حاصل ہوئی۔ کیونکہ ہمارے نائٹ اور مسلّح بہادر بڑی جانفشانی سے لڑے اور کشتیوں پر باری باری اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ہمارے بیڑے نے دُشمن کے جہازوں کو زنجیر کے اندر دھکیل دیا۔ اس دن کے بعد شہر کے محصور تُرکوں کو بحری یا بَری راستوں سے

کوئی امداد نہ مل سکی"۔

تینوں دبابے چرچراتے اور جھولتے ہوئے عکہ کی بیرونی دیوار کے پاس لائے گئے۔ ان کی چوٹیوں پر نصب شدہ منجنیقوں سے فصیل پر آہنی تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ یہ تینوں دبابے پہاڑوں کی طرح بلند تھے اور ہر ایک میں پانچ سو آدمی تھے پہلے پر لینڈ گارڈ کا، دوسرے پر شاہ گائی کا اور تیسرے پر مارکوئیس کونارڈ کا علم لہرا رہا تھا۔

ان متحرک اہرام کے دندوں سے آہنی کمانیں گڑگڑاتیں اور لوہے کے گرز اُڑ اُڑ کر مورچوں پر گرتے۔ جب یہ آہنی گرز کسی آدمی کو لگتے تو اس کی ڈھال، زرہ بکتر اور ہڈی پسلی توڑتے ہوئے نکل جاتے۔ دبابوں کی چوٹیوں پر چوبی جنگلے بنے ہوئے تھے، جن کی آڑ سے قدر انداز دشمن کو نشانہ بناتے۔ وہ پتھر کے بیلنوں پر دبابوں کو لڑھکاتے ہوئے عکہ کی خندق کے مقابل لے آئے۔ دبابوں کے اُوپر ایسے کل دار پل نصب تھے۔ جن کے سروں کو فصیل پر جونہی ڈال دیا جاتا پل قائم ہوجاتا، چرمی ڈھالوں کی اوٹ سے بہادر سپاہی تلواریں سونتتے فصیل پر کود پڑتے مسلمانوں نے بڑی سرعت سے دبابوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ دبابوں کا فصیل کے قریب پہنچنا مسلمانوں کے لیے تباہی کے مترادف تھا۔ قراقش کی سرکردگی میں مسلمانوں نے نہایت پامردی سے مدافعت کی۔ قراقش مدافعت اور محاصرے کا ماہر تھا۔ فصیل پر نصب شدہ منجنیقیں لگاتار پتھروں کا مینہ برسانے لگیں لیکن اس سنگباری کا دبابوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ موٹے موٹے شہتیر چرچرا کر رہ گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے جلتے ہوئے چوبی گرز دبابوں پر پھینکنے شروع کر دیئے لیکن دبابوں کے گرد سرکے میں بھیگی ہوئی کھالیں منڈھی تھیں، اس لیے دبابوں پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

مسلمان اس بے سود سنگ باری میں مصروف رہے۔ قراقش اور امیر فصیل پر متفکر کھڑے تھے کہ ایک بغدادی نوجوان ابن نجار قراقش سے یوں مخاطب ہوا۔

"السلام علیک یا امیر! میں ان دبابوں کو جلا کر اپنے آقا سلطان صلاح الدین کی

خدمت کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔

آزمودہ کار مملوک امیر نے حیرت و شک کے ملے جلے جذبات سے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ "تم یہ کیسے کر و گے؟"

"میں خاص نسخہ سے نفت کا مرکب تیار کرکے ان دبابوں کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔ یہ مرکّب اتنا مؤثر ہے کہ فولاد کو بھی بھسم کر دے"۔

"واقعی؟ اچھا تو اپنی پوری کوشش کرو"۔ قراقش نے جواب دیا۔

قراقش نے اس نوجوان میں گر کو مرکب تیار کرنے کے لیے دو سو دینار دیے۔

ابن نجار نے عصر تک مرکّب تیار کر لیا۔ سپاہی اس کے پیچھے تین بڑے بڑے بیلن اُٹھائے ہوئے آئے۔ ان بیلنوں سے چھوٹی چھوٹی نالیاں نکلی ہوئی نظر آرہی تھیں مسلمان انھیں مرتبان کہتے تھے۔ ان مرتبانوں کو سنگ بار آلات کے بازو کی ٹیک لگا کر رکھا گیا۔ اس چوبی بازو کی کمانی کھینچ کر اسے نیچے دبا کر چھوڑا گیا۔ سائیں سائیں کرتا ہوا تانبے کا مرتبان دبابے کے قدرے شکستہ حصّہ پر لگا اور یکدم شعلے بلند ہوئے۔ دبابے کے چوکھٹے اور شہتیروں میں فوراً اتنی تیز آگ پھیل گئی کہ صلیبی سپاہی اس کے قریب نہ جا سکے۔ ہوا کے جھونکوں سے آگ بھڑکنے لگی اور لپکتے ہوئے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ شام تک تینوں عظیم الشان دبابے جل کر کوئلہ ہو گئے تھے۔

دبابوں کی تباہی سے عیسائیوں کا حملہ ختم ہو کر رہ گیا۔ صلیبی اپنی چھاؤنی کو واپس ہونے پر مجبور ہوا اور نئے حملے کے منصوبے بنانے میں مصروف ہو گئے۔

انھیں عربوں کے اس مہلک ہتھیار کا علم تھا۔ وہ اسے "یونانی آگ" یا جنگلی آگ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ یہ آگ نفت اور گندھک کے مرکب سے نکلتی ہے لیکن وہ اس آگ کے خوفناک نتائج سے پہلی مرتبہ ہی دوچار ہوئے تھے۔

اس نقصان کے باوجود ان کے حوصلے پست نہ ہوئے اور وہ پُرامید رہے، کیونکہ

جنیوا کے ملّاح یہ خبر لائے تھے کہ انگلستان اور فرانس کے بادشاہ لشکرِ جرّار لے کر بحری راستے سے آ رہے ہیں۔ اِس اثنا میں کوہستانِ آرمینیا سے بربروصہ کے متعلق عجیب و غریب خبریں آنے لگیں کہ غدّار بیزنطینی شاہ بربروصہ کی پیش قدمی میں مزاحم ہیں، اور بربروصہ بیزنطینیوں کو شکست دے کر آ رہا ہے۔ وُہ بنجر میدانوں، شاداب وادیوں، دریاؤں اور صحراؤں کو عبور کرتا ہُوا دن بدن قریب تر آ رہا تھا۔

فضا میں بہار کی ترنگ تھی۔ اب ان کے پاس خوراک اور جہازوں کی فراوانی تھی۔ وُہ خوش تھے کہ جلد ہی "ابلیسی" طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔

ملّاحوں، نجاروں، نوکروں، دہقانوں اور تیراندازوں وغیرہ نے مل کر اپنے طور پر دشمن کے خلاف اقدام کرنے کی تدبیر سوچی۔ امیر اور نائٹ کمک کے منتظر رہے لیکن وُہ زیادہ دیر تک ضبط نہ کر سکے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ عکہ کی دیواروں پر چڑھنا محال ہے۔ لیکن دُور پہاڑی کے دامن میں "کافروں" کے خیموں تک جانا تو آسان تھا۔ وہ دُشمن پر کاری ضرب لگانے کے لیے بے قرار تھے۔ اِس کے علاوہ انھیں مالِ غنیمت کی بھی ہوس تھی۔ چنانچہ موٹے تازے فلیمنگ[1]، ریش دار ڈین[2] مشتاق پروونشل[3] اور پیزان جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ کئی سارجنٹ، مسلّح سپاہی اور گنوار بھی تھے۔ اِن سب کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ وہ سینٹ جیمز کے تہوار کے دن سرداروں کے بغیر ہی دامن کوہ کی طرف چل پڑے۔ ایمبروز کے الفاظ میں "وُہ بچارے قلاش تھے اور تنگدستی سے مجبور ہو کر نکلے تھے۔ انھیں اپنی فوج میں بھی آرام میسّر نہ تھا۔

۱؎ فلیمنگ، یعنی فلانڈرز (قدیم ہالینڈ) کے باشندے۔

۲؎ ڈین، یعنی ڈنمارک کے باشندے۔

۳؎ پروونس، قدیم فرانس کا صُوبہ تھا۔ اِس کے باشندے پرونشل کہلاتے تھے۔ پیزن یعنی پیزا کے رہنے والے۔

وُہ منضبط صفوں میں کُوچ کرتے ہوئے شام تک دُشمن کے پڑاؤ میں داخل ہو گئے۔ جب کافی دیر ہو گئی اور وُہ مالِ غنیمت لے کر نہ پلٹے تو چند نائٹ ان کا پتا کرنے گئے۔ شام ہو چکی تھی۔ بالآخر چند پیادے سواروں کی حفاظت میں واپس پہنچے۔ اِن کے پاس کوئی مالِ غنیمت نہ تھا۔ بقیہ سات ہزار مُسلمانوں کے پڑاؤ میں مرے پڑے تھے۔

محاربین کے درمیان لاوارث زمین میں جلے ہوئے انجنوں کے قریب روزانہ معرکے جاری رہتے۔ ایمبروز نے اِن کا یُوں بیان کیا ہے:

جُوں جُوں دِن گزرتے گئے کئی واقعات رُونما ہوئے۔ سنگبار آلات کے اِردگرد آدمیوں کی آمدورفت جاری رہتی۔ مجھے سارے واقعات یاد نہیں اور نہ انھیں احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہے۔ البتہ ایک معرکے کا ذکر کیے بغیر مَیں نہیں رہ سکتا۔

"ایک ترک کمان لے کر ہمارے آدمیوں کو نشانہ بنانے آن کھڑا ہُوا اور اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔ ادھر سے ایک فرانسیسی اس کی دیدہ دلیری سے مُشتعل ہو کر مقابلے کے لیے نکلا۔ فرانسیسی کا نام مرسا ڈیوک تھا لیکن وُہ کسی ڈیوک یا بادشاہ کا بیٹا نہ تھا۔ تُرک مضبوط اور طاقتور تھا۔ اِس کا نام جریر[1] تھا۔ تُرک اور فرانسیسی دونوں ایک دوسرے کو نشانہ بنانے کے لیے تیار ہو گئے۔

"جریر نے پُوچھا تم کِس مُلک کے رہنے والے ہو؟" "مَیں فرانس کا باشندہ ہوں۔" مرسا ڈیوک نے کہا۔

"کیا تم پاگل ہو کہ یہاں آ گئے ہو؟"

---

[1] ایمبروز نے تُرک کا نام GRAYIR تحریر کیا ہے۔ ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اصلی نام کیا تھا۔ اِس لفظ کی املا سے جریر ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہم عصر عیسائی مؤرخ عربوں اور تُرکوں میں امتیاز روا نہیں رکھتے۔ اِس کے علاوہ اِس زمانے میں تُرکوں اور عربوں کے ناموں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا تھا۔ (مترجم)

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اچھے نشانہ باز ہو۔ اچھا تم عہد کرو کہ جب میں نشانہ کروں تم اپنی جگہ سے نہیں ہلو گے اور اگر میرا نشانہ خطا گیا تو میں تمہارا ہدف بننے کے لیے ثابت قدم رہوں گا۔"

تُرک نے اِس نرمی سے استدعا کی کہ فرانسیسی مان گیا۔ ترک نے تیر چلّے پر چڑھایا لیکن اس کا ہاتھ پھسل گیا اور تیر کمان سے نہ نکلا۔

مرساڈیوک نے کہا "اب میری باری ہے۔ مجھے باری دو۔"

"نہیں نہیں۔ مجھے پھر نشانہ کرنے دو۔ تم بھی مجھ پر دو بار نشانہ کر لینا۔"

"بہت اچھا" فرانسیسی نے کہا، اور تُرک اپنے ترکش سے اچھا سا تیر چھانٹنے لگا۔ لیکن مرساڈیوک مستعد کھڑا تھا۔ اسے تُرک کی تجویز پسند نہ تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً تاک کر تُرک کو نشانہ بنایا اور تیر اس کے دل کے پار ہو گیا۔ مرساڈیوک نے کہا "سینٹ ڈینیس کی قسم میں تمہیں کبھی دوسری باری نہیں دے سکتا۔"

"ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک نائٹ خندق میں رفع حاجت کے لیے بیٹھا تھا۔ اس نے دُور ترکوں کی چوکی کا خیال نہ کیا لیکن اِس چوکی کے پہرہ داروں میں سے ایک تُرک نے اسے دیکھ لیا۔ وہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا لپکا۔ بچارے نائٹ پر یُوں حملہ کرنا نہایت کمینگی اور کم ظرفی کی بات تھی۔

"تُرک سوار اپنے ساتھیوں سے دُور نکل آیا۔ وُہ نیزا تانے نائٹ پر جھپٹنے ہی والا تھا کہ ہمارے آدمیوں نے شور مچا دیا۔

"سرکار بھاگیے —— بھاگیے ——"

نائٹ بمشکل اُٹھا ہی ہو گا کہ تُرک آن پہنچا۔ نیزے کا وار کر کے وہ چکر کھا کر مُڑنا چاہتا تھا لیکن خُدا کے فضل سے وُہ گھوڑا موڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نائٹ ایک طرف کو ہٹ گیا اور دونوں ہاتھوں میں بھاری پتھر اُٹھا لیے۔ اب سُنو کہ خُدا نے کیسے بدلہ لیا

تُرک نے گھوڑا موڑنے کے لیے لگامیں کھینچیں تو نائٹ نے اِس کا اچھی طرح جائزہ لیا اور جُوں ہی وہ اس کے قریب پہنچا، اس نے زور سے ایک پتّھر اس کی کنپٹی پر دے مارا۔ تُرک چکرا کر گرا اور مر گیا۔ نائٹ گھوڑے کی باگ پکڑ کر ساتھ لے آیا۔

"جس شخص نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا تھا اس نے خود نائٹ کو گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خیمے کی طرف آتے دیکھا تھا۔ وہ گھوڑا پا کر بہت خوش ہُوا۔ —

ہماری فوج نے عکّہ کی خندق[1] پاٹنے کی کوشش کی۔ کچھ لوگ حوصلہ ہار بیٹھے، لیکن چند باہمّت اشخاص باقاعدہ پتّھر ڈھو کر لاتے اور خندق میں ڈالتے رہتے۔ نائٹ بھی اپنے تازی اور لدّو گھوڑوں پر پتّھر لاد لاد کر لایا کرتے۔ کئی عورتیں بھی پتّھر اُٹھانے میں رُوحانی تسکین محسوس کرتیں۔ ایک عورت خاص طور پر اِس مقدّس فریضے کی بجا آوری کر مسرّت سمجھتی۔

"ایک دن وہ عورت پتّھر پھینکنے لگی تو دُشمن کے ایک تیر انداز نے فصیل سے اسے دیکھ لیا جُوں ہی وہ آگے بڑھی اُس نے اِسے تیر کا نشانہ بنا دیا۔ وُہ بچاری سخت زخمی ہو کر گری اور لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ شدّتِ کرب سے اِس کے اعضا اینٹھ رہے تھے کہ اس کا شوہر بھی اسے تلاش کرتے کرتے وہاں آن پہنچا۔ اس نے اپنے خاوند اور بہادر مردوں اور عورتوں سے درخواست کی کہ خُدا کے لیے مجھ پر کرم کریں اور میری لاش کو اِس خندق میں ڈال دیں جس کے پاٹنے کے لیے اِس جسم نے اِتنے پتّھر ڈھوئے ہیں۔ جب اس کی رُوح عالمِ بالا کو پرواز کر گئی تو اِس کی وصیّت پُوری کر دی گئی۔ واقعی وہ پاک باز عورت ہمیشہ یاد رہے گی"۔

دِن گُزرتے گئے۔ تیز دھوپ سے گھاس کی رنگت مٹیالی ہو گئی۔ نجّاروں کے تیشے بدستور شہتیروں کو تراشتے رہے۔ آہن گروں کی بھٹّیاں دہکتی رہیں۔ گھوڑے میدان میں

---

[1] شہر کے باہر گہری خندق کھدائی تھی۔ حملہ کرنے سے پہلے اِسے پُر کرنا ضروری تھا۔ عیسائی بڑائی کے عوام بڑی جانفشانی سے پتّھر اور کُوڑا کرکٹ ڈھو کر لاتے اور اسے خندق میں ڈالتے۔ (مصنّف)

کلیلیں کرتے۔ خشک ہوا میں کھجور کے درخت لہراتے اور ہوا کے جھونکوں میں کبھی ڈوبے تلواروں کی جھنکار یا مشقت کرتے ہوئے مزدوروں کے چلانے کی ملی جلی آوازیں سُنائی دے جاتیں خیموں کے گرد بگولے ناچنے لگے تھے۔ خیموں میں عورتیں بیماروں کی تیمارداری میں مصروف یا یوں ہی بے کار لیٹی رہتیں۔ رات کو شمعوں کی روشنی میں نائٹ اور امراء مل بیٹھتے اور مختلف افواہوں پر تبادلۂ خیال کرتے۔ کسی کے بھی ذہن میں یہ واضح نہ تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ صلاح الدین کے پرچم دوبارہ پہاڑوں پر نمودار ہو گئے تھے۔

ایک دن ایک نئی آواز سُنائی دی۔ دامن کوہ میں طبل جنگ بجنے اور تاشے کھٹکھٹانے لگے۔ کئی مسلح سوار صلیبیوں کی متفکر نگاہوں کے سامنے چکر لگاتے اور اپنی کھلی آستینوں کو سر پر لہراتے ہوئے گزر جاتے۔ حیرت کی بات ہے کہ چند گھنٹے بعد ہر خبر شہر میں پہنچ جاتی حالانکہ کوئی قاصد عیسائیوں کی صف بندی اور کوئی جہاز عیسائیوں کی ناکہ بندی سے گزر کر شہر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ فصیل کے رندوں سے عمامہ پوش جھانکنے اور مارے خوشی کے محاصرین کا مذاق اُڑانے لگے۔

"تمہارا شہنشاہ قتل کر دیا گیا ہے —— وہ تو اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا —— اب تمہاری کیا مرضی ہے ——"؟

یہ خبر سُن کر نائٹ اور امیر بہت پریشان ہوئے۔ واقعی نیک دل بربروسہ مر گیا ہے؟ لیکن اس کی فوج کا کیا ہوا؟ اس کے جرمن نائٹ اور شہزادے کہاں گئے؟

اس کے بعد صلیبیوں کے کئی جہاز آئے۔ ہنری کاؤنٹ آف شمپین آیا۔ وہ خاموش طبیعت آدمی تھا۔ اور یورپ کے کئی تاجداروں کا رشتہ دار تھا۔ اس کے علاوہ تھیبالٹ آف بلائے مغرور کاؤنٹ آف کلیرمونٹ اور لمبا تڑنگا کاؤنٹ آف شالون بھی آئے۔ فرانس کے سورما دوبارہ اکٹھے ہو گئے۔ یہ خبر بد وہی لائے تھے۔

واقعی بربروصہ مر گیا تھا۔ بوڑھا شہنشاہ اپنی فوج کے ساتھ کوہ صحرا عبور کرتا ہُوا آرمینیا پہنچا تھا۔ وہاں ایک تیز کوہستانی نالے کو پار کرتے ہوئے اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور زرہ پوش بربروصہ گہرے پانی میں گر گیا۔ اِسے جلدی سے باہر نکالا گیا لیکن خستہ جان بُڈھا اِس صدمے سے جان بر نہ ہو سکا اور چند ہی دِن میں فوت ہو گیا۔ اس کے بیٹے فریڈرک نے کمان سنبھال لی لیکن کئی نائٹ اور امیر واپس چلے گئے اور کچھ انطاکیہ پہنچ گئے۔

صلیبیوں نے بڑی افسردگی سے یہ داستان سُنی۔ انھوں نے مجلس مشاورت مُنعقد کر کے ہنری آف شمپین کو اپنا سردار منتخب کیا اور بلا تاخیر عکہ پر حملے کرنے کی ٹھان لی۔

۱۹

طُوفان

شہر سے سات میل دُور پہاڑوں میں صلاح الدین اپنی لشکر گاہ میں حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ وُہ صلیبیوں کی روزافزوں قوت سے بخوبی آگاہ تھا۔ ہر گھنٹے بعد اَن دیکھے قاصد اسے عکّہ کی خبریں پہنچاتے رہتے۔

شمال میں بلغورٹ کے قلعے نے بالآخر ہتھیار ڈال دیے اور سارے کوہستانی قلعے سُلطان کے تصرّف میں آ گئے۔

صلیبیوں کے نئے سردار کاؤنٹ ہنری نے مُسلمانوں کی لشکر گاہ پر حملہ کر دیا۔ صلاح الدین سب سے پہلے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مدافعت کے لیے نِکلا۔ اُس وقت اِس کے ماتحت دمشق، مِصر اور مُوصل کی فوجیں تھیں۔ مسلمان شہسواروں نے عیسائی حملہ آوروں کو مار بھگایا اور عیسائیوں کو کافی نقصان اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔

یہ مّدکی طُوفانی موجوں کو روکنے کے مترادف تھا۔ پانی کے خلاف بند باندھا جا سکتا تھا۔ اِس کا رُخ بدلنا ممکن تھا لیکن اس کا دباؤ یُوں کم نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ

ہر لحظہ سمندر سے نئی موجیں آ آ کر ٹکرا رہی تھیں مسلمانوں کو تقی الدین کا سخت انتظار تھا۔ وہ حلب کی فوجیں لے کر بربروصہ کی پیش قدمی روکنے شمال کی طرف گیا ہُوا تھا۔

اب صلاح الدین کو بربروصہ کی وفات کی اطلاع مل چکی تھی۔ یہ عانہ کے بشپ کیتھا لکوس نے اپنے خط میں صلاح الدین کو خبر دی تھی۔ بشپ موصوف نے لکھا کہ اب بھی بیالیس ہزار سپاہی متوفی بربروصہ کے بیٹے کے زیر کمان ہیں لیکن یہ سپاہی خستہ حال اور افسردہ ہیں۔ ان کے بدن پر سوائے زرہ بکتر کے اور کچھ نہیں۔ وُہ مزار مسیح کی زیارت کے شوق سے سرشار، کڑے فوجی ضبط کے ماتحت منزلیں مارتے آ رہے ہیں۔ آرمینیا والے ان کے مقابلے سے دست کش ہو گئے ہیں اور اب قلیج ارسلان کی فوجیں ان پر حملے کر رہی ہیں۔" بشپ موصوف نے جاسُوس بھیج کر مزید تفصیلات معلوم کیں جس نے یہ حال بیان کیا۔

"جس روز انھیں گزُرنا تھا میں اُن کو دیکھنے پُل پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کئی آدمیوں کو گزرتے دیکھا ان کے جسم پر نہ زرہ تھی اور نہ قمیص۔ ان کے ہاتھ نیزوں سے خالی تھے۔ جب میں نے ان سے اس صورتِ حال کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے جواب دیا "ہمارا سامان رسد اور ایندھن ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے ہمیں اپنے آلات اور فرنیچر کو جلانا پڑا۔ بُھوک سے نڈھال ہو کر کئی آدمی مر گئے۔ بالآخر ہم نے مجبور ہو کر اپنے گھوڑے ذبح کیے اور ان کا گوشت پکانے کے لیے اپنے نیزوں کو توڑ توڑ کر جلایا۔" ان کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن وہ کمزور اور تباہ حال تھے۔ ان کا سامان رسد تو پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اب ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں رہے۔ وُہ اپنا باقی ماندہ ضروری سامان گدھوں پر لادے سفر کر رہے ہیں۔"

تیسرا پیغام تقی الدین کی جانب سے موصول ہُوا "ہمارے رسالے کی جرمن فوج سے مٹھ بھیڑ ہوئی اور ہم نے انھیں انطاکیہ کے میدان میں درہم برہم کر دیا۔ صرف پانچ ہزار

بقیۃ السیف سپاہی اپنے علیل شہزادے کو لے کر شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے۔ انطاکیہ میں ارمنی اور حاکم انطاکیہ خزانے پر قبضہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں"۔

اب صلاح الدین کو شمالی سرحدوں کی ضرورت نہ تھی۔ جرمن حملے کا خطرہ دُور ہو چکا تھا۔ اس نے فوجوں کو شمال سے واپس بُلا لیا۔ فتحمند تقی الدین واپس آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا، بعلبک اور شیزر کے حاکم بھی تھے۔ بُردجوش کُرد اپنے کارناموں کے گیت گاتے ہوئے آئے تقی الدین کے استقبال کے لیے نقارے پر چوٹ پڑی اور اسلامی لشکرگاہ طبل کی دف دف سے گونج اُٹھی۔ سُلطان نے اپنے بھتیجے کو اپنے خیمے میں شرف باریابی بخشا اور اس کی خوب خاطر و مدارات کی۔

ان دنوں صلاح الدین کی طبیعت بُخار سے مُضمحل تھی اور اسے گھوڑے کی سواری کے لیے غیر معمولی قوت ارادی سے کام لینا پڑتا تھا۔ اس لیے تقی الدین اپنے چچا کا سہارا بن گیا۔ یہ وہی منچلا اور بے باک سوار تھا۔ جو فریقین کے جرنیلوں میں سب سے قابل تھا۔

بالآخر جرمن بھی عکہ پہنچ گئے۔ وہ جہازوں میں آئے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ اور ان کے پاس ساٹھ مریل گھوڑے تھے۔ گھوڑے صرف ہڈی کا پنجر نظر آتے۔ اِس عظیم الشان فوج کی جو بربروسہ کی قیادت میں نکلی تھی اب یہ حالت ہو گئی تھی۔ اِس فوج کے باقی ماندہ حصّہ کا کمانڈر فریڈرک آف سوابیا تھا۔

ابھی صلیبی جرمن فوج کا خیر مقدم کرنے ہی میں مصروف تھے کہ صلاح الدین کو ان کی حالت کی خبر مل گئی۔ عکہ کے مملوک دن میں دو بار قاصد کبوتروں کے ذریعے سُلطان کو خبریں بھجواتے قاصد کبوتروں کو شہر کی چھتوں سے چھوڑا جاتا۔ وہ عیسائیوں کی لشکرگاہ اور صفوں پر سے اُڑتے ہوئے سیدھے کوشکِ سُلطانی میں پہنچ جاتے۔ باریک کاغذ کو لپیٹ کر چاندی کی نلکیوں میں بند کر دیا جاتا اور انہیں کبوتروں کے پنجوں سے باندھ دیا جاتا۔ کاغذ پر محاصرے کی روزمرہ کی تفصیلات رقم ہوتیں یعنی دشمن سے

جھڑپوں کا تذکرہ اور نقصانات کا تخمینہ دُشمن کے انجنوں کی پیش قدمی اور سامان رسد کی مقدار وغیرہ ÷

موسمِ گرما کے آخر میں صلیبی نہایت زور و خروش سے عکہ کے گرد اپنے محاصرے کا دائرہ تنگ کرنے لگے۔ اب دونوں طرف سے انجنوں کی جنگ شروع ہوگئی عظیم الشان منجنیقیں سنگباری کرنے لگیں۔ اِن خوفناک آلات سے بھاری چٹانیں اور درختوں کے تنے ایک دُوسرے پر برسائے جاتے۔ قاصد کبوتروں نے سُلطان کو خبر دی کہ ہم نے عیسائیوں کی ایک عظیم الشان منجنیق کو تباہ کر دیا ہے۔ لوہے کے ایک بہت بھاری تیر کو آگ میں سُرخ کر کے اس پر پھینکا گیا۔ جس سے اِس میں شُعلے بھڑک اُٹھے ÷

سمندر میں بھی جنگ جاری رہی۔ اہل پیزا نے ایک بجرے پر چھت ڈالی اور اس کے مستولوں کے ساتھ چوڑے چوڑے تختے نصب کئے۔ اِن تختوں سے مُعلّق پل وابستہ تھے۔ جنہیں مرضی کے مطابق نیچا کیا جا سکتا تھا۔ ان کے جہاز برج الذباب کے گرد جمع ہوگئے اور اس پر سخت سنگباری شروع کر دی اِس اثنا میں یہ مسقف بجرا برج الذباب کے عین متصل آن کھڑا ہُوا اور ملّاحوں نے معلّق پلوں کے سروں کو فصیل پر اٹکا کر برج پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ دلیرانہ کوشش ناکام بنا دی گئی مسلمانوں نے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور مسقف بجرے کو "یونانی آگ" سے جلا کر خاکستر کر دیا ÷

مسلمان دو خوفناک دبابوں سے سخت پریشان تھے۔ یہ دونوں فولاد کے حصار رواں تھے۔ ان کے سامنے بٹے ہوئے رسّوں کی حفاظتی چٹائی بندھی تھی۔ ان کی چوٹیوں کو فولاد کی چادروں سے مستحکم کیا گیا تھا۔ ایک دبابے کے مونھ سے لمبا فولادی شہتیر نکلا ہُوا تھا جس پر جانور کا سر بنا ہُوا تھا۔ اِس شہتیر کو کل سے حرکت دے کر فصیل کے نچلے حصّے کے پتھروں پر ضرب لگائی جا سکتی تھی۔ ایک دبابہ بشپ آف بینکان اور دُوسرا ڈیوک آف سوابیا نے بنوایا تھا ÷

یہ دبابے پہیوں پر چلتے تھے وُہ انہیں دھکیل کر فصیل کے مقابل لے آئے اور جہاں سے خندق پُر کر دی گئی تھی وہاں سے صلیبیوں نے پُر زور حملہ کیا۔ قراقش اور مسلمان سنگ انداز ان دبابوں میں روزن یا نقص تلاش کرنے کی بے سُود کوشش کرتے رہے مسلمانوں نے اپنے سنگبار آلات سے مرمر کے بھاری ستون بھی پھینکے لیکن آہنی دبابوں پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ پھر مسلمانوں نے دبابوں کے سامنے ایندھن کے انبار ڈال کر لکڑیوں کو آگ لگا دی لیکن دبابوں پر آنچ تک نہ آئی ؛

مسلمانوں نے ہر ایک آتشگیر آلہ استعمال کیا۔ نفت سے بھرے ہوئے شیشے کے بم، بھڑکتی ہوئی گندھک اور کول تار کے مرتبان، یُونانی آگ سے بھرے ہوئے برتن بھی ان دبابوں پر پھینکے لیکن بے سُود۔ آہنی دبابے فصیل سے قریب تر ہوتے گئے۔ متواتر ضرب سے ایک دبابے کی چوٹی قدرے شکستہ ہوگئی تھی مسلمان انجینروں نے فوراً شکستہ جگہ پر یُونانی آگ کے بم گرائے۔ آناً فاناً آہنی پوش سے شعلے اُٹھنے لگے ؛

دُوسرا دبابہ دروازہ کے مقابل کھڑا تھا۔ مسلمانوں نے اچانک حملہ کر کے دبابے کے محافظوں کو مار بھگایا اور کافی دیر دبابے کے گرد جمے رہے۔ مسلمانوں نے دبابے کے اندرونی حصّے کو آگ لگا دی اور اپنے ذوقِ جُستجو کی تسکین کے لیے دبابے کو زنجیروں اور آہنی کانٹوں سے باندھ دیا جب وہ پلٹے تو اس کا بغور معائنہ کرنے کے لیے اسے ساتھ کھینچ لائے۔ سلگتا ہوا دبابہ کئی دنوں کے بعد ٹھنڈا ہُوا تو انہوں نے اس کے کل پُرزوں کا امتحان کیا۔ انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس کے ڈھانچے اور فولادی چادروں کا وزن ہزار پاؤنڈ سے کم نہ ہوگا۔ انہوں نے دبابے سے جانور کا سر اُتار کر سُلطان صلاح الدین کو بھجوا دیا ؛

اس کامیابی سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے شعلہ انداز آلات سے مسلح ہو کر دشمن پر دھاوا بول دیا۔ زرہ بکتر سے مسلح نائٹ ٹپکتے ہوئے شعلوں کا نشانہ

بن کر رہ گئے۔ تیز طوفانی شعلوں میں زرہ بکتر پگھلنے لگتے۔ کپڑوں کو آگ لگ جاتی اور جسم جل کر کباب ہو جاتے۔ عیسائی درد و کرب سے زمین پر لوٹنے لگے تو مسلمانوں نے اپنے شعلہ انداز اور آتش بار آلات کا رُخ منجنیقوں اور دبابوں کی طرف پھیر دیا اور پل بھر میں کئی آلات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

صلاح الدین کو قاصد کبوتروں کے ذریعے تمام حالات کی خبر بھیج دی گئی۔ معلوم نہیں کیا وجہ تھی کہ سلطان کی لشکر گاہ سے عکہ تک پیغام رسانی کے لیے کبوتر دستیاب نہ ہو سکے۔ لیکن حاضر دماغ مسلمانوں نے اس مشکل پر دوسرے طریقے سے قابو پا لیا۔ رات کو رضا کار تیراک صلیبیوں کی چھاؤنی کے پاس سے چوری چھپے گزرتے ہوئے ساحل تک جا پہنچتے۔ وہاں وہ اپنے لبادے اُتار کر پانی میں اُتر جاتے وُہ ناکہ بندی کرنے والے لنگر انداز جہازوں کے پاس سے چپکے سے نکل جاتے اور بندر گاہ میں پہنچ جاتے۔ وہ اپنی ہمیانیوں سے سربمہر خطوط اور طلائی دینار نکال کر عکہ والوں کے حوالے کر کے واپس چلے آتے۔

ان دلیر تیراکوں میں سے کئی عیسائیوں کے تیروں کا نشانہ بن گئے اور کئی اس خطرناک ملازمت سے دست بردار ہو گئے لیکن ایک اولوالعزم تیراک ہر دُوسری رات کو عکہ کا چکر لگاتا۔ وُہ تیرتا ہُوا جاتا اور تیرتا ہُوا واپس آ جاتا۔ ہر روز علی الصباح پہلے قاصد کبوتر کے ذریعے اس کی آمد کی خبر کی تصدیق کر دی جاتی لیکن ایک دن اس تیراک کی کوئی خبر نہ آئی اور کچھ دن بعد اس کی نعش بندر گاہ کی ریت کے کنارے ملی۔ وُہ ڈوب گیا تھا لیکن اس کی ہمیانی میں سربمہر چیزیں سالم تھیں چنانچہ بہاء الدین لکھتا ہے "اس سے پہلے کبھی کسی انسان نے موت کے بعد اپنا فرض انجام نہیں دیا۔"

صلاح الدین کی فوجیں نواحی علاقوں میں گشت کرنے کے بجائے لشکر گاہ میں مقیم ہو گئیں۔ انہوں نے دریا کے بالائی حصے میں اپنی چھاؤنی، بارکیں اور دکانیں بنائی

تھیں۔ اُونٹوں کے قافلے مُستقل سامان رسد لاتے رہتے۔ وُہ گندم کی بوریاں، تیل کے مرتبان، کپڑے اور ہتھیار لاتے۔ اِن قافلوں کے ساتھ کئی مزدُور، غلام، قاضی اور خانہ بدوش لوگ بھی لشکرگاہ سُلطانی میں پہنچ جاتے۔

ایوانِ سُلطانی کے قریب تیسرا شہر معرض وجود میں آگیا۔ یہاں پر عارضی مسجدیں اور مسقف بازار بن گئے۔ زین دوزوں کے سائبان، مس گروں کی دُکان کے ساتھ تھے۔ اس سے آگے جرّاحوں کی دوکانیں تھیں جہاں فخریہ طور پران دانتوں کی نمائش کی گئی تھی جو انھوں نے نکالے تھے۔ چٹائیوں کے سائبانوں تلے برہنہ پا کفش دوز بیٹھے سواری کے جُوتے اور سلیپر سیتے نظر آتے، بازاروں میں دوکانوں کے سامنے آوارہ بچے ایک دُوسرے سے لڑتے اور گتھم گتھا ہو جاتے۔ بغداد سے آنے والے ایک مسافر کا بیان ہے کہ

"یہ بہت بڑی منڈی تھی، یہاں پر نعل بندوں اور رسلہ تریوں کی چار سَو دوکانیں تھیں۔ میں نے ایک مطبخ میں اٹھائیس دیگیں شمار کیں۔ ہر دیگ اتنی بڑی تھی کہ اس میں سالم دُنبہ سما سکتا تھا۔ یہاں فوج اتنی مدت مقیم رہی کہ سات ہزار عارضی دوکانیں معرض وجود میں آگئیں۔"

حبشیوں نے حمام قائم کر لیے تھے۔ وُہ گز بھر زمین کھودتے تو پانی نکل آتا۔ انھوں نے پانی کے حوض بنا کر اُن کے گرد کچی اینٹوں کی دیواریں کھینچ دی تھیں۔ ان دیواروں پر لکڑی اور کریچ کی چھت ڈال دی گئی تھی۔ وُہ ارد گرد کی جھاڑیوں سے لکڑیاں کاٹ کر لے آتے اور بڑی بڑی دیگوں میں پانی گرم کرتے۔ ہر شخص کم و بیش ایک درھم دے کر غسل کر سکتا تھا۔"

مُسلمان لشکریوں کے لیے یہ نئی قسم کی جنگ تھی۔ در اصل یہ محاربین کے صبر و استقلال کا امتحان اور مقابلہ تھا۔ عیسائیوں کی چھاؤنی میں نہتے دہقانوں کو جاسوس بنا کر بھیجا جاتا۔ وہ پھل، سبزی اور گوشت کے ٹوکرے لے کر جاتے اور بعض اوقات غیر معمولی طور پر درست خبریں لے کر آتے۔ چنانچہ ایوان سُلطانی میں مقیم بہاؤالدین کو بھی عیسائی چھاؤنی کے

روزمرہ واقعات کا اتنا ہی علم ہوتا جتنا کہ صلیبیوں کی جھونپڑیوں میں رہنے والے ایمبرز کو۔ بہاءالدین کو خوب معلوم تھا کہ دشمن کو کیسے آج کل سامانِ رسد کی روزافزوں قلّت کا سامنا ہے اور کیسے موسم خزاں میں آنے والے آخری جہازوں میں انگلستان کے دستے پہنچ گئے ہیں، جن کا قائد کوئی جنگجو قسم کا پادری ہے جسے آرچ بشپ آف کنٹربری کہتے ہیں +

عربوں کے گروہ عیسائیوں کے اصطبلوں پر اکثر دھاوے کرتے رہتے اور ہر بار کچھ نہ کچھ نکال لے جاتے۔ وہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس، درندوں کی طرح، دبے پاؤں چلتے ہوئے پہرہ داروں کے قریب سے گزر جاتے۔ وہ دم سادھے رینگتے ہوئے ان بارکوں میں داخل ہوجاتے جہاں عیسائی سپاہی مزے سے سو رہے ہوتے۔ وہ خنجر کی تیز نوک خوابیدہ سپاہیوں کے گلے پر رکھ کر انھیں جگا دیتے۔ وہ اپنے شکار کو مضبوطی سے جکڑ کر اسے اشاروں سے سمجھا دیتے کہ اگر تم ذرا بھی ہلے جلے یا شور مچانے کی کوشش کی تو یہ خنجر تمھارے گلے کے پار ہوگا۔ پھر وہ اپنے قیدیوں کو ہانکتے ہوئے اسی طرح دبے پاؤں عیسائیوں کے پڑاؤ سے گزر کر واپس آجاتے +

موسم خزاں کافی گزر چکا تھا۔ عیسائی سرداروں یعنی آرچ بشپ، کاؤنٹ ہنری اور مارکوئیس کونارڈ نے مسلمانوں کے سامان رسد کے ذخیروں پر قبضہ کرنے کے لیے یلغار کی۔ مسلمان یہ ذخیرے جبل کارمل کے سائے تلے حیفہ کے قریب کھجور کے باغات میں چھوڑ آئے تھے۔ عیسائی لشکر نے دریا عبور کیا۔ یہ لشکر نہایت منظم اور پیوستہ تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں پر مسلمان رسالے کے سوار منڈلاتے رہے۔ اس لشکر کے ساقہ میں انگریزی فوج اور ٹمپلروں کی جماعت تھی۔

وہ تین دن تک کھلے میدان میں برسرپیکار رہے۔ اس وقت صلاح الدین شدید بخار میں مبتلا تھا۔ وہ عالمِ مجبوری میں اپنے بستر پر تڑپتا اور اپنی معذوری پر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ تین دن کی شدید خونریزی کے بعد عیسائی لشکر نے بزورِ شمشیر اپنی

واپسی کا راستہ بنا لیا لیکن عیسائی لشکر اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ وہ سامانِ رسد حاصل نہ کر سکے کیونکہ مسلمانوں کو بروقت ان کے عزائم کی خبر مل چکی تھی اور انھوں نے ذخائرِ رسد حیفہ سے منتقل کر دیے تھے۔

اس طرح سے محاربین میں نازک توازن قائم رہا۔ اگر عیسائیوں کے پڑاؤ میں خوراک کی قلت تھی تو عکّہ کے شہر میں یہ کمی شدید تر تھی۔ اگر صلاح الدین کی لشکر گاہ میں وبا پھیلی تو یہ وبا عیسائیوں کی چھاؤنی میں انتہائی خوفناک صورت اختیار کر گئی۔

بہاء الدین کی زبانی دونوں لشکروں کے حالات سُنیئے: "فریقین ایک دوسرے سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ بعض اوقات مسلمان اور فرانک سپاہی لڑائی بند کر کے آپس میں باتیں کرنے لگتے۔ فریقین باہم گھل مل جاتے، وہ مل کر گاتے اور ناچتے اور اس کے بعد دوبارہ لڑنے لگتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے، ہمیں لڑتے ہوئے کافی مدّت ہو گئی ہے چلو اب چھُٹی کرو اور لڑکوں کو اپنے جوہر دکھانے دو۔ چنانچہ انھوں نے دنگل کے لیے لڑکوں کے دو گروہ منتخب کیے۔ لڑکے آپس میں گتّھم گتّھا ہوئے اور خوب زور کی کُشتی ہوئی۔ ایک مسلمان جوان نے کافر جوان کو اوپر اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اسے اپنا قیدی بنا لیا۔ ایک فرانک بڑے اشتیاق سے یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور مسلمان جوان کو دو دینار دیتے ہوئے کہا "اپنے قیدی کو رہا کر دو۔" اور مسلمان جوان نے ہنستے ہوئے اپنے قیدی کو چھوڑ دیا،

دوبارہ موسم خزاں کی بارشیں شروع ہو گئیں۔ اس مرتبہ بھی بارش سے فریقین کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ مختلف تذکروں سے فریقین کے وقائع و حوادث کی جھلکیاں ملتی ہیں مثلاً ڈیوک آف سوابیا کی موت، ——

ایک شام اُٹھتے ہوئے طوفان میں مصری غلّہ بردار جہازوں کی اچانک

آمد ـــــــ مسلمانوں اور عیسائیوں میں اِس قیمتی رسد پر قبضے کرنے کے لیے خوں ریز معرکہ برپا ہُوا۔ بالآخر طوفانی موجوں نے جہازوں کو دھکیل کر عکّہ کے ساحل پر پہنچا دیا ـــــــ شہر کی فصیل کئی جگہوں سے کمزور ہو کر گر گئی تھی ـــــــ محصورین فصیل کی مرمّت اور تعمیر میں نہایت مُستعد تھے لیکن انھیں تیغ زن نائٹوں کے حملوں سے سخت مُشکل درپیش تھی ـــــــ فصیل پر زینہ لگا کر چڑھنے کی کوشش تقریباً کامیاب ہو گئی ـــــــ صلاح الدین کی امیروں سے طویل مشاورت اور بالآخر محصورین عکّہ کے استخلاص کا فیصلہ ـــــــ طوفان کے دوران میں عکّہ کے خستہ حال لشکر کی رسد بردار جہازوں میں واپسی اور کرد سردار مشطوب کی سرکردگی میں کمک کی آمد ـــــــ قراقش بدستور عکّہ کا حاکم تھا۔

ان اولوالعزم اور ناقابلِ تسخیر فوجوں کی معرکہ آرائی سے ایمبروز بھی اِس قدر متاثر ہُوا کہ اسے احساس ہونے لگا کہ قدیم رزمیہ انداز کے شاندار واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے عہدِ پارینہ کے رزمیہ واقعات اور پُرانے مطربوں کی رزمیہ نظمیں خوب یاد تھیں۔ اِس نے اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے یُوں تک بندی کی ۔

"جناب! سکندرِ اعظم کی جوانمرگی پر نوحہ دیکا کی حقیقت، پیرس اور ہیلن کی کرب ناک داستانِ محبّت کی صداقت، برطانیہ کے شاہ آرتھر اور اس کے رُفقاء کے کارناموں کی واقعیت، اور دلیر شارلمین کی جس کی بہادری مُطربوں کے گیتوں میں گونجتی ہے ـــــــ حیرت انگیز شجاعت کی اصلیت مجھے معلوم نہیں۔ مَیں اِن افسانوں اور گیتوں کی صداقت کے متعلّق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ حقیقت تھے یا محض جھوٹ، البتہ مجھے عکّہ کی عیسائی فوج کا حال خوب معلوم ہے۔ مَیں ان کی داستانِ ابتلا پُوری تفصیل سے بیان کر سکتا ہوں۔ سردی، بیماری، تنگدستی کے

پُرُدرد واقعات خوب سُن سکتا ہوں کاش کہ آپ انھیں سُن کر سعادت حاصل کر سکیں۔

"سردیوں کی برسات شروع ہوگئی۔ ہواؤں کی تیزی اور خُنکی بڑھتی گئی اور عملہ کی جسمانی فوج کے لیے آفت وابتلا کے دور کا آغاز ہوگیا۔ چھاؤنی میں قحط پھیل گیا اور روز بروز قحط کی شدّت بڑھتی گئی۔ جُوں تُوں کر کے کرسمس تک گذارا ہوگیا لیکن کرسمس کے بعد خوراک کی قلت سختی سے محسوس کی جانے لگی۔ آدمی کے لیے غلّے کی بوری اُٹھانا تو مشکل نہ تھا لیکن اس کی قیمت اِس قدر کمرشکن تھی کہ کسی کو یہ بارگراں اُٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ ایک بوری کی قیمت ایک سو بیسنٹ[1] تھی اور چھ ونیر[2] میں ایک انڈا فروخت ہوتا تھا۔ حضور والا یہ واقعی سچ ہے کہ وہ عمدہ تازی گھوڑوں کو ذبح کر کے بڑی بے صبری سے کھا جاتے۔ جہاں بھی گھوڑا ذبح کیا جاتا وہاں لوگوں کا میلہ سا لگ جاتا۔ اور زندہ گھوڑے سے مذبوح گھوڑے کی زیادہ قیمت پڑتی۔ لوگ گھوڑے کی انتڑیاں بھی کھا جاتے۔ جب کوئی صاحب ثروت چند غریبوں کو اپنے کھانے میں شریک کرنا چاہتا تو اسے بن بُلائے مہمانوں کے ہجوم سے سخت دقت ہوتی۔ اگر انھوں نے تھوڑی بہت سبزیوں کی کاشت نہ کی ہوتی تو بالکل ہی آفت آ جاتی۔ اِن سبزیوں سے شوربا تیار کیا جاتا۔ اچھے اچھے امیر اور سردار ہر روز سبزیوں کی پھوٹتی ہوئی کونپلوں اور پتیوں کا بغور ملاحظہ کرتے اور نہایت بے قراری سے سبزی کی بالیدگی کے منتظر رہتے۔ وہ خود جا کر پتے توڑ کر لاتے اور کھاتے۔

"اس کے بعد بارش سے ایک وبا پھیل گئی، اب میں اس کا حال بیان کروں گا۔ کئی دن تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔ اِتنا پانی برسا کہ ساری فوج شرابور ہوگئی۔

---

[1] ایک قسم کا سکّہ۔

[2] تانبے کا قدیم فرانسیسی سکہ۔ (مترجم)

ہر ایک کھانسی میں مُبتلا ہو گیا۔ سب کے گلے بیٹھ گئے۔ سر اور ہاتھ پاؤں سُوج[1] گئے۔ ایک دِن میں ایک ہزار آدمی مر گئے۔ ورم سے لوگوں کے دانت گر گئے۔ کئی بے چارے فاقہ کشی اور کمزوری کے مارے ہوئے تھے وُہ اِس وبا کے حملے سے جاں بر نہ ہو سکے۔

اب چند لوگوں کی بدبختی اور تیرہ نصیبی کا حال سُنیے۔ خُدا نے اِنسان کو اپنی شبیہ میں پیدا کیا ہے لیکن کئی کم بخت مصیبتوں سے گھبرا کر خُدا کے مُنکر ہو جاتے ہیں۔ قحط سالی اِتنی سخت تھی کہ کئی لوگ فاقہ کشی اور بھوک سے مجبور ہو کر مُردوں سے جا ملے اور کہنے لگے کہ عورت کے بطن سے خُدا کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ وُہ صلیب اور بپتسمہ کے مُنکر ہو گئے۔

فوج میں دو مفلوک الحال سارجنٹ تھے۔ وہ دونوں بڑے گہرے دوست تھے۔ ان کے پاس آنجہ کے ایک "دینز" (ایک سکّہ) کے سوا اور کچھ نہ تھا، البتّہ ان کے تن پر کپڑے اور زرہ تھی، جسے وُہ فروخت کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ وُہ بحث کرنے لگے کہ اس کی کون سی چیز خرید لی جائے۔ جس سے دِن بھر کا گزارہ ہو جائے۔ انہوں نے قُرعہ اندازی کی اور بالآخر پشم کے دو ٹکڑوں کے بال گن کر لوبیا خریدنے کا فیصلہ کیا۔ اُنہیں لوبیے کے صِرف تیرہ دانے ملے۔ اِن میں سے ایک کھوکھلا تھا، جسے تبدیل کروانے کے لیے ایک کو سات ایکڑ کا فاصلہ طے کر کے جانا پڑا۔ بالآخر کافی جھگڑے کے بعد غلّہ فروش نے وُہ کھوکھلا دانہ تبدیل کر کے دیا۔ جب وُہ سارجنٹ واپس

---

[1] بہاءالدین کا بیان ہے کہ اِس وباء کا سبب انتڑیوں کا بخار (ENTERIC FEVER) تھا۔ مصنّف اِس وباء کی علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی وجہ پانی کی کثافت تھی جس میں تپ محرقہ کے جراثیم بکثرت موجود تھے۔ ورم الامعاء کے ساتھ سردی اور بھیگ جانے سے انفلوئنزا کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ جو وبائی صورت اختیار کر گئی۔ ممکن ہے کہ یہ انفلوئنزا اور تپ محرقہ کی ملی جُلی صورت ہو۔ مترجم

ہوا تو وہ بھوک سے پاگل ہو رہے تھے۔ انھوں نے ادبیے کے دانے کھائے تو ان کی بھوک کی اذیت دُگنی ہو گئی۔

"کئی لوگ اپنی بھوک مٹانے کے لیے خود رو لبیے اور اخروٹ نما پھلوں پر گزارہ کرتے۔ مریض تیز شراب خوب پیتے۔ ان کے پاس شراب کا وافر ذخیرہ تھا لیکن خالی پیٹ شراب پینے سے بیک وقت تین تین چار چار لٹھے مر جاتے۔

"ساری سردیوں میں فاقہ کشی اور قحط کا دَور دَورہ رہا اور بندگانِ خدا کی جان پر بنی رہی کرسمس سے لے کر لینٹ[1] کے دنوں تک قحط کی شدت ناقابلِ برداشت تھی۔ مجھے یہ حالات ذاتی طور پر معلوم ہیں اور مَیں نے محض سُنی سُنائی باتیں نقل نہیں کی ہیں۔ اگرچہ فوج میں سامانِ رسد کافی تھا لیکن تاجر اسے بڑے گراں داموں پر فروخت کرتے تھے۔

"چند خدا ترس اشخاص نے زیادہ خستہ حال اور فاقہ کش لوگوں کی امداد کی۔ کاؤنٹ ہنری، سر جوزلین مانٹا ٹرا اور بشپ آف سالسبری نے نہایت کشادہ دلی اور فراخ دستی سے مستحق اشخاص کی اعانت کی۔ اِس طرح اَور بھی کئی نیک بندوں نے کوشش کی۔ بالآخر سامانِ رسد صور پہنچ گیا لیکن مارکوئیس آف مانسریٹ اسے اپنے تصرّف میں لے آیا اور ہماری فوج تک نہ آنے دیا۔ لوگ مارکوئیس کو گالیاں دیتے اور اُس پر لعنتیں بھیجتے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اب کیا ہو گا؟ اور لوگ ایک دُوسرے کو دیکھ کر آنکھیں پھیر لیتے"۔

قحط اور عام بد دلی کے باوجود محاصرین نے محاصرے پر پُورا زور دیا۔ لینٹ کے آخری دنوں میں پہلا غلّہ بردار جہاز ساحل سے دُور نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر لوگ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ وہ اطالوی تاجروں کے نقصان سے بہت خوش تھے۔ کیونکہ ان کم بخت

---

[1] ایسٹر سے قبل چالیس دن کی مدت جس میں سوائے اتوار کے ہر روز مجاہدۂ نفس کیا جاتا ہے اور روزے رکھے جاتے ہیں۔ لینٹ مسلمانوں کے ماہِ صیام یعنی رمضان کے برابر سمجھا جاسکتا ہے۔ مترجم

اطالوی تاجروں نے قیمتیں چڑھانے کے لیے ساری چھاؤنی کے غلے کا ذخیرہ کر رکھا تھا۔ ہفتے کی دوپہر کو جہاز پہنچے اور سوموار کی صبح کو غلے کی قیمت ایک سو پرسنٹ سے گھٹ کے صرف چار پرسنٹ رہ گئی۔

"یہ محاصرہ عکہ کا دوسرا سال تھا۔ اپریل ۱۱۹۱ء میں عیسائی محاصرین کو بڑی خوشی نصیب ہوئی۔ چھ عظیم الشان جہازوں کا بیڑا بندرگاہ میں داخل ہوا۔ ان جہازوں پر فرانس کے پرچم پھڑپھڑا رہے تھے۔ ایک جہاز پہ فلپ آگسٹس ثانی شاہِ فرانس کا ذاتی نشان لہرا رہا تھا۔ بادشاہ کے ہمراہ کئی دلیر اور تجربہ کار نائٹ بھی آئے جن میں کاؤنٹ آف فلینڈرز بھی شامل تھا۔ شاہ فرانس طویل سفر کے بعد پہنچا تھا۔ مغربی یورپ کے سارے شجاع اور بہادر عکہ کے ریتلے ساحل پر جمع ہو گئے تھے۔

جب جہاز لنگر انداز ہو گئے اور فوجیں ساحل پر اُترنے لگیں تو شاہ فرانس کا محبوب سفید باز اپنے محافظ کے ہاتھوں سے چھوٹ کر اُڑ گیا۔ باز نے عیسائی چھاؤنی پر کئی چکر لگائے اور بالآخر عکہ کی فصیل پر بیٹھ گیا۔ مسلمان مشتاق نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوراً باز کو پکڑ لیا۔ چند عیسائیوں نے اس واقعے کو بدشگونی پر محمول کیا۔ شاہ فلپ نے اپنا قاصد صلاح الدین کی خدمت میں بھیجا اور باز کو خریدنے کی پیش کش کی۔ سلطان نے جواب دیا کہ باز کو یوں نہیں خریدا جا سکتا۔

تازہ دم فرانسیسی فوجوں نے بڑے جوش و خروش سے محاصرہ شروع کیا اور عکہ کی شکستہ دیواروں پر بار بار یورش کرنے لگے۔ اس کے جواب میں ہر بار عکہ والے زور سے طبل جنگ بجاتے جس کی آواز سن کر صلاح الدین کے گھڑسوار عیسائیوں کے بیرونی گھیرے پر تابڑ توڑ حملے کرتے اور عیسائی حملوں کا زور ماند پڑ جاتا۔

جون کے آغاز میں پچیس جہاز اور بحیرے ساحل پہ نمودار ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر عیسائی چھاؤنی میں لوگوں نے کام کاج چھوڑ دیا۔ نائٹ اور سپاہی، امیر و غریب

ساحل کی طرف دوڑے۔ باجوں تاشوں نے فضا میں خیر مقدم کے نغمات بکھیر دیے۔ اور چاروں طرف مسرت کا ہنگامہ اُبل پڑا۔ خوشی سے ناچتے ہوئے لوگوں نے سب سے اگلے جہاز کو خوش آمدید کہا۔ اس سُرخ جہاز پر انگلستان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

اس شام کو گرجوں میں مشعلیں روشن کی گئیں اور ساحل پر الاؤ جلائے گئے۔ شراب کے دور چلنے لگے اور لوگ خوشی سے گلی کوچوں میں ناچنے لگے۔ مسلمان جاسوسوں نے تیزی سے صلاح الدین کو اطلاع دی کہ رچرڈ شاہ انگلستان پہنچ گیا ہے۔

بہاء الدین رچرڈ کے متعلق یوں رقمطراز ہے "وہ بلا کا طاقتور تھا ——— نہایت دلیر اور اولوالعزم۔ اُس نے بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے۔ جنگ میں اس کی شجاعت مسلم تھی۔

۲۰

رچرڈ فصیل پر

رچرڈ شیر دل چھاؤنی میں تو پہنچ گیا لیکن لڑائی میں شریک نہ ہو سکا۔ تیز دھوپ میں جھلستے ہوئے کتان کے خیمے تلے گدے پر چیتے کی کھال بچھی ہوئی تھی، جس پر رچرڈ بخار کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔ اس کا حلق اور ہونٹ سوزش سے دُکھ رہے تھے، اس کے لمبے بازو نقاہت سے کانپ رہے تھے،

رچرڈ چونتیس سال کا بھرپور جوان تھا۔ وہ شاہی رُعب و جلال کا پیکر تھا اس کے مضبوط شانوں پر سُنہری سُرخ بال پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی پیشانی ہموار اور کُشادہ تھی اور سیاہ آنکھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس کی مختصر سی ڈاڑھی فرانسیسی تراش کی تھی۔ اسے اپنی قوت پر ناز تھا، وہ کسی کمزوری کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ طبعاً فیاض تھا اور بچوں کی طرح نمائش و نمود کا دلدادہ۔ اس کی پُرجوش فطرت کو کھیلوں کے مقابلوں اور عمدہ ضیافتوں میں تسکین ملتی۔ وہ تیغ زنی اور نیزہ بازی میں انتہائی لُطف محسوس کرتا۔ وہ بربط بجانے کا بھی بہت شوقین تھا۔

وہ ہر کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور جنگ میں ہمیشہ سرداری کے فرائض سرانجام دیتا۔
وہ انگلستان سے روانہ ہُوا اور سال بھر صقلیہ (سسلی) میں ٹھہرا رہا۔ صقلیہ میں وہ اپنی بہن کے حقوق کی حمایت میں غاصب ٹینکرڈ کے خلاف نبرد آزما رہا۔ اس نے جبراً ٹینکرڈ کے خزانے پر قبضہ جمالیا اور پھر اسے کئی بیش قیمت تحائف بھی پیش کیے۔ بالآخر وہ صقلیہ سے روانہ ہُوا۔ راستے میں اس کے بیڑے کو طوفان نے آلیا۔ اس کے منتشر جہاز بمشکل قبرص (سائپرس) پہنچے اور وہاں بیزنطینی حکّام کی بدسلوکی کا شکار ہو گئے۔ رچرڈ کو سخت غصہ آیا۔ وہ پایاب پانی سے گزر کر خود ساحل پر پہنچا اور جزیرے کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اس نے بیزنطینی شہزادے کو نقرئی زنجیروں میں اسیر کر لیا اور اس کی نوجوان بیٹی کو بطور یرغمال رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے قبرص کے بڑے گرجا گھر میں اپنی منگیتر یعنی بیرنگیریا آف نوارے[1] سے بڑے تزک و احتشام سے شادی رچائی۔ پھر اس نے فوراً فلسطین کی راہ لی۔ اس کی بیگم، بہن اور بیزنطینی شہزادی اس کے ہمراہ جہاز میں سوار تھیں۔ جہازوں پر سپاہیوں کے علاوہ بے شمار خزانہ بھی لدا ہوا تھا۔ اس کے مشیروں کو پتا نہ تھا کہ اس خوش حال جزیرے کی فتح پر خوشیاں منائیں یا ان قیمتی دنوں اور جانوں کے نقصان کا ماتم کریں جو اس کی تسخیر میں صرف ہوئے۔ رچرڈ کو فنِ مُلک داری سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس کے قوی ہاتھ تلوار کے قبضے اور نیزے کے گرز کے لیے پیدا کیے گئے تھے انھیں قلم اور کاغذ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس نے صلیبی جنگ کے لیے روپیہ جمع کرنے کے لیے نہایت بے پروائی سے شاہی مراعات فروخت کر دیں۔ وہ کہا کرتا کہ اگر مجھے لندن کا خریدار

---

[1] نوارے شمالی سپین کی مسیحی ریاست تھی۔ اس زمانے میں خلافت اندلس ختم ہو چکی تھی اور تاریخ اندلس میں طوائف الملوکی کا دور تھا۔ نوارے، قسطلان (NAVARRE. CASTILE) اور اراگون کی مسیحی ریاستیں بہت طاقتور ہو چکی تھیں۔ (مترجم)

رل جاتا تو میں اِس شہر کو بھی بیچ ڈالتا۔ اس کی رگوں میں پوشیرز اور گیسکنی[1] کے خوش باش مُطربوں اور منچلے شہزادوں کا گرم خون گردش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قہر سے بچنے کے لیے رضا کارانہ طور پر جلا وطنی اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے باپ کی موت تک فرانس میں مقیم رہا۔ صلیبی جنگ کے دَورِ آغاز میں وہ تخت نشین ہُوا۔ وہ نازک مزاج، متکبر اور انتہائی دلیر تھا۔ اب تک اس کی زندگی طالع آزما شہزادوں کی طرح گزری تھی۔ چنانچہ وہ صلیبی جنگ کو بھی ایک پُر مسرت ہنگامہ اور پُر جوش مشغلہ سمجھ کر نکلا تھا۔

دَورانِ سفر میں اس نے محتاط طبیعت فلپ آگسٹس شاہ فرانس کو سخت ناراض کر دیا۔ فلپ چھبیس سال کا نوجوان تھا لیکن اسے گیارہ سال سے حکمرانی کا تجربہ تھا۔ وہ بہت متحمل مزاج اور فریبِ زندگی سے آزاد شخص تھا۔ وہ جانی خطرے سے گھبراتا تھا۔ لیکن اپنی سلطنت کے مفاد کے معاملے میں نہایت مضبوط اور ثابت قدم تھا۔ اس کی نظریں مستقبل پر لگی تھیں۔ وہ صلیبی جنگ کے دَوران میں بھی اکثر اپنے سرحدی قلعوں اور نئے قوانین کے متعلق سوچتا رہتا۔ فلپ اپنے عم زاد بھائی رچرڈ کی مکمل ضد تھا۔ فلپ نے رچرڈ سے عارضی صُلح کر لی تھی لیکن رچرڈ کو خوب معلوم تھا کہ فلپ اپنے مفاد کے لیے عہد شکنی سے گریز نہیں کرے گا۔ فلپ بادل ناخواستہ صلیبی جنگ میں شامل ہُوا تھا۔ کیونکہ اسے اپنے برسوں کے منصوبے مُنتشر ہوتے نظر آتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس رچرڈ خطرے کو للکارتا اور اکثر نا ملائم الفاظ میں اپنے "دشمن حلیف" پر طعنہ زنی کرتا رہتا۔

ان دنوں فلپ مضمحل اور افسردہ اپنے خیمے میں پڑا رہتا۔ اسے یہ ماحول سازگار نہ تھا۔ وُہ ولیم دی گڈ آف سسلی، فریڈرک ڈیوک آف سوابیا اور آرچ بشپ

---

[1] فرانس کے دو صُوبے جو قرونِ وسطیٰ میں مطربوں کی شاعری اور بہادری کے لیے مشہور تھے گیسکنی کے لوگ بہادری کے علاوہ لاف زنی کے لیے ضرب المثل تھے۔ (مترجم)

آف کنٹربری کی وفات کی خبروں سے بھی خاصا پریشان تھا۔ اس کا چچازاد بھائی کاؤنٹ آف فلانڈرز بستر مرگ پر تھا اور رچرڈ بھی وبائی مرض میں مبتلا تھا۔ سیکنڈے نیویا کے بارہ ہزار سپاہیوں میں سے بمشکل دو سو زندہ بچے ہوں گے۔ اُسے یہ بھی پریشانی تھی کہ یہاں ایک معرکے میں فرانس کی سارے سال کی معرکہ آرائیوں سے زیادہ آدمی کام آتے ہیں۔ خندق کے پار مٹی کا ہر ٹیلا قبروں سے پٹا پڑا تھا اور ان قبروں پر صلیبیں یوں نظر آتی تھیں جیسے کسی میدان میں سنگریزے بکھرے ہوں +

لیکن اِن حالات کے باوجود آلاتِ محاصرہ دن بھر گھڑگھڑاتے رہتے اور دن رات عکہ کی سٹیالی دیواروں پر سنگ باری جاری رہتی۔ عکہ کی فصیل پر گرد و غبار اُڑتا رہتا۔ صلیبیوں کی منجنیقوں سے وزنی پتھر اُٹھتے اور شہر کی اُونچی چھتوں کو سرنگوں کرتے ہوئے گرتے۔ مسلمانوں کے آلات سنگ باری اتنے بھاری پتھر پھینکتے کہ وہ ایک ایک فٹ زمین میں دھنس جاتے +

صلیبیوں نے پُر شدہ خندق سے ایک مسقف دبابے کو دھکیل کر فصیل کے نچلے حصے کے مقابل نصب کر دیا۔ مسلمان انجنیروں نے دبابے کی چرمی چھت پر خشک لکڑیاں پھینک کر اسے "یونانی آگ" سے جلا کر بھسم کر دیا۔ اب صلیبیوں نے مینار نما دبابہ آگے بڑھایا۔ یہ فصیلِ شہر سے بہت اُونچا تھا اور اس کے چوکھٹے پر تانبے کی دبیز چادریں لگی ہوئی تھیں۔ مسلمان پہرہ دار اِس دبابے پر مٹی کے گھڑوں کی بارش کرتے رہے۔ یہ گھڑے دبابے کو لگتے اور فوراً ٹوٹ جاتے۔ ان میں سے ایک سیال مادہ بہہ کر تانبے کی چادروں کو تر کر دیتا۔ اِس سیال مادے سے دبابے کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔ چنانچہ اہلِ دبابہ مسلمانوں پر پھبتیاں کسنے لگے۔ مسلمان بدستور مٹی کے گھڑے پھینکتے رہے حتیٰ کہ ایک درخت کا جلتا ہوا تنا فضا میں سے گھومتا ہوا آیا اور زور سے تانبے کی دیواروں سے ٹکرایا۔ چشم زدن میں تانبے کا مینار بھڑک اُٹھا اور اس سے فلک بوس

شعلے بلند ہونے لگے۔ دبابے کے اندر سارے سپاہی زندہ جل مرے۔ اِن گھڑوں میں جو پُراسرار سیال مادّہ تھا وہ روغن نفت تھا جس کا استعمال مُسلمان خوب جانتے تھے۔

عیسائی محاصرین نے اپنے نَووارد رفیقوں سے کہا "عکّہ کے محصور مُسلمان حیرت انگیز جُرأت اور حوصلے کے مالک ہیں۔ وہ عظیم خود داری اور اعلٰے ہُنر کے مالک ہیں۔ اگر وہ کافر نہ ہوتے تو، ہم کہتے کہ ہم نے اِن سے بہتر انسان نہیں دیکھے"۔

صلیبی سپاہی، انگریز اور فرانسیسی نائٹوں سے حملے کے متعلّق گُفتگو کرتے رہتے، وہ حملے کے بڑی بے صبری سے مُنتظر تھے "خُدا کی قسم حملہ کب ہو گا؟ اب تو مسیحی دُنیا کے سارے نامور بہادر جمع ہیں۔ اچّھا جو خُدا کی مرضی"۔

رچرڈ بُخار اور انتظار کی شدت سے تڑپتا رہا۔ اسے اپنی فوج اور آلات محاصرہ کا انتظار تھا۔ بالآخر فلپ آگسٹس نے عام حملے کا حُکم دے دیا۔

ایمبروزیُوں رقمطراز ہے "صُبح سے ہی ہر شخص مسلّح اور مُستعد تھا ہر ایک کے دِل میں حملے کا ولولہ تھا۔ مسلّح سپاہیوں کے نیزے، بکتر بند پیادوں کے چمکیلے خود، تازی گھوڑوں کی سفید زینیں اور بہادر نائٹوں کے عَلَم شمار نہیں کیے جا سکتے تھے۔ اِس سے پہلے ہم نے کبھی اِتنے نامور نائٹوں کے نشان اور مرصّع پرچم نہیں دیکھے تھے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا مورچہ سنبھال لیا۔ فصیل پر سخت سنگ باری شرُوع کر دی گئی اور فوج نے بڑھ کر فصیل پر حملہ کر دیا"۔

فوج کے سامنے فرانس کا نشان تھا۔ یہ نشان بڑے لمبے بانس پر لگا ہُوا تھا جس کی اُونچائی مینار سے بھی زیادہ تھی۔ اِس بانس کو خچر گاڑی میں نصب کیا گیا تھا۔ بانس کی چوٹی پر لہرانے والے سفید پھریرے پر سُرخ پھُول اور سُنہری صلیب نظر آرہے تھے۔ نشان گاڑی کے گرد مُنتخب شمشیر باز دل کا حلقہ تھا۔

شام کو نشان واپس ہُوا۔ وہ مجروحین اور مقتولین کو پڑاؤ میں لے آئے فصیل کا

خاصا حصّہ ٹوٹ چکا تھا۔ محصورینِ عکّہ نے دھوئیں کے اشاروں سے صلاح الدین کو حملے کی اطلاع کر دی تھی۔ صلاح الدین نے عیسائی چھاؤنی پر پُرجوش جوابی حملہ کر کے عیسائی حملہ آوروں کو واپس ہونے اور اپنی چھاؤنی کی مدافعت کرنے پر مجبور کر دیا۔

"اُف خُدایا۔ ہمارا حملہ کس قدر بے سُود تھا؟" افسردہ نائٹ ایک دُوسرے سے کہتے۔ برافروختہ اور پریشان فلپ آگسٹس نے للکار کر اپنے سپاہیوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے کا حکم دیا۔ اب اس کے رگ و پے میں بھی بُخار کی حرارت سرایت کر گئی تھی۔ اس کا عم زاد کاؤنٹ آف فلانڈرز بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کی نعش کے گرد شمعیں جھلملا رہی تھیں اور پادری خاموش بیٹھے تھے۔

بالآخر ایک اور بیڑا لنگر انداز ہُوا۔ اس میں فرانسیسی فوج کے باقی ماندہ سپاہیوں کے علاوہ دو نامور سالار یعنی رابرٹ ارل آف لیشر اور رابنڈ ریو آف شوگینی بھی آئے۔ انھیں جہازوں میں رچرڈ کے آلاتِ محاصرہ بھی پہنچ گئے۔ نو واردوں نے ایک دن بھی آرام نہ کیا اور فوراً میدانِ جنگ میں کُود پڑے۔

محاصرین اپنے حملوں کی ناکامی اور نقصانات سے سخت برہم تھے۔ اب وہ دیوانہ وار لڑ رہے تھے۔ نہ وہ رحم کے طالب تھے، نہ کسی پر رحم کرنے کے لیے تیار۔ ان کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی اور ان کے خلاف صرف چھ ہزار مسلمان عکّہ کی شکستہ فصیل کی مدافعت کر رہے تھے۔ اب شخصی مقابلوں اور عارضی صُلح کا دَور گزر گیا تھا۔ نو واردوں نے ایک مسلمان قیدی کو فصیل کے قریب لا کر مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے زندہ جلا دیا۔ مسلمانوں نے انتقامی طور پر ایک صلیبی کو سُولی پر لٹکا کر نذرِ آتش کر دیا۔ دِن رات آلاتِ محاصرہ کی سمع خراش کھٹ کھٹ جاری رہتی۔ انگریزوں نے بُرجِ منحوس کو سُرنگ لگائی تو انھیں روکنے کے لیے مخالف سمت سے مسلمانوں نے بھی سُرنگ لگا دی۔ رات کو عرب تیراک گندھک کی بوریاں اور یُونانی آگ کے مرتبان اُٹھائے

بندرگاہ میں داخل ہوتے۔ وہ ناکہ بند جہازوں سے بچ نکلنے کی کوشش کرتے لیکن اکثر جالوں میں پھنس کر گرفتار ہو جاتے۔

اب صلاح الدین کو پیغام بھیجنے کے لیے قاصد کبوتر بھی نہ رہے تھے۔ بالآخر ایک جانباز تیراک پریشان حال مشطوب اور قراقش کا خط سلطان تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ خط میں تحریر تھا کہ "ہماری حالت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ اگر کل تک کمک نہ مل سکی تو ہمیں شہر سے ہاتھ دھونے پڑیں گے"۔

اس دن یعنی ۱۲ر جولائی کو اِدھر عیسائی فوجوں نے دوبارہ شہر پر یورش کی اور اُدھر صلاح الدین ایک لشکر جرار لے کر پہاڑوں سے نازل ہوا۔ اس کے ہم رکاب اس کے محافظ دستے کا حلقہ بھی تھا۔ جس کے جانباز زرد عباؤں میں ملبوس تھے۔ رسالے کی قیادت یکہ تاز تقی الدین کر رہا تھا اور مصر کے بکتر بند مملوکوں کی کمان سلطان کے بھائی ملک العادل کے ہاتھوں میں تھی۔ جنگجو ترکمان خمیدہ تلواریں اور بھالے لیے ہوئے تھے۔ سانولے کردوں کے ہاتھوں میں لمبے نیزے اور رنگین ڈھالیں تھیں۔ ترکمان اور کرد فوج کے دونوں بازوؤں پر متعین تھے، ان سے پرے بدوی قبائل شکاری پرندوں کی طرح مال غنیمت پر جھپٹا مارنے کے لیے منڈلا رہے تھے۔

بہاء الدین نے صلاح الدین کو بعد از نماز فجر روانہ ہوتے دیکھا۔ فاضل قاضی نے یہ منظر اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے "اس دن سلطان نے کچھ نہ کھایا اور اپنے طبیب کے اصرار پر صرف چند پیالے شربت پیا۔ میں اس دن علالت کی وجہ سے سلطان کے ہم رکاب نہ ہو سکا۔ اور "العیاضیہ"[۱] میں اپنے خیمے میں پڑا رہا۔ اس جگہ سے مجھے

---

[۱] تل عیاضیہ کوہ لبنان کی ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ سردیوں میں عکّہ کے میدان میں ملیریا پھیل جاتا ہے۔ عیاضیہ بخار اور وبا سے محفوظ تھا اور یہاں کی بلندی سے (بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۲۰۷)

سب کچھ نظر آتا تھا۔ اس روز ملک العادل نے دو مرتبہ دشمن کی صفوں پر حملہ کیا"۔
اس نے صلاح الدین کو اسلامی لشکر کی رہنمائی کرتے ہوئے دیکھا۔ سلطان نے بے پناہ یورش کی اور مسیحی چھاؤنی کی خندق تک پہنچ گیا۔ اس نے اس روز ایک نیا نعرہ بھی سنا۔

"نَصْرُ الْإِسْلَامِ" نَصْرُ الْإِسْلَامِ"

موج در موج رسالہ خندق اور کچی دیوار سے ٹکراتا رہا۔ عظیم الشان موجیں چھوٹی چھوٹی انسانی لہروں میں منقسم ہو گئیں۔ وہ پشتے پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہے پھر گھوڑوں سے اترے۔ انھوں نے تلواریں سونت لیں اور پشتے پر چڑھنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادی پشتے سے غبار اٹھا اور وہ متحرک سیاہ نقطوں کی طرح ہجوم کرتے ہوئے غبار میں گم ہو گئے غبار کے بادل میں سے سبز جھنڈے لہراتے دکھائی دیتے اور نقاروں کی پیہم پُرزور دف کی آواز سنائی دیتی۔

العادل اور تقی الدین نے سخت حملہ کیا۔ درویش نعرے لگاتے اور دیوانہ وار خنجر لہراتے گھوڑوں کی قطاروں کے درمیان دوڑ رہے تھے اور حفاظ نہایت خضوع وخشوع سے تلاوتِ قرآن کر رہے تھے۔ "يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۲۰۶) دشمن کی نقل وحرکت پر بھی نظر رکھی جاسکتی تھی۔ اس کے متعلق ابن خلکان نے لکھا ہے۔ "قل الحياضية وهو مشرف على عكا" مترجم

لہ مصنف نے یہاں سورۃ القارعہ اور سورۃ الزلزال کی چند آیات نقل کی ہیں۔ یہ آیات مضمون کے اعتبار سے مربوط ہیں لیکن مختلف سورتوں سے متعلق ہیں مصنف نے منظر نگاری کو واقعیت کا رنگ دینے کے لئے آیات قرآنی کا استعمال کیا ہے جس سے واقعہ کا تأثر گہرا ہو گیا ہے۔ کاش کہ مصنف کو یہ بھی معلوم ہوتا کہ بالعموم جہاد کے وقت سورۂ انفال تلاوت کی جاتی تھی (مترجم)

الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ...... (سورۃ القارعۃ)

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝...... وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝...... (سورۃ الزلزال)

مسلمانوں نے خندق کے پاس دُشمن کی صفوں میں کئی شگاف کر دیے۔ وُہ تلواریں سونتے عیسائیوں کے خیموں میں گُھس گئے۔ وہ گھوڑوں کو پُشتے کے پاس چھوڑ کر عیسائیوں کی صفوں پر پیدل حملے کرنے لگے۔ مجروح سرفروش پیچھے رہتے گئے۔ ان کے جسم پسینے اور خون میں شرابور تھے۔ نقاہت کی وجہ سے گھوڑے کی پُشت پر جُھولتے ہوئے آگے بڑھتے۔ وُہ شدّتِ جوش میں للکار للکار کر اپنے کارناموں کا ذکر کرتے اور ایک جنونی کیفیت میں بڑھے چلے جاتے۔ بعد میں ان کی زبانی معلوم ہُوا کہ عیسائیوں کی نعشوں اور گھوڑوں کی لاشوں سے خندق اس طرح پُر ہو گئی کہ پُل سا بن گیا اور ہم گھوڑے دوڑاتے گزر گئے۔ ایک قوی الجثہ فرانک خندق کے اُوپر کھڑا تھا۔ اس کے ساتھی اسے متواتر پتھر دیتے جاتے اور وہ زور زور سے پتھر ہم پر پھینکتا۔ ہم نے سنگین تیروں سے اسے تقریباً پچاس مرتبہ نشانہ بنایا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا اور بدستور سنگ باری کرتا رہا۔ بالآخر ہمارے ایک انجینئر نے اس پر روغن نفت کا شیشہ پھینک کر اسے زندہ جلا دیا۔

بہاءالدین ان کے کارناموں کو بغور سُنتا رہا۔ اسے یہ واقعہ ایک ایسے آزمودہ کار اور ہوشیار بُڈھے سپاہی نے سُنایا جو عیسائیوں کی خندق کو عبور کر کے ان کے پڑاؤ میں گُھس گیا تھا۔

"پُشتے کے پیچھے ایک عورت سبز عبا میں ملبوس کھڑی تھی۔ وُہ چوبی کمان سے ہم پر تیر برساتی رہی۔ اس نے کئی سپاہیوں کو زخمی کیا۔ بالآخر چند سپاہیوں نے اس پر قابو پا لیا۔ ہم نے اسے قتل کر کے اس کی کمان سُلطان کو پیش کی اور سُلطان یہ

واقعہ سُن کر حیران رہ گیا“۔

خُون ریز لڑائی جاری رہی اور بالآخر عیسائی خندق بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غُروبِ آفتاب کے وقت مُسلمانوں کا رسالہ واپس چلا گیا۔

بہاءالدین لکھتا ہے کہ عشا کے بعد سُلطان اپنی لشکر گاہ میں پہنچا۔ وُہ تکان سے چُور اور فکر مند تھا۔ اِسی حالت میں وُہ بستر پر لیٹ گیا اور ہلکی سی نیند سو گیا۔ اِس نے فجر سے پہلے اُٹھ کر دوبارہ طبلِ جنگ بجانے کا حُکم دے دیا۔ چُنانچہ سپاہی لیس ہو کر اپنے اپنے دستوں کی طرف بھاگنے لگے۔ اور دوبارہ جنگ کے لیے مُستعد ہو گئے۔

رچرڈ کو یارائے شکیب نہ رہا۔ بُخار کے باوجود وُہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ چُنانچہ اِس نے خدمتگاروں کو حُکم دیا کہ میرا بستر اُٹھا کر میدانِ جنگ میں لے چلو۔ انھوں نے اس کا بستر ایک ٹیلے پر لگا دیا۔ اِس ٹیلے پر ایک کمین گاہ تھی جس پر بید کی چھت تھی۔ اِس چھت میں ایک روزن تھا جس سے عکّہ کی دیواریں اور منحوس بُرج کی شکستہ چوٹی نظر آتی تھیں۔ یہاں سے انگریزی فوج کی پیش قدمی کا بھی نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ جو بُرجِ منحوس پر یورش کر رہی تھی۔

رچرڈ کہنی کے سہارے اُٹھ کر میدانِ جنگ کا نظارہ کرتا رہا۔ اِسے قوی ہیکل بابوں اور منجنیقوں کے چلنے کی گھرر گھرر، لکڑی چیرنے کی کھٹ کھٹ اور فولادی تلواروں کی جھنکار صاف سُنائی دیتی تھی۔ جنگ پُورے زور شور سے جاری تھی۔ رچرڈ کے خُون کی حرکت تیز ہو گئی۔ اس نے اپنی کمان[1] منگوائی اور نہایت ماہرانہ انداز میں روزن سے تیر چلانے لگا

انگریزوں نے مربع بُرج کی بُنیاد تلے سُرنگ کھود کر اس کے نیچے لکڑی کا ڈھانچہ کھڑا کر دیا تھا۔ انھوں نے اِس لکڑی کے ڈھانچے کو آگ لگائی تو سوراخوں سے دھوئیں کے

---

[1] CROSS BOW یہ ایک خاص قسم کی کمان ہوتی تھی جس میں علیحدہ گز چلتا تھا۔ (مترجم)

بادل اُٹھے اور آہستہ آہستہ بُرج کی عمارت باہر کی طرف جُھکنے لگی۔ بالآخر دیوار زمین کے سہارے ٹھہر گئی اور محاصرین کی طرف جھک کر رہ گئی۔ دیوار بدستور کھڑی رہی۔

رچرڈ نے مُناد کو بُلایا اور حُکم دیا کہ یہ اعلان کردو کہ جو شخص اِس بُرج سے پتھر اُکھاڑ کر لائے گا اِسے دو بیزنطینی[1] دینار دیئے جائیں گے۔ مُناد نے ٹیلے پر چڑھ کر بِگل بجایا۔ اور شاہی حُکم کا اعلان کر دیا۔

سپاہیوں نے اعلان سُنا اور جُھکے ہوئے بُرج کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ بُرج پر مُسلمان تیر انداز کھڑے تھے اِس لیے کسی کو بُرج کے قریب جانے کی جُرأت نہ ہوئی۔ پھر بادشاہ نے معاوضہ بڑھا کر فی پتھر تین اور چار دینار کر دیا۔ یہ سُن کر انگریزی فوج کی چند ٹکڑیوں نے تلواریں نیام میں کیں اور لوہے کی سلاخیں اور ہتھوڑے لے کر بُرج پر ٹوٹ پڑے۔ اُدھر سے مُسلمان تیر اندازوں نے تیروں کی سخت بوچھاڑ شروع کر دی۔ کئی انگریز تیروں کا نشانہ ہو کر رہ گئے۔ کئی بھاگ نکلے اور چند ایک بُرج کے قاعدے تک جا پہنچے۔ انھوں نے بُرج کے پتھر نکالے اور اُفتاں وخیزاں بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔

شام تک بُرج القتال (منحوس بُرج) بدستور قائم تھا۔ رات بھر فرنگی سپاہی بُرج کے پتھر اُکھاڑنے میں مصروف رہے۔ چاروں طرف پتھر بکھرے پڑے تھے۔ رات کی تاریکی میں فرنگی سپاہی گورستان کے خرابات میں ناچتے ہوئے غولِ بیابانی کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ وہ دبے پاؤں نکلتے اور اپنے مقتولین کی لاشیں کھینچ کر خندق میں ڈالتے جاتے۔ وہ گھوڑوں کی لاشوں، شہتیروں اور پتھروں سے خندق کو پُر کرتے رہے اور ان کے ساتھی تلواریں اور تبر سونتے پہرہ دیتے رہے۔

دُھندلی سی چاندنی میں بُرج کے کنگروں پر خود پوش مُسلمان تیر اندازوں کی موہوم سی

---

[1] انگلستان میں بیزنطینی طلائی سکے دسویں صدی مسیحی تک مروّج رہے۔ (مترجم)

شکلیں دکھائی دیتیں۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر اندھیرے میں متحرک سایوں کو دیکھتے اور پھر سائیں سائیں کرتے تیر تاریک فضا کے سینے میں پیوست ہو جاتے۔ حصار کے شکستہ حصّوں اور شگافوں پر مسلمان سپاہی مدافعت کر رہے تھے۔ یہ فاقہ کش اور نیند کے مارے سپاہی انسانوں کے بجائے انسانی ہمزاد معلوم ہوتے تھے۔ وہ تبر اور خنجر لیے اندھیرے میں راستہ ٹٹولتے ہوئے نکلے اور خندق تک جا پہنچے۔ وہ خندق کے پُر شدہ حصّوں کو خالی کرنے لگے۔ وہ انسانوں اور گھوڑوں کی اکڑی ہوئی لاشوں کو دھڑا دھڑ کاٹتے اور کٹے ہوئے اعضاء اپنے ساتھیوں کو دے دیتے جو عکّہ کے بازاروں سے گزرتے ہوئے انھیں سمندر میں پھینکتے جاتے +

پھیکی چاندنی میں چند سائے رات بھر خندق کو پُر کرتے اور چند سائے اُسے خالی کرتے رہے +

بالآخر بُرجِ منحوس سے دھوئیں اور غبار کے بادل اُٹھے اور بُرج ٹوٹ کر گر گیا۔ اس طرح ملگجی شہر پناہ میں ایک بہت بڑا شگاف ہو گیا۔ جیسے چیونٹیاں اپنے شکستہ دمکوڑے کی مرمت کے لیے جوق در جوق اکٹھی ہو جاتی ہیں اسی طرح خستہ حال محصورین کا جمِ غفیر فصیل کے شگافوں کو پُر کرنے کے لیے جمع ہو گیا۔ وہ پتھروں، لاشوں اور شکستہ منجنیقوں کی لکڑیوں کے انبار جمع کر کے تیزی سے مورچے بناتے اور مورچہ مکمل بھی نہ کر پاتے کہ گرد و غبار میں چھپے ہوئے عیسائی حملہ آور اچانک ٹوٹ پڑتے اور ان مورچوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے۔ ارل آف لیسٹر اور شیمپنی اور بشپ آف سالسبری عیسائی چھاپہ ماروں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان کے عَلَم رفتہ رفتہ فصیل کے قریب پہنچ گئے تھے، وہ پتھروں کو پھلانگتے ہوئے، تلواریں سونتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اور دشمن کے پرخچے اُڑاتے آگے بڑھتے گئے۔ ان کے خشک گلوں سے پُرجوش نعروں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"مزار مسیح"۔ "مزار مسیح"

مُسلمان تیر انداز بھاگ کر اُونچی جگہوں پر چڑھ گئے اور حملہ آوروں کو نشانہ بنانے لگے۔ بالآخر عیسائی جان باز لڑتے بھڑتے، گرتے پڑتے مورچوں پر قابض ہو گئے۔ وُہ پُشت با پُشت کھڑے شمشیر زنی کے جَوہر دکھلاتے رہے۔ یہاں تک کہ چاروں طرف محافظین کی لاشوں کے پُشتے لگ گئے۔ انھوں نے لاشوں کے انبار پر کھڑے ہو کر فصیل پر جھنڈا لہرا دیا۔ جوں ہی جھنڈا بلند ہُوا۔ دُور سے فضا میں ایک پُر مسرّت نعرہ گونج اُٹھا۔

"اِنگلستان پر سینٹ جارج کی رحمت ہو!"

ایک جوشیلا نائٹ آگے بڑھا، یہ آبری کلیمنٹ تھا۔ اِس نے قسم کھائی تھی کہ یا تو آج عکّہ میں داخل ہو جاؤں گا یا مر جاؤں گا۔ وُہ تُرکوں کے خوفناک جوابی حملے میں مارا گیا۔ مُسلمان سر فروش خنجروں اور ٹُوٹی ہوئی تلواروں سے نصرانیوں پر ٹُوٹ پڑے اور دُشمن کو شگاف سے ہٹا دیا۔[1] وہ شُعلہ اندازوں" کی آمد تک شگاف پر ڈٹے رہے۔

شعلہ اندازوں کی پچکاریوں سے یک دم مشعلوں کے سوتے پھوٹے اور نفت و آتش کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ جس میں کئی حملہ آور جھلس اور جل گئے۔ وہ حملہ آور جو دشمن کی

سلہ اگرچہ عام طور پر مسلمان مؤرخ آتشبار آلات کو چلانے والوں کو نفت انداز کہتے ہیں لیکن اس سے مسلمانوں کے "فن آتشباری" اور "آتش سازی" کا صحیح تصوّر قائم نہیں ہوتا۔ اِس لئے ہم نے FLAME THROWER کا ترجمہ نفت انداز کے بجائے شُعلہ انداز کیا ہے جو اصلیت ہے۔ نفت دراصل گندھک اور "تیرا" (TAR) کا آتشگیر مرکب ہوتا تھا لیکن جو آتشگیر سیال شُعلہ انداز اپنی لمبی پچکاریوں سے پھینکتے تھے۔ وُہ نفتِ محض سے مختلف تھا۔ اِس کا نُسخہ ہمیں تاریخوں میں دستیاب نہیں ہو سکا۔

مسلمانوں کی آتش باری اور شُعلہ اندازی کے مقابلے میں پُر جوش صلیبیوں کی بے بسی سے مسلمانوں کا سائنسی کمال اور ہُنر مندی ظاہر ہوتی ہے۔ اِس دَور کے مُسلمان صرف جنگی قائد نہ تھے بلکہ علوم و فنون کے امام بھی تھے۔ (مترجم)

شمشیرِ آبدار سے نہیں گھبرائے تھے، ان آتشیں فواروں کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ وہ تیزی سے پسپا ہوئے، کئی خندق کے ملبے میں گرے اور کئی بلند فصیل سے گر کر مر گئے۔ اِس طرح انگریزی فوج کو مار کر شگاف سے پیچھے دھکیل دیا گیا اور تھکے ماندے ترک خوشی سے دُشمن پر آوازے کسنے لگے۔

لیکن اِس آتش باری اور جوابی حملے میں محصورین کی رہی سہی قوت بھی صرف ہو گئی۔ جمعہ ۱۲ جولائی کو ایک تیراک دُور ساحل پر پہنچا۔ اسے سُلطان کے حضور میں پیش کیا گیا۔ وہ عکّہ کے امیروں کا پیغام لایا تھا۔

بہاءالدین وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "خط سے ظاہر ہوتا تھا کہ محصورین کی قوت جواب دے چکی ہے، اِن کے وسائل ختم ہو چکے ہیں اور وہ چوڑے شگاف کی مدافعت کرنے سے قاصر ہیں۔ مَوت ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی انھیں یقین تھا کہ اگر دشمن نے شہر کو بزورِ فتح کر لیا تو سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے شہر کو دشمن کے حوالے کرنے کے لیے معاہدے کی قرارداد پیش کی۔ سُلطان نے خط پڑھتے ہی امیروں کی مجلس مشاورت طلب کی۔ مشاورت ختم ہونے کے بعد سُلطان نے تیراک کو بلایا اور اسے پیغام دیا کہ ہمیں قراردادِ صُلح کی شرائط منظور نہیں۔

صلاح الدین مجلسِ مشاورت سے چُپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔ اِس رات وُہ پریشان اور کھویا کھویا سا بیٹھا رہا یکدم سامنے فصیل پر روشنیاں جگمگا اُٹھیں اور ہمیں دُشمن کے پرچم لہراتے نظر آئے۔ فصیل پر صلیبیں نصب تھیں۔ فصیل پُر مسرت روشنی سے منوّر تھی"۔

عکّہ مفتوح ہو چکا تھا۔

۲۱

قتل

عکّہ فتح کرنے کے بعد عیسائی فوج کا رنگ بدل گیا۔ موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں مناجیق اور دبابے پا بہ جولاں عفریتوں کی طرح میدان میں خاموش کھڑے نظر آتے۔ سپاہیوں نے مہینوں کی محنت شاقہ کے بعد اپنی زرہیں اُتار پھینکیں اور مزے کرنے لگے جیسے کوئی تشنہ لب اور خستہ جان مسافر منزل پہ پہنچ کر شام کے خنک سایوں میں مزے لے لے کر شراب پیئے ویسے ہی وہ آرام و عشرت کے لمحات کا لطف اُٹھا رہے تھے۔

وہ اپنی پرانی قیام گاہوں میں منتقل ہو گئے۔ وہ دن بھر مسلمان اسیروں کا تماشا کرتے رہتے، جو پانی کی بالٹیاں اور برش لے کر گرجے کی دیواروں سے چونے کا پلستر دھو دھو کر صاف کرتے۔ یہ گرجا مسجد میں تبدیل کیا گیا تھا۔ اِس کی دیواروں سے پلستر صاف ہوا تو پھر مسیحی اولیا اور رسولوں کی رنگ برنگ شبیہیں نمودار ہو گئیں۔ شاید یہ تصویریں پلستر کے دبیز پردوں میں چھپی عیسائیوں کی آمد کی منتظر تھیں۔

عیسائی فوج کا جذباتی کھچاؤ کم ہو گیا۔ پہلے تو انھیں اچھی طرح نیند نہ آتی لیکن بعد میں وہ ایسے خواب گراں میں ڈوبے کہ احساس درد و کرب کی تلخی اور وحشت ناک صدموں کی یادیں بھی ماند پڑ گئیں۔ ان کے ذہن سے ان قبروں کا تصور بھی غائب ہوتا گیا جن سے سارا میدان پٹا پڑا تھا۔ ان قبروں میں تین فرمانروا شہزادے، چھ بطریق، چالیس کاؤنٹ، پانچ سو امیر اور غالباً اسی ہزار عام سپاہی موت کی نیند سو رہے تھے۔[1]

عیسائیوں نے بڑی قربانیاں دے کر عکہ فتح کیا تھا۔ البتہ ان میں یہ حوصلہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہم فتح و کامرانی سے جلد ہمکنار ہونے والے ہیں اور یروشلم کی راہیں کھلی ہیں۔

آرام و عیش کی فضا میں زرہ پوش سپاہی دوبارہ آدمی بن گئے۔ ان کی ذاتی خواہشات عود کر آئیں اور شکایات کے دفتر دوبارہ کھل گئے۔ جنگ کے ساتھیوں نے پرانے حساب چکائے اور شراب خانوں کی راہ لی۔ درباری لباس پہنے امراء اپنی بیگمات کے ہمراہ بڑے طمطراق سے گھوڑوں پر سوار بازاروں میں نکلتے۔ جشن مسرت کی رونق میں اضافہ کرنے کے لیے کئی عورتیں صور سے آئیں۔ جام سے جام ٹکراتے اور مطرب خوشی کے گیت گاتے رہے۔

یروشلم کی بادشاہت کا مسئلہ حل کرنے کے لیے امیروں کی مجلس مشاورت طلب

---

[1] فوج اور مقتولین کی تعداد کے متعلق مؤرخوں کے بیان میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ مسلمان تذکرہ نگاروں کا اندازہ ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار عیسائی عکہ کے میدان میں مارے گئے۔ ممکن ہے یہ تخمینہ درست ہو۔ مختلف عیسائی دستوں کی تعداد کا میزان کیا جائے تو ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک جا پہنچتی ہے۔ فوج کے نامور سالاروں اور مشہور نائٹوں کے مقتول ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی فوج کی نصف تعداد تلف ہوئی جسے موجودہ زمانے میں دس لاکھ سپاہیوں کے برابر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان نقصانات میں جرمن فوج کے وہ نقصانات شامل نہیں جو انھیں ایشیائے کوچک میں اٹھانے پڑے۔ (مصنف)

کی گئی۔ یہ مسئلہ نہایت اہم تھا کیونکہ اسی سوال پر امراء دو گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ یروشلم کی سلطنت نہایت محترم سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ شاہِ یروشلم کو محض دُنیاوی تاجدار کی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ سلطنت ربانی کے اختیارات کا بھی حامل تھا۔

مجلسِ مشاورت میں شاہ فلپ آگسٹس بھی موجود تھا۔ وہ سیاہ لباس پہنے تھا اس کے جوان چہرے پر قبل از وقت تفکرات کی جھریاں نمودار ہو گئی تھیں۔ طویل الاعضا چوڑ گلابی رنگ کی قمیص اور شکاری ٹوپی پہنے بیٹھا تھا۔ اس کی لمبی تلوار چاندی کے پترے سے منڈھی پیٹی میں لٹک رہی تھی۔ وہ بظاہر اپنے عصا سے کھیل رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ہوشیاری اور گہری دلچسپی کی چمک تھی۔ وہ اس تنازعے میں اپنی بات منوانے پر تُلا ہُوا نظر آتا تھا۔ اس کے پیچھے خاموش ارل آف لیسٹر، ہنری کاؤنٹ آف شیمپین کھڑے تھے۔ موخر الذکر دونوں بادشاہوں کا بھانجا تھا لیکن اس کے باوجود مُفلس شخص تھا۔ تذکرہ نویسوں کے قول کے مطابق "اسے دو وقت کا کھانا مُشکل سے نصیب ہوتا"۔

انگریز امراء کے ساتھ ٹمپلر سردار سفید چُغے پہنے بیٹھے تھے۔ اس کے علاوہ لوسگنان خاندان کے تینوں بھائی موجود تھے۔ یعنی نام نہاد بادشاہ گائی، جنگجو جافرے اور کانسٹیبل کے عُہدہ پر فائز اَمالریک۔ فرانسیسیوں کے حامیوں میں اہل پیزا کے علاوہ وہ امیر بھی تھے جنھوں نے جھگڑا کھڑا کیا تھا۔ ایک طرف گانٹھ کا پُورا اور ہٹ دھرم کاؤنٹ کونارڈ آف مانسریٹ پُراسرار طور پر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ اپنے فائدے کی تاک میں تھا۔ وہ بیچارے گائی کو ایک زک تو دے چکا تھا۔ یہ واقعہ پچھلے سال ہُوا۔ گائی کی بیوی ملکہ سبل نے کونارڈ کی چھاؤنی میں پناہ لی تھی۔ وہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گئی۔ امیروں کی مجلس مشاورت طلب کی گئی جس نے متفقہ طور پر سبل کی چھوٹی بہن ازابیل کا حق تسلیم کر لیا اور اسے ملکہ بنا دیا گیا۔ یہ امر کونارڈ کو سخت ناگوار گزرا۔ کیونکہ ازابیل شادی شُدہ عورت تھی۔ ہمفرے آف ٹورون سے اس کی شادی

ہنگامہ خیز حالات میں قلعہ کرک میں سرانجام پائی تھی۔ ہمفرے نرم خو اور شاہانہ صفات سے عاری تھا۔ ازابیل عنفوانِ شباب میں تھی اور اس کی عمر بیس سال تھی۔ وہ ہمفرے سے والہانہ محبت کا دعوے کرتی اور اسے ہمفرے کی جدائی ہرگز گوارا نہ تھی، لیکن کونارڈ نے ازابیل کی محبت کو شکست دینے کی بھی تدبیر نکال لی۔ اس نے ازابیل کی ماں اور چند کٹنیوں کو ازابیل کے بہکانے پر مامور کر دیا۔ انہوں نے ازابیل کے ضمیر میں یہ کانٹا چبھو دیا کہ دراصل یہ شادی ناجائز ہے کیونکہ سنِ بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہوئی تھی۔ بالآخر ازابیل ان کے دام تزویر میں پھنس گئی اور اربابِ کلیسا نے اس کے عقد کو کالعدم قرار دے دیا۔ بس کونارڈ کے لیے راہ صاف تھی۔ اس نے فوراً ازابیل سے شادی کر کے یروشلم کے تخت و تاج کا مطالبہ پیش کر دیا۔

کونارڈ کے متعلق کئی نازیبا افواہیں گرم ہو گئیں۔ لوگ کہنے لگے کہ کونارڈ کی ایک بیوی قسطنطنیہ میں ہے اور دوسری بیوی کو وہ اپنے وطن اطالیہ میں چھوڑ آیا ہے امبروز جسے کونارڈ سے سخت نفرت تھی، یوں رقمطراز ہے: "اب اس نے تیسری شادی رچالی۔ یہی وجہ ہے کہ بطریقِ اعظم نے بھی بلا تامل کہہ دیا تھا کہ اس شادی سے خدا کو کیا سروکار۔"

اس جاہ طلب اطالوی شہزادے نے لوگوں کی افواہوں اور شکایتوں کی ذرہ بھر پروا نہ کی۔ گائی کے سوتیلے بھائی جافرے نے کونارڈ کو دعوتِ مبارزت دی لیکن وہ صاف کنی کترا گیا۔ ٹمپلروں کے سردار، گائی کو تخت و تاج کا جائز وارث سمجھتے تھے۔ کونارڈ نے ان کی مخالفت کو نیچا دکھانے کے لیے فلپ آگسٹس کی حمایت حاصل کر لی۔ اس نے شاہ فلپ آگسٹس کے مزاج میں اس قدر رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ وہ اسے رچرڈ کے خلاف اکسانے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے ایما پر فلپ نے رچرڈ سے جزیرہ قبرص کے نصف حصے کا مطالبہ کیا۔ لاابالی رچرڈ نے

گائی کی اعانت کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے حریف فلپ آگسٹس کو آدھا جزیرہ قبرص دینا منظور کر لیا لیکن یروشلم کی بادشاہت کے تنازعے میں فلپ کی ایک نہ چلنے دی۔ صلیبی جنگ سے دونوں بادشاہوں کی پنہاں مخاصمت کی آگ علانیہ بھڑک اٹھی۔ رچرڈ متحدہ فوج کا سپہ سالارِ اعلےٰ بننے کا طلبگار تھا۔ اس سے دونوں کی باہمی مناقشت کی خلیج وسیع تر ہو گئی۔

امراء کی مجلس مشاورت میں یروشلم کی بادشاہت کے تنازعے پر خوب لے دے ہوئی، کیونکہ عیسائیوں کی نظر میں یروشلم کی شاہی تمام ارضی اعزازات سے اعلےٰ تھی۔ بالآخر مخالف گروہوں میں ایک سمجھوتہ ہو گیا۔

زندگی بھر گائی یروشلم کا تاجدار رہے گا اور اس کی وفات کے بعد کونارڈ یا اس کا بیٹا تخت و تاج کا وارث ہو گا اور اگر کونارڈ، گائی سے پہلے مر جائے تو شاہ رچرڈ (بشرطیکہ وہ مشرق میں مقیم ہو) کو مکمل اختیار ہو گا کہ وہ جیسے چاہے سلطنت کے مستقبل کا فیصلہ کرے۔

یہ تھا مجلسِ مشاورت کا فیصلہ۔ اس فیصلے سے دو چیزیں واضح ہو گئیں کہ اب یروشلم کے امراء بادشاہ منتخب کرنے کے حق سے محروم ہو گئے ہیں اور بالڈون اوّل کے زمانے کی روایت ختم ہو گئی ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ مشرقی سیاست میں مغربی سیاست کا دخل و اثر شروع ہو گیا ہے۔ مجلسِ مشاورت کے معزز امیروں میں بالین آف ابلین اور ہمفرے آف ٹورون کے سوا کوئی بھی اوّلین صلیبی حملہ آوروں کی اولاد سے نہ تھا۔ ٹمپلرزں کو خاصا اقتدار حاصل تھا لیکن اب زمامِ اختیار ان کے ہاتھوں سے نکل کر یورپ کے بادشاہوں اور طاقتور شہزادوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ یورپی بادشاہ صلیبی محاربے کے حقیقی سردار اور قائد بن گئے تھے۔

مجلسِ مشاورت کے بعد فلپ آگسٹس نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا۔ رچرڈ کی

لاابالی حرکات سے اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ ڈیوک آف فلینڈرز کی موت سے فرانس میں اس کے اقتدار کے لیے میدان صاف ہو گیا تھا اس لیے وہ جلد فرانس پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے بیماری کا بہانہ کر کے فوری طور پر واپسی کا اعلان کر دیا۔

فرانسیسی فوجوں کو یہ اعلان سخت ناگوار گزرا۔ کئی فرانسیسی امراء نے اس سے جنگ کے اختتام تک توقف کرنے کی درخواست کی لیکن بے سود۔ البتہ اس نے نہایت معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے اپنی فوج کی بیشتر تعداد ڈیوک آف برگنڈی کی زیرِ قیادت عکہ میں چھوڑ دی۔ لیکن خود واپس چلا گیا۔ اس کی عجلت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس نے رچرڈ سے دو تیز رفتار جہازوں کی فرمائش کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔

اگرچہ فلپ کی واپسی رچرڈ کے لیے خطرے سے خالی نہ تھی پھر بھی وہ اولوالعزم جنگ آزما حرفِ شکایت زبان پر نہ لایا۔ البتہ اس نے امراء و اکابر کے روبرو فلپ آگسٹس سے حلف کی تجدید کرائی اور اس سے یہ عہد بھی لیا کہ میری غیر حاضری میں سرزمینِ انگلستان اور انگلستان کے حلیفوں کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔

شاہِ فرانس نے بخوشی حلف اٹھایا اور بلا تردد سال کے آخر تک حلف کو توڑ دیا۔ ایمبروز کے قول کے مطابق "لوگ اسے دعائیں دینے کے بجائے اس پر لعنتیں بھیجتے تھے۔"

بہر کیف رچرڈ شیر دل خوش تھا۔ اب وہ صحت یاب ہو چکا تھا اور اس کے مضبوط جسم میں توانائی کی نئی لہر دوڑ رہی تھی۔ کسی امیر کو اس سے مزاحم ہونے کی جرأت نہ تھی۔ اور ساری سرزمین فلسطین اس کے ارادوں کی جولانگاہ تھی۔ صرف کونارڈ ہی رچرڈ سے تعرض کر سکتا تھا لیکن اسے بھی علانیہ مخالفت کا حوصلہ نہ ہوا اور وہ ذاتی مصلحت کی بنا پر واپس صور چلا گیا۔ جو مسلمان بطور یرغمال فلپ کے حصے میں آئے تھے وہ انہیں بھی

ساتھ لے گیا۔ پھر اس نے رچرڈ شیر دل کے بلاوے کی چنداں پروا نہ کی۔

حسنِ اتفاق یا سوئے اتفاق سے اب صلیبی جنگ کی قیادت رچرڈ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے بے پناہ عزم اور ولولے سے فوج میں جوش کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اس جوش و خروش کا پہلا مظاہرہ اسیرانِ جنگ کے قتلِ عام کی صورت میں ہوا۔

عکہ والوں نے بڑی کڑی شرائط پر ہتھیار ڈالے تھے۔ صلاح الدین کے امیروں نے مسلمانوں کی جاں بخشی کے عوض یہ شرائط قبول کی تھیں کہ شہر صحیح و سالم سپرد کر دیا جائے گا، دو لاکھ طلائی دینار بطور زرِ فدیہ ادا کیا جائے گا اور سولہ سو[16] عیسائی اسیرانِ جنگ رہا کیے جائیں گے۔ جن میں ایک سو نامور اور نام ور عیسائی امیر بھی شامل ہوں گے اور مقدس صلیب الصلبوت بحفاظت واپس کر دی جائے گی۔

جب صلاح الدین کو یہ شرائط معلوم ہوئیں تو وہ سخت پریشان ہوا۔ ان شرائط کی تعمیل صلاح الدین کی مرضی پر منحصر تھی لیکن اسے اپنے تین ہزار سپاہیوں اور دو[2] امیروں کی سخت فکر لاحق تھی۔ اس نے صلیبیوں سے دریافت کیا کہ زرِ فدیہ کی ادائی میں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسے جواب موصول ہوا کہ تین مہینوں کی مہلت دی جائے گی اور ہر مہینے کے بعد ایک تہائی شرائط کی تعمیل لازمی ہوگی۔

مہینے کی پہلی تاریخ گزر گئی۔ عیسائی صلیب الصلبوت کے منتظر تھے جو معرکہ حطین میں مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھی۔ جب دور سے مسلمانوں کا کوئی گروہ عکہ کی طرف آتا ہوا نظر آتا تو عیسائی وفورِ شوق سے چلاتے ہوئے نکل آتے۔

"وہ صلیب الصلبوت آ رہی ہے"۔

لیکن مقدس صلیب کا کہیں نام و نشان تک دکھائی نہ دیا۔ اس کے بجائے صلاح الدین نے سفیر بھیجے جنہوں نے سلطان کے نقطہ نظر کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ سلطان بطیبِ خاطر شرائط پوری کرنے پر رضامند ہے بشرطیکہ عیسائی مسلمان اسیروں کی

رہائی کی ضمانت کے طور پر یرغمال سلطان کے سپرد کر دیں ؛

رچرڈ نے سلطان کی تجویز کو رد کرتے ہوئے اُس سے غیر مشروط ادائی کا مطالبہ[1] کیا۔ اسی طرح دن گزرتے گئے اور سلطان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ سلطان کے ارادے کیا تھے، البتہ یہ بات واضح ہے کہ اسے صلیبیوں کی نیت پر شک تھا اور شاید وہ قیدیوں کی پہلی قسط کی واپسی کا منتظر تھا ؛

لیکن رچرڈ کے رویے کے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی۔ اس نے عکّہ میں اکابر و امراء کی مجلس مشاورت طلب کی اور ایک نہایت خونیں فیصلہ کیا۔ چھبیس سو مسلمان اسیران جنگ کو ہانک کر کھلے میدان میں لے جایا گیا۔ جہاں کھمبوں سے رسیاں باندھ کر ان پر کمبل لٹکا دیے گئے تھے، یہ مقتل تھا مسلمان قیدیوں کی مشکیں کس کے ان کے سر قلم کر دیے گئے اور باقی ماندہ کو مسلمانوں کے گشتی دستوں کی نظروں کے سامنے شولی پر لٹکا دیا۔ انہوں نے یرغمال میں سے صرف چند اعلےٰ امراء کی جان بخشی کی اور

---

[1] بہاءالدین ایسے مقام کا حامل تھا کہ اسے صحیح حالات سے بے خبر نہیں کہا جا سکتا لیکن وہ فطری طور پر صلیبیوں سے تعصب رکھتا تھا۔ بہرکیف وہ صلاح الدین کے جواب کا یوں تذکرہ کرتا ہے "دو چیزوں میں سے ایک کرو۔ ہمارے رفیق (اسیرانِ عکّہ) ہمیں واپس بھیج دو اور اس شرط کی تکمیل کے لیے مقررشدہ رقم وصول کر لو۔ اس کے بعد قرار داد معاہدہ کی باقی ماندہ شرائط کے ایفاء کے لیے ہم اپنے آدمی بطور ضمانت تمہارے حوالے کر دیں گے یا متبادل تجویز مان لو۔ جو کچھ ہم آج پیش کر سکتے ہیں اسے قبول کر لو اور اپنے آدمی بطور یرغمال ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہارے یرغمال کو اُس وقت تک پاس رکھیں گے جب تک کہ ہمارے رفیق ہمارے پاس نہ پہنچ جائیں"۔

بہاءالدین لکھتا ہے کہ اہل فرانک کے سفرا نے یہ جواب دیا۔

"ہم کو ان دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں۔ ہمیں مقررہ رقم بطور زرِ فدیہ ادا کر دو اور اسیران جنگ کی رہائی کی ضمانت کے لیے ہمارے مقدس حلف پر اعتماد کرو"۔ (مصنف)

باقی سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

غیظ و غضب سے بھرے ہوئے مسلمان رسالے نے عیسائیوں پر پُرجوش دھاوا بول دیا۔ ابھی خونِ شہیداں خشک بھی نہ ہوا تھا کہ اِس میدان میں دوبارہ تلواریں ٹکرانے لگیں بالآخر رسالہ پسپا ہو گیا اور اس نے سلطان کو اس حادثۂ فاجعہ کی خبر دی۔

بلاشبہ سلطان کو اِس بربریت کی توقع نہ تھی مسلمانوں کے قتل کا اسے بہت صدمہ ہُوا اِسی غم و غصّہ کی وجہ سے اس نے کافی دنوں تک عیسائی اسیرانِ جنگ سے نرمی کا برتاؤ نہ کیا لیکن سلطان نے اِس قتل عام کے جواب میں انتقامی طور پر ان عیسائی اسیروں سے جو اس کے قبضے میں تھے کوئی تعرض نہ کیا۔

رچرڈ کے اِس ظالمانہ فعل سے مسلمانوں کے جذبات سخت مشتعل ہو گئے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرارداد معاہدہ کی رُو سے رچرڈ من مانی[1] کارروائی کرنے کا مجاز تھا عیسائی محاصرے کے دوران میں لڑائی کے سخت دَور سے گزُرے تھے۔ انہوں نے بھاری نقصانات اُٹھائے تھے۔ وہ اپنے مقتولوں کو نہیں بھولے تھے۔ ان کے دلوں کے زخم ہرے تھے۔ وہ مسلمانوں کو گردن زدنی کافر سمجھتے تھے لیکن عیسائیوں کے اِن تند و تیز جذبات کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اِس غیر ضروری کُشت و خُون سے رچرڈ کی ناموس و عزّت ہمیشہ کے لیے داغدار ہو گئی۔ سُلطان

---

[1] مصنف کا یہ خیال غلط ہے کہ رچرڈ قرارداد معاہدہ کی رُو سے اسیرانِ جنگ کے قتل کا مجاز تھا۔ رچرڈ کا یہ فعل سراسر اس کی بہیمانہ فطرت کا مظہر تھا۔ اس نے سلطان کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے سے انکار کر دیا اور پھر نہ صرف اسیران جنگ کو بلکہ امرائے یرغمال کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ سفرا اور یرغمال کا قتل تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اِس کُشت و خُون کا کوئی جواز نہیں کیونکہ تمام مؤرخین نے اس کی بزور مذمت کی ہے۔ اِس ضمن میں مین پول کے الفاظ قابل غور ہیں کہ "پیشتر اِس کے کہ خدا عیسائیوں کو چھوڑتا عیسائیوں نے خدا کا دامن چھوڑ دیا"۔ (مترجم)

صلاح الدین پر صد آفرین کہ اس عالی حوصلہ انسان نے صرف علانیہ جنگ میں دشمن سے بدلہ لیا۔

اس کشت و خون کے آخری باب میں طربیہ کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔ عکہ کے دونوں امیر ذاتی ضمانت پر قید تھے۔ عیسائیوں نے امیر الاکراد مشطوب کا جاں بہا آٹھ ہزار دینار اور قراقش کا جاں بہا تیس ہزار دینار مقرر کیا تھا۔ مشطوب نے یوں ہی اپنے دشمنوں سے اپنے رفیق کار کے جاں بہا کی رقم پوچھی تو ان کا جواب سن کر اس نے غصّے سے کہا۔

"خدا کی قسم میں اور وہ دونوں برابر ہیں۔ اگر میری قیمت صرف آٹھ ہزار ہے تو قراقش کے تیس ہزار کوئی نہیں دے گا"۔

یہ سن کر عیسائی امیر خوب ہنسے اور بوڑھے کرد امیر مشطوب کے زر فدیہ کی رقم بھی بڑھا کر تیس ہزار دینار کر دی۔

اس اثنا میں رچرڈ یروشلم پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔

رچرڈ کو آئے ہوئے دو مہینے نہیں گزرے تھے کہ ساری فوج نے اسے اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ حسب و نسب کے لحاظ سے وہ تمام امراء میں ممتاز تھا اور شاہ انگلستان ہونے کی حیثیت سے سب امراء و اکابر میں منفرد، سرداری اس کا قانونی حق تھا۔ رچرڈ ایسی صلاحیتوں کا مالک تھا کہ وہ کسی بھی فوج کا قدرتی سردار ہوتا۔

رچرڈ کے کردار کے اصلی خد و خال متعیّن کرنا بہت مشکل ہے۔ مطربوں کی فسانہ طرازیوں اور صدیوں کی روایتوں میں سے حقیقت اور افسانے کے اجزا علیحدہ نہیں کیے جا سکتے۔ ہم رچرڈ شیر دل کے کردار اور فطرت کا تجزیہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ امتداد زمانہ سے اس کے خد و خال بہت مدھم اور ماند پڑ چکے ہیں۔ البتّہ ہمیں اس کی زندگی کے متعلّق چند تاریخی حقائق حتمی طور پر معلوم ہیں۔ رچرڈ کی ماں کا نام ایلینار آف گائن تھا۔ رچرڈ اس کی آخری عمر میں پیدا ہوا تھا۔ وہ فرانس کے اس شاہ لوئیس کی

سابقہ ملکہ تھی جو ۱۱۴۹ء کی صلیبی جنگ میں عیسائی فوجوں کا ایک سردار تھا۔ شاہ لوئیس اپنی ملکہ کی ہٹ دھرمی سے اِس قدر بیزار ہُوا کہ اس نے صلیبی جنگ کو خیرباد کہا اور واپس آکر اسے طلاق دے دی۔ نامساعد حالات میں بھی خوبصورت ایلینار ثابت قدم رہی اور اس نے ہنری ڈیوک آف آنجو سے شادی کر لی۔ ہنری نہایت ظالم، مکّار اور تند خُو تھا، لیکن ایلینار کو وُہ بھی نہ دبا سکا۔ وُہ مردانہ لباس پہن کر کُھلم کُھلا مقابلے سے بھی نہ گھبراتی، بالآخر اس نے اپنے خاوند کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کر دیا، جو اس دَوران میں انگلستان کا بادشاہ بن چکا تھا۔ ہنری خاصا لائق حُکمران ثابت ہُوا۔ اس نے کلیسائے روم کے رُوحانی اقتدار کے خلاف بغاوت کی جو بطریق اعظم ٹامس بیکٹ کے قتل پر منتج ہوئی لوگ ہنری سے نفرت کرنے لگے اور اس کے بیٹوں نے بھی باپ کے خلاف سرکشی اختیار کر لی۔ وُہ اپنے ناہنجار بیٹوں کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا کہ مَوت نے اسے آ لیا۔ اس کے بیٹوں نے نہایت ہنگامہ خیز حالات میں ہوش سنبھالا تھا۔

وہ درباری سازشوں اور تنازعوں کے مسموم ماحول میں پروان چڑھے تھے۔ وہ بچپن سے ہی بدیوں سے آشنا تھے۔ متلوّن مزاج اور حریص شاہ جان میں باپ کی فطرت جلوہ گر تھی اور مُستقل مزاج خُوبرو رچرڈ میں اپنی ماں کی خُوبیاں تھیں۔ وہ اپنی ماں کا چہیتا بیٹا تھا۔

ہمیں اس کی زندگی کی مختلف تصویریں ملتی ہیں۔ پہلے وہ پوشیرز (فرانس کا صُوبہ) کے مُطربوں سے بدیہہ گوئی کے مقابلوں میں شعر کہتا سُنائی دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے باپ کی نعش کے پاس خاموش کھڑا نظر آتا ہے اور اپنے سابقہ دُشمنوں یعنی انگریز نائٹوں کے رُوبرو نہایت سرد مہری اور بے التفاتی سے کھڑا ہے۔ وُہ نہ تو ان کے ساتھ ملامت سے پیش آتا ہے اور نہ بادشاہ ہونے کے بعد ان سے حُسنِ سلوک کا وعدہ کرتا ہے۔ بادشاہ بننے کے بعد وُہ بے تحاشا صلیبی جنگ میں کُود پڑتا ہے۔ جیسے وُہ اِس مقدّس فرض کی بجاآوری سے اپنی بے کار زندگی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہو۔ وہ برنیگیریا آف نوارے سے

محبت کرتا ہے اور اس سے شادی کرنی چاہتا ہے لیکن جس شام وہ ایلینار کے ہمراہ آنے والی تھی، اسی شام وہ جہاز میں سوار ہو کر مسینا چلا گیا۔ شادی کے بعد نہ جانے کیوں وہ اپنی بیوی سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اسے اپنی بہن جوآنا (جسے وہ سسلی سے نجات دلا کر ساتھ لایا تھا) اور خوبصورت بیزنطینی شہزادی (بیزنطینی حکمران کی بیٹی جو رچرڈ کے پاس بطور یرغمال تھی) کی تحویل میں دے کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ غالباً وہ بیزنطینی شہزادی سے عشق لڑانے لگتا ہے اور اسے اپنی داشتہ بنا لیتا ہے۔ برنیگیریا اپنی مجروح خودداری کو چھپائے خاموشی سے اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس درخشاں صلیبی بادشاہ کے روشن وجود کے پیچھے ان تینوں عورتوں کے موہوم سے پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ عورتیں نہایت شان و شوکت سے عکّہ کے محل میں مقیم ہیں۔ وہ مختلف تقریبوں اور ضیافتوں میں شامل ہوتی ہیں اور رچرڈ انہیں چمکدار ریشم اور نادر جواہرات کے تحائف پیش کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

محاصرۂ عکّہ میں عیسائی فوجوں کے نقصانات اور فلپ کی روگردانی سے اس کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا اسی میں مستغرق ہو کر رہ جاتا۔ کچھ عرصہ تو وہ تازہ دم فرانسیسی فوج بھرتی کرنے، جہازوں کا معائنہ کرنے اور کوچ کی تیاری میں ہمہ تن مشغول رہا۔ وہ ایسا عجیب آدمی تھا کہ سلطان کے امرائے یرغمال کو عمداً قتل کرنے کے بعد بھی سلطان سے بازوں اور خوراک کی فرمائشیں کرنے سے گریز نہ کرتا۔ جب سلطان نے محاربہ شروع ہونے سے پہلے رچرڈ سے دوستانہ ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تو اسے بچوں کی طرح سخت مایوسی ہوئی۔ وہ شکارگاہ سے گھوڑا اڑاتا ہوا آتا اور سیدھا ضیافت کے پُرتکلّف دسترخوان کا رُخ کرتا۔ وہ ہر کسی سے مذاق کرتا اور بھیڑیوں کو ایڑی لگاتا اور ہر مخالف کو دبا دیتا۔ الغرض یہ تھا رچرڈ کا سراپا اور کردار۔

کچھ دیر تک دونوں حریف آئندہ معرکے کی تیاریوں میں مصروف رہے۔

---

۵ سسلی کی بندرگاہ اور مشہور شہر۔ (مترجم)

اہلِ مغرب کا عَلم بردار سُلطانِ مشرق سے نبرد آزمائی کے لیے کمربستہ تھا۔ ہر لحاظ سے وُہ ایک دُوسرے سے مُختلف اور متضاد تھے۔ صلاح الدین متراور صاحب بصیرت تھا۔ رچرڈ نوجوان اور لااُبالی، صلاح الدین بُردبار اور متحمّل، رچرڈ تند مزاج اور پُرجوش، صلاح الدین علالت کی وجہ سے ذاتی طور پر لڑنے سے معذور تھا۔ اِس لیے صرف جرنیل کی حیثیت سے جنگی قیادت کے فرائض ادا کرنے پر اکتفا کرتا تھا، لیکن رچرڈ کو میدان جنگ میں اپنے زورِ بازو پر ناز تھا۔ سُلطان راضی برضا تھا، اِس لیے وُہ انتہائی اقدامات سے بھی نہ گھبراتا۔ سُلطان کی فوج جارحانہ کارروائی کے لیے بہترین تھی لیکن مدافعت کے لیے نہیں۔ رچرڈ کی فوج جارحانہ اور مدافعانہ اقدامات کے لیے یکساں طور پر موزوں تھی لیکن اس کے لیے پیش قدمی آسان نہ تھی، اسے ہر قدم پھُونک پھُونک کر اُٹھانا پڑتا تھا۔ ہر ایک یروشلم کی مدافعت یا تسخیر کے لیے جان قُربان کرنے پر آمادہ تھا۔

رچرڈ نے پیش قدمی کی۔ اس کا یہ اقدام نہایت دانش مندانہ تھا۔

صلاح الدین کے لشکر سے لڑائی مُول لینے یا فلسطین کا اندرونی علاقہ فتح کرنے کے بجائے اِس نے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف پیش قدمی کی۔ بحری بیڑے نے بادبان کھول دیئے اور فوج کے متوازی ساحل کے ساتھ چلتا گیا۔ انھوں نے یروشلم کی بندرگاہ جافا کا رُخ کیا۔ یہ عکّہ سے سیدھا پینسٹھ میل کا فاصلہ تھا لیکن کوہستانی راستوں سے تقریباً سَو میل کی مسافت تھی۔ رچرڈ ۲۵ راگست ۱۱۹۱ئہ کو روانہ ہُوا، اُن دنوں سخت گرمی تھی اور ندی نالے خُشک ہو چکے تھے۔

سُلطان کو مُخبر اور سوار گشتی دستے رچرڈ کی پیش قدمی کی باقاعدہ اطّلاعات دیتے رہے۔ سُلطان نے عکّہ اور جافا کے درمیان تین شہروں کی فصیلوں اور بندرگاہوں کے حفاظتی مورچوں کو مسمار کرنے کا حُکم دیا اور خود پہاڑیوں کی اوٹ میں صلیبیوں کی متوازی سمت میں حرکت شروع کر دی۔

۲۲

رچرڈ میدانِ جنگ میں

پہلے تو عیسائی فوج کی حرکت بڑی سست تھی، بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ اس نے جنبش تک نہ کی۔ عکّہ میں مختلف ملکوں اور قوموں کے کئی گروہ تھے جو مختلف زبانیں بولتے اور مختلف سرداروں کے ماتحت تھے۔ چاروں طرف عجیب بدنظمی تھی، ہر کوئی من مانی کرتا۔ ہفتوں تک یہ گروہ سفیدے اور کھجور کے جھنڈوں تلے پڑے عیش و عشرت میں ڈوبے رہے۔

ایمبروز وضاحت کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے کہ "شہر میں عمدہ شراب کی فراوانی تھی اور خوبصورت عورتیں عام تھیں۔ وہ شاہد و شراب میں ایسے ڈوبے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ وہ ایسے بدمست ہوئے کہ شرفاء ان کی حرکتوں سے شرمندہ ہونے لگے۔"

رچرڈ نے دریا کے کنارے ریتیلے ٹیلوں پر اپنے خیمے گاڑ دیے اور اپنے مارشلوں کو بھیجا کہ کام چوروں کو عکّہ سے باہر نکال دیں۔ بالآخر وہ لڑتے جھگڑتے بھاری گٹھڑیاں اٹھائے برآمد ہوئے وہ سخت بیزار تھے۔

چاروں طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی رسالے کی پیہم یورشوں سے عیسائی لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ دو دن تک عیسائی فوجیں جبل کارمل کے دامن میں خیمہ زن رہیں ـــــ جبلِ کارمل کی بلندیوں سے صلاح الدین عیسائی لشکر کی نقل و حرکت کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ عیسائی لشکر نے بے کار ساز و سامان ترک کر دیا تھا اور لشکر کی از سرِ نو دستہ بندی کی جانے لگی۔ سب بے کار عورتوں کو واپس بھیج دیا گیا۔ صرف جفاکش عورتوں کو ساتھ جانے کی اجازت دی گئی۔ ہر سپاہی کو دس دنوں کے لیے بسکٹوں، اناج، گوشت اور شراب کی رسد دی گئی۔ سپاہیوں نے سامانِ رسد تھیلوں میں بند کر لیا اور کوچ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پھر شاہی نشان کھولا گیا جس پر ایک اژدہے کی منقش تصویر تھی۔ شاہی نشان ایک لمبے آہنی کھمبے کی چوٹی پر آویزاں تھا جسے ایک بھاری گاڑی میں نصب کیا گیا تھا۔ نشان بردار گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی چلی۔ اس کے گردنا رمن شمشیر بازوں کا حلقہ تھا۔ ٹمپلر مقدمۃ الجیش میں تھے۔ یہ عظیم الشان فوج آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی جبل کارمل کے قریب سے گزری۔ ایمبروز بھی فوج کے ہمرکاب تھا۔ وہ عیسائی فوجی قوت کے شاندار مظاہرے سے بہت مسرور تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے جذباتِ مسرت کی ترجمانی اشعار میں کی ہے:-

"ان خوبرو جوانوں کی شجاعت قابلِ دید تھی۔ چشم فلک نے بھی ایسے منفرد اور باوقار جانباز شاید کبھی نہ دیکھے ہوں۔ ان کے چہروں پر اعتماد کی جھلک اور ان کے سینوں پر درخشاں زرہ بکتر کی چمک تھی۔ یہ فوج قطار اندر قطار بڑھ رہی تھی۔ اس کی صفوں میں بلا کے بہادر سارجنٹ اور آزمودہ کار سپاہی تھے۔ ان کی آبدار تلواریں اور رنگین پرچم فضا میں لہرا رہے تھے۔ اس عظیم الشان فوج سے دشمن لرزاں و ترساں تھے"۔

سپاہی بھاری تھیلے اٹھائے ساحل کے ساتھ ساتھ خشک جھاڑیوں کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ حدِ نظر تک ساحل ویران نظر آتا تھا۔ وحوش و طیور بھی اپنے

ٹھکانے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ رات کو سانپوں اور بچھوؤں کے خوف سے نیند غائب ہو جاتی۔ دائیں طرف پھیلے ہوئے سلسلۂ کوہ سے سورج طلوع ہوتا اور زمین بھٹی کی طرح دہکنے لگتی۔ خیرہ کن دھوپ میں ریگ زار تانبے کی چادر کی طرح تپ جاتا۔ اور اس کی آتشیں سرخی سمندر کے سبز پانی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ہانپتے ہوئے سپاہی تنگ وادی کی دشوار گھاٹیوں اور چونے کے ٹیلوں کو عبور کرتے ہوئے چلے جاتے انہیں مسلمانوں کے اچانک حملوں کا خوف بھی آن گھیر رہتا لیکن جھاڑیوں اور ساحل کی ریت بالکل سنسان پڑی تھیں۔ انہیں کاپرنیم کے خرابات تک کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ فوج کی رفتار خاصی سست تھی۔ وہ ہر روز صرف چند میل سفر کرتے اور سرِ شام ہی پڑاؤ ڈال دیتے۔ کھانا کھاتے کھاتے اندھیرا چھا جاتا۔ سرخ بادلوں سے ڈھلتا ہوا سورج قرمزی سمندر کی اتھاہ پہنائیوں میں غروب ہو جاتا۔ سمندر کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگتی اور سبھی آرام سے بیٹھ جاتے۔ پھر کوئی یکدم نعرہ بلند کرتا۔

"مزار مسیح الغیاث"

جس کے جواب میں ہزاروں آوازیں پُر سکون فضا میں گونج اٹھتیں اور نعرے کی بازگشت پڑاؤ کے بیرونی حلقے تک سنائی دیتی جہاں ٹمپلر گھوڑوں پر سوار خاموشی سے پہرے پر متعین ہوتے۔ ایمبروز کہتا ہے "دن کو وہ خوبرو اور دلیر رچرڈ کو اپنے قبرصی گھوڑے فادل پر سوار دیکھتے تو ان کے حوصلے بڑھ جاتے اور رات کو ان نعروں سے ان کا ایمان تازہ ہو جاتا"۔

"فوج بڑھتی گئی۔ ساحل سنسان تھا۔ کہیں بھیڑیں بھی چرتی ہوئی دکھائی نہ دیں۔ فضا خاموش تھی اور تپتی ہوئی زمین پر گرد بھی نہ اُڑتی۔ خاردار جھاڑیاں بھی جھلس کر خشک اور سیاہ ہو چکی تھیں۔ قیصریہ[1] کا شہر خالی اور ویران تھا۔ فضا اُداس تھی اور

---

[1] یہ شہر ساحل فلسطین پر واقع ہے۔ یہ قدیم بیزنطینی شہر تھا۔ (بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۲۳۰ پر)

پُرسکون۔ ہمارا بیڑا قیصریہ پہنچا اور عکّہ سے اپنے ہمراہ سامان رسد اور باقی ماندہ لوگوں کو لایا"۔

ایک تذکرہ نویس رقم طراز ہے "ہماری فوج نہنگوں کے دریا" کے کنارے خیمہ زن ہوئی۔ اِس دریا کو یہ نام اِس لیے دیا گیا کہ ہمارے دو سپاہی نہاتے ہوئے مگرمچھوں کا شکار ہوگئے تھے۔ قیصریہ بہت بڑا شہر ہے اور اس کی عالی شان عمارتیں اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہیں۔ ہمارے آقا و مولا حضرت یسوع مسیح یہاں اکثر اپنے حواریوں کے پاس آیا کرتے تھے اور انھوں نے یہاں کئی معجزے دکھائے تھے۔ اب ترکوں نے شہر پناہ کے کئی حصے اور برج منہدم کر دیے تھے"۔

قیصریہ سے فوج ساحل کی اندرونی جانب ہٹ گئی کیونکہ پہاڑوں کا پُرخطر سلسلہ ساحل سے دُور چلا گیا تھا۔ فوجی سرداروں نے شاداب زمین اور چشموں اور کنوؤں سے گزرتی ہوئی راہ اختیار کی۔

بہاء الدین لکھتا ہے: "سلطان نے عیسائی فوجوں کے راستے میں پڑنے والی زمین کا جائزہ لیا اور اپنے بھائی ملک العادل سے دیر تک تخلیہ میں باتیں کرتا رہا"۔

عیسائی فوجیں قیصریہ سے روانہ ہوئیں تو اس کے عقب میں مسلمان رسالہ نمودار ہوا۔

(سلسلہ کے لئے دیکھیے صفحہ ۲۲۹) جو دَوران خلافت عمرؓ میں فتح ہُوا۔ حروبِ صلیبی سے پہلے یہ نہایت بارونق شہر اور بندرگاہ تھا۔ یہاں اجناس کی فراوانی تھی، زمین زرخیز تھی، پانی بافراط تھا اور پھلوں کی بہتات تھی۔ اِس لیے مقدسی لکھتا ہے "فراوانی کا گویا یہاں سرچشمہ ہے"۔ ناصر خسرو نے ۱۰۴۷ء میں اِس شہر کی سیر کی۔ وہ بھی شہر کے باغات اور شادابی کا ذکر کرتا ہے لیکن حروبِ صلیبیہ میں صلاح الدین نے اِس کی فصیلیں گرا گرا کے صلیبیوں کے لیے ناکارہ بنا دیا۔ اس کے بعد اس کی رونق اور آبادی گھٹتی گئی۔ یاقوت نے تیرھویں صدی میں اِس شہر کو دیکھا وہ اسے قصبے سے مشابہ قرار دیتا ہے اور ابوالفدا اس کی ویرانی کا تذکرہ کرتا ہے۔ (مترجم)

عیسائی فوج کا ساقہ ان کے حملوں اور تیروں کی بوچھاڑ سے سخت پریشان تھا۔ رچرڈ نے یا اس کے مشیروں نے عیسائی فوج کی ایسی ترتیب کی کہ پُرجوش دُشمن کے حملے کارگر نہ ہوئے۔

عیسائی فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جو لشکر پہاڑوں سے قریب اور مسلمانوں کے حملوں کی زد میں تھا اس میں صرف صف بند پیادہ فوج رکھی گئی۔ اس پیادہ فوج کی بیرونی صفوں پر تیرانداز متعیّن کیے گئے۔ یہ تیرانداز نمدے کی قمیضیں اور زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے۔ وہ حملہ آوروں پر پیہم تیر برساتے رہتے۔ زرہ اور نمدے کی قمیضوں کی وجہ سے حملہ آوروں کے تیران پر کارگر نہ ہوتے۔ تیراندازوں کی قطاروں کے اندر نیزہ بردار اور شمشیرزن سپاہی تھے، جو ہر وقت دُشمن کے خلاف ڈٹ کر لڑنے کے لیے کمربستہ رہتے۔ پیادہ فوج کی حفاظتی سپر کے اندر دُوسرا لشکر رواں تھا۔ اِس حصّے میں نائٹ اور سوار تھے۔ اور یہی لشکر فوج کی اصلی قوت تھا۔ یہ حصّہ دُشمن کی یورش اور تیراندازی سے محفوظ تھا، ورنہ رسالے کے گھوڑوں کا سخت نقصان ہوتا۔

سمندر کے قریب اور مسلمانوں کی دسترس سے دُور تیسرا لشکر متحرک تھا۔ اس میں گاڑیاں، سامانِ رسد، مال اسباب، مجروحین اور مریض شامل تھے۔ یہ لشکر مزے سے رواں تھا۔ بہرکیف تیسرے لشکر کے دستے مقرّرہ وقت کے بعد باری باری پہلے لشکر کے پیادہ دستوں سے تبدیل کر دیے جاتے تھے۔ تاکہ انہیں آرام مل سکے۔

پہلے دن لڑائی دوپہر تک جاری رہی اور چلچلاتی دھوپ سے فریقین کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ عیسائی فوج ریتیلے ٹیلے عبور کر کے ایک تنگ گھاٹی تک جا پہنچی۔ مسلمانوں نے یہاں بڑی ہوشیاری سے اپنی کمین گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے عیسائی ہراول دستوں کو گھیرنے کے لیے کئی پھندے لگائے تھے اور انہیں شاخوں سے چھپا دیا تھا۔ لیکن ٹمپلر مسلمانوں کی چال تاڑ گئے۔ انہوں نے اپنی پیش قدمی روک دی اور دریا کے کنارے خیمہ زن ہو گئے کیونکہ وہاں کا پانی اچھا تھا۔ عیسائیوں نے اِس دریا کا نام

"دریائے مُردار" رکھا۔

تذکرہ نویس یُوں رقم طراز ہے "دُوسرے دن ہماری فوج ایک لق و دق میدان سے گزُری۔ ساتھ پر ٹمپلر متعین تھے۔ وُہ تُرکوں کے پیہم حملوں سے سخت پریشان ہوئے۔ ان کے بیشتر گھوڑے مارے گئے۔ شاہ رچرڈ نے تُرکوں کو پیچھے دھکیل دیا لیکن اِس معرکے کے دَوران میں اس کے پہلو میں برچھی کا سخت زخم آیا۔ افسوس ہمارے بے شمار گھوڑے دشمن کے نیزوں اور برچھیوں کا شکار ہوئے۔ سارا دِن تُرکوں کی یورش کا طوفان جاری رہا اور وُہ شفق پھُوٹنے کے بعد اپنے خیموں کو لَوٹے۔

"ہماری فوج نے "نمکین دریا" کے قریب قیام کیا۔ جہاں مُردہ گھوڑوں کا گوشت خریدنے کے لیے لوگوں کا بے پناہ ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ وہاں اِس قدر ہنگامہ برپا ہُوا کہ کئی خریدار آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ جب بادشاہ کو اِس ہُلڑ بازی کی خبر ملی تو اس نے نقیب کے ذریعے ساری فوج میں اعلان کرا دیا کہ جس کا گھوڑا مرا ہے، اسے بادشاہ کی طرف سے نیا گھوڑا دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ اپنے مُردہ گھوڑے کا گوشت اپنے زیر کمان ضرورتمندوں اور مستحق اشخاص میں تقسیم کر دے۔

تیسرے دن ہماری فوج نے "نمکین دریا" سے کُوچ کیا اور صف بستہ ہو کر بڑھی۔ اس دن یہ افواہ گرم تھی کہ جنگل میں تُرک گھات لگائے بیٹھے ہیں اور موقع پا کر ہمارے لشکر کے اِرد گرد جھاڑیوں کو آگ لگا دیں گے لیکن ہمارے سپاہی بڑی مُستعدی اور ضبط سے تُرکوں کی مفروضہ کمین گاہوں کے علاقے سے بحفاظت گزُر گئے جنگل عبور کرنے کے بعد ہم نے ایک کھُلے میدان میں خیمے نصب کر دیے۔ اِس وقت جاسُوس خبر لائے کہ آگے تُرکوں کی بے شمار فوج ہمارا راستہ روکے پڑی ہے"۔

صلاح الدین اور العادل نے مُلاحظہ و معائنے کے بعد یہ میدان اِس معرکے کے لیے مُنتخب کیا تھا۔ دو دن تک سُلطان کے رسالے نے عیسائی سواروں کو پیادوں کے حفاظتی

حلقے سے باہر نکالنے کے بہتیرے جتن کیے لیکن بے سُود۔ عیسائی سوار کھُلے میدان میں لڑنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے ۔

بہاء الدین رقمطراز ہے "ہم ان لوگوں کے صبر اور ہمت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جو عددی فوقیت اور باقاعدہ عسکری تربیت کے بغیر اتنی طویل مسافتوں کی کوفت برداشت کرتے تھے"۔

مسلمان فوج سواروں پر مشتمل تھی اور اسے عیسائی رسالے پر کم از کم پانچ گُنا عددی فوقیت حاصل تھی۔ مُسلمان فوج کا مقصد صلیبی سواروں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ اِس مقصد کے لیے انھوں نے عیسائی رسالے کو پیادہ فوج کے حفاظتی حلقے سے نکلنے کی ہر ممکن ترغیب دی، لیکن عیسائی فوج اپنی جائے پناہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اگر وُہ اپنی حفاظتی صف بندی چھوڑ دیتے تو تُرک سوار یورش کر کے انہیں میدانی علاقے میں ریت کے ذروں کی طرح بکھیر دیتے۔ رچرڈ اِس خطرے سے بخوبی آگاہ تھا، اِس لیے اِس نے اپنے رسالے کو سخت تاکید کی تھی۔ چاہے کتنا ہی اشتعال کیوں نہ ہو، ہرگز صف بندی نہ چھوڑیں اور انہیں حملے کے اعلان کا مُنتظر رہنا چاہیے جو یک دم بگل بجا کر کیا جائے گا۔

اس دن عیسائی فوج گُنجان دستوں کے جم غفیر کی صورت میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی، جیسے کوئی قوی ہیکل اور زرہ پوش عفریت تیروں اور بھالوں کی چُبھن سے بے پروا آہستہ آہستہ زمین پر رینگ رہا ہو۔ ٹمپلر مقدمۃ الجیش میں تھے، ان کے پیچھے برٹینی[1] کا لشکر اور آنجو[2] کے نائٹ تھے، ان کے بعد شاہ گائی کی سرکردگی میں اہل پوشے[3] کے دستے

---

[1] برٹینی (BRITTANY) فرانس کا ایک صوبہ تھا جس کے باشندوں کو (BRETONS) کہتے ہیں۔ انہیں اہل برطانیہ سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے، برطانوی لوگ ان سے مختلف ہیں۔ (مترجم)

[2، 3] یہ دونوں علاقے فرانس میں واقع ہیں ۔

مارچ کر رہے تھے، ان کے پیچھے برطانوی اور نارمن سردار شاہی نشان لیے رواں تھے سپاری فوج کے عقب میں سیاہ پوش ہاسپٹلر تھے جو ترکوں کی پیہم یورش کا شکار رہے۔ صبح نو بجے تک عیسائی فوج پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ اب فریقین میں سخت تصادم ہوا اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ بدوؤں کے گروہ، حبشی اور مصری سوار عیسائی فوج کے عقب پر ٹوٹ پڑے۔ شاہ رچرڈ اور ڈیوک آف برگنڈی صفوں میں سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے گزرے اور سپاہیوں کے حوصلے بڑھائے۔

ڈی وِنسوف نامی تذکرہ نگار کا بیان ہے "ہماری فوج کے عقب میں ایک شدید گرج سنائی دی۔ گویا دشمن گرزوں سے ضربیں لگا رہا تھا۔ دشمن ہمارے عقبی دستوں سے یوں الجھ گیا کہ وہ اپنے تیر کمان استعمال نہ کر سکے۔ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ جب ترکوں کی تلواروں کی ضرب ان کی زرہوں پر پڑتی تو یوں گونج اٹھتی جیسے سندان کو ہتھوڑے سے کوٹا جا رہا ہو۔ وہ گرمی کی شدت سے بے حال ہو رہے تھے نہیں دم لینے کی بھی فرصت نصیب نہ تھی۔ ہاسپٹلروں کی آخری صفیں ترکوں کے حملے کی تاب نہ لا سکیں اور بری طرح کچلی گئیں۔ وہ نہایت حوصلے اور استقلال سے ڈٹے رہے اور بھاری نقصانات کے باوجود انہوں نے اپنی مقررہ پیش قدمی جاری رکھی۔ ترک فخریہ نعرے لگاتے ہوئے انہیں للکارتے "ہم فولاد ہیں اور کوئی ضرب ہم پر کارگر نہیں ہو سکتی۔"
پھر تقریباً بیس ہزار ترک ہمارے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس خوفناک حملے سے گھبرا کر گارنیر ڈی نیبلز (جو ہاسپٹلروں کا ایک سردار تھا) بے اختیار چلا اٹھا "المدد سینٹ جارج! المدد! کیا تمہیں گوارا ہے کہ ہم یوں ہی روندے جائیں؟"

"یہ سن کر ہاسپٹلروں کا قائد بھاگتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچا اور عرض کی "بادشاہ سلامت! دشمن نے ہمارا قافیہ تنگ کر دیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں ہم منہ موڑ کر ازلی بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں۔ بے شمار گھوڑے دشمن کے تیروں کا نشانہ ہو چکے ہیں۔

آخر ہم ہی اکیلے کیوں دُشمن کا حملہ روکیں"۔

"اچھے نائٹ بلیہ حملہ آپ ہی کو روکنا پڑے گا۔ کوئی شخص بھی ہر جگہ موجود نہیں ہو سکتا"۔

"جب ہاسپٹلروں کا سردار خاموشی سے پلٹا تو کوئی بھی شاہزادہ اور کاؤنٹ ایسا نہ تھا جس کا چہرہ ندامت اور شرمندگی سے سُرخ نہ ہو گیا ہو۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ "کیوں نہ گھوڑے تھرپٹ دوڑا کر دُشمن پر حملہ کیا جائے"۔

"یہ سُنتے ہی دو جوشیلے نائٹ آگے بڑھے۔ وہ مزید تاخیر برداشت نہ کر سکے۔ ان کی عجلت پسندی سے دوبارہ ابتری پھیل گئی۔ وہ گھوڑے اُڑاتے ہوئے تُرکوں کی صفوں پہ جھپٹے اور دونوں نے اپنے اپنے مدِمقابل کو برچھی سے چھید دیا۔ ان میں سے ایک ہاسپٹلروں کا مارشل تھا۔ اور دُوسرا بالڈون ڈی کیرو تھا۔ مؤخرالذکر بڑا اچھا آدمی تھا۔ اور رچرڈ کا مصاحب[1]۔

"جب عیسائیوں نے ان دو منچلے سرداروں کو یُوں بہادری سے دُشمن پر جھپٹتے دیکھا اور اے سینٹ جارج مدد! کا نعرہ سُنا تو انہوں نے بھی باگیں اُٹھائیں اور نہایت جوش و خروش سے دھاوا بول دیا۔ اِس سے ہاسپٹلروں کے حوصلے بڑھے، وگرنہ دشمن کی دن بھر کی یورش سے ان کی صفوں میں اتنی بھگدڑ لگ گئی تھی کہ وُہ پریشان تھے۔ اب انہوں نے بھی پیش قدمی کی

[1] بہاءالدین اِس حملے کا عینی شاہد تھا۔ وُہ اِس کی تفصیل یُوں بیان کرتا ہے "دُشمن لڑتا ہُوا اُلجھ گیا اور آہستہ آہستہ ہمارے نرغے میں پھنس گیا۔ مسلمانوں کو فتح کی نشانی نظر آنے لگی تھی۔ پھر یکدم دُشمن کا رسالہ ایک عظیم دستے کی صورت میں منظّم ہُوا۔ دُشمن کو پُورا احساس تھا کہ بُوٹا ٹیک کوشش کے سوا انہیں کوئی چیز ہلاکت سے نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ انہوں نے نہایت پُرجوش جوابی حملہ کیا......

مَیں نے یہ منظر خود دیکھا۔ پیادوں کے حلقے میں سواروں نے ایک حلقہ بنایا۔ پھر یکدم پیادوں کا حلقہ گویا کُھل گیا۔ سوار نیزے تھامے اور گھوڑے اُڑاتے آگے بڑھے"۔ (مصنّف)

اِس حرکت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ فوج کا مقدمہ اور ساقہ آپس میں تبدیل ہو گئے یعنی کہ ہاسپٹلر جو عقب میں تھے اب مقدمۃ الجیش بن گئے۔

"کاؤنٹ آف شیمپین اپنے مُنتخب بہادروں کے ساتھ حملے میں پیش پیش رہا۔ جیمز ڈی ایونیز، بشپ آف بُوکیس اور ارل آف لیسٹر نے سمندر کی سمت یعنی بائیں جانب سے شدید حملہ کیا۔ تُرک ہمارے سپاہیوں کو تیروں اور بھالوں سے اچھی طرح نشانہ بنانے کے لیے اپنے گھوڑوں سے اُتر کر پاپیادہ لڑ رہے تھے۔ چُنانچہ وہ ہمارے حملے کی تاب نہ لا سکے اور چاروں طرف کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ہمارے سوار انہیں گرا دیتے اور پیادے بڑھ بڑھ کر ان کا کام تمام کر دیتے۔

"جب شاہ رچرڈ نے اپنی فوج کی تیز حرکت دیکھی تو وہ بھی ہاسپٹلروں کی صفوں سے گھوڑا دوڑاتا ہُوا تُرک پیادہ دستوں پر جا گرا۔ رچرڈ اور اس کے سرداروں کی خاراشگاف ضربوں سے تُرک پیادے گھبرا گئے۔ اور ان کے لیے راستہ کھلا چھوڑ کر دائیں بائیں بھاگنے لگے زمین کُشتوں سے پَٹ گئی۔ دوست اور دُشمن بلاتمیز روندے جا رہے تھے سواروں کے بغیر گھوڑے غول در غول بھاگے جا رہے تھے۔

اُف لڑائی! ان لوگوں کے تصور سے جو محض خانقاہوں کے ستونوں تلے مُراقبے میں غرق رہتے ہیں کس قدر مُختلف اور بھیانک ہوتی ہے۔

"اس معرکے میں ہمارے بہادر بادشاہ نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے دُشمن کی صفوں میں شگاف کر کے اپنے لیے ایک کشادہ راہ بنالی۔ وُہ اپنی شمشیر آبدار سے تُرکوں کی صفوں کو یُوں کاٹتا ہُوا نکل گیا جیسے کوئی پکی ہوئی فصل کو درانتی سے کاٹتا چلا جائے۔ چُنانچہ دُشمن کے سپاہی مرعوب ہو کر رچرڈ کے راستے سے ہٹ گئے۔

"کافی دیر تک لڑائی غیر یقینی رہی۔ کئی نشان سرنگوں ہوئے اور کئی جھنڈے تار تار۔ آبدار فولادی تلواریں زمین پر بکھر گئیں۔ اور خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ لیکن لڑائی کا فیصلہ نہ

ہوا۔ بالآخر ترک میدان چھوڑنے لگے۔ کئی جھاڑیوں میں چھپ گئے اور جو درختوں پر چڑھے وہ تیراندازوں کا نشانہ بن گئے۔ انہیں تیر لگتے اور وہ کراہتے ہوئے زمین پر آ رہتے۔ کئی اپنے گھوڑوں کو چھوڑ کر پھسلواں پگڈنڈیوں پر اُفتاں و خیزاں بھاگ نکلے۔ دو میل تک سوائے بھگوڑوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

"ہمارے سپاہی دشمن کے تعاقب سے ہچکچائے اور رُک گئے۔ بھگوڑوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہوگی۔ جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کی ہمت بندھ گئی۔ انہوں نے اپنی جمعیت کو دوبارہ منظم کر کے ہمارے عقبی دستوں پر جو واپس جا رہے تھے اچانک حملہ کر دیا۔ اُف ہمارے دستوں پر یہ کتنی خوفناک یورش تھی! وہ دشمن کے نرغے میں پھنس گئے۔ چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں وہ اپنی کاٹھیوں پر جھک گئے۔ گھوڑے بدکے اور سواروں کو گرا گرا کر بھاگنے لگے۔ ترکوں نے ہمارے لشکر پر سخت جوابی حملہ کیا تھا۔ ترکوں کا قائد تقیدمس[1] نامی ایک امیرالبحر تھا جو سُلطان کا عزیز تھا۔ سات سو منتخب بہادر امیر موصوف کے ہم رکاب تھے۔ یہ سے صلاح الدینؒ کے ذاتی لشکر کا حصّہ تھے۔ ہر دستہ زرد عَلَم بلند کیے ہوئے بڑھا۔ وہ مردانگی کے خوفناک پیکر تھے جب انہوں نے اپنے تازی گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے حملہ کیا تو ہمارے سردار عزم و استقلال کے باوجود ان کی بے پناہ یورش کی تاب نہ لا سکے۔ اب لڑائی نہایت خونریز اور خوفناک ہوگئی۔ دشمن ہمیں کچلنے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا۔ اور ہم دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

"یہ دیکھ کر بادشاہ اپنے قبرصی کمیت پر سوار ہوا اور دشمن پر جھپٹا۔ اس نے مخالفوں کو منتشر کر دیا اور اس کی شمشیر کی ضرب سے کئی خود پاش پاش ہو گئے۔ اس کے سامنے

---

[1] امیرالبحر سے غالباً تذکرہ نویس کی مراد امیر سے ہے اور تقیدمس سے اس کا مطلب تقی الدین۔ (مصنف)

دشمن نہ ٹھہر سکا۔ اِس طرح سے ہماری فوج کو چھٹکارا مِلا اور وُہ کافی نقصان اُٹھا کر اپنے عَلَم کی طرف واپس ہوئی ؛

"پھر ہم نے ارسوف کا رُخ کیا اور شہر پناہ کے باہر خیمے نصب کیے گئے۔ ابھی ہم خیمے نصب کرنے میں مصروف تھے کہ ناگاہ دُشمن کی ایک کثیر جمعیت نے ہمارے عقبی دستوں پر دوبارہ ہلّہ بول دیا۔ رچرڈ صرف پندرہ سرداروں کو لے کر وُہ ڈٹا اور ترُکوں کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ انہوں نے زور کا نعرہ لگایا " یا مزار المسیح —— الغیاث —— المدد! جب ہمارے سپاہیوں نے یہ نعرہ سُنا تو وہ بھی تیزی سے بادشاہ کی طرف بھاگے انہوں نے ترُکوں پر حملہ کر کے انہیں پسپا کر دیا ؛

"ہماری فوج دِن بھر کی تکان سے چُور تھی۔ اِس رات وہ آرام سے سوئے۔ لوٹ کے طلب گار رُچپکے سے میدان کارزار کو چلے گئے۔ واپس آ کر انہوں نے بتایا کہ ہم نے بتیس ترک سرداروں کی لاشیں خود گنی ہیں۔ ترُک بھی اپنے مقتول سرداروں کی لاشوں کی تلاش میں سرگرداں رہے ؛

ہمیں جیمز ڈی ایونز کی موت کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ اتوار کو ہاسپٹلر اور ٹمپل کے سرداروں نے مسلّح ہو کر اس کی تلاش شروع کی۔ بالآخر انہیں اس کی نعش مل گئی۔ اس کا چہرہ جمے ہوئے خون سے اِس قدر مسخ ہو چکا تھا کہ شناخت مُشکل تھی۔ وہ اس کی لاش کو بڑے احترام سے کفن میں لپیٹ کر واپس ارسوف لائے۔ سپاہیوں کے ایک جم غفیر نے باہر نکل کر اس کے جنازے کا استقبال کیا" ؛

اِس طرح سے صلاح الدین کی صلیبیوں کو کھُلے میدان میں شکست دینے کی کوشش ناکام ہوئی۔ رچرڈ کے حُکم کے خلاف جب دو نائٹوں نے اچانک حملہ کیا اور عیسائی رسالے نے ان کی متابعت کی تو مُسلمان گھبرا گئے اور مسلمان لشکر کو بھاری نقصان اُٹھا کر پہاڑوں کی سمت میں پسپا ہونا پڑا۔ اِس حملے میں اِسلامی لشکر کو پہلی مرتبہ

ملک الرک[1] یعنی رچرڈ شیردل کی غیر معمولی شجاعت سے سابقہ پڑا تھا۔ اور ملک الرک کی بہادری اسلامی داستان و افسانہ کا ایسا جزو بن کر رہ گئی جس کے نقوش اب تک ماند نہیں پڑے ۔

تقی الدین اور ترک امیروں کے جوابی حملوں سے صلیبی لشکر بہ عجلت تمام ارسوف کے باغات اور مورچوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ دوسرے دن صلاح الدین بنفس نفیس میدان جنگ میں آیا لیکن صلیبیوں کو مقابلے میں آنے کی جرأت نہ ہوئی ۔

ارسوف کی چپقلش کو باقاعدہ لڑائی نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ سلف کے چند مؤرخوں نے اسے فیصلہ کن لڑائی قرار دیا ہے۔ اسے کسی طرح بھی نتیجہ خیز معرکہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ بہر کیف اس لڑائی سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ رچرڈ کی سرکردگی میں عیسائی فوجیں صلاح الدین کی فوجوں کا کھلے میدان میں بھی مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ صلاح الدین اور اس کے امیروں کو اپنے جنگی منصوبے تبدیل کرنے پڑے۔ اب وہ عیسائی فوج کے بازوؤں پر منڈلانے کے بجائے پہاڑوں میں اپنی کمیں گاہوں کی طرف چلے گئے۔ اور صلاح الدین اپنی فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے مناسب مواقع کا منتظر رہا ۔

اس نے مہلت حاصل کرنے کے لیے عروس الشام یعنی عسقلان کی دیواریں مسمار کرا دیں جنوبی فلسطین میں عسقلان ہی یروشلم کی کلید تھا۔ یہ مصر کے قافلوں کی شاہراہ پر واقع تھا اور بڑی خوش حال بندرگاہ تھا لیکن مسلمان امیر اس کی حفاظت کے لیے خود کو محصور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ عسقلان کو دوسرا عکہ بنانے کے ہرگز خواہاں نہ تھے ۔

"خدا کی قسم۔ اس کا ایک بھی پتھر اکھاڑنے کے بجائے میری ساری اولاد مر جاتی لیکن

---

[1] یعنی رچرڈ۔ چونکہ عربی میں چ اور ڈ کی آوازیں نہیں لہٰذا رچرڈ کی معرب صورت "رِک" بن گئی۔ عرب مؤرخ اسے ملک الرک کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔

اب کیا کروں؟ امر مجبوری ہے"۔

صلاح الدین نے یہ ناگوار فریضہ اپنے لشکر کے سپرد کیا اور ان کی امداد کے لیے مزدوروں کی کثیر جمعیت بھی مہیا کی۔

بہاءالدین یوں رقمطراز ہے "جب ہم شہر میں داخل ہوئے تو گویا ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہ شہر نہایت خوش منظر تھا۔ اِس کی فصیل مضبوط تھی اور مکان نہایت خوبصورت تھے۔ لوگوں نے اپنا وُہ مال اسباب اونے پونے بیچ دیا جو وہ اپنے ساتھ مصر نہیں لے جا سکتے تھے۔ اُن دنوں ایک درہم کی دس دس مرغیاں بکیں۔ وُہ اپنے اہل و عیال کو لے کر کیمپ میں آ گئے اور گھریلو سامان کی باقی ماندہ چیزیں وہاں فروخت کیں۔ جو بچارے سواری کا کرایہ ادا کرنے سے قاصر تھے انہیں پیدل سفر کرنا پڑا۔ فوج تکان سے خستہ حال تھی۔ سپاہیوں نے وُہ رات خیموں میں بسر کی اُف خدایا یہ کتنی مصیبت کا وقت تھا"۔

صبح ہوتے ہی سُلطان نے فصیلوں کے انہدام کا کام شروع کرا دیا۔ سُلطان نے شہر میں موجود غلّے کے ذخیروں کو مزدوروں میں تقسیم کر دیا۔ مزدوروں نے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک مکانوں کو آگ لگا دی۔ برجوں میں سُوکھی لکڑی بھر کر انہیں نذرِ آتش کر دیا گیا۔

سُلطان کی طبیعت دو دن تک اِتنی ناساز رہی کہ نہ وُہ سواری کر سکتا تھا نہ کچھ کھا پی سکتا تھا۔ سُلطان نے اپنا خیمہ فصیل کے قریب مُنتقل کرا لیا۔ اس نے شُتربانوں اور گدھے ہانکنے والوں کو بھی کام پر لگا دیا۔ اِس تعجیل کا سبب یہ تھا کہ "سُلطان کو اندیشہ تھا کہ اگر فرانکوں کو اِس منصوبے کی خبر مل گئی تو وُہ پیش بندی کے طور پر فوراً جوابی کارروائی کریں گے"۔

۲۳

مُسلمانوں کی پسپائی سے تُندمزاج رچرڈ کے جوش کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اس نے جافا میں اپنی پہلی کانفرنس میں اعلان کیا" معزّزین! تُرک عسقلان برباد کر رہے ہیں۔ انہیں ہمارے خلاف نبرد آزما ہونے کی جُرأت نہیں۔ اب ہمیں فوراً اِس شہر کو بچانا چاہیے"۔

لیکن انہوں نے کوئی پیش قدمی نہ کی۔ زیتون کے جھنڈوں پر بدستور پرچم لہراتے رہے، خُشک شمالی ہوائیں چلتی رہیں، نہروں کے شاداب کناروں پر گھوڑے مزے سے چرتے رہے اور آدمی بڑے شوق سے پکے ہوئے انگور اور تازہ انجیر و بادام کھاتے رہے۔ وُہ جافا میں آرام کرتے رہے ـــــــ اور بہت سے کشتیوں کے ذریعے سے عکّہ کی عشرت گاہوں کو واپس چلے گئے ـــــــ وہ بحث کرتے رہے کہ اب کیا کریں؟ اور آخر یہ طے پایا کہ سب سے پہلے جافا کی دیواروں کی مرمّت کرنی چاہیے۔ آزمودہ کار اور پُراعتماد رچرڈ بھی ارکانِ کونسل کی رائے نہ بدل سکا۔ اس کے

خیالات مُسلمان قائدوں کی طرف مُنتقل ہو گئے۔ وہ پہاڑوں کی بھوری فصیل پر مُعلق دُھند اور غبار سے پرے رہنے والے عظیم قائدوں کے متعلق سوچنے لگا۔ اس نے ملک العادل کی خدمت میں بھی قاصد بھیجا۔ ملک العادل سُلطان کا بھائی اور مشیر تھا۔ وہ ایک شاندار رسالے کے جلو میں آیا۔ وہ نہایت مُحتاط اور خلیق تھا۔ رچرڈ نارمن نائٹوں کے ساتھ اس کے استقبال کو نکلا۔ نوجوان ہمفرے آف ٹورون نے مترجم کے فرائض ادا کیے

رچرڈ نے کہا "اِس جنگ کو کافی مدت ہو چکی ہے۔ دونوں طرف سے بہادر جانیں دے چُکے ہیں۔ ہم تو صرف ساحل کے فرانکوں کی اعانت کے لیے آئے تھے۔ آپ اِن سے مصالحت کر لیں تا کہ دونوں فوجیں اپنے اپنے مُلکوں کو واپس چلی جائیں "

ملک العادل بھی سُخن طرازی کا ماہر تھا۔ اس نے بڑے سکون سے پُوچھا "عیسائی کن شرائط پر صُلح چاہتے ہیں؟" رچرڈ اس سوال کا جواب ٹال نہ سکا اور اُسے کہنا ہی پڑا "یروشلم ہمارے حوالے کر دیا جائے اور مُسلمان فوجیں اردن کے پاس چلی جائیں"۔ ملک العادل نے نہایت تمکنت سے انکار کر دیا۔

اِس مُلاقات کی روئداد فوراً صلاح الدین کو پہنچائی گئی۔ اس نے اپنے بھائی کو لکھا "فرانکوں سے مصالحت کی گُفتگو کو طُول دو تا کہ وُہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور ترکمانوں کی کمک ہمیں پہنچ جائے"۔

چُنانچہ جب ملک العادل کو رچرڈ نے دوبارہ بُلوایا تو وُہ اپنے ہمراہ ایک عظیم الشان شامیانہ لایا۔ اس نے عُمدہ اُونٹ اور ساز و سامان سے آراستہ گھوڑے پیش کیے اور شاہی باورچی خانے سے پُر تکلف کھانوں کے طشت منگوائے۔ رچرڈ تواضع اور مہمان نوازی میں کیوں مات کھاتا؟ رچرڈ نے اپنا خیمہ نصب کرایا۔ جہاں دونوں ضیافت اُڑاتے رہے مُسلمان باورچی بھی انواع و اقسام کے کھانے عیسائیوں کے خیموں میں لائے۔ رچرڈ نے بڑے تزک و احتشام سے ضیافت کی اور اپنے مہمانوں کے ہر تحفے کے عوض موزوں

تحفہ پیش کیا۔

سچّی بات تو یہ ہے کہ رچرڈ "کافروں" کے اِس امیر کا مداح بن گیا جو ایک ہی نشست میں بھنا ہوا سالم دُنبہ چٹ کر جاتا تھا، جو لطیفہ گوئی میں لاجواب تھا، جو فنِ شکار اور شاہین بازی کا ماہر ——— اور نارمن نائٹوں کی طرح خودار اور پُروقار تھا۔ واقعی ایسا شخص ہی متلوّن مزاج فرانسیسی نائٹوں اور راہبِ ٹامپلروں (جو جافا کی دیواروں کی مرمّت میں سر کھپا رہے تھے) سے اُکتائے ہوئے رچرڈ کی دلجوئی اور مدارات کر سکتا تھا۔ چنانچہ رچرڈ کو جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی وہ بلا تکلّف ملک العادل سے منگوا لیتا۔ وہ اکثر شربت کی فرمائش کرتا اور جب اسے بخار ہُوا تو ملک العادل نے اسے جبل ہرمون کی برف پوش چوٹی سے برف منگوا کر بھجوائی۔ ملک العادل نہایت خندہ پیشانی سے اس کی فرمائشیں پوری کر دیتا۔ وہ رچرڈ کے کردار کا بغور مطالعہ کرتا رہا اور ہمیشہ اِس سے کمالِ مروّت اور اخلاق سے پیش آیا۔

چند مہینے بعد رچرڈ نے ملک العادل کے حُسنِ اخلاق[1] سے متأثر ہو کر دوستانہ جذبات کا اظہار کیا۔ رچرڈ نے اِس کے بڑے لڑکے کو مدعو کیا اور اپنے عیسائی نائٹوں کے روبرو ایک

---

[1] والٹر سکاٹ نے اپنے ناول میں ذکر کیا ہے کہ سُلطان صلاح الدین طبیب کا بھیس بدل کر رچرڈ کے خیمے میں آیا اور اس کا علاج کرتا رہا۔ یہ واقعہ محض افسانوی تخلیق ہے۔ سُلطان اور رچرڈ کی نہ میدان جنگ میں مُلاقات ہوئی اور نہ کبھی متارکۂ امن کے دَوران میں۔ اِس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ سُلطان نے رچرڈ کے علاج کے لیے اپنا طبیب بھیجا۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ رچرڈ کی علالت کے دَوران میں سُلطان نے تازہ پھل اور برف بھیجی تھی۔ (مصنّف)

دریں حالات سلطان کا شاہی طبیب کو بھجوانا قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اگر ملک العادل کے باورچی رچرڈ کے کام و دہن کی تسکین کا سامان بہم پہنچا سکتے تھے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ شفیق سُلطان نے اپنے علیل مخالف کے لیے معالج نہ مقرر کیا ہو۔ بہر کیف سُلطان کا طبیب کا سوانگ بھرنا افسانہ و رومان کی دُنیا سے تعلّق رکھتا ہے۔ (مترجم)

شاندار تقریب میں اسے نائٹ بنایا۔ اس وقت رچرڈ کے زرخیز دماغ میں ایک اور منصوبہ پرورش پا رہا تھا جس سے ملک العادل حیران رہ گیا۔

رچرڈ کو جنگ و جدل ختم کرانے کی انوکھی تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنی بہن سے، جوان اور شائستہ و خوش اخلاق ملک العادل کی شادی کی تجویز پیش کر دی۔ شادی کے بعد مسلمانوں کی طرف سے سلطان صلاح الدین اور صلیبیوں کی طرف سے شاہ انگلستان اپنے اپنے مفتوحہ علاقے نئے شادی شدہ جوڑے کو پیش کر دیں۔ اِس طرح یروشلم پر فریقین کا پُرامن تسلط ہو جائے گا، زائرین آزادانہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کر سکیں گے اور مقدس صلیب الصلبوت عیسائیوں کو واپس مِل جائے گی۔ رچرڈ نے یہ پیشکش بظاہر انتہائی خلوص سے پیش کی۔ ملک العادل نے یہ تجویز اپنے بھائی کو بتائی تو کچھ بوکھلا سا گیا۔

"کیا آپ منظور کر لیں گے؟" بہاء الدین نے متجسس انداز میں سلطان سے پوچھا۔

"ہاں یقیناً"، سلطان نے مسکراتے ہوئے تین مرتبہ دہرایا۔ سلطان کو خوب اندازہ تھا کہ یہ تجویز ناقابلِ عمل ہے۔ بالآخر رچرڈ کو اعلان کرنا پڑا کہ میری بہن کسی مسلمان سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں۔

اِس دوران میں رچرڈ بے کار نہیں بیٹھا تھا۔ دشمن کے سواروں سے روزانہ جھڑپیں ہوتی رہتیں، جن میں رچرڈ کو اپنی بہادری اور جواں مردی کے جوہر دکھانے کے مواقع ملتے رہتے۔ اِن مقابلوں سے رچرڈ بہت خوش رہتا۔ اکثر وہ چند سوار لے کر دشمن کے گشتی دستوں کا سُراغ لگانے نِکل جاتا اور انہیں مار بھگاتا۔

ایمبروز لکھتا ہے "شاہِ انگلستان ترکوں پر چھاپہ مارنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے حالات دگرگوں ہو گئے۔ اِس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ شاہ کے ساتھ مٹھی بھر سپاہی تھے اور دوسری بات یہ ہوئی کہ وہ خود سو گیا۔

ترک ان کی گھات میں تھے۔ وہ دبے پاؤں اِتنے قریب پہنچ گئے کہ بمشکل بادشاہ کو

بروقت بیدار کیا جا سکا۔ صاحبان! آپ یہ سُن کر حیران نہ ہوں کہ وہ اِتنی تیزی سے کیسے اُٹھا۔ اکیلا آدمی دشمن کے نرغے میں آجائے تو وہ آرام نہیں کر سکتا۔ خُدا کے فضل سے وہ کُود کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس کے ساتھی بھی گھوڑوں کی پُشت پر بیٹھ گئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔ جب تُرکوں نے بادشاہ کو دیکھا تو انہوں نے اپنی باگیں موڑلیں اور اپنی کمین گاہوں کا رُخ کیا۔ رچرڈ تیزی سے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ چند تُرک گھات میں تھے انہوں نے جھپٹ کر بادشاہ کو پکڑنا چاہا جو اپنے محبوب گھوڑے فاول پر اُڑا چلا آتا تھا۔ بادشاہ نے فوراً اپنی تلوار نکالی اور دُشمن پر ٹوٹ پڑا۔

"چاروں طرف سے تُرکوں کا گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ وہ اس پر ہجوم کرنے لگے لیکن کسی کو اس کی شمشیر کی زد میں آنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ وہ کون ہے تو وہ ہر قیمت پر اسے پکڑ لیتے۔ اِس وقت وفادار نائٹ ولیم آف پیرو زور سے چلّایا۔

"مَیں ملک ہوں" یعنی مَیں بادشاہ ہوں۔ تُرکوں نے یورش کر کے اسے گرفتار کر لیا اور اسے اپنے لشکر میں لے گئے۔

"اِس معرکے میں جواں مرد ریجوڈی مارن اور اس کا بھانجا مارے گئے۔ اس کے علاوہ ایلن اور لوکس آف سٹیبل بھی کھیت رہے۔ کسی نے تُرکوں کا تعاقب نہ کیا، وہ ولیم کو گرفتار کر کے منظم جمعیت میں واپس چلے گئے۔

"جب خُدا کے فضل سے بادشاہ کی جان بچ گئی تو اس کے خیر خواہوں نے جو اس کی جوشیلی طبیعت سے خوب واقف تھے اس کی سلامتی کے خیال سے گزارش کی:۔

"حضور! خُدارا ایسا نہ کیا کیجیے۔ یہ مہمیں آپ کے شایانِ شان نہیں۔ آپ کے ہاں بہادروں کی کمی نہیں۔ آپ اکیلے نہ جایا کریں، ہم سب کی زندگیوں کا انحصار حضور کی ذات پر ہے"۔

"کئی بہادروں نے اس سے یہی گزارش کی۔ لیکن جب اُسے مبارزت اور مقابلوں کی خبر ملتی (اور اس سے کوئی خبر کیونکر پوشیدہ رہ سکتی تھی) وہ بے تاب ہو جاتا اور بے تحاشا ترکوں کے خلاف جنگ میں کود جاتا۔

"ایک دفعہ ٹمپلر سامانِ رسد لانے والوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ کہ ترکوں کے چار دستے ان پر ٹوٹ پڑے۔ ترکوں نے باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ جب رچرڈ وہاں پہنچا لڑائی زوروں پر تھی۔ ہماری فوج ترکوں کے نرغے میں پھنس چکی تھی۔ بادشاہ کے ہم رکاب منتخب بہادر سوار تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے التجا کی:۔

"حضور آپ خود کو انتہائی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ اب انہیں دشمن کے نرغے سے بچانا ناممکن ہے۔ خود کو ہلاک کرنے کے بجائے انہیں قسمت پر چھوڑ دینا چاہیے"۔

یہ سُن کر رچرڈ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس نے غصے سے کہا "میں نے انہیں یہاں بھیجا تھا۔ میں نے ہی انہیں حکم دیا تھا۔ اب وہ میرے بغیر مارے جائیں تو میں بادشاہ کہلانے کا مستحق نہیں"۔

اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، باگیں ڈھیلی کیں اور عقاب کی طرح ترکوں پر جھپٹا۔ وہ ترکوں کے قلب کو چیرتا ہوا نکل گیا اور ان کو پیچھے دھکیلنے کے لیے مڑ کر پے در پے حملے کرتا رہا۔ اس کی شمشیر خارا شگاف سے سروں، دھڑوں اور ہاتھوں کے انبار لگ گئے۔ اس نے اپنا راستہ صاف کر لیا اور ترک خوف زدہ جانوروں کی طرح تتر بتر ہو گئے۔ جو بھاگ نہ سکے وہ مارے گئے۔ ہمارے دستے ترکوں کا تعاقب کرتے رہے یہاں تک کہ لشکرگاہ کو واپس ہونے کا وقت آ گیا"۔

اکتوبر اور نومبر گزر گئے۔ جافا کی تعمیر نو مکمل ہو گئی اور عکہ سے فوجیں بلوائی گئیں۔ جافا کے گرد سنگتروں کے باغ پھل سے لدے ہوئے تھے۔ ابر آلود آسمان کے نیچے

بادِ خزاں کے جھونکوں سے زرد گھاس خشک میدانوں کے سینے پر لہراتی تھی۔ بادِ شمال چلتی اور غبار کی نقاب پہاڑوں کے چہرے پر سرسرانے اور مچلنے لگتی۔

رفتہ رفتہ صلیبی میدان میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ برباد بُرجوں اور ویران شہروں میں کمین گاہیں بنا بنا کر آگے بڑھتے رہے اور دامن کوہ تک پہنچ گئے۔ اب یروشلم کی سڑک ان کے سامنے تھی۔ یہ سڑک عمیق گھاٹیوں اور دشوار چٹانوں کے شانوں پر سے بل کھاتی اور اوپر چڑھتی ہوئی پہاڑیوں میں گم ہو جاتی۔ پہاڑیوں کی اوٹ میں، اس پُرپیچ سڑک کے کنارے بارہ میل کے فاصلے پر یروشلم کا مقدس شہر واقع تھا۔

انہوں نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کرنے میں بہت تاخیر کر دی تھی۔ خزاں آلود ہواؤں کے بعد بارش شروع ہو گئی تھی، اب خاصی سردی تھی۔ صلیبی سپاہی یروشلم کی زیارت کے لیے بے تاب تھے لیکن صلیبی سردار اس پُرخطر اقدام کے عواقب سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ اس مشکل کے حل کے لیے کوئی قابلِ عمل منصوبہ نہ بنا سکے اور نہ رچرڈ ہی کوئی تدبیر کر سکا۔

ایمبروز رقمطراز ہے "دن بدن سردی بڑھتی گئی۔ بارش اور بادلوں سے ہمارا بُرا حال ہو گیا۔ طوفانی ہواؤں سے ہمارے خیمے اُکھڑ اُکھڑ جاتے۔ کرسمس سے پہلے اور بعد ہمارے کئی گھوڑے مر گئے۔ بارش اور نمی سے خنزیر کا سوکھا نمکین گوشت گل گیا اور بسکٹ سڑنے لگے۔ زرہ بکتر زنگ آلود ہو گئیں اور کئی سپاہی سردی اور فاقہ کشی سے بیمار پڑ گئے۔

"لیکن ان مصائب کے باوجود ہمارے دل پُرسکون اور مسرور تھے۔ ہم مزارِ مسیح کی زیارت کی اُمید پر زندہ تھے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے لیے مریض بھی پالکیوں میں بیٹھ کر جافا اور دیگر مقامات سے ہماری چھاؤنی میں آنے لگے۔ ہمارے لشکر میں سرشاری اور خوشی کا عالم تھا۔ سپاہی مُنہ سے خود ہٹاتے اور اپنے سر اوپر اُٹھا کر پُرجوش نعرے

لگاتے:۔

"اے مریم مقدّس! اے مقدّس دوشیزہ ہماری مدد کر"!۔

"ہمارے آقا و مولا۔ ہماری فریاد سُن! ہمیں اپنی عبادت اور شکرانے کی سعادت نصیب کر۔ ہمیں اپنے مزارِ اقدس کا جلوہ دکھا"۔

"لیکن اِس جوش و خروش کے باوجود سرداروں اور امیروں نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ ساری فوج عسقلان کو واپس ہو جائے اور اس کی شہر پناہ بنائے[1]۔

"جب یہ خبر فوج میں مشہور ہوئی تو ہر طرف حسرت اور مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ یروشلم کی زیارت کے ذوق و شوق کے مقابلے میں اِس محرومی کا رنج اور صدمہ شدید اور اذیّت ناک تھا۔

"بہت سے لوگ فرطِ جذبات سے بے قابو ہو گئے اور اپنے طویل قیام کو کوسنے لگے۔ سب کے حوصلے پست ہو گئے۔ وہ سامان رسد واپس لے جانے سے قاصر تھے کیونکہ گھوڑے اور ٹٹو سردی اور طوفانوں سے سخت کمزور ہو چکے تھے۔ جب ان پر سامان لادا جاتا تو وُہ گھٹنوں کے بَل گر جاتے اور پھر اُٹھ نہ سکتے۔ وہ انہیں پیٹتے اور گالیاں دیتے اور تنگ آ کر انہیں ابلیس کے حوالے کر کے چل دیتے۔ بالآخر سب چلے گئے اور اسی دِن رملہ پہنچے۔

---

[1] عیسائی فوج یروشلم کا محاصرہ کرنے سے قاصر تھی۔ صلاح الدین کی منظم فوجوں کی موجودگی اور بارش کی وجہ سے عیسائی فوج کے حوصلے پست ہو چکے تھے، اگرچہ فرانسیسی امیر محاصرے پر زور دیتے رہے۔ فوجی قائدوں نے محاصرے کا کوئی منصوبہ تیار نہیں کیا تھا۔ چھاؤنی کو محض بے تاب صلیبی سپاہیوں کی جمعیّت کو خوش کرنے کے لیے پہاڑیوں میں منتقل کیا گیا تھا۔ تاکہ وہ دُور سے یروشلم کی ایک جھلک دیکھ لیں لیکن اِس نیم دلانہ اقدام سے لوگوں میں بددلی اور مایوسی پھیل گئی۔ (مصنّف)

"رملہ میں بھی فوج تھی۔ لیکن عام بددلی اور مایوسی پھیل جانے کی وجہ سے اس کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ بے شمار فرانسیسی ڈیوک آف برگنڈی کے ہمراہ چلے گئے۔ بادشاہ اپنے بھتیجے کاؤنٹ ہنری آف شمپین کے ساتھ ایلین کو چلا گیا۔ دُوسرا دن قیامت کا ثابت ہُوا۔ ہم بعد از دوپہر عسقلان پہنچے۔ شہر ویران اور برباد تھا۔ ہمیں شہر میں داخل ہونے کے لیے ملبے کے ڈھیروں سے گزرنا پڑا۔"

صلاح الدین کو مُخبروں نے اِطّلاع کر دی تھی کہ ہماری فوج ساحل سمندر کی طرف چلی گئی ہے یہ سُن کر سُلطان نے اپنے لشکر کو مئی تک کی رُخصت دی اور وُہ چار سال شام میں قیام کے بعد خوشی خوشی اپنے گھروں کو چلے گئے۔

رچرڈ نے جافا کی تعمیر اور مرمت میں بڑی محنت کی۔ چونکہ ۱۱۹۲ء کے ابتدائی ہفتوں میں صلیبی افواج سخت انتشار اور پریشانی کا شکار ہو چکی تھیں، اِس لیے خاطر خواہ کام نہ ہوسکا۔ فرانسیسی فوج کا سامان رسد اور خزانہ ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے رچرڈ سے قرضے کی درخواست کی۔ ڈیوک آف برگنڈی نے ناامید ہوکر کونارڈ سے امانت طلب کی لیکن کونارڈ اس وقت خُفیہ طور پر صلاح الدین سے نامہ و پیام کر رہا تھا۔ وُہ رچرڈ کے خلاف جنگ کرنے پر بھی آمادہ تھا بشرطیکہ سُلطان چند ساحلی شہر اس کے حوالے کرنے پر رضامند ہو جاتے۔ نارمن اور انگریز نائٹ فرانسیسیوں کا مذاق اُڑاتے اور یہ کہتے کہ تمہارے ہاتھوں میں تو تلواروں کے بجائے شراب کے جام تھے۔ تمہیں جنگ سے مطلب، ارے تمہیں یاد نہیں کہ عکّہ میں تم لوگوں نے کسبیوں کے گھروں پر ایسے ہجوم کیا تھا کہ تمہارے مُنتظر ساتھیوں کو دروازے توڑ کر اندر داخل ہونا پڑتا تھا۔"

اہل جنیوا اور اہل پیزا آپس میں اُلجھنے لگے۔ انہوں نے آغاز جنگ سے صلیبی محاربین کی ہر ممکن مدد کی تھی لیکن اب وہ ساحل فلسطین کی بندرگاہوں کے لیے ایک دُوسرے سے لڑ پڑے اور ان کی دیرینہ عداوت کے زخم ہرے ہو گئے۔ عکّہ کے بازاروں میں

انہوں نے اپنی خانگی جنگ کا فتنہ کھڑا کر دیا اور جب ڈیوک حاکم عکہ نے ان کے جھگڑے میں مداخلت کرنی چاہی تو گستاخ ہاتھوں نے اسے مہرہ زار گھوڑے سے اتار لیا یہ سن کر رچرڈ تیزی سے فسادیوں کے سر پر جا دھمکا اور فتنے کی آگ فرو کر کے امن و امان بحال کر دیا۔

اس نے فریقین کے سرغنوں کا اجلاس طلب کیا اور ان کی شکایات بغور سنیں۔ ان کا تصفیہ کرانے میں رچرڈ کو اپنی شکست کے احساس کے تلخ گھونٹ پینے پڑے۔ وہ ان کی قیادت میں ناکام رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم جنگ میں التوا اور نام نہاد بادشاہ گائی کی نااہلیت سے سخت بیزار ہیں۔ گائی نام کا بادشاہ ہے کام کا نہیں مسلمانوں کے خلاف اگر کوئی شخص ہماری قیادت کر سکتا ہے تو وہ کونارڈ آف مانسریٹ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کونارڈ مختلف گروہوں کو متحد اور شاہ یروشلم کی حیثیت سے فوجوں کی راہنمائی کرے۔ انہوں نے دو زانو ہو کر دست بستہ رچرڈ سے یہ گزارش کی۔

رچرڈ خاموشی سے ان کی عرضداشت سنتا رہا۔ یہ نیک شگون نہ تھا۔ کیونکہ انہی دنوں پیٹر فورڈ کے پادری کی زبانی اسے سمندر پار انگلستان سے کئی بری خبریں موصول ہوئی تھیں۔ پادری ولیم بشپ آف ایلی کا خط لایا تھا۔ انگلستان میں اس کا مفاد محفوظ نہ تھا۔ اس کے بھائی ارل جان نے شاہی چانسلر کو نکال کر خزانے پر قبضہ جما لیا تھا۔

اس نے صلیبیوں کی شکایات سنیں اور کونارڈ سے ذاتی اختلافات کو نظر انداز کر کے اس کے انتخاب اور شاہ گائی کی معزولی کو تسلیم کر لیا۔ لوسگنان کی تالیف قلب کے لیے جزیرہ قبرص اس کے حوالے کر دیا گیا۔

کونسل کے فیصلے کی تشہیر کے لیئے قاصدوں کو صور بھیجا گیا۔ صلیبی سپاہی رسم تاجپوشی کی خوشی میں اپنی زرہیں صیقل اور اپنے خستہ کپڑے صاف کرنے لگے لیکن چند دن کے بعد یہ رنگ رلیاں یکدم ختم ہو گئیں جب پہاڑوں سے پرے ایک پراسرار قوت نے مداخلت

کر کے حالات کا رُخ بدل دیا۔

کونارڈ ایک رات بشپ آف بولیس کے ہاں سے دعوت کھا کر واپس آ رہا تھا کہ دو نوجوانوں نے اچانک حملہ کر کے خنجروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ نوجوان فدائی فرقے سے تعلق رکھتے تھے یہ وہی فدائی تھے جو کبھی صلاح الدین کی زندگی کے درپے تھے۔ اب انہوں نے مارکوئیس کو ٹھکانے لگا دیا۔ چاروں طرف شورش اور بدنظمی پھیل گئی اور کونارڈ کے قتل کے متعلق طرح طرح کے افسانے مشہور ہو گئے۔ اس کی موت کے متعلق شامی عالم ابو الفرج کا بیان مستند اور واضح ہے جو اس نے واقعے کے چند سال بعد سپرد قلم کیا تھا۔

راہبوں کے چغوں میں ملبوس دو اسماعیلی نوجوان مارکوئیس پر ٹوٹ پڑے مارکوئیس گھوڑے پر سوار آ رہا تھا۔ پہلے نے خنجر کا بھرپور وار کیا اور دوسرا قریب ہی گرجے میں بھاگ گیا۔ دراصل حملہ آور کے ساتھی زخمی مارکوئیس کو اٹھا کر گرجے میں لے گئے۔ جب قاتل کے ساتھی نے مارکوئیس کو زندہ اور بولتے ہوئے دیکھا تو وہ اس پر جھپٹا اور ایسا کاری وار کیا کہ اس نے اُسی وقت دم توڑ دیا۔ اس کی نعش گرجے کے وسط میں پڑی تھی۔

وہ دونوں اسماعیلی پکڑے گئے۔ فرانکوں نے انہیں عذاب دیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں شاہِ انگلستان نے قتل پر مامور کیا تھا۔ بعد میں انہیں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ کونارڈ اور رچرڈ کی باہمی دشمنی کی بنا پر فرانکوں نے ان قاتلوں کی باتوں پر اعتبار کر لیا۔ حالانکہ بعد میں یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ اسماعیلیوں کے سردار "سیدنا"[1] کے فرستادہ تھے۔

---

[1] اسماعیلیوں کو حشیشین اور فدائی بھی کہتے تھے۔ اسماعیلی فرقے کا سردار عام طور پر "سیدنا" کے لقب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ مؤرخوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ کونارڈ کا قتل رچرڈ کی سازباز کا نتیجہ تھا کئی صفحے سیاہ کیے ہیں۔ جب رچرڈ آسٹریا میں گرفتار ہوا (بقیہ حاشیہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۲۵۲)

کونارڈ سے صلاح الدین بھی خائف تھا۔ اس کی موت کے بعد صلیبی گروہوں کے باہمی اختلافات ختم ہو گئے۔ فرانسیسی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے صور میں جمع ہوئے۔ اتفاق سے ہنری آف شمپین بھی اِدھر آ نکلا۔ لوگوں نے اسے تاج شاہی پیش کیا۔ نوجوان ہنری مرنجاں مرنج طبیعت کا مالک تھا۔ کوئی فریق اس کا دشمن نہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ رچرڈ

(سلسلے کے لیے دیکھیے بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۱) تو اس کے خلاف یہ الزام دُہرایا گیا۔ جان ہیمز جیسے نامور مؤرخ کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ واقعی مُجرم تھا۔

بہاءالدین کی تقلید کرتے ہوئے مسلمان مؤرخ بھی رچرڈ کو مورد الزام سمجھتے ہیں۔ اگرچہ بہاءالدین نے صاف طور پر لنگر گپ دہرائی ہے جو اس وقت عام طور پر مشہور تھی۔ فدائیوں کا بیان جو انہیں اذیت دے کر لیا گیا، رچرڈ کے خلاف شہادت کے طور پر ہرگز معتبر نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ عجیب مصنوعی خط جو بعد میں دستیاب ہُوا اور جس کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اسماعیلیوں کے شیخ نے رچرڈ کو تحریر کیا تھا، دراصل بے معنی ہے۔

اِن شواہد کے برعکس ایسا بُزدلانہ قتل رچرڈ کے کردار کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اِس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ وہ اس وقت فدائیوں کے علاقے کے جوار میں قیام پذیر تھا یا اس کے فدائیوں سے تعلقات تھے۔ رچرڈ کے خلاف الزام کی تاریخی شواہد سے تصدیق نہیں ہوتی۔ البتہ کونارڈ کے متعلق یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اِس کا شیخ الجبل سے جو اس کا دُور کا ہمسایہ تھا کوئی تنازع ہو۔ اِس وقت کونارڈ بیروت اور طرابلس کی بندرگاہوں پر قبضہ جمانے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ یہ دونوں بندرگاہیں فدائیوں کے مرکز سے قریب تھیں۔ اگر وہ صلیبی ریاستوں کا بادشاہ بن جاتا تو اُس کا وجود فدائیوں کی طاقت کے لیے زبردست خطرہ ہو سکتا تھا۔ اِس لیے ہمیں ابوالفراج کے حوالہ بالا درست نتیجے پر شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

(مصنف)

اور فلپ آگسٹس کا قریبی عزیز بھی تھا۔ کونارڈ کی موت سے شہزادی ازابیل بیوہ ہو گئی تھی۔ عمائدین شہر نے ہنری سے درخواست کی کہ وہ فوراً ازابیل سے عقد کر لے۔

رچرڈ کو کونارڈ کے قتل کی خبر اس وقت ملی جب وہ کہیں جنوب میں جنگلی سوروں کا شکار کھیل رہا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ سناٹے میں آ گیا۔ اور خاصی دیر خاموش رہا۔ بالآخر اس نے امیروں سے یوں خطاب کیا "صاحبان! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کاؤنٹ ہنری عکّہ اور صور پر قبضہ ہی نہیں، بلکہ اس سرزمین پر تسلّط بھی قائم کر لے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جہاں تک بیوہ شہزادی سے اس کی شادی کا تعلق ہے میں اس معاملے میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا کیونکہ مرحوم مارکوئیس نے شہزادی سے جبراً شادی کی تھی میری طرف سے کاؤنٹ کو پیغام دے دو کہ وہ جلد از جلد لڑائی کی تیاری کرے اور فرانسیسی لشکر کو ہمراہ لائے"۔

ایسٹر کے تہوار کے بعد ہنری نے جواں سال ازابیل سے شادی کر لی اور صلیبی فوجیں اس کے پرچم تلے جمع ہو گئیں۔ تقدیر نے صلاح الدین کے راستے سے کونارڈ کا کانٹا ہٹا دیا تھا لیکن ابھی رچرڈ باقی تھا۔

رچرڈ میدان جنگ میں نہایت مستقل مزاج تھا لیکن جب کسی مہم کی تنظیم یا قیادت کا بار اس کے کندھوں پر آن پڑتا تو اس کے پائے ثبات میں لغزش آ جاتی۔ چنانچہ اس نے مہم کی تنظیم کے بجائے صلاح الدین سے گفتگوئے مصالحت کے لیے قاصد روانہ کر دیے۔ اس نے اپنے سفیروں کو ہدایت کی:

"سلطان کو میرا سلام پیش کرنے کے بعد کہنا کہ "جنگ سے مسلمان اور فرانک خستہ حال ہو گئے ہیں فریقین کو بے شمار جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے لیکن جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم یروشلم سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آپ دریائے اردن تک سارا علاقہ ہمارے حوالہ کر دیں۔ صلیب الصلبوت

آپ کے لیئے بے وقعت لکڑی ہے لیکن ہمارے لیئے نہایت مقدس مذہبی تبرک ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ اسے ازراہ کرم ہمیں واپس کر دیں گے"۔

صلاح الدین نے اپنے امیروں سے مشاورت کے بعد یہ جواب دیا۔

"ہم یروشلم کو آپ سے بھی زیادہ مقدس سمجھتے ہیں۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج آسمانی کی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی اور ساری اُمت کو قیامت کے دن یہیں جمع کیا جائے گا۔ یہ خیال بھی نہ کریں کہ ہم کبھی یہ مقدس مقام آپ کے حوالے کر دیں گے۔ یاد رکھیں کہ یہ سرزمین ہماری ہے اور آپ لوگ حملہ آوروں کی حیثیت سے یہاں وارد ہوئے ہیں۔ اس لیئے آپ کو اس سے دست کش ہونا پڑے گا۔ اگر آپ نے ایک مرتبہ اسے فتح کر لیا تو اس سے آپ کو مستقل قبضے کا حق نہیں پہنچتا۔ آپ نے پہلی مرتبہ بھی اچانک دھاوا کر کے اس پر قبضہ جما لیا تھا۔ آپ کی کامیابی کی وجہ مسلمان امیروں کا باہمی نفاق اور کمزوری تھی۔ اب جب تک جنگ جاری رہے گی بفضلہ تعالےٰ ہم آپ کو اس شہر سے ایک پتھر بھی ہلانے نہیں دیں گے۔ صلیب الصلبوت ہمارے پاس رہے تو ہمیں فائدہ ہے اور اسلامی مفاد کی تقویت کے سوا ہم ہرگز اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔

پھر بوڑھے سلطان نے اپنے امیروں سے نہایت پُرزور الفاظ میں خطاب کیا۔

"اگر ہم اِن لوگوں سے صُلح کر لیں تو ان کی بد عہدی اور وعدہ شکنی کے خلاف ہمارے پاس کیا ضمانت ہے۔ میری موت کے بعد شاید اتنا لشکرِ عظیم کبھی جمع نہ ہو سکے۔ بہتر یہی ہے کہ جہاد اُس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک ہم حملہ آوروں کو واپس سمندر میں نہ دھکیل دیں یا شہید ہو جائیں"۔

۲۴

کارواں

سرزمینِ قدس میں پھر گرمیوں کی آمد آمد تھی۔ سلطان کے زرد پرچم کو دریائے اردن پار کیے پورے پانچ سال گزر چکے تھے۔ کوہسار کے دامن سبز و شاداب تھے اور پھلدار کے درخت پہرے داروں کی طرح ڈھلانوں پر ایستادہ تھے۔ شفاف نہریں گھنے چناروں تلے بل کھاتی سرخ چٹانوں کے تابناک لب چومتی زمردیں گھاس میں گم ہو جاتیں۔ گھاس پر سفید بھیڑیں چرتی رہتیں۔ اور کہیں کہیں عبا پوش گڈریے خاموش کھڑے نظر آتے۔ بھیڑوں کے گلّے خوب پلے ہوئے تھے۔ گرم ہوا میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی۔ اس پُرامن ماحول میں سپاہیوں کی تیز نقل و حرکت عجیب معلوم ہوتی۔ وہ نہایت مستعدی سے پہرے پر متعین تھے۔ وہ بھاری زرہ بکتر میں ملبوس جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ یہ جنگ ان کے گمنام آبا و اجداد نے شروع کی تھی جس کی آگ ابھی تک ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔ جنگ کا بار اب ان کے کندھوں پر تھا۔ جنگ سے ان کی زندگی کی راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ گاؤں کے گاؤں اب ویران ہو گئے تھے۔

زرخیز زمینیں کاشت کے بغیر بنجر پڑی تھیں کیونکہ وہ کشت و خون میں مصروف تھے۔ جنگ ان کی زندگی کا جز و بن کر رہ گئی تھی جیسے کہ کبھی یہ انطاکیہ اور حطین کے مقتولین کی زندگی کا حصہ رہی تھی۔ وہ بلند دیواروں کے سائے میں جمع ہوتے اور رات کی تاریکی میں بے راہ و نشاں وادیوں میں کھو جاتے۔

صلیبی پڑاؤ میدان میں تھا۔ وہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ایسٹر کے دن مزار مسیح پر ایک معجزہ رونما ہوا ہے۔ اس شام صلاح الدین مزار مسیح پر حاضر تھا، مزار میں اندھیرا تھا۔ بے نور فانوس اور قندیلیں چھت سے لٹک رہی تھیں کہ یکدم کسی غیر مرئی ہاتھ نے مسلمانوں کی آنکھوں کے روبرو سب فانوس اور شمعیں روشن کر دیں یقیناً یہ چراغاں آئندہ حالات کا مبارک شگون ہے۔

رچرڈ اور اس کی سپاہ میدانی علاقے میں تاخت و تاراج میں مصروف تھی انہوں نے داروم[1] کے قلعے پر دھاوا بول کر تمام مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر وہ یورش کر کے ریت کے ٹیلوں پر واقع غزہ[2] کے باغات تک جا پہنچے۔ لشکر میں رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہو گئی کہ انگلستان سے کئی قاصد رچرڈ کو واپس بلانے آئے ہیں۔ کوئی کہتا کہ انگلستان میں رچرڈ کے خلاف سازش ہو رہی ہے، ارل جان اور شاہ فلپ آگسٹس نے مل کر اس کے خلاف منصوبہ بنایا ہے، ممکن ہے اسے تاج و تخت سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ کوئی کہتا کہ وہ فوراً واپس چلا جائے گا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو وہ جنگ کے آخر تک

---

[1] یاقوت کا بیان ہے کہ یہ قلعہ مصر کے راستے میں غزہ سے آگے واقع ہے۔ یہاں سے سمندر نظر آتا ہے۔ جب صلاح الدین نے اسے فتح کیا تو اس کے مورچے بھی مسمار کرا دیے چند عیسائی مصنفین داروم کو "دارالروم" کا مترادف سمجھتے ہیں جو صریحاً غلط ہے (مترجم)

[2] غزہ جنوبی فلسطین میں ساحل سمندر پہ واقع ہے اور مصر کی شاہراہ پر سمندر کے کنارے ایک بڑا مشہور شہر ہے۔ (مترجم)

سرزمین مقدس میں رہے گا۔ اِس طرح وُہ آپس میں باتیں کرتے رہتے۔ بہرکیف ان کا مصمم ارادہ تھا کہ رچرڈ چلا گیا تو بھی وُہ یروشلم پر اپنی یلغار مُلتوی نہیں کریں گے۔ وُہ اپنے نیک ارادوں پر خوش تھے۔ رچرڈ ہجومِ تفکرات سے پریشان، اپنے خیمے میں بستر پر لیٹا سوچا رہتا۔ ایک دفعہ رچرڈ کے ذاتی پادری ولیم آف پوشو نے اسے یُوں خیالات میں مُستغرق دیکھا۔ لیکن اسے خلل اندازی کی جُرأت نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر تک پادری خیمے کے دروازے کے سامنے ٹہلتا رہا۔ اِس کی آنکھوں سے آنسُو رواں تھے ؛

بادشاہ نے اِسے بُلوایا اور پُوچھا "تمہیں خدا کی قسم۔ بتاؤ! کیا غم ہے جو تم یُوں رو رہے ہو؟" ؛

"حضور وعدہ کریں کہ میری عرض پر ناراض نہیں ہوں گے، پادری نے التجا کی "۔

رچرڈ نے اسے قول دیا اور پادری کی ہمّت بندھی ؛

"خداوند! لوگ آپ کو الزام دے رہے ہیں کہ آپ واپس جانا چاہتے ہیں یہ بات سارے لشکر میں پھیل چُکی ہے۔ خُدا کرے وُہ دِن کبھی نہ آئے جب آپ ہمیں چھوڑ کر جائیں۔ آپ خُدا کے فضل کو کبھی فراموش نہ کریں۔ آپ تائید ایزدی سے محفوظ رہے ہیں حالانکہ آپ کے ہم عصر تاجداروں کو بہت مصیبتیں اُٹھانی پڑی ہیں۔ یاد رکھیے جب آپ پوشو کے کاؤنٹ تھے، اُس وقت بھی کوئی حریف آپ کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے قوتِ بازُو سے سبھی کو نیچا دکھایا۔ آپ بریبکان خاندان کو تو نہیں بھُولے ہوں گے جسے آپ نے بار بار ہزیمت دی تھی، آپ کو ہارٹ فورٹ کی دلیرانہ مہم خُوب یاد ہو گی۔ جب سینٹ گائز کے کاؤنٹ نے اِس کا محاصرہ کیا تھا اور آپ نے اس کے چھکّے چھُڑا دیے تھے۔ یاد رکھیے کہ فضلِ ربّانی سے کیسے آپ سیف و سنان کے استعمال کیے بغیر تاج و تخت کے مالک بنے۔ یاد رکھیئے آپ نے کیسے آسانی سے میسینا کا شہر فتح کیا، کیسے آپ نے جزیرہ قبرص پر غلبہ پایا اور ایک شہنشاہ کو قیدی بنایا۔ کیسے

آپ نے عکّہ فتح کیا ——— آپ اِن تمام مواقع کو یاد کیجیے جب آپ تائیدایزدی سے کامیاب ہوئے۔ بادشاہ سلامت غور فرمائیے اور خُدا کی اِس مقدّس سرزمین کی حفاظت سے پیچھے نہ ہٹیئے یہ آپ کا مقدّس فریضہ ہے۔ آپ کے احباب بھی کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اِس سرزمین کو یُوں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو دشمن اِسے روند ڈالے گا اور یہ بڑی غدّاری ہو گی“۔

خیمے پر سکوت طاری ہو گیا۔ غُلام کو لب کُشائی کی جُرأت نہ تھی اور بادشاہ بدستور خاموش تھا۔ اِس کے سُرخ بال پریشان تھے۔ وُہ اپنی ٹھوڑی کو ہتھیلی پر جمائے گہری سوچ میں ڈُوبا ہُوا تھا۔ پادری خاموشی سے باہر چلا گیا۔ دُوسرے دِن رچرڈ شیر دل نے اپنے نقیبوں کو بُلایا اور حُکم دیا کہ عسقلان کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر ساری فوج میں یہ اعلان کر دو کہ ہم کسی دُنیاوی تقاضہ یا ترغیب سے متأثر نہیں ہوں گے اور آئندہ ایسٹر تک سرزمین مقدّس میں مقیم رہیں گے۔ اِس لیے سب لوگوں کو یروشلم کی طرف اقدام کے لیئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے“۔

فوج میں یُوں شادمانی و مسرّت کی لہر دوڑ گئی جیسے آمدِ صُبح سے پرندوں کے دلوں میں خوشی جاگ اُٹھتی ہے۔

”اب ہمیں مزارِ مسیح کی زیارت ضرور نصیب ہو گی“۔ یہ فقرہ سب کی زبان پر تھا۔ امیروں نے اپنے ساز و سامان درست کیے اور عام لوگوں نے مہینہ بھر کے لیے سامانِ رسد کا اہتمام کیا۔ عیسائی فوج کی ایک طویل قطار حرکت میں آ گئی۔ گرد و غبار کے بادلوں میں سے خود اور ڈھالیں چمکتی نظر آئیں۔ مرصّع ڈھالوں پر شیر اور بُرج دار اژدہا بنے ہوئے تھے۔ فوج تل صافیہ[1] اور ”نائٹوں کے ٹُوروں“ کے خرابات سے تیزی سے

---

[1] اِس کے لفظی معنی ہیں درہ سفید اس کا عربی نام تل صافیہ ہے یہ قلعہ ضلع الرملہ میں واقع ہے۔ (مترجم)

گزرتی ہوئی دامنِ کوہ کی طرف بڑھی اور بیت النیبل[1] کے جھونپڑوں تک جا پہنچی۔ اس مقام پر فرانسیسی بھی ان سے آملے۔ یہاں سے سڑک ایک گہری گھاٹی سے بل کھاتی ہوئی یروشلم کی طرف جاتی تھی۔

عیسائی فوج کو مجبوراً یہاں رکنا پڑا کیونکہ مسلمان سواران کے گشتی دستوں پر چھاپے مارنے اور سامانِ رسد کے قافلوں پر حملے کرنے لگے۔ اس لیے فرانسیسیوں اور ارل آف لیسٹر کو دشمن کے رسالے کی مزاحمت کا کام سونپا گیا اور باقی ماندہ فوج آلاتِ محاصرہ کے لیے شہتیر اور لکڑی کا سامان تیار کرنے لگی۔

لیکن رچرڈ کی توجہ دوسری طرف لگ گئی۔ ایک دن تین آدمی ترکوں کا لباس پہنے اس کے خیمے میں وارد ہوئے۔ ان کا مولد شام تھا اور وہ مسلمانوں کی زبان بلا تکلف بولتے تھے۔ وہ رچرڈ کے مخبر تھے اور مصر سے مفید معلومات لائے تھے۔ ان کی زبانی رچرڈ کو معلوم ہوا کہ قاہرہ سے موسم گرما کا پہلا کاروان مشرق کی جانب عازم سفر ہو چکا ہے۔ انھوں نے خود اس کاروان کو دیکھا تھا۔ لدے ہوئے اونٹ ایک دوسرے کی ناک اور دم سے بندھے ہوئے ایک لامتناہی قطار کی صورت میں چلے آتے ہیں۔ سامان سے لدے ہوئے گدھوں کی علیحدہ قطار ہے۔ کاروان کے ساتھ مسلح سوار گھوڑے دوڑاتے چلے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی خاندان اپنے مال و متاع، کنیزوں اور غلاموں سمیت اس کاروان کے ساتھ ہیں۔ یہ طویل کاروان جفر کے ریتلے ٹیلوں میں پیچ و خم کھاتا ہوا عسقلان کے گرد چکر کاٹ کر آہستہ آہستہ بحیرۂ مردار کی طرف جا رہا ہے۔ اب غالباً وہ کوہ ہبرون کی چٹیل پہاڑیوں سے گزر رہے ہوں گے۔

رچرڈ فوراً تیار ہو گیا۔ اس نے ایک ہزار منتخب سوار اور ایک ہزار مسلح سپاہی

---

[1] غالباً اس سے بیت نوبا مراد ہے جو القدس اور رملہ کے راستے کے وسط میں واقع ہے۔ اس بیان سے کوئی اور مقام مراد نہیں ہو سکتا۔ (مترجم)

ساتھ لیے اور اسی شام اپنے گھوڑے فاول پر سوار ہو کر جنوب کا رُخ کیا پہاڑیوں کی سیاہ فصیل سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا لیکن وہ چٹانوں کے تاریک سایوں کی اوٹ میں چلتے گئے۔ ان کے سامنے چاندنی میں دمکتا ہوا ریگ زار تھا۔ پہاڑیوں کے ابر و پر ایستادہ پہرے کی چوکیاں دُور سے سفید نظر آئیں ؛

اِس اخفا کے باوجود مسلمانوں کو ان کی نقل و حرکت کا پتا لگ گیا۔ قاصد تیز رفتار گھوڑے دَوڑاتے ہوئے سُلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سُلطان نے ایک دستے کو حکم دیا کہ فوراً اہلِ قافلہ کو خطرے سے خبردار کر دو اور اُن سے کہو کہ وہ شاہراہ کو چھوڑ کر کُھلے صحرا کا رُخ کریں مُسلمان سوار تیزی سے عیسائی دستوں سے آگے نکل گئے۔ انہیں راستے میں کہیں بھی دُشمن کا سُراغ نہ ملا، جو دن کو کہیں کھنڈروں میں چھپے رہے۔ وہ بحفاظت کارواں تک جا پہنچے۔ انہیں کہیں خطرے کے آثار دکھائی نہ دیے۔ اِس لیے اہلِ قافلہ شاداب نخلستانوں اور کنوؤں والی شاہراہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ عصر کے وقت انہوں نے بیرالخویلفہ پر قیام کیا۔ مویشیوں کو پانی پلایا اور حفاظتی دستے نے کنوئیں سے کچھ دُور ہٹ کر کُھلی جگہ میں خیمے نصب کر دیے۔ اگرچہ کنوئیں کے قریب ایک حوض بھی تھا، اس کے باوجود ہزاروں جانوروں کو پانی پلانے میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر سالارِ کارواں نے حکم دیا کہ کل صبح کوچ ہو گا۔ چنانچہ اہلِ کارواں مزے سے سستانے لگے ؛

رچرڈ کو قافلے کے ٹھہرنے کی خبر چند خیر خواہ بدوؤں نے دی جو اسی شام کھنڈروں میں پہنچے۔ رچرڈ نے پہلے سوچا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن پھر اس نے خود جا کر صورتِ حال معلوم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اِس نے چند ٹرکوپولوں کو بطور محافظ دستے کے ساتھ لیا۔ اِس نے عربوں جیسی عبا پہنی اور سر پر طلیسان باندھ کر تیار ہو گیا۔ اِس نے بدوؤں کو رہنمائی کے لیے ساتھ لیا[1] ؛ (نوٹ کے لیے دیکھیے صفحہ ۲۶۱)

وہ تیزی سے گھوڑے دَوڑاتے، دُشمن کی چوکیوں سے بچتے بچاتے اور پہاڑیوں کو عبور کرتے الخویلفہ پہنچے۔ وہ غُروبِ آفتاب کے وقت روانہ ہوئے اور پہاڑیوں سے چاند کے بلند ہونے تک منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور بڑی ہوشیاری سے آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ ایک پہاڑی کے قریب عرب پہرہ داروں نے انہیں للکارا۔

بدوؤں نے رچرڈ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ایک بدو نے پہرہ داروں کو جواب دیا۔

"ہم مالِ غنیمت کی تلاش میں عسقلان گئے تھے۔ اب اپنے ٹھکانوں کو واپس جا رہے ہیں"۔

اندھیرے سے کسی نے پکارا۔ "نہیں! تم ہماری مُخبری کرنے آئے ہو۔ تم شاہِ انگلستان کے آدمی ہو"۔

"واللہ! تم غلط سمجھتے ہو۔ بدّو نے قسم کھائی"۔

اور وہ رُکے بغیر کاروان کے موہوم سایوں کی طرف بڑھتے گئے۔ کئی سواروں نے ان کا تعاقب کیا لیکن ان کو نہ پا سکے۔ وہ اُونٹوں کے سایوں میں گُم ہو گئے۔ اور عربوں میں

ل حاشیہ صفحہ ۲۶۰) ایمبروز نے یہ نہیں لکھا کہ رچرڈ ٹرکوپولس کی معیت میں گیا تھا۔ البتہ بہاءالدین نے بعد میں کاروان کے کئی پسماندگان کی داستان سُنی۔ وہ اس حقیقت کو واضح بیان کرتا ہے"۔ جب شاہِ انگلستان کو عجمی زبانی کاروان کی خبر ملی تو اس نے ان کی باتوں پر یقین نہ کیا۔ وہ مختصر سے محافظ دستے کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس نے بدوؤں کو راہنمائی کے لیے ساتھ لیا۔ جب وہ کاروان کے قریب پہنچا تو اس نے عربوں کا بھیس بدل لیا۔ اس نے سارے پڑاؤ کا چکّر لگایا۔ جب اس نے دیکھا کہ سارے پڑاؤ پر خاموشی طاری ہے اور لوگ مزے سے سو رہے ہیں تو وہ تیزی سے واپس ہُوا اور اپنی فوج کو فوراً کمربستہ ہو کر چھاپہ مارنے کا حُکم دیا"۔

ایمبروز اور وِنسوف نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ رچرڈ کو مسلمان پہرہ داروں نے للکارا تھا۔ (مصنّف)

رل گئے۔ رچرڈ اور اس کے ساتھیوں نے خاموشی سے پڑاؤ کے گرد چکر لگایا اور اس کے پھیلاؤ کا بخوبی اندازہ کر کے فوراً واپس چلے گئے۔

حملہ آوروں نے کھانے سے فارغ ہو کر گھوڑوں کو پانی پلایا اور چھٹکی ہوئی چاندنی میں روانہ ہوئے۔ وہ چاند غروب ہونے کے وقت اندھیرے میں الخویلفہ پہنچے۔ رچرڈ صبح کاذب کے وقت کو حملے کے لیے بہت موزوں سمجھتا تھا۔ اس نے فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا، پیادہ فوج کو نائٹوں کی قیادت میں بڑھنے کا حکم دیا۔ اور بعد میں فرانسیسیوں کو فوراً پیش قدمی کی تاکید کی۔ شاہی نقیبوں نے اعلان کر دیا کہ خبردار لوٹ مار کرنے کے لیے کوئی نہ رکے۔

انہوں نے بے تحاشا مقابل کے خیموں پر دھاوا بول دیا۔ اتفاق سے یہ خیمے کارواں کے مسلح حفاظتی دستوں کے تھے۔ سپاہی اور اہل قافلہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ وہ شب باشی کے لباس ہی میں گھوڑوں کی طرف لپکے۔ لیکن نائٹوں کی لمبی تلواروں کا شکار بن کر رہ گئے۔ کچھ سپاہی گھوڑوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے تیزی سے ایک ٹیلے پر مورچہ بنا لیا اور آخر دم تک وہاں جمے رہے۔

اس اثنا میں صبح صادق ہو گئی اور صلیبیوں کی نظر اصلی کاروان پر پڑی۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی۔ میدان دوڑتے ہوئے گھوڑوں اور بھاگتے ہوئے آدمیوں سے بھر گیا۔ اونٹ خوف زدہ ہو کر کودنے اور بلبلانے لگے۔ عورتیں چیخنے اور بچے چلانے لگے۔ بدوؤں نے جی بھر کر لوٹا اور لوٹ کے انبار اکٹھے کر لیے۔

ارل آف لیسٹر اور آنجو کے زرہ پوش نائٹ دشمن کے پرے کے پرے صاف کرتے جاتے اور اس افراتفری میں ان کی شکلیں صاف نظر آتیں۔ مسلمانوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن سورج طلوع ہونے کے بعد وہ پسپا ہو گئے اور کاروان کا دو تہائی حصہ صلیبیوں کی دستبرد سے صاف بچا کر لے گئے جو کسی اور جگہ خیمہ زن تھا۔

بے انتہا دولت حملہ آوروں کے قبضے میں آ گئی۔ انہیں گرم مسالے سے لدے ہوئے

کئی خچر ملے سونے اور چاندی سے لبریز صندوق، اطلس و کمخواب کے تھان، اسلحہ، شامیانے اور بیش قیمت کپڑے ان کے ہاتھ لگے۔ انہوں نے چار ہزار اُونٹ اور چار ہزار گھوڑے پکڑے۔ جب سامان کا بغور معائنہ کیا گیا تو کئی نادر چیزیں دستیاب ہوئیں مثلاً مُذہب زرہ بکتر، ہاتھی دانت کی بساطیں، دوائیں اور نقرئی طشت لیکن سب سے مفید چیز جو انہیں ملی وُہ فراواں سامان رسد تھا۔ جو، گندم اور شکر کی وافر مقدار اُن کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے پانچ سَو قیدی بنائے جو بچارے سامان سے لدے ہوئے جانور ہانک کر عیسائیوں کے پڑاؤ میں لائے۔

وہ بیت النیبل واپس آئے تو ان کا بڑا شاندار خیر مقدم کیا گیا لیکن تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک منحوس خبر سُنی۔ مُخبروں نے اطلاع دی کہ مُسلمانوں نے یروشلم کے اِردگرد تمام کنوئیں برباد اور سارے چشمے بند کر دیے ہیں۔

یہ سُن کر رچرڈ کا ولولہ سرد پڑ گیا۔ تُندمزاج ٹمپلر بھی چُپ ہو گئے۔ لیکن اس کے اردگرد پُرجوش آدمی بدستور دُعائیں مانگ رہے تھے اور یروشلم پر پیش قدمی کے لیے بے تاب تھے۔ رچرڈ پر دوبارہ خاموشی چھا گئی اور وُہ کسی گہرے خیال میں کھو گیا۔ چاروں طرف سناٹا تھا تاریک اور گہری گھاٹی کے کنارے سے چاند آہستہ سے اُبھرا اور نسیم صحرا کے نرم جھونکے آنے لگے...... پہاڑوں سے پرے کہیں پنہاں آنکھیں تاک میں تھیں اور مَوت گھات میں ـــــ ان سایوں سے پرے کہیں یروشلم کی سفید دیواریں چاندنی میں کِسی طلسمی شہر کی فصیلوں کی طرح جگمگا رہی تھیں ـــــ لیکن وہاں پانی مفقود تھا ـــــ اِردگرد ایک دشت بے آب وگیاہ تھا۔ اِن پہاڑوں سے پرے کہیں...... دُور...... دُور...... دُور گہرے دُھندلکے میں مدھم چٹانیں مرئی شکل اختیار کرنے لگیں اور اس کی نظروں کے سامنے کہیں اندھیرے سے سنگلاخ، دُشوار اور خوفناک قلعوں کا ایک لامتناہی سلسلہ اُبھر آیا......

۲۵

بہاءالدین کی داستان

صلاح الدین کو صلیبیوں کی نقل و حرکت کی خبر روزانہ پہنچتی رہتی۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ بیت النیبل پر مرکوز ہو کر یروشلم کے محاصرے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ سلطان کو اپنی سپاہ کی تھکن اور بیزاری کی کیفیت بھی معلوم تھی۔ وہ محاصرۂ عکہ اور ارسوف کی شکست سے خاصے مضمحل ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود سلطان نے دم لینے کی مہلت بھی گوارا نہ کی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ طلوع آفتاب سے پہلے ہی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر معماروں کے کام کی نگرانی کے لیے پہنچ جاتا جو یروشلم کی فصیل بنا رہے تھے۔ اس نے فصیل کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے کئی امیروں کو اس کی تعمیر کی نگرانی کے لیے مامور کر دیا تھا۔ سارا دن معمار بڑی تندہی سے کام کرتے اور گروہ در گروہ مزدور بھاری پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے۔ جن کی آلات محاصرہ کے لیے ضرورت تھی۔ بعض اوقات سلطان اپنے مرکب سے اتر کر مزدوروں کے گروہ میں شامل ہو جاتا اور بذات خود پتھر ڈھونے لگتا۔

بہاء الدین بیان کرتا ہے "سب کو معلوم تھا کہ یروشلم کے گرد و نواح کی زمین انتہائی سنگلاخ اور چٹانوں سے پُر ہے۔ یہاں کنوئیں کھودنا ناممکن ہے۔ چُنانچہ سُلطان نے بڑی ہوشیاری سے القدس کے قُرب و جوار میں آب رسانی کے تمام وسائل مسدُود کر دیے۔ اس نے چشمے بند کرا دیے، حوض پاٹ دیے اور کنوئیں تُڑوا دیے۔ شہر سے باہر پینے کے پانی کا ایک قطرہ بھی مِلنا محال ہو گیا۔ سُلطان نے تمام ولائیتوں کو قاصد دَوڑائے کہ جلدی کمک بھیجیں"*

کاروان کی تباہی کے بعد بُدھ کے دِن بُوڑھے سُلطان نے یروشلم کی مدافعت کی تجاویز پر غور کرنے کے لیے امیروں کی مجلسِ مشاورت طلب کی۔ ایوانِ سُلطانی میں امیر جمع ہونے لگے۔ وُہ عمدہ قالینوں پر بیٹھے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اِس اجتماع سے کئی مانُوس چہرے غائب تھے۔ دانا اور باتدبیر ملک العادل دریائے فرات سے پار بغاوت فرو کرنے گیا ہُوا تھا اور سُلطان کا بازوئے شمشیر زن تقی الدین مشرقی سرحد پر لحد میں محوِ خواب تھا ــــــ جب سُلطان کو اس کی وفات کا خط مِلا تو اس نے خُدام کو ــ ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے لرزتی ہوئی اُنگلیوں سے مُہر کو توڑا۔ اس کی آنکھوں سے ایک سیل اشک اُمڈ آیا اور وُہ بڑی دیر تک اکیلا روتا رہا ــــــ لیکن آج امیر اکراد المشطوب حاضر تھا، فرنگیوں کی قید سے زرِ فدیہ کی رقم خطیر ادا کر کے اسے رہا کرایا گیا تھا۔ اس کی رہائی بہت گراں تھی۔ المشطوب کی وجہ سے سُلطان کو کڑی شرائط تسلیم کرنی پڑی تھیں لیکن اسے آزاد کرایا گیا۔ جب وُہ حاضر ہُوا تو سرزنش کرنے کے بجائے سُلطان مسندِ سُلطانی سے اُٹھ کر بڑی گرم جوشی سے اس سے بغل گیر ہو گیا۔ سُلطان نے نہایت اخلاص سے کہا "ہم ممنون ہیں کہ آپ نے عکہ میں سب سے زیادہ مصیبت اُٹھائی ہے"۔

مشطوب نَو واردوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ابوالہیجا بھی موجُود تھا جو اِتنا موٹا ہو گیا تھا کہ گر جائے تو اس کے لیے اُٹھنا محال تھا۔ اِس کے علاوہ بلادِ مشرق کے دُبلے چُست

ترکمان سردار حاضر تھے۔ آزمودہ کار اسدالدین بھی شریک مشاورت تھا۔ بہاءالدین اپنے آقا کے قریب بیٹھا تمام چہروں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے مؤدبانہ طور پر قاضی موصوف سے فضائلِ جہاد پر تقریر کرنے کی درخواست کی۔ قاضی کی تقریر کے دوران میں سلطان اپنے خیالات مجتمع کرنے میں مصروف رہا۔ اس نے بھانپ لیا۔ کہ امیر اپنے دلوں میں ذوقِ جہاد اور جنگی خطرات کا موازنہ کر رہے ہیں۔ انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ القدس کا محاصرہ کہیں محاصرۂ عکہ نہ بن جائے۔ اِس لیے وہ کھلے میدان میں معرکہ آرائی کے خواہاں تھے۔ مجلس مشاورت کی روئداد بہاءالدین کی زبانی سُنیے:۔

"کچھ دیر سلطان کسی گہری فکر میں مستغرق اور ہم احتراماً خاموش رہے۔ بظاہر امیر نہایت خوش نظر آتے تھے لیکن ان کے دِلی خیالات مختلف تھے۔ انہوں نے سلطان سے عرض کی کہ آپ کے القدس میں رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ اس طرح اِسلامی مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے —— ہم القدس کی مدافعت کریں گے۔ خدا را آپ کھلے میدان میں رہیے اور جیسے آپ نے عکہ میں دشمن سے نواحی علاقہ چھین کر اسے گھیرے میں لے لیا تھا، ویسے ہی اب بھی کیجئے"۔

سلطان یوں گویا ہوا —— "الحمد للہ —— اِس نازک مرحلے پر آپ کا لشکر ہی وہ مبارک جیش اسلام ہے جو ایسے دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ ہم پسپا ہو گئے تو دشمن اِس سرزمین کے نقشے کو کپڑے کے تھان کی طرح لپیٹ دے گا۔ جیسا کہ مَیں پہلے واضح کر چکا ہوں، دُنیائے اِسلام کی سلامتی کی ضمانت صرف آپ ہیں آپ ہی مسلمانوں کے محافظ ہیں ——"

المشطوب نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:۔

"واللہ! جب تک میرے جسم میں جان ہے مَیں آپ کے ساتھ ہوں"۔

دُوسرے امیروں نے بھی حوصلہ افزا جواب دیے اور سُلطان کے چہرے پر مسرّت کی لہر دَوڑ گئی پھر حسب دستور مہمانوں کے لیے دسترخوان بچھائے گئے اور کھانے کے بعد وُہ رُخصت ہوئے ؛

"جمعرات کا دِن بڑی گرم جوشی اور تیاری میں گزرا۔ شام کو ہم نے پھر سُلطان کی بارگاہ میں حاضری دی۔ ہم کافی دیر تک سُلطان کے پاس بیٹھے رہے لیکن وُہ خاموش رہا۔ نمازِ عشا کے بعد ہم حسب معمول رُخصت ہوئے۔ مَیں بھی اُٹھ کر چلا لیکن سُلطان نے مجھے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ مَیں سُلطان کے قریب بیٹھ گیا۔ جب سب چلے گئے تو سُلطان نے مُہرِ سکوت توڑتے ہوئے پُوچھا "کیا آپ نے تازہ خبر سُنی ہے؟" مَیں نے عرض کیا نہیں ؛

"ابوالہیجا نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "امیر اور مملوک میرے مکان پر جمع ہوئے۔ وُہ ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم نے قلعہ بند ہونے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دُشمن آسانی سے شہر کے نواحی علاقوں پر تصرّف کرے گا اور ہم سب عکہ جیسے المیے کا شکار ہو جائیں گے۔ ان کی رائے میں کُھلے میدان میں غنیم سے معرکہ آرائی بہتر ہے۔ اگر خُدا کے فضل سے ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم ساری سرزمین فلسطین کے مالک بن جائیں گے اور اگر خُدا نخواستہ شکست ہوئی تو ہمیں صرف یروشلم سے ہاتھ دھونے پڑیں گے فوج تو مکمّل ہلاکت سے بچ جائے گی ؛

"اِس خط میں یہ شرط بھی ہے کہ اگر آپ ہمیں قلعہ بند ہونے کا حُکم دیتے ہیں تو آپ ہمارے ساتھ رہیں یا اپنے کسی عزیز کو مقرّر کر دیں —— سُلطان کی موجُودگی اس لیے بھی ضروری ہے کہ کُرد اور تُرک ایک دُوسرے کی سیادت کبھی تسلیم نہیں کریں گے ؛

"سُلطان کو امراء کے عزائم سے سخت صدمہ ہُوا۔ کیونکہ وہ القدس کی اتنی تقدیس و تکریم کرتا تھا کہ اس کا اندازہ مُشکل ہے۔ اِس خط سے سُلطان کو بڑا رنج پہنچا۔ سُلطان ساری رات پریشان اور افسردہ رہا۔ صرف مَیں سُلطان کے پاس تھا اور خُدا کی ذات تھی، کوئی

اور موجود نہ تھا۔ یہ موسم خزاں میں جمعہ سے پہلی رات کا واقعہ ہے۔

"سلطان خود قلعہ بند ہونے پر آمادہ ہو گیا لیکن بعد میں ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ سلطان کے بھائی فرخ شاہ کے پوتے کو (جو امیر بعلبک تھا) القدس کا والی مقرر کیا جائے۔ ہم حالات کا جائزہ لیتے اور خداوند کریم سے دعائیں کرتے رہے۔ اتنے میں فجر ہو گئی۔ میں اٹھا تو سلطان کو جاگتے ہوئے پایا۔ میں نے سلطان سے درخواست کی آپ گھڑی بھر آرام کریں اور خود اجازت لے کر اپنے گھر آیا۔ میں پہنچا ہی تھا کہ اذان کی آواز آئی۔ میں نے وضو کیا اور حسب معمول سلطان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے واپس گیا۔ اس وقت سلطان وضو سے فارغ ہو چکے تھے۔"

"میں ایک لمحہ بھی نہیں سویا۔" سلطان نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟"

"کیونکہ میں خود بھی نہیں سویا، اتنا وقت ہی کہاں تھا۔"

"نماز کے بعد میں نے عرض کی "مجھے ایک خیال آیا ہے۔ اجازت ہو تو پیش کروں۔"

"کہیے۔" سلطان نے جواب دیا۔

"مولائی! آپ تفکرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ آج جمعۃ المبارک ہے۔ جمعہ کے دن دعائیں سہ گنا مستجاب ہوتی ہیں۔ آپ خضوع و خشوع سے نماز جمعہ میں رب العلمین سے دعا کریں اور اپنے معاملات اس احکم الحاکمین کے سپرد کر دیں۔"

سلطان نہایت مخلص اور نیک دل مسلمان تھا۔ اس کا ایمان محکم اور عقیدہ راسخ تھا۔ وہ بلاحیل و حجت فضل ربانی سے رشد و ہدایت طلب کرنے پر آمادہ ہو گیا اور میں اسے اکیلا چھوڑ کر واپس آ گیا۔ چند گھنٹے بعد میں نے سلطان کے ہمراہ نماز جمعہ مسجد اقصلے میں ادا کی اور سلطان کو رکوع و سجود میں گڑگڑاتے ہوئے سنا

اس کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ آنسوؤں کے قطرے اس کی بھوری ڈاڑھی سے پھسل پھسل کر قالین میں جذب ہو رہے تھے۔

"حسب دستور شام کو مَیں سُلطان کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اس وقت جبرویک کا خط موصول ہُوا۔ وُہ فرانکوں کے مقابلے میں ہمارے مقدمتہ الجیش کی قیادت کر رہا تھا۔ اس نے لکھا تھا:۔

"ہمارا جاسُوس خبر لایا ہے کہ دُشمن میں پھُوٹ پڑ گئی ہے۔ ایک گروہ فوراً یروشلم کی طرف پیش قدمی کرنے کے حق میں ہے اور دُوسرا وطن واپس ہونے پر مُصر۔ فرانسیسی یروشلم پر دھاوا کرنے پر بضد ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہم نے صِرف القدس کو نجات دلانے کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا اور ہم اس کے بغیر واپس نہیں جائیں گے"

اس کے جواب میں شاہِ انگلستان نے کہا کہ اِس مقام سے آگے پانی کے تمام ذرائع برباد کر دیے گئے ہیں۔ شہر کے قریب پانی مفقُود ہے۔ ہم گھوڑوں کو پانی کہاں سے پلائیں گے؟

اِس کے جواب میں کسی نے کہا کہ ہمیں تکوا ندی سے پانی مل جائے گا، جو شہر سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر بہتی ہے۔

بادشاہ نے پُوچھا "ہم وہاں گھوڑوں کو کیسے پانی پلا سکتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا کہ ہم فوج کے دو حصّے کر دیں۔ ایک حصّہ سوار ہو کر جائے اور گھاٹ سے گھوڑوں کو پانی پلا لائے اور دُوسرا حصّہ شہر کا محاصرہ جاری رکھے۔ اِس طرح دونوں حصّے باری باری دِن میں ایک دفعہ ندی پر جایا کریں۔

"جب فوج کا ایک حصّہ گھوڑوں کو پانی پلانے گیا ہُوا ہو گا، دُشمن شہر سے نکل کر باقی ماندہ فوج پر حملہ کر کے اسے فنا کر دے گا۔" بادشاہ نے

جواب دیا۔[1]

بالآخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نامور لوگوں میں سے تین سو نمائندے منتخب کیے جائیں جو اپنے اختیارات بارہ افراد کو تفویض کر دیں اور وہ تین اشخاص کو حکم مقرر کریں۔ یہ تینوں حکم اس معاملے کا تصفیہ کریں۔ انہوں نے آج کی رات ان کے فیصلے کے انتظار میں گزاری"۔

صبح ہمیں دوسرا پیغام موصول ہوا کہ فرانکوں نے اپنا پڑاؤ چھوڑ دیا ہے اور الرملہ کی طرف لوٹ گئے ہیں۔

صلاح الدین فتح یاب ہوا اور رچرڈ لڑے بغیر ہار گیا۔ رچرڈ شیر دل انفرادی مبارزت میں واقعی بے مثال تھا لیکن فوجی قیادت اس کے بس کا روگ نہ تھا۔

---

[1] ایمبروز نے رچرڈ کی مراجعت کے فیصلے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "فرانسیسیوں نے کئی مرتبہ رچرڈ کو یروشلم کا محاصرہ کرنے پر مجبور کیا، لیکن بادشاہ نے جواب دیا: "ہم سمندر سے بہت دور ہیں، اگر ہم اور آگے بڑھے تو ترک ہمارے وسائل رسد منقطع کر دیں گے۔ پھر شہر کا محیط اتنا ہے کہ محاصرے کے لیے بے شمار فوج درکار ہوگی ——— اور اس کے باوجود ہم ترکوں کے حملوں کو نہیں روک سکیں گے۔ اگر ان نامساعد حالات میں میں فوج کی کمان قبول کر کے یروشلم کا محاصرہ کر لوں اور خدانخواستہ ہزیمت اٹھانی پڑے تو مجھے ہمیشہ مورد الزام سمجھا جائیگا اور میرے نام پر نفرین کی جائے گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا"۔

چنانچہ رچرڈ نے اس کا فیصلہ کونسل کے منتخب افراد کے سپرد کر دیا جن میں ٹمپلر اور ہاسپٹلر فرقے والوں کی اکثریت تھی۔ دوسرے تذکرہ نویس ڈی ونسیوف کا بیان ہے کہ رچرڈ نے کہا "اگر انہوں نے پیش قدمی کا فیصلہ کیا تو میں ان کے ساتھ جاؤں گا لیکن سردار کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض معمولی سپاہی کی حیثیت سے"۔

آخری فیصلے کے متعلق ایمبروز کا بیان ہے۔ "وہ لوگ جنہوں نے حلف اٹھایا تھا اور پیش قدمی کی مخالفت کی تھی انہوں نے یہ وجہ جواز پیش کی کہ بے انتہا مشقت اور سخت خطرے کے بغیر فوج اور گھوڑوں کے لیے پانی مہیا نہیں ہو سکتا۔ اس سخت گرمی کے موسم میں ہمیں پانی کے لیے دو، دو کوس تک دشمن کے پُرخطر علاقے سے گزر کر جانا ہوگا"۔ (مصنف)

۲۶

صلاح الدین کی یورش

صلاح الدین کے حوصلہ اور صبر کی فولادی لچک سے صلیبیوں کی آہنی شجاعت پاش پاش ہوگئی۔ عیسائی فوج جوں ہی یروشلم سے پسپا ہوئی اس کی جمعیت کا شیرازہ بکھر گیا اور جیسے شدید دباؤ سے لوہا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے ویسے ہی اس فوج کے اجزاء منتشر ہو کر رہ گئے۔ فرانسیسی ایسے برسرِ نزاع ہوئے کہ ان سے مصالحت ناممکن تھی۔ وہ غصے سے بپھرے ہوئے شمال کی طرف چلے گئے۔ جافا کی سڑک پر زائروں کے گروہ اور لوگوں کے ہجوم نظر آنے لگے۔ اطالوی سپاہی ساحل کے تجارتی قلعوں کی طرف بھاگے اور عسقلان کی نئی دیواروں کی حفاظت کے لیے ٹمپلر اور ہاسپٹلر باقی رہ گئے۔

رچرڈ عکّہ کی طرف اس طرح واپس ہوا جیسے کوئی سخت مصیبت سے جان چھڑا کر بھاگا ہو۔ کوئی بھی اس کے عزائم سے آگاہ نہ تھا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ بڑی بے صبری سے انگلستان واپس جانے کا منتظر تھا۔ انگلستان میں اس کی موجودگی اشد ضروری تھی۔ اس نے اتنی دیر تاخیر بھی اس لیے گوارا کی تھی کہ صلیبی سپاہی یروشلم کی تسخیر پر

بضد تھے۔ جب تک صلیبیوں کے مُنہ القدس کی طرف رہے اس کے پندار نے اسے واپسی کی اجازت نہ دی۔ وہ ان کو ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

لیکن اب شکست ایک مسلّمہ حقیقت بن چکی تھی۔ اب وُہ آزاد تھا۔ جیسے کوئی بچّہ اپنا پسندیدہ کھلونا پھینک کر نئے کھلونے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اِس طرح رچرڈ کا صلیبی جنگ سے جی بھر گیا تھا اور اس نے بڑی بے تابی سے واپسی کے لیے سمندر کا رُخ کیا۔ روانگی سے پیشتر اِس سے دو نہایت احمقانہ حرکات سرزد ہوئیں۔ اِس نے مجلس مشاورت میں قاہرہ پر حملہ کرنے کا منصُوبہ باقاعدہ طور پر منظور کیا اور تین ہزار انگریز اور نارمن سپاہیوں کی فوج بھیجنے کا یقین دلایا ــــــ یہ منصُوبہ اس قدر ناقابلِ عمل تھا کہ اس کے موسیقار امبروز کو بھی اس اقدام کے کھوکھلے پن کا احساس تھا۔ دُوسری حرکت اس نے یہ کی کہ جلدبازی سے کام لیتے ہوئے ملک العادل کی خدمت میں اپنے سفیر روانہ کر دیے کہ وہ ملک العادل سے درخواست کریں کہ وُہ اپنے بھائی سُلطان صلاح الدین سے صلیبیوں کا معاہدہ طے کرا دے۔

اِن حالات میں بھی وُہ سازگار شرائطِ صُلح حاصل کرنے کی خوش فہمی میں مُبتلا تھا اور نیم برباد عسقلان چھوڑنے پر ہرگز آمادہ نہ تھا۔

واپسی پر عکّہ میں وہ اپنی بیگمات سے مِلا ــــــ اِس نے اپنی سپاہ کو جہازوں پر سوار ہونے کے لیے تیار رہنے کا حُکم دیا تاکہ بیروت کی بندرگاہ اور اس کے نواحی زرخیز علاقے کو فتح کر کے صلیبی سلطنت میں شامل کیا جا سکے۔ اِس نے فرانسیسیوں کی پھبتیوں اور ہجو و استہزا کی بالکل پروا نہ کی۔ شراب خانوں میں فرانسیسی عموماً طنز یہ گیت گاتے۔ انہوں نے کسی بادشاہ اور بُزدل شخص سے متعلق ایک گیت تصنیف کیا تھا۔ جس سے اِس سُرخ بالوں والے بہادر بادشاہ کی انانیت پر گہری چوٹ پڑتی تھی۔

صلاح الدین نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے امیروں کو جوش دلا کر انہیں

سال بھر کی مدافعانہ احتیاط کے جمود سے بیدار کیا اور اپنے سوار دستوں کو فوراً جافا پر یورش کرنے کا حکم دیا۔

وہ یکدم یوں وارد ہوئے جیسے شب تار کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے بجلی کی شمشیر آبدار نمودار ہو جائے۔ وہ بیس ہزار سوار تھے، ان کے آلاتِ محاصرہ اونٹوں اور خچروں پر لدے ہوئے تھے۔ اس لشکر کے بازوؤں پر پرجوش عرب سرگرم سفر تھے۔ وہ سراسیمہ صلیبیوں کو کھیتوں اور مضافات سے ہانکتے ہوئے بڑھے اور جافا کی شہرپناہ کے گرد پھیل گئے۔ انھوں نے اپنی منجنیقوں سے باب القدس پر بھاری پتھروں اور آہنی گرزوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

پانچ ہزار عیسائی بہادر فصیل کے اندر پھنس کر رہ گئے۔ انہوں نے اس خونی ہنگامے میں شہر کی پرجوش مدافعت کی اور رچرڈ کو اس ناگہانی حملے کی اطلاع دینے کے لیے ایک جہاز جلدی سے عکہ روانہ کیا۔ مسلمانوں کا حملہ روک دیا گیا اور ترکمانوں کا جوش سرد ہو گیا، جنہیں محاصروں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ صلاح الدین نے بصد اصرار انہیں دوبارہ حملہ کرنے پر آمادہ کیا۔ تین دن تک منجنیق شہر کے دروازے پر پیہم سنگ باری کرتے رہے بالآخر دروازے سے متصل فصیل میں دو نیزے چوڑا شگاف ہو گیا۔ اب ترکمانوں کو فتح کے آثار نظر آنے لگے۔ چنانچہ وہ تیروں کی بوچھاڑ کی اوٹ سے اس شگاف میں کود پڑے، ان کی تلواریں عیسائی مدافعین کی زرہوں سے ٹکرانے لگیں۔ مملوک امیر لاشوں اور پتھروں کے انبار روندتے ہوئے یلغار کر کے اس شگاف میں گھس گئے اور عیسائیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ وہ بازاروں سے بھاگتے ہوئے ایک حصار میں پناہ گزیں ہو گئے جو سمندر کی ریت کے قریب ایک بلند چٹان پر واقع تھا۔ ترکمان اور عرب گروہ در گروہ شہر میں داخل ہو گئے۔ چاروں طرف مکان اور دوکانیں مال و اسباب سے پُر تھیں۔ وہ مال غنیمت پر دیوانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

وہ ایک خانقاہ کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہو گئے اور راہبوں کو اذیت دے کر قتل کر دیا۔ اسی طرح سے ایک گرجا لوٹ لیا گیا اور اس کی عمارت نذر آتش کر دی گئی۔ بازار دھوئیں اور لوٹ کے انباروں سے اٹے پڑے تھے۔ لوگ چیخ چلا رہے تھے چاروں طرف افراتفری مچی ہوئی تھی +

یہ غارت گر سپاہی اپنے افسروں کے قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ انہوں نے گھروں میں شراب کے قرابے دیکھے تو ان کی گردنیں توڑ دیں، چنانچہ ہر طرف شراب بہہ نکلی۔ انہوں نے قیدی عورتوں اور بچوں کو خنزیروں کے ریوڑ ہانک کر ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر وہ اس جگہ عیسائیوں اور خنزیروں کی لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر چلے گئے+ کئی عیسائی خاکستری ساحل پر کھڑی کشتیوں پر سوار ہو کر نکل گئے۔ اور کئی کشتیوں کو سمندر میں اُتارنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ جافا کے کمانڈر ایرک آف ریمنز نے بھی ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہونا چاہا لیکن نائٹوں نے اسے پکڑ کر کشتی سے اُتار لیا اور اسے اپنے ساتھ حصار کے سنگین بُرج میں واپس لے گئے۔ اس خون ریز ہنگامے میں بہت کم لوگ زندہ بچے۔ غالباً ان کی تعداد صرف دو ہزار ہو گی لیکن ان کی حالت بھی سخت مخدوش تھی کیونکہ اندرونی حصار کی دیوار کی تعمیر خاطر خواہ طور پر نہیں ہو سکی تھی۔ ایرک سخت مایوس اور افسردہ تھا۔ اسے کوئی اُمید نظر نہیں آتی تھی "اب ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے اس کے کہ اپنی جانیں گنوا دیں"۔ لیکن قوی الجثہ بطریق اعظم خوف و ہراس کی فضا سے متاثر نہ ہوا اور ثابت قدم رہا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں یاد دلایا کہ تین دن ہوئے ہم نے عکہ سے مدد مانگنے کے لیے ایک جہاز روانہ کیا تھا، ہمیں اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر وہاں سے کوئی کمک نہ پہنچی تو ہم صلاح الدین سے صلح کی درخواست کریں گے"+

صلاح الدین نے غارت گری اور شورش پسندی فرو کر کے نظم و ضبط بحال کرنے کی انتہائی کوشش کی تاکہ حصار کی سنگین دیواروں پر دوبارہ حملہ کیا جا سکے+

بہاء الدین اس واقعے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"سُلطان نے شورش پسندوں کو فساد انگیزی سے باز رہنے کی سخت تاکید کی اور رات گئے تک انہیں سرزنش کرتے رہے لیکن انہوں نے چنداں پروا نہ کی۔ سُلطان نے سوچا کہ شاید سخت گرمی، شدید لڑائی اور دھوئیں نے اُنہیں بیزار کر دیا ہے۔ اس لیے اُن پر یہ مجنونانہ کیفیت طاری ہو گئی ہے۔ چنانچہ سُلطان بصد عجیب اپنے خیمے کو لوٹ آیا جو سامانِ رسد کے قافلوں کے قریب نصب تھا۔ پھر مختلف امیر اپنے اپنے فرائض سے فارغ ہو کر سُلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ میں سونے کے لیے اپنے خیمے میں چلا آیا لیکن میرے دل میں ایسے وسوسے جاگزیں تھے کہ پلک تک نہ جھپکی۔

"صبح کو فرانکوں کے بگل کی آواز سُنائی دی اور ہم سمجھے کہ انہیں امداد پہنچ گئی ہے۔ سُلطان نے مجھے بُلوایا اور کہا:۔

شاید انہیں سمندر کے راستے کمک پہنچ گئی ہے۔ ساحل پر ہماری کافی فوج موجود ہے جو اُنہیں جہازوں سے اُترنے نہیں دے گی۔ اب ہمیں مناسب اقدام کرنا چاہیے۔ آپ فوراً ملک الظاہر[1] کے پاس جائیں اور اُس سے کہیں کہ وہ جنوبی دروازے کے باہر مورچے سنبھال لے۔ آپ اپنے نامزد اشخاص کے ہمراہ حصار میں جائیں اور فرانکوں کو قلعہ خالی کر دینے کی ترغیب دیں۔ پھر آپ تمام قیمتی اشیا اور اسلحہ کو اپنی تحویل میں لے لیں"۔

"میں فوراً روانہ ہو گیا اور شمس الدین کو ساتھ لیا۔ ہم ملک الظاہر کی خدمت میں پہنچ گئے جو ساحل سمندر سے متصل ایک ٹیلے پر مقدمۃ الجیش کے ہمراہ تھا۔ وہ ڈھیلی زرہ بکتر پہنے سو رہا تھا تاکہ بوقت ضرورت بلا تاخیر جنگ میں کود پڑے۔ جب میں نے اسے

---

[1] سُلطان صلاح الدین کے بیٹے کا لقب ملک الظاہر تھا۔ سُلطان نے عیسائیوں کے جہازوں کی آمد کی خبر سُن کر محصورین جافا کو شرائط مصالحت پیش کر دیں۔ (مصنف)

جگایا تو وہ فوراً نیم بیداری کی حالت میں اُٹھ بیٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا اور ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ملک الظاہر کو مورچے سنبھال کر سلطان کے مزید احکام کا منتظر رہنا تھا۔ یہاں اس نے مجھ سے میرے کام کی وضاحت طلب کی۔

میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جافا میں داخل ہُوا۔ جب ہم حصار کے قریب پہنچے تو ہم نے فرانکوں کو باہر آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور باہر نکلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

"جب ان کا اخراج شروع ہُوا تو عزیز الدین نے کہا ہمیں اُن کی روانگی سے پہلے شہر سے مسلمان سپاہیوں کو ہٹا دینا چاہیے ورنہ وہ لُوٹ لیئے جائیں گے۔" چنانچہ جرویک نے اپنی چھڑی سے سپاہیوں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی مگر بے سُود۔ سپاہیوں میں کوئی ضبط و نظم نہ تھا اور وہ افسروں کے قابو میں نہیں رہے تھے۔ میں نے جرویک سے کہا کہ یہ سعی لاحاصل ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ صبح ہونے تک ہجوم کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا رہا۔

"یہ صورتِ حال دیکھ کر میں نے اس سے کہا کہ" فرانکوں کو کمک پہنچنے والی ہے۔ اِس لیے ہمیں حصار کے انخلا میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے، سلطان کا تاکیدی حکم یہی ہے۔ چنانچہ جرویک مان گیا۔ ہم فوراً حصار کے دروازے کے قریب پہنچے جہاں ملک الظاہر بھی ہمارا منتظر تھا۔ اُنچاس[۱] فرانک حصار سے باہر آئے۔ ان کے ہمراہ ان کی عورتیں، بچے اور گھوڑے بھی تھے۔ ہم نے انہیں بحفاظت اپنی صفوں سے گزار دیا۔ لیکن جو لوگ حصار میں باقی رہ گئے وہ مزاحمت پر تُل گئے۔

---

[۱] بہاء الدین کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ شورش پسند سپاہیوں نے صلیبیوں کے پہلے مختصر قافلے کو لوٹ لیا اور کئی کو قتل کر دیا۔ صلاح الدین نے انہیں امان دی تھی اور معمولی زرِ فدیہ کے عوض اپنا مال و اسباب ساتھ لے جانے کی اجازت بخشی تھی۔ (مصنف)

"اس وقت تک امدادی بیڑا قریب پہنچ چکا تھا اور جہازوں کو آسانی سے شمار کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ محصورین دوبارہ قتال کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ ہم نے انہیں زرہیں پہنتے اور ڈھالیں اٹھاتے دیکھا۔

"یہ صورتِ حال دیکھ کر میں دوڑا دوڑا ٹیلے سے اترا اور عزیز الدین کو خبردار کیا جو سپاہیوں سمیت نشیب میں متعین تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں اور ملک الظاہر شہر سے باہر نکل آئے اور سلطان کو امرِ واقع کی اطلاع دی۔ سلطان نے ترچھی کو لام بندی کا بگل بجانے کا حکم دیا۔ طبل گونج اٹھے، اور ہر طرف سے سپاہی دوڑ دوڑ پڑے۔ ہماری فوج نے شہر اور حصار پر بے پناہ یورش کی۔ جب فرانکوں نے یہ دیکھا کہ ابھی تک امداد نہیں پہنچی اور مسلمانوں نے پُرزور حملہ کر دیا ہے تو وہ مایوس ہو گئے اور انہیں اپنی ہلاکت یقینی نظر آنے لگی"۔

رچرڈ کی کشتیاں ساحلِ جافا سے پرے سمندر کی تند و تیز موجوں کے بہاؤ میں تیر رہی تھیں۔ جافا پر اسلامی حملے کی خبر لے کر جہاز شام کو عکہ کی بندرگاہ میں پہنچا تھا۔ اس وقت رچرڈ اپنے خیمے میں خدام سمیت بیروت روانہ ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہاں سے اس کا انگلستان جانے کا ارادہ تھا۔ قاصد بغیر رسمی آداب کے چلّاتے ہوئے بیساختہ اس کے خیمے میں پہنچے "حیف ——— جافا دشمن نے لے لیا ہے۔ بچے کھچے عیسائی قلعے میں محصور ہیں۔ اگر انہیں فوری امداد نہ پہنچی تو سب کے سب مارے جائیں گے"۔

"بخدا میں ضرور وہاں جاؤں گا"۔

اور واقعی مشکلات کے باوجود وہ جافا پہنچ گیا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ پہلے ہی بیروت پہنچ چکا تھا۔ فرانسیسیوں نے اس کے پرچم تلے لڑنے سے صاف انکار کر دیا اس لیے اس کے پاس قلیل جمعیت تھی۔ ٹمپلر اور ہاسپٹلر بری راستے سے جانا جانے پر آمادہ ہو گئے لیکن راستے میں مسلمانوں کی گھات کا شکار ہو کر رہ گئے۔ رچرڈ نے

اپنے بہادر رفیقوں یعنی ارل آف لیسٹر، اینڈریو آف شوگینی اور پرووکس کے نائٹوں کو ساتھ لیا۔ رچرڈ کی مختصر فوج میں صرف چند سو مسلّح سپاہی اور راہل جنیوا اور پیزا کے رضاکار تیرانداز شامل تھے۔ وہ جہازوں میں روانہ ہوئے لیکن ساحل کارمل کے قریب بادِ مخالف کی وجہ سے دو دن تک رُکے رہے۔ وہ رات کے وقت جافا پہنچے اور صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے بڑی بے تابی سے صبح کا انتظار کرنے لگے۔

صبح ہوئی، دھند چھٹ گئی اور پہاڑیوں پر سورج نمودار ہوا، تو دور سے ساحلِ جافا نظر آنے لگا۔ ریت پر عربوں اور ترکوں کا ہجوم تھا۔ ریگِ ساحل سے تقریباً نصف میل پرے شہر کی پست فصیل سے بل کھاتا ہوا دھواں اُٹھ رہا تھا۔ یہ نہایت حوصلہ شکن منظر تھا۔ فصیل سے متصل کھجوروں کے جھنڈ میں مسلمانوں کے شامیانے نصب تھے۔ صرف مسلمانوں کے عَلَم اور پرچم ہوا میں لہرا رہے تھے۔ قلعے میں زندگی کے مطلق آثار نظر نہ آتے تھے۔ قلعے سے ملی ہوئی ڈھلان بھی (جو ریگ زار تک پھیلی ہوئی تھی) خالی اور سُنسان تھی۔

کشتیاں ساحل کے قریب تر ہو گئیں۔ رچرڈ اپنے نائٹوں سمیت عرشے کے سُرخ جنگلے پر کھڑا بغور ساحل کی لکیر کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ نائٹوں سے مخاطب ہوا:

"صاحبان! اب کیا کریں؟ واپس چلے جائیں یا اُتریں"؟

"صلاح الدین کی فوج کو پیچھے ڈھکیل کر ساحل پر اُترنا ناممکن ہے۔" انہوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ قلعے کے سارے لوگ مارے جا چکے ہیں۔

دراصل اس وقت اہلِ قلعہ چیخ چیخ کر انہیں بُلا رہے تھے۔ لیکن ان کی آوازیں موجوں کے شور اور مسلمانوں کے نعروں...... "اللہ اکبر ......" میں ڈوب کر رہ گئیں۔ بہاءالدین نے بھی اِس امر کی تصدیق کی ہے۔

یکدم ایک سیاہ پوش انسان قلعے کی دیوار سے ریت پر گرا۔ چند لمحے وہ بے حس و حرکت

پڑا رہا، پھر اُٹھا اور دیوانہ وار بھاگتا ہوا مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر سمندر میں کُود گیا۔ اس نے تیزی سے تیرتے ہوئے قریب ترین کشتی کا رُخ کیا۔ یہ دیکھ کر کشتی والے کشتی کھے کر اس کے پاس لے گئے اور اسے پانی سے نکال لیا۔ یہ تیراک دراصل محصور فوج کا پادری تھا۔ وہ اسے فوراً سُرخ کشتی پر لے گئے جس پر شاہی پرچم لہرا رہا تھا۔ اسے رچرڈ کے سامنے پیش کیا گیا۔

پانی میں شرابور راس نے ہانپتے ہوئے خود کو رچرڈ کے قدموں پر گرا دیا۔ "اچھے بادشاہ سلامت۔ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور اگر آپ ان کی امداد کو نہ پہنچے تو وہ ختم ہو جائیں گے"۔

"کیا وہاں ابھی تک لوگ زندہ ہیں؟ ــــــ وہ کہاں ہیں؟" رچرڈ نے پُوچھا۔

"کچھ لوگ بُرجوں میں چھپے بیٹھے ہیں"۔

رچرڈ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لعنت ہو اس پر جو پیچھے رہ جائے"۔ اس نے ملاحوں کو کشتی ساحل کی طرف کھینے کا حکم دیا یہ حکم سُن کر نیم برہنہ ملاحوں نے ایک دُوسرے کی طرف تعجب سے دیکھا۔ ملاح اپنے تنومند بازوؤں سے چپّو چلانے لگے۔ لمبے لمبے چپّو سطحِ آب پر تیزی سے اُبھرنے اور ڈُوبنے لگے۔ سُرخ کشتی جس کی پیشانی پر اژدہے کا نشان نمایاں تھا بہاؤ کے رُخ پر آ گئی اور دُوسری کشتیاں بھی اس کے پیچھے تیرتی ہوئی آگے بڑھنے لگیں۔ کشتیوں کے دونوں جانب عرشے پر مسلّح انگریز جوان مُستعد کھڑے تھے، انہوں نے اپنی پیٹیاں کس رکھی تھیں۔ وہ ڈھالوں کے تسموں سے اپنے ہاتھ نکالے اور تلواروں کو نیاموں کی گرفت سے ڈھیلا کیے ہوئے تھے۔

سُرخ کشتی سب سے پہلے ریتلے ساحل سے ٹکرا کر ایک طرف کو جھکی اور ڈگمگائی۔ مُسلمانوں نے نفرت و حقارت سے آوازے کسے۔ سانولے اطالویوں نے صلیب کا

نشان بناتے ہوئے اپنی کمانیں اور تبر سنبھالے۔ رچرڈ نے فوج کے اُترنے کا انتظار کیا نہ فوجی ترتیب کی پروا اور نہ کوئی حکم ہی دیا بلکہ فوراً پانی میں کُود گیا۔ وُہ صرف چار آئینہ، فولادی خود اور سفری سلیپر پہنے تھا۔ اس کے کندھے پر کمان تھی اور لمبی تلوار اس کے پہلو سے لٹک رہی تھی۔ وُہ مسلمانوں پر تیر برساتا ہُوا کمر کمر پانی میں آگے بڑھا۔ پیٹر آف پیروکس اور دُوسرے نائٹ بھی آن پہنچے۔ کنارے پر پہنچ کر انھوں نے تلواریں سونت لیں اور مسلمانوں پر ٹُوٹ پڑے۔ ادھر کشتی کے سامنے سے تیرانداز مسلمانوں کو نشانہ بنانے لگے۔ تیروں کی حفاظتی بوچھاڑ میں وُہ بڑھتے گئے۔ مسلمانوں کی اگلی صفیں رچرڈ کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئیں اور انگریزی سپاہیوں نے بھاگ کر اس کے گرد ڈھالوں کا حفاظتی حلقہ بنا دیا۔ اس اثناء میں دُوسری کشتیاں بھی کنارے آ لگیں۔ سپاہی کشتیوں سے لکڑی کے بھاری شہتیر اور بنچ وغیرہ ریت پر پھینکنے لگے۔ کچھ سپاہی تیزی سے شہتیروں اور ساحل پر کھڑی چھوٹی موٹی کشتیوں اور بکھرے ہوئے ساز و سامان کو اکٹھا کر کے مورچے بنانے لگے۔

رچرڈ بھلا حلقے میں کیونکر ٹھہرتا۔ اس نے ایک سپاہی کی ڈھال لی، دوڑ کر ریت کو عبور کیا اور فصیل کے بغلی دروازے تک جا پہنچا۔ اسے یہ دروازہ خوب یاد تھا کہ یہاں سے ایک سیڑھی ٹمپلروں کی قیام گاہ کو جاتی ہے۔ اتنے میں نائٹوں کی زرہ کی جھنکار سنائی دی اور وہ بھی آن پہنچے۔ دُکانیں اور بازار لُوٹنے والے بدوؤں کا ہجوم چھٹ گیا اور وہ حیرت بھری آنکھوں سے پانی میں شرابور عجیب شخص کو دیکھنے لگے جو تیزی سے بازاروں میں بھاگا جا رہا تھا۔ اس نے قلعے کے دروازے پر زور زور سے دستک دی اور اہل قلعہ کو اس کی آمد کی خبر ہو گئی۔ اس اثناء میں کشتیوں نے کنارِ دریا پر قبضہ کر لیا تھا۔ سپاہی قطار در قطار تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ قلعے کے برج پر اس کا پرچم لہرانے لگا۔ رچرڈ کی آمد سے محصورین کے حوصلے بڑھ گئے۔ انھوں نے

قلعے سے نکل کر بازاروں میں پھرتے ہوئے غیر منظّم مُسلمانوں پر دھاوا کیا اور انہیں شہر کے بیرونی دروازے سے باہر دھکیل دیا +

بہاءالدین کا بیان ہے "انہوں نے منظّم جمعیّت میں ہمارے لوگوں پر حملہ کیا اور انہیں شہر سے نکال دیا۔ دروازے میں اتنی بھیڑ لگ گئی کہ بہت سے لوگ وہاں مارے گئے۔ فوج کے بعد لٹیروں کے کئی گروہ شہر میں گُھس گئے تھے۔ وُہ ابھی تک گرجوں میں تھے۔ وہاں وہ ایسی حرکات کے مُرتکب ہوئے جن کا تذکرہ مناسب نہیں۔ فرانکوں نے انہیں مار مار کر گرجوں سے نکال دیا اور کئی بدنہاد مقتول یا مقید ہوئے +

گھنٹہ بھر میں یہ واقعات میری آنکھوں کے سامنے رُونما ہوئے۔ مَیں سوار تھا۔ مَیں گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا سُلطان کے پاس پُہنچا۔ دو سفیر[1] سُلطان کے حضور میں کھڑے تھے امنِ عام کی دستاویز تحریر کرنے کے لیے سُلطان نے قلم اُٹھایا ہی تھا کہ مَیں نے بڑھ کر سُلطان کے کان میں سرگوشی کی اور اسے صورت حال سے مطلع کر دیا۔ سُلطان رُک گیا اور ان کی توجہ ہٹانے کے لیے ان سے باتیں کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد دُشمن کے حملے سے بھاگتے ہوئے مُسلمان بھی آن پُہنچے۔ اِن کو دیکھ کر سُلطان چلّایا کہ ان سفیروں کو گرفتار کر لو اور جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہو کر تیار ہو جاؤ" +

رچرڈ کے بروقت اور جلد اقدام سے مُعجزنما نتائج برآمد ہوئے۔ سپاہی کشتیوں سے کُودے اور صلاح الدین کے منظّم دستوں کی آمد سے پہلے ہی کنارِ ساحل پر قبضہ کر لیا مُسلمانوں کو شہر کے بازاروں میں ہزیمت ہوئی اور وُہ بھاگے۔ اِس سے بیرونِ شہر کی مُسلمان فوج بھی غیر منظم ہو گئی۔ چُنانچہ صلاح الدین کو بجبراً صورت حال پر قابو پانے کے لیے قریبی پہاڑی کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ رچرڈ اور اس کی سپاہ نے

---

[1] یہ دونوں بطریق اعظم اور عسکر جانا کے سالار تھے۔ وہ رچرڈ کی کشتیوں کی آمد سے پہلے ہنگامہ کارزار سے گزرتے ہوئے آئے تھے اور سُلطان سے شرائط صُلح کے طلب گار تھے۔ (مصنّف)

حتیٰ المقدور پسپا ہوتے ہوئے مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ عیسائیوں کے پاس صرف تین گھوڑے تھے جو انہوں نے کہیں شہر سے پکڑ لیے تھے۔ اس کے باوجود وہ دو میل تک مسلمانوں کا تعاقب کرتے اور اپنی کمانوں سے اُن پر تیر برساتے رہے۔ اس رات رچرڈ نے اپنا خیمہ وہاں نصب کرایا جہاں کچھ دیر پہلے صلاح الدین کا شامیانہ ایستادہ تھا

شاہ رچرڈ کی آمد کی خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ غروب آفتاب کے بعد جافا پر سکوت طاری ہو گیا تو ذوالدرم کی طرح چند بوڑھے مملوک اور سردار اپنے سابقہ پڑاؤ کو لوٹے۔ وہ محض ذوق تجسس سے اس باحوصلہ بادشاہ کو دیکھنے آئے تھے جس نے پوری فوج کی مزاحمت کے باوجود ساحل پر اُترنے کی جرأت کی تھی۔ وہ آرام سے عیسائی پڑاؤ میں داخل ہوئے اور انہیں رچرڈ کے خیمے میں لے گئے۔ رچرڈ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ رچرڈ ابھی تک زرہ میں ملبوس تھا۔ وہ اپنے گدے پر بیٹھا تھا۔ اس کے اردگرد اسلحہ اور ساز و سامان کا انبار تھا۔ دراز قامت نائٹ چربی کی مشعلوں کے اردگرد کھڑے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ شراب کے جام بھرے اور خالی کیے سُرخ رو دلیر بادشاہ دن کے واقعات پر دل کھول کر ہنس رہا تھا۔ زرہ بکتر اور خلعتوں میں ملبوس مُسلمان امیروں کو دیکھ کر وہ بے حد مسرور ہوا۔ اس نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو نام سے مخاطب کیا۔

"میری آمد پر سُلطان کیوں چلا گیا" اس نے پُوچھا "خُدا کی قسم میں کسی خاص معرکے کے لیے تیار ہو کر نہیں آیا تھا" دوران گفتگو میں اُس نے کہا "رب عظیم کی قسم، میرا خیال تھا کہ سُلطان دو مہینے تک بھی جافا فتح نہیں کر سکے گا لیکن اس نے دنوں میں ہی اس کا صفایا کر دیا"۔

وُہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے انہیں صلاح الدین کے نام پیغام دیا۔

ملہ یہ شخص کون تھا؟ اِس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ (مترجم)

"سُلطان سے کہہ دیں کہ مَیں اِس مُلک کا فرعون نہیں بننا چاہتا۔ کیا سُلطان مجھے نکالنے کے لیے سب مُسلمانوں کو قربان کر دے گا۔ مَیں وُہ تمام مطالبات واپس لیتا ہوں جو مَیں نے ملک العادل سے کیے تھے۔ سُلطان صِرف ایک گرجا مجھے بخش دے اور مَیں اسے اس کا نعم البدل پیش کروں گا"۔

دُوسرے دِن سُلطان نے اِس پیغام کا نہایت سنجیدہ جواب دیا۔

"اگرچہ آپ نے اِن تمام شہروں پر تصرّف کر لیا ہے لیکن آپ کو خوب معلوم ہے کہ آپ کی روانگی کے بعد یہ شہر دوبارہ ہمارے تسلّط میں آجائیں گے۔ اگر آپ کے لیے اِس دُور دراز مُلک میں آکر موسمِ سرما گُزارنا مُشکل نہیں تو کیا میرے لیے یہ بار رجھا آسان نہیں ہے۔ میرے اہل وعیال میرے پاس ہیں۔ مَیں بوُڑھا آدمی ہوں، مجھے لذّاتِ دُنیوی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مَیں اُن سے دستکش ہو چکا ہوں۔ میری فوج کے سپاہی سردیوں میں چلے جاتے ہیں اور گرمیوں میں نئے اور تازہ دم سپاہی ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری جدوجہد حقیقی عبادت ہے۔ مَیں اِس راہِ عمل پر اُس وقت تک سرگرم رہوں گا جب تک خُداوند تعالیٰ فتح وشکست کا فیصلہ نہ کر دے"۔

اِس خط کے بَین السطور میں اُمید وبیم جھلکتی نظر آتی ہے۔ شاید رچرڈ ساحل چھوڑ دے اور شاید وہ ٹھہر ہی جائے۔ صلاح الدین کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی تھی۔ وُہ صلیبیوں کی مزاحمت کا عزم کر چُکا تھا۔ ان دنوں اُسے فوج کی بدنظمی کا مسئلہ درپیش تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے عیسائی فوجوں کے اجتماع سے پہلے رچرڈ کو پکڑنے کے منصوبے کی منظوری دی تھی ورنہ وُہ کبھی ایسی تجویز[1] پر صاد نہ کرتا۔

[1] دراصل یہ رچرڈ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ نہیں تھا بلکہ حملہ کر کے رچرڈ کی باقی ماندہ فوجی قوت کو پاش پاش کرنے کی کوشش تھی۔ (بقیہ حاشیہ کے لئے دیکھیے صفحہ ۲۸۴)

اِس اثناء میں ہنری آف شمپین آ گیا۔ اس کے ہمراہ صرف چند نائٹ اور ایک کشتی تھی۔ اس نے خبر دی کہ باقی ماندہ عیسائی فوج کو مسلمان محافظین ساحل نے روک دیا ہے۔ بہرکیف رچرڈ نے جافا میں پچپن نائٹ، چند سَو مسلّح سپاہی اور دو ہزار تیرانداز اکٹھے کر لیے تھے۔ جن میں اہل پیزا اور اہلِ جنیوا بھی شامل تھے لیکن اس کے پاس پندرہ سے زیادہ گھوڑے نہ تھے۔ اِس مختصر سی فوج کے ساتھ وُہ جافا کے باہر اسلامی لشکر کے مقابل خیمہ زن تھا۔

رچرڈ ہفتے کو ساحل پہ اُترا تھا اور آج منگل تھا۔ اس رات حلب کے ترُکوں اور کُردوں کے دو مُنتخب دستے رچرڈ کو گرفتار کرنے کے لئے عیسائی پڑاؤ میں گھُس گئے۔

(بقیہ حاشیہ سلسلہ کے لئے دیکھیے صفحہ ۲۸۳) معرکے کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ کو پکڑنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ صلاح الدین کی تجویز معقول فوجی منصوبہ تھا اِس پر کسی قسم کی حرف گیری کی گنجائش نہیں اور اُس کی نیت پر شک کرنا زیادتی ہے۔ (مترجم)

۲۷

رچرڈ کی الوداع

چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ زمین اندھیرے میں ملفوف تھی۔ انجیر کے پست قامت پیڑ اور کھجور کے جھالردار درخت سیاہی کے موہوم دھبّوں کی طرح اُفق کی لکیر پر پھیلے ہوئے تھے۔ ستاروں کی ضیا ماند پڑ رہی تھی۔ کبھی کبھی دُور سے کُتّوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی میں گونج جاتی۔ پڑاؤ سے پرے ساحل پر موجیں آہیں بھر رہی تھیں۔ خیمے کے پیچھے گرجے کا مینار تنہا کھڑا تھا۔

خیموں میں لوگ اپنے لبادے بچھا کر مزے سے سوئے ہوئے تھے۔ ان کے خراٹوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ الاؤ بجھ چکے تھے اور چاند کبھی کا ڈوب چکا تھا۔ سنتری رات گئے تک گشت کرتے رہے لیکن اب تکان سے ان کی ٹانگیں بھاری اور نیند سے ان کے سر بوجھل ہو چکے تھے وہ اپنے نیزوں کے سہارے کھڑے تھے یا درختوں تلے بیٹھے اُونگھ رہے تھے۔ درختوں میں لٹکی ہوئی چھاگلوں سے رِس رِس کر پانی کے قطرے رفتہ رفتہ ریت میں جذب ہو رہے تھے۔

ایک جوان جینوی زمین سے اُٹھا، اس نے جماٹی لی، کھنکارا اور پھر تھوک دیا۔ وہ نیند میں سمٹے سمٹائے لوگوں کے جسموں کو آہستہ سے پھلانگتا ہوا خیمے کے باہر نکلا۔ اور خیموں کے درمیانی فاصلے میں چلنے لگا۔ خیموں کی طنابیں شبنم کی نمی سے کس گئی تھیں۔ وُہ نیم غنودگی میں طنابوں سے بچتا بچاتا پامال کھیتوں میں نکل گیا۔ کھیت میں ہاتھی چوک کے گچھے دار پودے نکل رہے تھے۔ وُہ کھیت میں اکڑوں بیٹھ گیا اور یوں ہی آسمان کی طرف دیکھنے لگا جس پر سیاہی ملگجے رنگ میں تحلیل ہو رہی تھی۔ کہیں سے گھوڑوں کے چلنے اور آدمیوں کے بولنے کی دبی دبی آواز سنائی دی لیکن عیسائیوں کے پڑاؤ میں تو کوئی گھوڑے نہیں تھے؟ دامنِ کوہ سے ہلکی سی چمک نظر آئی اور نیم تاریکی میں ڈوب گئی۔ پھر اسے دھات کی جھنکار کی دبی دبی آواز آئی اور خوف و ہراس سے اس کی پشت پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ سحر کے جھٹپٹے میں صیقل شدہ خود چمک رہے تھے۔ وہ آدمی اور گھوڑے آہستہ آہستہ پڑاؤ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جینوی گھبرا کر اُٹھا اور اپنے خیموں کی طرف بھاگا۔ وُہ زور سے چلّایا ——— تیار ——— ہتھیار ———"

سنتریوں نے اس سے پُوچھ گچھ کی۔ اتنے میں کئی لوگ جاگ اُٹھے۔ جینوی نوجوان خیموں کی طنابوں سے ٹھوکریں کھاتا، بھاگتا چلا گیا۔ کئی دراز قامت نائٹ اپنے خیموں سے نکل آئے اور اس سے صورتِ حال دریافت کی۔ نائٹوں نے جلدی سے زرہ بکتر پہنی۔ تلواروں کی پیٹیاں اور تسمے کسے اور تیزی سے چل پڑے۔ بعض تو جلدی میں برجس اور جرابیں بھی نہ پہن سکے اور ان کی برہنہ ٹانگیں ہلکے اندھیرے میں بھی سفید سی دکھائی دے رہی تھیں۔

شاہ رچرڈ پوری زرہ بکتر میں ملبوس آن پہنچا۔ اس کے پہلو میں اس کا ڈینش تبر لٹک رہا تھا۔ وُہ آرام سے گھوڑے پر سوار ہوا۔ خاموش مزاج ارل آف لیسٹر اور دیگر نائٹوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ ان کے پاس صرف دس گھوڑے تھے۔ تاریکی میں

جو کچھ کسی کے ہاتھ لگا، وہی اُٹھا کر بھاگا۔ ویسے تو یہ گھوڑے نکمے تھے اور انہیں میدان جنگ اور نیزہ بازی کی کوئی مشق نہ تھی پھر بھی نہ ہونے سے تو بہرصورت اچھے تھے۔

مشرقی اُفق پر صبح کی نارنجی روشنی پھیل گئی اور عیسائیوں کو مسلمان دستوں کی حرکت صاف نظر آنے لگی۔ مسلمانوں نے حملے میں تاخیر کی۔ شاید انہیں عیسائیوں کے خبردار ہونے کا علم ہوگیا تھا یا وہ عیسائی فوج کو صاف طور پر دیکھے بغیر حملہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ گرجے کے دُوسری طرف اہل جنیوا اور اہل پیزا زور زور سے بگل بجا رہے تھے۔

رچرڈ کے ساتھ انگریز اور نارمن سپاہی تھے۔ اس کے حکم کے مطابق وہ گرجے سے ساحل تک نصف دائرے کی صورت میں پھیل گئے۔ اگلی صف کے سپاہیوں نے اپنے داہنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیے اور بائیں ہاتھوں سے ڈھالوں کو زمین پر جما دیا۔ ڈھالوں کا جھکاؤ زمین کی طرف تھا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھوں میں نیزے تھامے تھے۔ نیزوں کی انیاں باہر کے رُخ پر تھیں اور ان کے گزوں کے سرے ریت میں گڑے تھے ہر دو نیزہ بازوں کے درمیانی فاصلے میں ایک ایک تیرانداز متعیّن کردیا گیا تھا۔ ہر تیرانداز کے ساتھ ایک ایک معاون تھا جو اس کو کراس بو (خاص قسم کی گزدار کمان) میں گز چڑھا کر دیتا اور وہ بلا توقف کمان سے خوفناک تیر نما گز برساتا جاتا تھا۔

رچرڈ نے گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کی صفوں کا معائنہ کیا۔ صبح کی روپہلی کرنوں میں اس کی زرہ جگمگا رہی تھی۔ اس کی بلند آواز گونجی:

"بہادرو! ثابت قدم رہو —— ہمارے چاروں طرف دُشمن ہے۔ اگر ہم پیچھے ہٹے تو سب مارے جائیں گے۔ فرار موت کے مترادف ہے"؛ وہ خاموش ہو گیا۔

مسلمانوں نے حملہ کیا۔ یکدم شور ہُوا۔ گھوڑوں کی ٹاپیں سخت زمین پر بج اُٹھیں اور وہ نزدیک آتے گئے۔ انہوں نے براہِ راست رچرڈ کے سُرخ عَلَم (جس پر شیر بنا ہُوا تھا) پر دھاوا کیا۔ کمانوں سے گز سائیں سائیں کرکے اُڑے، نیزوں سے گھوڑے

چھد گئے اور تلواریں تلواروں سے ٹکرائیں۔ مسلمانوں کا حملہ مضبوط نیزہ بازوں کو نہ ہلا سکا۔ حملہ آور گھوم کر واپس ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی دوسری لہر اُمڈتی ہوئی عیسائی تیر اندازوں اور نیزہ بازوں سے ٹکرائی اور ہٹ گئی۔ مسلمان تیر برساتے ہوئے پسپا ہوئے۔ رچرڈ کی بے تاب فطرت زیادہ دیر تک یہ حملے برداشت نہ کر سکی۔ وہ اپنے وِنٹ سواروں سمیت قبائل پر چڑھ دوڑا۔ اپنے لمبے نیزے نیچے جھکائے وہ دُشمن کی صفوں پر پل پڑے۔ مسلح نائٹ دُشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل گئے لیکن رچرڈ ان سب سے بہت آگے نکل چکا تھا۔ اس نے دیکھا تو ارل آف لیسٹر پاپیادہ لڑ رہا تھا۔ رچرڈ گھوڑا دوڑا کر اس کے آڑے آیا۔ وہ حفاظتی اوٹ بنائے رہا حتٰی کہ ارل موصوف کو ایک خالی گھوڑا مل گیا۔ ان کے گرد مسلمانوں کا ہجوم زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ اِتنے میں کسی تُرک نے نائٹ آف مالیون کو گھوڑے سے گرا کر اور اُس کے ہتھیار چھین کر اُسے نہتّا کر دیا۔ وہ اسے قیدی بنا کر لے جا رہے تھے کہ رچرڈ کی نظر پڑ گئی۔ رچرڈ نے پُرجوش حملہ کیا اور اپنے بھاری تبر کی ضربوں سے ان کو زبر و زبر کر ڈالا۔ ڈی مالیون آزاد ہو کر دوبارہ اپنے ساتھیوں سے آملا۔

مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔ دھوپ سے سارا میدان چمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے لڑائی کا ہنگامہ بند ہو گیا۔ فریقین دوبارہ صف بندی میں مصروف ہو گئے۔ اُدھر سے ایک غیر مسلح تُرک سوار آیا۔ اس نے دایاں ہاتھ اوپر اُٹھا رکھا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں دو عُمدہ گھوڑوں کی لگامیں تھیں۔ گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی تھیں۔ اسے بلا مزاحمت آنے کی اجازت دی گئی۔ اس نے نائٹوں کو بتایا کہ ملک العادل نے یہ گھوڑے شاہ انگلستان کو تُحفۃً بھیجے ہیں کیونکہ انہوں نے بادشاہ کو نکمے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔

"جناب آپ ان گھوڑوں پر ہرگز سوار نہ ہوں۔ یہ آپ کو لے کر واپس مسلمانوں کی

طرف بھاگ جائیں گے ان کی درخواست کے جواب میں رچرڈ پھلانگ کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور کہا۔

"آج اگر شیطان بھی اچھا گھوڑا بھیج دے تو مَیں سواری کروں گا"۔

اس نے حکم دیا کہ قاصد کو روپوں کی تھیلی دی جائے۔

چاشت کے وقت تک لڑائی کا پانسا بدل گیا اور عیسائیوں کو مات ہونے لگی۔ سلطان کے سوار تیر اندازوں نے مختلف مقامات پر تابڑ توڑ حملے کر کے عیسائی صفوں کو قدرے برہم کر دیا مسلّح عیسائی تو اپنی اپنی جگہوں پر ڈٹے رہے البتہ کشتی ران تیروں کی بوچھاڑ سے بھاگ کر کشتیوں میں واپس چلے گئے۔ کچھ اہلِ جنیوا شہر کی طرف بھاگے۔ مسلمان سواران کے تعاقب میں دوڑے اور فصیل کے شگافوں میں سے شہر میں گھس گئے۔

جب رچرڈ کو یہ صورتِ حال معلوم ہوئی تو اس نے دو نائٹ اور چند تیر انداز ساتھ لیے اور فوراً جافا پہنچ گیا۔ نارمنوں اور انگریزوں کی صفیں بدستور قائم تھیں۔ رچرڈ اس کمزور صف بندی سے مزید آدمی نہیں نکال سکتا تھا۔ جافا کی پُرپیچ گلیوں میں بھگوڑوں کے انبوہ سے گزرتے ہوئے رچرڈ کا سامنا تین تُرک سواروں سے ہو گیا۔ جن کے گھوڑے عمدہ ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ رچرڈ نے عربی رہوار کو مہمیز دکھائی اور تلوار کے بھرپور وار سے ایک کو مار گرایا اور دوسرے کو زمین پر پٹخ دیا، تیسرا بھاگ گیا۔ عیسائی تیر اندازوں نے دونوں گھوڑے پکڑ لیے۔

بادشاہ کو دیکھ کر ملّاحوں کے حوصلے بڑھے اور وہ اِکا دُکا آ کر اس سے آ ملے۔ رچرڈ کے سپاہیوں کی تعداد بتدریج بڑھتی گئی اور اس نے شہر کے گلی کوچوں کو دشمن سے پاک کر دیا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر اُس نے شہر کا ایک چکر لگایا اور ساحل پر جا پہنچا۔ اُس نے سپاہیوں کو کشتیوں میں چھپے ہوئے بھگوڑوں اور کام چوروں کو نکالنے کا حکم دیا۔ وہ کشتیوں سے آدمیوں کو ہانک کر رچرڈ کے سامنے لے آئے۔

رچرڈ نے انہیں سخت سرزنش کی اور حکم دیا کہ ہر کشتی کی حفاظت کے لیے پانچ پانچ آدمی رہیں اور باقی جا کر لڑیں۔ وہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر واپس شہر پہنچا اس نے زخمیوں اور نہتے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں فصیل کے شگافوں کو پتھروں سے پُر کرنے کا حکم دیا۔ پھر وہ تنومند بھگوڑوں کو ساتھ لے کر مورچہ بندی کے لیے واپس چلا گیا ۔

اس نے ذرا بھی آرام نہ کیا۔ کیونکہ مسلمان بدستور حملے کر رہے تھے۔ وہ بڑی دلیری سے اپنے بارہ سواروں کو لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑا اور اس کا حملہ پسپا کر دیا۔ وہ تلوار گھماتا بڑھتا ہی چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر مسلمانوں کے ہجوم میں گم ہو گیا۔ چند ترکوں نے اس کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن اس نے انہیں مار بھگایا ۔

ایک مسلمان سردار اس پر حملہ آور ہوا۔ اس نے اپنی گول ڈھال اوپر اٹھا رکھی تھی۔ وہ تلوار گھماتا اور سرپٹ گھوڑا دوڑاتا، حملہ آور ہوا۔ جوں ہی وہ رچرڈ کے نزدیک پہنچا اس نے بادشاہ سے خائف سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا "کتو! راستہ دے دو۔ ایک مرد کے لیے راستہ چھوڑ دو ــــــ"

اسے دیکھ کر رچرڈ نے اپنا اسپ تازی کو چکر دیا اور رکابوں کے سہارے کھڑے ہو کر تلوار کا ایک زبردست وار کیا۔ ایک ہی ضرب سے گول ڈھال کٹ گئی اور اس کے گلے کو چیر کر اس کے سینے کی ہڈیوں سے نکل گئی۔ سر کے ساتھ ہی اس کا شانہ اور بازو کٹ گئے اور وہ فوراً گھوڑے سے گر گیا ۔

مقتول امیر کے ساتھی ڈر کے مارے اس ناقابل تسخیر آہن پوش سوار کے سامنے سے ہٹ گئے۔ جب وہ ان کے سامنے سے گزرا تو وہ اسے تیروں اور بھالوں کا نشانہ بنانے لگے لیکن اتنے بڑے ہجوم میں ایک خاص شخص کو نشانہ بنانا آسان کام نہیں ہوتا ۔

بالآخر رچرڈ بھاگتے ہوئے گھوڑوں کے ہجوم اور غبار کے بادل سے نمودار ہوا۔

اس کی زرہ میں بھالے اور گھوڑے کے چرمی زین پوش میں تیر چُبھے ہوئے تھے ۔

مُسلمانوں کا جوش سرد ہو گیا۔ وُہ رچرڈ کو ناقابل تسخیر سمجھنے لگے۔ اس کی تلوار ہلاکت آفریں تھی۔ وُہ عیسائی صفوں کو توڑنے میں ناکام رہے اور جب صلاح الدین نے دوبارہ حملے کا حُکم دیا تو وہ خفگی سے اپنے گھوڑوں پر بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ سُلطان نے اپنے مُرکبّ کی باگ ڈھیلی چھوڑی اور ان کے سامنے جا پہنچا۔ وہ سُلطان کو دیکھ کر نظریں چُرا گئے ۔

نیزہ بازوں کی صف سے رچرڈ دوبارہ نمودار ہُوا۔ وہ مخالف فوجوں کے درمیانی فاصلے میں آگے بڑھا۔ وہ مسلمانوں کی اگلی صف کے سامنے سے نیزہ بلند کیے، آہستہ سے گھوڑا دوڑاتا گزر گیا۔ کسی کو رچرڈ کے خلاف نبرد آزمائی کی جُرأت نہ ہوئی ۔

جب سُلطان نے پھر حملے کا حُکم دیا تو سوائے اس کے بیٹے ملک الظاہر کے کوئی آگے نہ بڑھا۔ سُلطان نے اسے اشارے سے پیچھے ہٹنے کا حُکم دیا تو کئی امیر ہنس دیے مشطوب کا بھائی چلاّیا "اب اُن امیروں کو بُلائیے۔ جنہوں نے ہمیں فتح جافا کے دن مار مار کر پیچھے ہٹایا تھا اور ہم سے مالِ غنیمت چھین لیا تھا ۔

سُلطان نے اسے بغور دیکھا۔ وُہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر مراجعت کا حُکم دیا وُہ اپنے مملوک امیروں کی معیت میں اپنے خیمے کو واپس چلا گیا ۔

رچرڈ نے جافا کو بچا لیا لیکن چند دن بعد وہ تھکن اور بیزاری سے بیمار پڑ گیا۔ شہر برباد ہو چکا تھا، گرمی، غلاظت، اور تعفن سے زندگی دوبھر تھی۔ فوج میں بیماری پھیل گئی اور کثیر تعداد میں لوگ مرنے لگے۔ رچرڈ کی قوت بھی بحال نہ ہو سکی۔ وہ اُسے حیفہ لے گئے۔ وہاں اس نے کاونٹ ہنری، ٹمپلر اور ہاسپٹلر فرقے کے سربراہوں کو بُلوایا۔ وہ اس کے بستر علالت کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کے چہرے افسردہ تھے۔ کیونکہ صلاح الدین کو مصر سے نئی تربیت یافتہ مملوک فوج کی کمک پہنچ گئی تھی۔ اس نے مُفسدین کو

نکال دیا تھا اور رملہ دو رصلیبیوں پر کاری ضرب لگانے کے لیے فوج کی از سر نو تنظیم شروع کر دی تھی۔ اس وقت جنوب میں فرانسیسی فوج قیصریہ کے پاس خیمہ زن تھی۔ مگر وہ رچرڈ کے پرچم تلے لڑنے پر ہرگز آمادہ نہ تھی۔ سارا ساحلی علاقہ غیر محفوظ تھا اور دشمن کہیں بھی حملہ کر سکتا تھا۔ رچرڈ کی مختصر فوج ساحل کی حفاظت سے قاصر تھی۔ اس کے پاس بمشکل ایک سو نائٹ تھے۔ جن پر وہ اعتماد کر سکتا تھا۔ وہ بخار سے اتنا نحیف و نزار ہو چکا تھا کہ ہفتوں تک گھوڑے کی سواری کے قابل نہ رہا تھا۔

"میری طرف سے ملک العادل کو پیغام دیں اور کہیں کہ صلح کی جو شرائط وہ طے کریں ہمیں منظور ہیں، سوائے عسقلان کے۔ ہم کسی قیمت پر بھی عسقلان ان کے حوالے کرنے پر تیار نہیں"۔

رچرڈ اپنی آخری ضرب لگا چکا تھا۔ وہ اپنی سعی تمام کر چکا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا تھا۔ ہمفرے آف ٹورون اور دیگر نائٹ ملک العادل کے پاس گئے اور اس سے شرائط صلح طے کر لیں۔

سلطان بدستور مکمل اور فیصلہ کن فتح کا خواہش مند تھا اگرچہ اس کی فوج پیہم جنگ سے بیزار ہو چکی تھی اور جنگ جاری رکھنے سے کسی فائدے کی توقع نہیں تھی۔

"میں صلح کرنے سے ڈرتا ہوں۔ نہ جانے میری موت کے بعد حالات کیا ہوں؟" سلطان نے بہاءالدین سے کہا۔

شرائط صلح نہایت سادہ تھیں۔ فریقین اپنے اپنے مفتوحہ علاقوں پر قابض رہیں گے اس طرح عیسائی صور سے لے کر جافا تک کے ساحلی علاقے کے مسلمہ حاکم بن گئے۔ ساحلی علاقے میں عکہ کی بندرگاہ کے علاوہ ساحل کے نواحی گاؤں بھی شامل تھے جو ساحل سے دامن کوہ تک واقع تھے۔ رملہ جو جافا اور یروشلم کے درمیان زائرین کی شاہراہ پر واقع تھا۔ یکساں طور پر فریقین کے قبضے میں رہے گا۔ سرحدوں سے گزرنے والے

مال تجارت پر کوئی محاصل عائد نہیں کیے جائیں گے۔ اِس شرط اور عسقلان کے تنازعے کے پس منظر میں اطالوی تاجروں کا ہاتھ کارفرما نظر آتا ہے۔ عیسائی زائرین خراج ادا کیے بغیر یروشلم کی زیارت کر سکیں گے اور سلطان اُن کی سلامتی کا ذمّہ دار ہوگا۔

رچرڈ کو بالآخر عسقلان سے دستکش ہونا ہی پڑا ـــــ عسقلان سے نہیں تو کم از کم اس کے حفاظتی مورچوں سے یہ طے پایا کہ شہر کی فصیل اور بُرج مسمار کر دیے جائیں اور اسے تین سال کے لیے کھلا شہر قرار دیا جائے۔ اِس پر فریقین میں سے کسی کا تسلط نہ ہو۔

صُلح کی میعاد تین سال اور اس کا نفاذ آئندہ ایسٹر سے قرار پایا۔ اِس طرح میعاد صُلح تقریباً چار سال ہوگئی۔

ملک العادل عیسائیوں سے صُلح کی پابندی کا حلف اُٹھوانے عکّہ آیا۔ یہ ۲؍ستمبر ۱۱۹۲ء یوم چہار شنبہ کا واقعہ ہے۔ کاؤنٹ ہنری، ہمفرے آف ٹورون، بالین آف ابلین اور عسکری فرقوں کے سربراہ رچرڈ کے کمرہ علالت سے متصل کمرے میں اکٹھے ہوئے۔ کمرے کے وسط میں میز پر ایک دستاویز رکھی تھی۔ اس کے گرد موم بتیاں جل رہی تھیں۔ کیونکہ کمرے کے تنگ روزنوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنی ناکافی تھی۔ عیسائی سردار اپنے ریشمی سفید چغوں میں ملبوس منتظر کھڑے تھے۔ وہ اِس سرزمین کے آئندہ مالک تھے۔ وہ باری باری آگے بڑھے اور دستاویز پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے یا نشان بنا دیئے۔ انھوں نے ایمان کی قسم کھائی کہ ہم صُلح کے پابند رہیں گے۔

پھر یہ دستاویز رچرڈ کو پیش کی گئی ایک پادری تحریر کے الفاظ بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ بیمار رچرڈ کو شرائط صُلح خوب معلوم تھیں۔ اس نے بیزاری سے ہاتھ ہلا کر پادری کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"مَیں ایمان کی قسم کھاتا ہوں اور قول دیتا ہوں" یہ کہہ کر اُس نے مُنہ دُوسری

طرف موڑ لیا۔ وہ عیسائی امیروں کو حلفاً زبان دے چکا تھا کہ میعادِ صُلح ختم ہونے کے بعد میں فوجیں لے کر دوبارہ آؤں گا اور جنگ شروع کروں گا"۔

دُوسرے دِن صلاح الدین نے اپنے امیروں کے رُوبرو صُلح کا حلف اُٹھایا۔ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ بوہمنڈ حاکمِ انطاکیہ اور کاؤنٹ آف طرابلس بھی شرائطِ صُلح سے اتفاق کریں چنانچہ ان دونوں نے بھی تعمیل کی۔

اُس دِن مسلمان امیر گھوڑوں پر سوار یروشلم کے کُوچہ و بازار میں گئے۔ انھوں نے بازاروں اور منڈیوں میں صُلح کا اعلانِ عام کر دیا اور کہا کہ یروشلم بدستور اسلامی تسلط میں رہے گا۔ مسلمانوں کو بخوشی عیسائیوں کے علاقے میں جانے کی اجازت ہوگی۔ نقاروں پر چوٹ پڑی اور شہر کے دروازوں پر طبل گونج اُٹھے۔ بازاروں میں خوش اور مسرور لوگوں کے گروہ جمع ہوگئے اور طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ کئی منچلے عیسائیوں کے پڑاؤ کا چکر بھی کاٹ آئے۔ مشرقی بہادر اپنے مورچے چھوڑ کر غریب الدیار مخالفوں سے ملنے گئے۔

مسیحی سپاہی لڑائی کے خاتمے سے بڑے خوش ہوئے اور مزے سے اپنے خیموں میں بیٹھے شراب پینے لگے۔ شاہراہوں اور گزرگاہوں پر کئی نئے چہرے نظر آنے لگے۔ کئی پادری اور نائٹ مزارِ مسیح کی زیارت کے لیے یروشلم جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے لیکن رچرڈ نہ گیا۔

اُس نے مزارِ مسیح کو آزاد کرانے کی قسم کھائی تھی لیکن وہ اپنے حلف میں ناکام رہا تھا جہاں وہ عیسائی فاتح کی حیثیت سے داخل نہ ہو سکا تھا وہاں وُہ زائر کی حیثیت سے جانے کے لیے ہرگز آمادہ نہ تھا۔

نہ جانے اس کے خیالات کیا ہوں گے۔ وُہ اپنے بستر پر لیٹا ہُوا تھا اور اس کے کانوں میں امیروں کی سفرِ یروشلم کی تیاری کی آوازیں آرہی تھیں۔

شاید اسے اپنا وہ جوشِ بے لگام یاد آرہا ہو جس کی وجہ سے تیسرے صلیبی محاربے کے سردار خفا ہو کر یکے بعد دیگرے اِس سے جُدا ہو گئے تھے۔ شاید اسے یہ احساس تاسّف وامنگیر ہو کہ مجھے جھگڑوں کو طُول دینے کے بجائے انہیں بطریقِ احسن ختم کر دینا چاہیے تھا۔ ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ سوال بھی جاگزیں ہو کہ اگر مَیں پچھلی گرمیوں میں پیش قدمی نہ روکتا تو شاید یروشلم پر آج میرا پرچم لہراتا ہوتا ٭

رچرڈ کی قیادت میں صلیبی جنگ ناکام ہو گئی تھی، حالانکہ کسی کو تلوار اور نیزے پر اِس جیسی قُدرت نہ تھی۔ اس نے جنگ میں خطروں کو للکارا تھا اور دادِ شجاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے مقصدِ اوّلین میں بُری طرح ناکام رہا تھا۔ جب اس نے فوج کی کمان سنبھالی تو وہ بالکل بے بس ہو کر رہ گیا۔ ارسوف میں عیسائی فوجوں کی کامیابی اس کی قیادت کی رہین منت نہ تھی۔ جب اسے پیش قدمی کرنی چاہیے تھی، وہ صلاح الدین سے مصالحت کی کوشش میں اُلجھ گیا۔ بیت النبیل (جو یروشلم سے صرف ایک منزل تھا) پہنچنے کے بعد گفتگوئے مصالحت کے روشن امکانات تھے لیکن اس کے بجائے اس نے پسپائی اختیار کر لی ٭

وُہ بُری طرح ناکام ہُوا تھا لیکن اس کی ناکامی کے باوجود مسلمان ملک آرک (رچرڈ) کو فراموش نہ کر سکے۔ مُطربوں اور سپاہیوں کو اُس کے دلیرانہ کارنامے ہمیشہ یاد رہیں گے کہ وہ کیسے پُوری فوج کی مزاحمت کے باوجود جافا کے ساحل پر اُترا۔ اور کیسے اُس نے تن تنہا ہزاروں کے مُنہ موڑ دیئے۔ کیسے اس نے اپنی شمشیرِ خارا شگاف سے وہ کامیابی حاصل کی جو اس کی مجہول فوجی قیادت کو کبھی نصیب نہ ہو سکی۔ لااُبالی اور مغرور، دلپذیر اور انتہائی دلیر —— یہ تھا رچرڈ شیر دل جو عکّہ میں اپنے بستر پر لیٹا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیالات نہیں تھے، وہ نہایت بے پروائی سے اپنے بازوؤں سے کھیلنے یا از راہِ خوش طبعی اپنے درباری شاعر بلونڈل کے تازہ گیت سُننے میں وقت گذار دیتا۔

وہ ملکہ برنگیریا کی خدمت گزاری سے اُکتا چکا تھا۔ وہ بڑی بے تابی سے واپسی کا منتظر تھا۔ اس کی آنکھیں سمندر کے اس پار نتھی مُنّوں پر لگی ہوئی تھیں ؛

یہ ہے رچرڈ کا کردار جس کے نقوش تیسرے صلیبی محاربے کے تذکرہ نویسوں کے وقائع سے اُجاگر ہوتے ہیں۔ یہ رومان اور روائیت کا کردار نہیں اور نہ وائٹر سکاٹ ہی کا وہ سدا مظفّر و منصور رہیر و ہے جس کی شخصیت غالب اور طبیعت غصیلی تھی اور جو اپنے پُرجوش عزائم میں محض اپنے حلیفوں کی عداوت اور حسد کی وجہ سے ناکام رہا تھا ؛

پھر بھی رچرڈ کی یہ تصویر مکمّل نہیں۔ اس کے کئی افعال وضاحت طلب ہیں اور اس کے کئی محرکات ابھی تک معمّا! جب اس نے ساحل عکّہ پر قدم رکھا تو اس کی خود اعتمادی اور لا اُبالی پن میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہ پُریقین اور پُراُمید تھا۔ میسنا اور قبرص کی فتوحات سے اس کی خود اعتمادی کو بڑی تقویّت ملی تھی لیکن جوں جوں محاصرہ عکّہ طول پکڑتا گیا اس کی بیزاری اور جھنجلاہٹ شدید تر ہوتی گئی۔ بالآخر اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے دُوسرے سالاروں کو جان بُوجھ کر ہٹا دیا۔ وہ ناراض ہو گئے کیونکہ اس نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ اس نے انہیں برطرف کر کے فوجوں کی کمان خود سنبھال لی اور سُلطان صلاح الدین کو طنزیہ پیغامات بھیجنے شروع کر دیے۔ پھر اس نے یہ ظلم ڈھایا کہ عکّہ کے مُسلمان اسیرانِ جنگ کو جو در اصل یرغمال تھے تہ تیغ کر دیا ؛

۲۰ اگست کے قتل عام اور ملک العادل سے ۵ ستمبر کی پہلی مُلاقات کے درمیانی وقفے میں اس کا سارا انداز ہی بدل جاتا ہے۔ وہ بے پروا، پُراعتماد اور بہادر شخص اب مُحتاط اور مُتفکّر بادشاہ کے رُوپ میں نظر آنے لگتا ہے ؛

اِن دو ہفتوں میں اس کا طرزِ عمل قابلِ غور ہے۔ وہ بلا شرکت غیرے فوج کا مسلّمہ سالار تھا لیکن جافا کی طرف اس کی پیش قدمی سُست سے سُست تر ہوتی گئی۔ اس نے پیش قدمی کے لیے ایسی حفاظتی تدابیر اختیار کیں۔ جو ان حالات میں نہایت

ناموزوں تھیں۔ اس نے ارسوف کے میدان میں ہاسپٹلروں کو جوابی حملہ کرنے کی ممانعت کر دی لیکن جب جنگ خود بخود جوابی حملے میں تبدیل ہوگئی تو وہ بے تحاشا لڑائی میں کُود پڑا اور سرِ عسکر لڑنے لگا۔ مقامِ حیرت ہے کہ دُوسرے دن اس نے دوبارہ لڑائی شروع کرنے سے انکار کر دیا اور فتح کا ایک قیمتی موقع کھو دیا۔ وہ فوراً بڑھ کر عسقلان پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا لیکن رستے میں جافا میں تاخیر کر دی اور واپسی پر بھی وہ تاخیر کا مُرتکب ہُوا۔ اس نے جافا کے حفاظتی مورچوں کو مُستحکم کیا اور بعد میں نہایت معرکۃ الآرا مگر فضول شجاعانہ کارنامے دکھانے میں مصروف ہو گیا۔ اِس طرح وقت گزُرتا گیا اور دن مہینوں میں تبدیل ہوگئے۔ بالآخر وہ سُلطان سے شرائطِ صُلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کی درخواست میں طفلانہ ضد اور جھنجلاہٹ تھی۔ جب فوج نے از خود دوبارہ یروشلم پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس نے سب سے پہلے پسپائی پر اصرار کیا۔ اور اس کے برعکس اس نے عسقلان کے استحکام پر اتنا زور دیا کہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں اور برُجوں پر بھی فوجی چوکیاں قائم کر دیں ٭

شاید ہی کوئی سالار حفاظتی تدابیر کا اِس قدر دلدادہ اور جارحانہ اقدام سے اِس قدر گریزاں ہو۔ حالانکہ سُلطان کو شکست دینے اور یروشلم فتح کرنے کی واحد تدبیر جارحانہ اقدام تھا۔ لیکن رچرڈ جارحانہ اقدام کی صلاحیت سے عاری تھا۔ جب فرانسیسی امراء نے اسے یاد دلایا کہ صلیبی محاربے کی غائیت اُولیٰ یروشلم کا استخلاص ہے، تو اُس نے اس اقدام کے راستے میں مُشکلات گنوانی شروع کر دیں۔ جب اختلافِ رائے میں تلخی پیدا ہوگئی تو وہ اپنے دلائل پر بضد ہو گیا۔ اس کے لب و لہجہ میں درشتی اور تیزی تھی لیکن آخر کیوں ؟ بے پروا اور خوش باش رچرڈ شیر دل کیوں بُزدل سالار بن گیا تھا؟

اس کی وجہ انگلستان سے موصول ہونے والی حوصلہ شکن خبریں ہرگز نہ تھیں۔

وہ اپنی سلطنت کو پہلے ہی دو مرتبہ صلیبی جنگ کے لیے خطرے میں ڈال چکا تھا۔ پہلی مرتبہ اُس وقت جب اس نے صلیبی مہم کی تیاری میں انگلستان کے تمام تر وسائل صرف کر دیے تھے اور دُوسری مرتبہ اس وقت جب اس نے فلپ آگسٹس کی روانگی کے بعد فلسطین میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اب کہ اسے انگلستان واپس پہنچنے کی دعوت اپریل ۱۱۹۲ء سے پہلے موصول نہیں ہوئی تھی۔ اِس لیے یہ واقعہ اس کی جارحانہ احتیاط اور قائدانہ بُزدلی کا باعث نہیں ہو سکتا۔

موجودہ فرانسیسی اور انگریز مؤرخ اِس پر متفق ہیں کہ وہ اعلےٰ عسکری صلاحیتوں سے قطعی عاری تھا لیکن اُسے نااہل اور ناقابل قرار دینے سے اس کے اعمال اور روّیے کی مکمّل تشریح نہیں ہو سکی۔ احمق اور عاقبت نااندیش قسم کے سالار ہی اپنی فوج کو مَوت کے مُنہ میں دھکیل سکتے ہیں لیکن رچرڈ سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے اپنے مورچے مُستحکم کیے اور اپنی راہِ رسد کی ہر ممکن حفاظت کی۔ دراصل رچرڈ نے چھوٹی چھوٹی کامیابیوں میں اُلجھ کر فیصلہ کُن کامیابی اور کامل فتح کے مواقع کھو دیے۔

اس جواں مردِ انسان کی یاد سے انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کے انوکھے رویّے کی توضیح پیش کر دی جائے۔

عکّہ سے پہلے شاہ انگلستان یورپ کے مروّجہ جاگیردارانہ طریقِ جنگ سے آشنا تھا اس نے اِس فن میں فرانس کی رزم گاہوں میں کمال حاصِل کیا تھا۔ ان جاگیردارانہ جنگوں میں امیروں اور نوابوں کے غیر منظم مختصر ذاتی لشکر حصّہ لیتے۔ یہ طریقِ جنگ صرف حملوں اور جاگیرداروں کے قلعوں کے محاصروں تک محدود تھا۔ محاصرہ عکّہ میں تو یہ طریقِ جنگ کارآمد رہا۔ لیکن جب اس نے ایک کثیر فوج کے ساتھ عکّہ سے جافا کی طرف پیش قدمی کی تو اسے بڑے پیمانہ کی لڑائی یعنی حربِ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ "حربِ عظیم"

میں کثیر التعداد فوجیں کھُلے اور انجانے مَیدانوں میں طے شُدہ منصوبے کے مطابق نقل و حرکت کرتی ہیں اور لڑائیوں کا سلسلہ فیصلہ کُن نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ ایسی ہی حربِ عظیم پر صلیبی جنگ کی قسمت کا دارومدار تھا جس کے ہر معرکے سے صلیبیوں کی کامیابی وابستہ تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ جب رچرڈ کو حربِ عظیم سے سابقہ پڑا تو اُسے اپنی نااہلیت کا پُورا پُورا احساس ہو گیا۔ اب اس کے لیے سالاری سے دستبردار ہونا ممکن نہ تھا، کیونکہ اُس نے عکّہ میں سالاری بڑے اہتمام سے حاصل کی تھی۔ اس کا شاہی وقار اور اس کی شہرت دستبرداری کی راہ میں حائل تھے۔ وہ کسی ماتحت کی سرداری کیونکر قبول کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی شہزادہ بھی موقع پر موجود نہ تھا، جس کو امیر لشکر بنایا جا سکتا۔ صلیبی اتحادیوں میں سے کونارڈ قابل ترین سالار تھا، لیکن وہ خفا ہو کر صور واپس چلا گیا تھا۔

جنگ جیتنا رچرڈ کے بس کا روگ نہ تھا اور سالارِ اعلےٰ کے عہدے سے دستبردار ہونا اس کی خودداری کے منافی تھا۔ صلیبی سپاہی ہر قیمت پر یروشلم فتح کرنے پر بضد تھے۔ ان کے عزائم کو بدلنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ رچرڈ عجیب مُشکل میں پڑ گیا۔ اِس ذہنی اُلجھن نے اسے افسردہ اور مُتفکّر بنا دیا تھا۔

رچرڈ کو جان کی پروا نہ تھی، وہ صرف ذلّت اور شکست سے خوف کھاتا تھا۔ وہ واپس نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیئے آگے بڑھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا لیکن ہر گام کے ساتھ قائدانہ نااہلی کا رُوح فرسا احساس شامل تھا۔ پیش قدمی کا ہر مرحلہ ہنگام خطر تھا۔ کونارڈ کی معاندانہ بے اعتنائی، فرانسیسیوں کی روزافزوں سرکشی اور انگلستان سے آمدہ اطّلاعات سے پریشانی کی وجہ سے اس کی حالتِ قابلِ رحم ہو گئی۔ عام سپاہی اس کی بے مثال شجاعت کے گرویدہ تھے۔ ان کی اندھی عقیدت سے رچرڈ کا ذہنی کرب شدید تر ہو گیا تھا۔

اِس تجزیے کا ثبوت ہمیں رچرڈ کے ان الفاظ سے ملتا ہے جو اس نے یروشلم کے

قریب فرانسیسیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے۔ یہ الفاظ ہمیں ڈی ونسوف کے تذکرے میں ملتے ہیں "ان حالات میں پیش قدمی جاری رکھنا حماقت اور میرے لیے باعثِ ذلت ثابت ہوگا۔ میں ہرگز آپ کا سالار نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ یروشلم پر دھاوا کرنے پر بضد ہیں تو میں قائد کی حیثیت سے آپ کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک ساتھی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہوں گا۔ میں سالاری نہیں اطاعت کروں گا"۔

اِس نازک مرحلے پر رچرڈ کے خیالات ہمیں کبھی نہیں معلوم ہو سکیں گے۔ اس نے جو مختصر خطوط انگلستان لکھے تھے ان میں صرف ارسوف جیسے اہم واقعات کا ذکر ہے اس کی ذہنی واردات کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کوئی اس کا ہم راز اور دمساز نہ تھا اُسے کسی پر اعتماد نہ تھا۔ شاید اسے یہ احساس تک نہ ہُوا ہو کہ میں نے صرف انگریزی فوج کی سالاری پر قناعت نہ کرنے، اور فلپ اور کونارڈ سے تعاون نہ کرنے سے ذاتی طور پر صلیبی جنگ کی کامیابی کے امکانات ختم کر دیے ہیں۔ مزید برآں یہ امر نہایت معنی خیز ہے کہ ناکامی کے بعد اس نے اپنی دو دیرینہ خواہشات کو بھی تج دیا، یعنی یروشلم کی زیارت اور صلاح الدین سے مُلاقات

اِن مُشکلات میں اس کے لائحہ عمل کو سمجھنا مشکل نہیں۔ وہ بہر صورت فوج کی سلامتی کی خاطر صلاح الدین سے معرکہ آرائی سے گریزاں رہا۔ پھر بھی اُس نے ذاتی شجاعت اور دلیری سے مُختصر دستوں کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کی از حد کوشش کی اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ایسے مقابلوں میں اس کا حوصلہ بلند ہوتا۔ اس کی حیرت انگیز جُرأت سے دُشمن بھی دنگ رہ جاتے لیکن جب وہ خیمے میں واپس آتا تو پریشان اور افسردہ ہو جاتا اُس کی خود اعتمادی متزلزل ہونے لگتی۔ وہ اپنے صدر مقام سے عمداً دُور رہنے کی کوشش کرتا اور اپنے فوجی دستوں کی محافظت سے نکل کر دُشمن کی صفوں میں گھُس جانے کو ترجیح دیتا۔ ممکن ہے کہ احساسِ ناکامی کی خفت مٹانے کے لیے وہ میدانِ

جنگ میں جان دینے کا موقع تلاش کرتا ہو۔ اسے ذاتی شجاعت کے کارنامے کے لیے صرف ایک مرتبہ فوج کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ یہ وہ موقع تھا۔ جب صلاح الدین بذاتِ خود جافا آیا تھا۔ رچرڈ فوراً کمربستہ ہوگیا اور طفلانہ گرم جوشی سے جنگ میں کود پڑا ﴿

ملک العادل اور بہاءالدین بھی کئی مرتبہ اس کی جوشیلی اور جذباتی طبیعت سے حیران رہ جاتے لیکن صاحب بصیرت صلاح الدین اس کے کردار سے بخوبی واقف تھا۔ اسی لیے سلطان نے ذومعنی بات کہی تھی کہ "اگر سرزمین مقدّس کھونا ہی میرے مقدر میں ہے تو میں کسی اور سے ہارنے کے بجائے "ملک الرک" سے ہارنا پسند کروں گا"۔ سلطان رچرڈ کی شجاعت اور مردانگی کا معترف تھا اگرچہ اسے عسکری قیادت میں رچرڈ کی نااہلی کا خوب علم تھا ﴿

یہ قضاء و قدر کا فیصلہ تھا کہ صلاح الدین سرزمین مقدس سے دست کش نہ ہو۔ دُنیائے مسیحیت کی تمام تر فوجی طاقت دو لاکھ اشخاص کی قربانی دے کر بھی سلطان کو دیارِ مقدس سے نہ ہلا سکی۔ برسوں کی خونریزی کے بعد وہ سلطان کے مفتوحہ فلسطین کا صرف ایک حقیر حصّہ فتح کر سکے اور اپنے مقامات مقدّسہ میں سے کسی پر بھی قبضہ انہیں نصیب نہ ہوا۔ سلطان کامل فتح کا آرزومند تھا۔ وہ صُلح کے حق میں نہ تھا لیکن بعد میں صُلح ہی دُنیائے اسلام کی سلامتی کی بہترین ضمانت ثابت ہوئی۔ سلطان کی زندگی کا انجام بھی صُلح سے دُور نہ تھا ﴿

۲۸

ایمبروز مزارِ مسیح پر

معاہدۂ صُلح پر دستخط ہونے سے پہلے ہی مسیحی زائروں نے یروشلم کی راہ لی۔ مشہور بہادر اینڈریو آف شوگینی اِس قافلے کا سالار تھا۔ انہوں نے اپنا اسلحہ اور زرہ بکتر اُتار دیے اور نہتّے زیارت کے لیے گئے۔ وُہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ یہ اقدام نہایت پُرخطر اور جُراُت مندانہ تھا۔ کیونکہ ابھی تک مسلمان جن سے چند دن پہلے تک وُہ نبرد آزما رہے تھے، کوہ و وادی میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ انہیں ابھی تک یہ علم نہ تھا کہ سُلطان نے واقعی عیسائیوں کو پُرامن نقل و حرکت کی ضمانت دی ہے یا نہیں۔ اِس واقعے کی تفصیل ایمبروز سے سُنیے۔

"جب ہم رملہ کے میدان سے گزُر رہے تھے تو امراء نے باہمی گفتگو کے بعد یہ طے کیا کہ ہم مزارِ مسیح کی زیارت کے لیئے صلاح الدین کو اپنی آمد کی اطّلاع دے دیں اور شاہ انگلستان کے تعارفی خطوط بھی اسے ارسال کردیں۔ ویسے تو ہمارے ایلچی بہادر اور سمجھدار آدمی تھے، لیکن انہوں نے ایسی بے پروائی برتی کہ ان کی شجاعت بھی بے سُود

ثابت ہوئی۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ رملہ کا میدان عبور کر کے وہ ملک العادل کی تلاش میں ٹھہر گئے، لیکن سچی بات یہ تھی کہ وہ اِس منزل پر پہنچ کر دیر تک سوتے رہے اور جب بیدار ہوئے تو انہوں نے سر اینڈریو کی سرکردگی میں زائرین کو منظم دستوں کی صورت میں پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ جب اُنہیں اپنے عقب میں ایلچی بھاگتے نظر آئے تو وہ ٹھٹک کر رہ گئے اور امیروں نے کہا "بخدا اگر مسلمانوں نے ہمیں دیکھ لیا تو ہم مارے جائیں گے۔ جن قاصدوں کو ہم نے اپنی آمد کی خبر دینے کے لیے بھیجا تھا وہ تو یہ پیچھے چلے آ رہے ہیں اب اگر ہم آگے بڑھے تو یقیناً مسلمان ہم پر حملہ کر دیں گے"۔

"اب قاصد تیزی سے یروشلم کی طرف بھاگے۔ شہر کے باہر دو ہزار سے زیادہ مسلمان خیمہ زن تھے۔ کافی دیر کی تگ و دو کے بعد وہ ملک العادل کے حضور میں پہنچے اور اس سے اپنا مدعا بیان کیا۔ ملک العادل نے انہیں سخت سرزنش کی اور کہا "یہ کیا مجنونانہ حرکت ہے۔ "کیا تمہیں اپنی جان عزیز نہیں۔ کہ تم بلا ضمانتِ راہداری چل پڑے ہو"؟

"اسی طرح گفتگو میں شام ہوگئی۔ اِتنے میں عیسائی زائرین کا تھکا ماندہ قافلہ بھی آن پہنچا۔ وہ بالکل نہتے تھے۔ ان کی منزل غیر یقینی تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن مسلمان تلواریں سونت کر مقابلے کے لیے نکل آئے۔ وہ سخت بھپرے ہوئے تھے۔ ان کے خشمناک تیور دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کا زہرہ آب ہوگیا اور وہ سوچنے لگے کہ کاش، ہم اس آفت کے بجائے عکہ ہی میں ٹھہر جاتے۔ انہوں نے پریشانی اور خوف کے عالم میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر جوں توں رات کاٹی۔

"اگلی صبح کو چند مُسلمان سردار صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس سے درخواست کی کہ ہمیں اِن زائرین سے اپنے مقتولین کا انتقام لینے کی اجازت دی جائے لیکن صلاح الدین نے سختی سے ان کی عرضداشت کو ٹھکرا دیا اور فوراً سارے امیروں کو طلب کر کے یہ اعلان کر دیا کہ عیسائیوں کو مزارِ مسیح کی زیارت کے لیے راہداری

بخش دی گئی ہے"۔

ایمبروز زائرین کے دوسرے گروہ کے ہمراہ تھا۔ یہ گروہ صبح کے وقت یروشلم میں داخل ہوا جبکہ پہلا گروہ واپس آ رہا تھا۔ اس وقت تک صلاح الدین نے سڑکوں پر محافظ دستے تعینات کر دیئے تھے زائرین نہایت اطمینان و سکون سے یروشلم میں داخل ہوئے۔

"ہم پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے اس مبارک چوٹی پر پہنچے جہاں سے یروشلم کا ایمان افروز منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہمارے دل مسرت سے لبریز تھے اور وفورِ عقیدت سے ہم دوزانو ہو کر بیٹھ گئے، جیسا کہ زائرین کا دستور رہے۔

"ہم نے شہر کو دیکھا، احساسِ تقدیس سے معمور آنکھیں اس مقبرے کو چومنے لگیں جس کے نیچے حضرت مسیحؑ کے جسد مبارک کو مصلوب ہونے کے بعد رکھا گیا تھا۔ زائروں نے نذرانے پیش کیے اور چڑھاوے چڑھائے جنہیں اردگرد منڈلاتے ہوئے بدّو اُٹھا کر چلتے بنے۔ چنانچہ ہم نے نذرانے کے بجائے بہتر سمجھا کہ شاہی اور یورپی اسیروں کو چاندی کے سکّے دے دیئے جائیں۔ جب ہم نذر کی رقم انہیں دیتے، تو وہ دُعا کرتے" خدا تمہیں جزائے خیر دے"۔

"پھر ہم کوہِ کیلویری کی زیارت کو گئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت مسیحؑ کے لیے صلیب گاڑی گئی تھی اور جہاں چٹان وفورِ درد سے پاش پاش ہو گئی تھی۔ ہم نے اس مقدّس مقام کو بوسے دیئے۔ پھر ہم نے کلیسائے صیہون کی زیارت کی جو بالکل برباد تھا اس کے بعد ہم اس میز کو دیکھنے گئے جہاں ہمارے آقا و مولا نے آخری بار کھانا کھایا تھا۔ ہم نے اِس میز کو بوسے دیئے۔ ہم وہاں سے جلدی جلدی نکلے کیونکہ مسلمان اکّا دکّا عیسائی کو دبوچ کر غاروں میں لے جاتے ——

"پھر ہم اس غار کی زیارت کے لیے گئے جہاں ہمارے آقا و مولا کو صلیب سے

اُتارنے کے بعد سپردِ خاک کیا گیا تھا۔ دردِ محبّت سے سرشار ہو کر، ہم نے اِس جگہ کی بلائیں لیں اور اپنی بیچارگی کے احساس سے گرم گرم آنسو بہائے ـــــ کیونکہ اِس مقدّس مقام پر ان خبیثوں نے اصطبل بنا رکھے تھے۔ جن کے وجود سے سرزمین مقدّس ناپاک تھی اور جو زائرین کو مارتے اور دھمکاتے تھے۔ اس کے بعد، ہم یروشلم سے روانہ ہو کر عکّہ واپس چلے آئے۔

ہنگامِ فتح بھی صلاح الدین ویسا ہی فراخ دِل اور بُردبار رہا جیسا کہ وہ ابتلائے جنگ سے پہلے تھا۔ جب رچرڈ نے سُلطان کو لکھا "چونکہ فرانسیسی فریقِ معاہدہ نہیں اس لیے انہیں یروشلم کی زیارت کی اجازت نہ دی جائے تو سُلطان نے جواب دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مَیں نے سب عیسائیوں کو اجازت بخش دی ہے۔ انہیں کیسے محروم کر دوں" جب بشپ آف سالسبری زائرین کے تیسرے قافلے کے ہمراہ یروشلم گیا تو سُلطان نے اس کی مُنہ مانگی مُراد پُوری کرنے کا وعدہ کیا۔ بشپ رات بھر سوچتا رہا اور دُوسرے دِن سُلطان سے درخواست کی کہ وہ لاطینی پادریوں کو مزارِ مسیح میں رہنے کی اجازت دی جائے تاکہ وُہ صبح و شام یہاں "مقدّس نماز" ادا کیا کریں۔

جب رچرڈ نے کہا کہ میعادِ صُلح کے بعد مَیں واپس آ کر فلسطین مسلمانوں سے چھین لوں گا تو سُلطان نے بڑی متانت سے جواب دیا "اگر سرزمین مقدّس کھونا ہی میرے مقدر میں ہے تو بہتر ہے کسی اَور کے بجائے رچرڈ اس پر قابض ہو"۔

صلیبی فوج کے پس ماندگان جہازوں میں بیٹھ کر اپنے اپنے وطن کو واپس چلے گئے بیماری کے بعد رچرڈ حیفہ میں آرام کر رہا تھا۔ اس کی ملکہ برنیگیریا بھی وہاں آ گئی اور اُس کی تیمار داری میں مصروف ہو گئی۔ رچرڈ کا شامیانہ جبلِ کارمل کے سامنے ایکیا کے باغات کے قریب تھا۔ برنیگیریا بڑی تندہی سے

اس کی خدمت گزاری کرتی رہی۔ اس کا یہ مہینہ بڑی عافیت سے گزرا۔ برنیگیریا کی قسمت میں شیر دل کے ساتھ سکون کا یہی آخری مہینہ تھا۔

رچرڈ کے ساتھ رہنے کے لیے اس نے گھر چھوڑا تھا اور صلیبی فوج کے ساتھ چلی آئی تھی۔ جب جزیرہ قبرص میں اس کی شادی بڑی شان و شوکت سے ہوئی تو ساری دنیا کی آنکھیں ملکہ برنیگیریا پر مرکوز ہو گئیں لیکن اس کے بعد اس کی اہمیت ماند پڑ گئی۔ اور اس کی شخصیت محض ایک تاریخی نام بن کر رہ گئی جس کی بازگشت اس طوفانی بہادر کے قدموں کے پیچھے گاہے گاہے سنائی دے جاتی ہے۔ رچرڈ اسے اپنے ہمراہ واپس لے جانے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ مایوس ہو کر عکہ کو ٹی اور پاپائے روم کے دربار میں پناہ لینے کے لیے بذریعہ جہاز روم چلی گئی۔ جب اسے رچرڈ کے اسیر ہونے کی خبر ملی تو وہ رچرڈ کی والدہ ملکہ ایلینار کے ہمراہ پوشو (فرانس) چلی آئی اور پلانٹیجنٹ شہزادوں کے دربار میں آرام کی زندگی گزارنے لگی لیکن رچرڈ نے اسے نہ بلوایا۔ یہ داستان مشہور ہے کہ جب رچرڈ بستر مرگ پر تھا اس نے برنیگیریا کو طلب کیا لیکن یہ محض کہانی ہے جس کی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے بعد برنیگیریا کا نام کبھی سننے میں نہیں آیا۔

نہ وہ اپنے والد کے پاس واپس ناوارے گئی، نہ پلانٹیجنٹ حکمرانوں ہی نے اسے منہ لگایا اور اس کی کوئی امداد کی۔

تاریخ سے ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی سال آنجو میں تنہائی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتی رہی۔ اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا، سوائے اس کے کہ کبھی کوئی کارڈینل ادھر سے گزرا اور اس کی مزاج پرسی کے لیے رک گیا۔

اکتوبر کے شروع میں رچرڈ نے سرزمین قدس کو خیر باد کہا۔ وہ مختصر سے محافظ دستے کے ساتھ اپنے ایک ہی جہاز پر سوار ہوا۔ اس کی مراجعت وطن آسان نہ تھی۔

انگلستان میں اس کے بھائی جان نے اپنی قوت مستحکم کر لی تھی۔ اس کے اپنے حامی منتشر ہو چکے تھے اور یورپ کے تقریباً سارے تاجدار اس کے مخالف تھے۔ وہ جہاز پر سوار ہوا اور فوراً اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جہاز نے بادبان کھول دیے اور چل پڑا۔ وہ ساحل شام کے نظروں سے اوجھل ہونے تک اپنے کمرے میں رہا اور دوسری صبح کو عرشہ جہاز پر نمودار ہوا۔

کیسے وہ آنے والے خطرات سے بے نیاز بحیرہ ایڈریاٹک میں داخل ہوا۔ کیسے اس نے بھیس بدل کر جرمنوں کی سلطنت سے گزرنا چاہا۔ کیسے وہ اپنی شاہی تمکنت اور وقار سے پہچانا گیا اور کیسے اس کا شناخت کنندہ وہ شخص تھا جسے اس نے محاصرۂ عکہ میں زک پہنچائی تھی —— یعنی لیوپولڈ آف آسٹریا —— اور کیسے رہائی کے لیے زر فدیہ کی رقم مشتہر کی گئی! —— یہ واقعات بہت مشہور ہیں اور بار بار دہرائے جا چکے ہیں۔

صلاح الدین ساحل شام پر رچرڈ کی روانگی کا منتظر رہا۔ جب اسے رچرڈ کی روانگی کی خبر ملی تو وہ حرم مقدس میں آیا۔ اس نے امیروں کو جمع کیا اور انہیں باری باری رخصت کیا۔ پھر وہ بحالی امن کے مسائل میں مصروف ہو گیا۔ پہلے تین ہفتے تو اس نے مفتوحہ علاقے کے سرحدی قلعوں کے معائنے میں صرف کیے۔ اور بعد میں اس کی توجہ اہم امور کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ قاہرہ واپس جانا چاہتا تھا، جسے چھوڑے ہوئے اسے دس سال ہو گئے تھے لیکن اس پر کاہلی غالب آ گئی۔ جہاد کی مصروفیت کی بنا پر وہ گزشتہ چند سال سے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکا تھا۔ اب اس نے ادائے قضا کے لیے روزے رکھنے شروع کر دیے۔ برسات کا موسم آیا تو وہ دمشق چلا گیا۔ وہاں وہ کبھی کبھی شکار کے لیے نکل جاتا اور اکثر وقت علماء فضلا کی صحبت میں بسر کرتا۔ فروری کے آخر میں اس نے وفادار قاضی کو

بُلوا بھیجا۔ بہاء الدین نے دیکھا کہ سُلطان عزلت نشین سے ہو گئے ہیں۔ محل کے ایوانوں میں کئی امیر سُلطان کے مُنتظر رہتے لیکن وُہ کسی کو شرفِ باریابی نہ بخشتے۔ جب نقیب نے قاضی صاحب کے نام کا اعلان کیا تو سُلطان نے فوراً انہیں حضور میں بُلوا لیا۔ سُلطان نے نہایت خلوص اور تپاک سے قاضی کا خیر مقدم کیا۔ سُلطان اور قاضی خزاں زدہ باغ میں سفیدے کے بے برگ و بار درختوں تلے نشستوں پر بیٹھ گئے۔ خادم پھلوں اور مٹھائیوں سے بھرا ہُوا طشت لائے۔ سُلطان نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور گُفتگو کے دَوران میں اپنی محبوب ترین خواہش کا اظہار کیا۔ آئندہ موسم بہار میں وہ حج کے لیے جانا چاہتا تھا۔ اب موسم خزاں میں حاجی فریضہ حج کے بعد دمشق کی طرف واپس آ رہے تھے۔

بہاء الدین رقمطراز ہے "دُوسرے دِن سُلطان نے مجھے بُلوایا۔ سُلطان باغ میں تشریف فرما تھے۔ سب سے چھوٹا صاحبزادہ ان کے پاس تھا۔ سُلطان نے دریافت کیا کوئی مُلاقاتی ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ فرانکوں کے ایلچی، امیر اور اعیانِ سلطنت مُلاقات کے مُنتظر ہیں۔ سُلطان نے ایلچیوں کو حاضر کرنے کا حُکم دیا۔

اس وقت ننّھا شہزادہ ابو بکر (جو سُلطان کا بہت چہیتا تھا اور جس سے وہ اکثر کھیلا کرتے تھے) موجود تھا۔ فرانکوں کی مُنڈی ہوئی ڈاڑھیاں اور عجیب لباس دیکھ کر ننّھا شہزادہ رونے لگا۔ سُلطان نے معذرت چاہی اور اُن کی عرضداشت سُنے بغیر ہی انہیں رُخصت کر دیا۔ آخری دنوں میں سُلطان نے رسمی تقریبات بالکل کم کر دی تھیں۔ وہ کہتے تھے مجھے اِدھر اُدھر گھُومنے پھرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اُن کی طبیعت گری گری رہتی تھی۔ اُن کے اضمحلال کی ایک اور وجہ بھی تھی۔

سُلطان مصروفیتِ جہاد اور بار بار کی علالت کی وجہ سے گذشتہ کئی سال سے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکے تھے۔ چُنانچہ القدس کے دَوران قیام میں اُنھوں نے ادائے قضا کے لیے روزے رکھے۔ اِس سے اُن کی صحت بگڑ گئی۔ طبیب خاص نے

اُنہیں اپنی جسمانی قوت سے بڑھ کر مجاہدہ نفس کرنے سے باز رہنے کی سخت تاکید کی لیکن سُلطان نے طبیب کے مشورے سے اتفاق نہ کیا اور فرمایا "معلوم نہیں کہ آئندہ کیا ہو۔" چُنانچہ وہ مسلسل روزے رکھتے رہے اور اپنی قضا کا پُورا کفارہ ادا کر دیا۔

سُلطان نے مجھ سے دریافت کیا کیا آپ نے قافلہ حجاج کی آمد کی خبر سُنی ہے؟ مَیں نے جواب دیا "مَیں نے راستے میں چند حاجیوں کو دیکھا تھا۔ اگر بارش کی وجہ سے کیچڑ نہ ہوتی تو آج قافلہ شہر پہنچ جاتا۔ اب انشا اللہ کل تک پُہنچ جائے گا"۔

سُلطان نے کہا "مَیں کل اُن کے استقبال کے لیے جاؤں گا اور حُکم دیا کہ سڑک کی مرمّت کی جائے اور بارش کا پانی نکال دیا جائے ـــــ مَیں نے رُخصت ہوتے ہوئے دیکھا کہ سُلطان کے چہرے پر وُہ پُرانی بشاشت مفقُود تھی۔

جمعہ کی صُبح کو سُلطان گھوڑے پر سوار ہو کر حاجیوں کے استقبال کو گئے۔ مَیں نے نوکروں کو پیچھے چھوڑا اور فوراً موقع پر پُہنچ گیا۔ اس وقت سُلطان اہل قافلہ کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ انہوں نے صباح الدین اور خارجہ الیاروقی جیسے بزرگوں کا بڑی گرم جوشی اور تپاک سے استقبال کیا۔ سُلطان کی عادت تھی کہ وُہ بزُرگوں کی خاص مدارات کیا کرتے تھے۔

یہ نہایت رُوح پرور اور شاندار منظر تھا۔ اہل دمشق حاجیوں اور سُلطان کی زیارت کے لیے گروہ در گروہ میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ خلاف معمول سُلطان رُوئی دار خلعت نہیں پہنے ہوئے تھے۔ حالانکہ وُہ اس کے بغیر کبھی سواری نہیں کرتے تھے۔ مَیں نے پُوچھا تو وُہ چونک پڑے، جیسے کہ یکدم کسی خواب سے بیدار ہو گئے ہوں۔ سُلطان نے فوراً خلعت طلب کی لیکن صاحب توشک خانہ کہیں نظر نہ آیا۔ یہ عجیب بات تھی کہ سُلطان نے بار بار خلعت کی فرمائش کی مگر بے سُود۔

پھر مَیں نے عرض کیا "یہ ممکن نہیں کہ ہجوم سے گزرنے کے بجائے ہم کسی اور راستے

سے شہر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ہم ایک چھوٹی سی سڑک پر ہو لیے جو باغات سے گزرتی تھی ہم سلطان کے جلو میں تھے۔ نہ جانے میرے دل میں سلطان کی صحت کے متعلق کیوں اندیشہ پیدا ہو گیا۔ ہم قلعے پہنچے تو حسب معمول پل پار کر کے دروازے سے داخل ہوئے۔ یہ آخری بار تھی کہ میں نے سلطان کو سوار دیکھا۔ اس شام سلطان کی طبیعت نقاہت اور اعضا شکنی سے سخت خراب ہو گئی اور عشا تک انہیں سخت بخار ہو گیا"۔

بارہ دن بعد تین مارچ ۱۱۹۳ء کو ملک الناصر سلطان صلاح الدین نے وفات پائی بہاء الدین اور مصاحبوں کو اس المیے کا پہلے سے احتمال تھا لیکن اس روز ان پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ دمشق میں صف ماتم بچھ گئی۔ دوکانیں بند ہو گئیں اور بازاروں میں سناٹا چھا گیا۔ آج وہ عظیم انسان موت کی آغوش میں سو گیا تھا جس نے بیس سال تک دنیائے اسلام کی نہایت ثابت قدمی اور عالی حوصلگی سے قیادت کی تھی۔ سفید کفن میں لپٹے ہوئے جسد خاکی کے گرد قاری اور حفاظ قرآن خوانی میں مصروف تھے۔ ان کے پرسوز اور مترنم لحن میں آنسو گھلے ہوئے تھے۔ قرآن کی تلاوت جاری تھی جیسے کہ ہمیشہ جاری رہے گی۔

وَيَبْقىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام

سلطان کے بڑے صاحبزادے نے دوپہر کے کھانے پر صدارت کے فرائض سرانجام دیے۔ سلطان مرحوم کی جگہ کسی اور کو دیکھ کر مصاحبوں کے دلوں پر قیامت گزر گئی۔ جب سلطان مرحوم کی تجہیز و تکفین کے اخراجات کی ادائی کے لیے صاحب خزانہ سے رقم طلب کی گئی تو معلوم ہوا کہ خزانہ شاہی بالکل خالی ہے۔

بہاء الدین لکھتا ہے "سلطان کے تصرف میں بے شمار دولت اور زر و جواہر ہوتے تھے لیکن جب وہ فوت ہوا تو اس کا اثاثہ صرف سینتالیس درہم اور ایک شاہی

اشرفی تھا۔ اس نے کوئی مکان، مال و اسباب، جاگیر، مزروعہ اراضی یا کسی قسم کی جائداد ترکہ میں نہیں چھوڑی۔" اس نے جان کے ساتھ اپنا سارا مال بھی راہِ خدا میں قربان کر دیا تھا۔[1]

صلاح الدین نے عمرِ عزیز کے کئی سال صلیبیوں کے خلاف نبرد آزمائی میں صرف کیے تھے۔ اس کا جذبِ دروں اور شوقِ شہادت کسی صلیبی بہادر سے کم نہ تھا۔ اس کی سادگی و شگفتگی بے مثال تھی۔ سلطان ہمیشہ عزت و شرافت کے اس اعلیٰ معیار پر قائم رہا جو صلیبیوں کی شجاعت سے بدرجہا ارفع تھا۔ مشکل ترین وقت اور انتہائی ابتلا میں بھی سلطان کی مروّت و شرافت کا دامن بے داغ اور پاک رہا۔ وہ کُرد تھا لیکن اس کی سلطنت میں تُرکوں اور عربوں کی اکثریت تھی۔ وہ نسلی امتیازات سے بلند تھا۔ وہ لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کی ابتدا شاندار فتوحات سے ہوئی لیکن بعد کے سال مصیبت و ابتلا کا دور تھے۔ سمندر پار سے آئے ہوئے صلیبیوں کے خلاف کئی سال تک لڑائی کا بازار گرم رہا۔ اس جنگ میں ثابت قدم رہنا آسان نہ تھا، بالخصوص جبکہ برسوں کی پیہم جنگ آزمائی سے مسلمان اُکتا چکے تھے لیکن صلاح الدین کے

---

[1] اس دور کے اور صدیوں کے بعد تک کے مسلمانوں کی نظروں میں "سلطان فاتح" ایک مثالی مسلمان کے تصور کا حامل تھا۔ اگرچہ صلاح الدین کی فطرت اس تصور پر پُوری نہیں اُترتی تھی۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے شامیوں میں صرف سلطان کے نام، اس کی عمارتوں اور بلند اخلاق کی یاد باقی رہ گئی ہے۔ القدس کے مفتی آفندی نے راقم الحروف سے دورانِ گفتگو میں کہا کہ "امیر تیمور دُنیا کے لیے قہر تھا اور صلاح الدین پیکرِ شرافت"۔ یہ سُن کر عرب رسالے کے ایک افسر نے کہا "واقعی صلاح الدین کریم النفس اور شریف انسان تھا"۔ (مصنف)

یہ کہنا کہ صلاح الدین کی فطرت اسلامی تصور پر پُوری نہیں اُترتی تھی مصنف مذکور کی زیادتی ہے۔ حیرت ہے کہ سلطان کے کردار و اخلاق کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد مصنف نے انہیں اسلامی شعائر سے کیوں مغائر قرار دیا۔ (مترجم)

پائے ثبات میں لغزش نہ آئی کیونکہ اسے احساس تھا کہ دُنیائے اسلام کی سلامتی کا انحصار اس جنگ پر ہے۔ سُلطان کی زندگی کے آخری مہینے ——— جبکہ قیصرِ روم اور حاکمِ قفقاز کے سفیر ہدیہ تہنیت و مُبارکباد پیش کرنے کے لیے اس کے دربار میں حاضر تھے ——— مُشکلات سے خالی نہ تھے۔ اِس وقت دیارِ مشرق میں بغاوت اور شورش کھلی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ قسمت کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ امن پسند اور علم دوست انسان مسلسل جنگ میں مصروف رہا۔

سُلطان کو جامع دمشق کی شمالی دیوار سے مُلحق باغ میں دفن کیا گیا۔ اِس کے مقبرے کے قریب اب بھی اسکول جاتے ہوئے ننھے بچّوں کے پاؤں کی چاپ سُنائی دیتی ہے۔ اور اب بھی بلند میناروں سے مؤذن کی صدائے اللہ اکبر گونجتی ہے اور مسجد کے کُشادہ صحن میں اب بھی کلمہ گو انسان قبلہ رُو ہو کر سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

اِس عظیم المرتبت باپ کے بیٹے اس کی قابلیت اور جذبہ جہاد سے عاری تھے۔ انہوں نے قاہرہ، دمشق اور حلب میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کرلیں اور پھر باہمی اختلافات میں اُلجھ کر رہ گئے۔ صلاح الدین نے اپنی بصیرت اور دُوراندیشی سے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ شاید مُسلمانوں کی اِتنی عظیم الشان فوج پھر کبھی اکٹھی نہ ہوسکے، چُنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ تین سال گزرنے کے بعد جب میعادِ صُلح ختم ہوگئی تو امیرِ دمشق نے معاہدۂ صُلح کی توسیع کردی۔ دُوسری طرف ساحلِ شام کے عیسائی حُکمران اِس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ انہیں بھی یروشلم پر دوبارہ پیش قدمی کرنے کی جُراُت نہ ہوئی۔ صلاح الدین کے جانشینوں یعنی بنوایوب نے ساحلی بندرگاہوں کی تجارت سے کوئی تعرض نہ کیا۔ وہ قاہرہ، دمشق اور حلب کے قلعوں کے استحکام میں مصروف رہے۔ وہ شائستہ اور مہذب حکمران ثابت ہوئے۔ انہیں قتال وجدال سے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ وہ امن پسند اور رعایا پرور حاکم تھے۔ انہوں نے اطالوی تاجروں کو ساحلی بندرگاہوں سے تجارت کرنے کی کُھلی چھُٹی دے دی جس سے رعایا کی خوشحالی میں روزافزوں اضافہ ہُوا۔

ملک العادل اولوالعزم اور بلند ہمّت تھا۔ وہ اپنے بھائی کے عہدِ حکومت میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک رہا تھا۔ وہ اب بھی تندرست اور تنومند تھا۔ وہ ایک وقت میں سالم دُنبہ کھا جاتا تھا تریپن سال کی عُمر میں بھی وہ عورتوں کا بے حد دلدادہ تھا۔ رفتہ رفتہ ملک العادل نے زمامِ اقتدار اپنے قابل ہاتھوں میں لے لی اور اِن قوتوں کی شیرازہ بندی شروع کر دی جو سُلطان مرحوم کے بعد مُنتشر ہو گئی تھیں ⁂

وہ بلادِ مشرق پر قابض تھا۔ وہ موقع کی تاک میں رہا۔ جب امیر قاہرہ اور امیر دمشق میں لڑائی چھڑ گئی تو اس نے ملک العزیز حاکم قاہرہ کی طرف داری کی اور اس کے صلے میں دمشق کی ولایت حاصل کر لی۔ ملک العزیز کی وفات کے بعد اس کا نا اہل بیٹا تخت نشین ہوا تو امیروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور ملک العادل کو قاہرہ و دمشق کا اتابیگ منتخب کر لیا۔ عربوں، تُرکوں اور کُردوں میں ابھی تک یہ رواج چلا آتا تھا کہ بزرگ اور قابل ترین شخص کو شیخ قبیلہ مُنتخب کیا جاتا تھا۔ اِسی اصول کے مطابق ملک العادل کا اِنتخاب ہُوا تھا۔ سُلطان مرحوم کے پُرانے مملوک مختلف درباروں اور شہروں میں مُنتشر ہونے کے باوجود رشتہ مودت میں منسلک رہے وُہ سُلطان کے نمک خوار تھے۔ وہ ملک العادل کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے۔ چُنانچہ جب وہ مسندِ سلطنت پر بیٹھا تو وہ اس کے دربار میں جمع ہو گئے۔ وہ کاروبار حکومت کے لیے ملک العادل کو سُلطان کے پوتوں سے زیادہ لائق اور موزوں سمجھتے تھے ⁂

"کیا یہ باعثِ شرم نہیں کہ مَیں بُڑھاپے میں اِس بچے کے ماتحت اتابیگ بنوں۔ مجھے اپنے مرحوم بھائی ملک الناصر کا جانشین ہونا چاہیے تھا لیکن مَیں مرحوم کے احترام میں اپنے حق سے دستبردار ہو گیا تھا" ⁂

زیرک اور ہوشیار ملک العادل کی تقریر کا فوجی امیروں پر خاطر خواہ اثر ہُوا۔ چُنانچہ ملک العادل مصر کا سُلطان بن گیا۔ دیارِ مشرق میں اُردن اور دمشق کا علاقہ بھی اس کے تصرّف میں تھا۔ اس نے تیزی سے اپنی حدودِ سلطنت میں توسیع کی۔ وُہ

جزیرۃ العرب کے بیشتر حصے کے علاوہ یروشلم اور جنوبی شام پر قابض ہو گیا۔ اس نے چھوٹے پیمانے پر صلاح الدین کی سلطنت کی تجدید اور سلطان مرحوم کے جذبے کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ صرف شمالی حصہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا رہا، ورنہ صلاح الدین کی سلطنت کے باقی ماندہ علاقے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے تھے۔

جب صلیبیوں نے دوبارہ اقدام شروع کیا تو انہیں ایک قابل، اولوالعزم اور ہوشیار حکمران سے سابقہ پڑا۔ اس سے دو سال پہلے دنیائے اسلام انتشار و افتراق میں مبتلا تھی لیکن ملک العادل نے قوت و اتحاد سے اسے دوبارہ مضبوط بنا دیا تھا۔

۲۹

ایک خواب ــــــ ایک قہقہہ

اب سیاسی پس منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ فریقین میدان جنگ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ ان کی سرگرمیوں کی نوعیت بدل گئی۔ وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ صلیبیوں نے صلیب رکھ دی۔ انہوں نے زرہ بکتر اُتار کر روزمرہ کی پوشاک پہن لی لیکن ان کے ہاتھ پھر بھی قبضہ شمشیر سے جُدا نہیں ہوئے کیونکہ بازی گاہ سیاست میں شمشیر و سناں کی ضرورت باقی تھی۔ وہ دوبارہ امن کی زندگی کے کاروبار میں مصروف ہو گئے اور ان کی فطرت کی اصلیت نمایاں ہونے لگی۔ اِس دور میں ان کی سرگرمیاں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ۱۱۹۵ء سے ۱۱۹۹ء تک سرزمین فلسطین خاموش اور ہنگامۂ قتال سرد رہا لیکن امن کے ان چار برسوں میں صلیبیوں کی ماہیت میں زبردست تغیر رُونما ہو گیا۔ پُرانے انداز بدلے گئے اور وہ نئے کردار، نئے اسلوب لیے تاریخ کے سٹیج پر نمودار ہوئے۔ اِس معرکے کی حدود وسیع تر ہو گئیں اور سٹیج فلسطین سے مصر تک پھیل گیا۔

یورپ میں زبردست سیاسی تغیّرات رُونما ہو رہے تھے۔ اِس لیے ہمیں یورپ کا بحیثیت مجموعی تجزیہ کرنا چاہیے۔ بلاشبہ صلیبی محاربے میں عیسائیوں کو بے شمار مالی اور جانی نقصان برداشت کرنا پڑا تھا لیکن اِس سے اُن کے حوصلے پست نہیں ہوئے تھے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ اِن قُربانیوں کے صلے میں ہمیں کئی شہر مل گئے اور ہمیں مزارِ مسیح کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ مُستقل مزاجی ان کی سرشت میں داخل ہو چکی تھی۔ اب انہیں یہ احساس ہو چلا تھا کہ مقاماتِ مقدسہ کے انخلاص کے لیے صرف ایک اور حملے کی ضرورت ہے۔ نئی نسل میں یہ احساس شدید تھا۔ ان کی رگوں میں تازہ خُون گردش کر رہا تھا اور عزائم بلند تھے۔ وُہ مقدّس جنگ کے لیے کمربستہ تھے۔ ان کے لیے یروشلم کا حاصل کرنا ہی راہِ نجات تھی۔ لوگوں کے جذبۂ ایمانی کو تقویّت دینے کے لیے پادری یہ وعظ کہتے پھرتے کہ عیسائیوں کی شکست محض ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ تھی۔ اگر خلوصِ دل سے دوبارہ سعیِ تمام کی جائے تو خُدا کے فضل سے عیسائی کامیاب ہوں گے اور اس مقدّس شہر پر صلیب کے پھریرے لہرائیں گے۔ جو سنگ و خشت کا مجموعہ نہیں بلکہ نجاتِ اُخروی کا ذریعہ اور فلاحِ اَبدی کا زینہ ہے۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کے دِلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ اِس میں کسی شبہے کی گنجائش نہ تھی۔ اِس شہر کی تقدیس بپتسمہ کے پانی اور "متبرک شراب" کی طرح مسلّم تھی۔ جو لوگ یروشلم کے اِنخلاص میں ناکام رہے ہیں وہ غضبِ الٰہی کے سزاوار ہیں۔ یروشلم کی فتح عفوِ ربّانی کی دلیل ہے۔ عیسائی فتح حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ پیٹر ہرمٹ[1] (راہب بطرس) کی طرح واعظین لوگوں کو جوش دلانے میں مصروف تھے۔ چنانچہ ہزاروں اشخاص نے مقدّس صلیب پر حلف اُٹھائے۔ امیر اور غریب، شہری اور دہقان، عورتیں اور بچے نئے گرجوں میں یروشلم کی فتح کے لیے گڑگڑا گڑگڑا کر

[1] وہ آتش بیان راہب جس نے اپنی تقریروں سے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ سی بھڑکا دی تھی، وُہ پہلے صلیبی محاربے کا قائد تھا اور اپنے غیر منظم پیروؤں سمیت مارا گیا تھا۔ (مترجم)

دُعائیں مانگتے۔ اب صلیبیوں کی صفوں میں بے لگام غلاموں اور اُجڈ گنواروں کے لیے جگہ نہ تھی ۔

پہلے کروسیڈ یعنی صلیبی محاربے کے بعد ایک صدی میں حالات بہت بدل گئے تھے۔ اب "راہِ خدا" کے نعرے پر غیر منظم اور شورش پسند لوگ دَوڑتے نہیں تھے۔ ابتدائی ایام کا پُرشور اور خود سر دھارا اب ایک تربیت یافتہ دریا بن چکا تھا۔ جس کی جولانی مقررہ رُخ پر منتقل کی جا سکتی تھی۔ پہلے محاربے کے سپاہی "مسیح کے سپاہی" کہلاتے تھے لیکن جب پاپائے روم نے اِن جنگوں کی تیاریاں سنبھالیں تو وہ "سپاہیانِ کلیسا" کہلانے لگے۔ تیسری صلیبی جنگ (۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۲ء) کی قیادت یورپ کے حکمرانوں اور شہزادوں کے ہاتھ میں تھی اور پاپائے روم بدستور لوگوں کو جنگ کی پُرزور تلقین کرتے رہے۔ محاربہ صلیب کی ذمہ داری یورپی تاج داروں اور ان کے جانشینوں پر عائد ہوتی تھی۔ صلیبی جنگوں کی وجہ سے اہلِ یورپ کی علیحدگی ختم اور رفتہ رفتہ جاگیردارانہ نظام کمزور ہونے لگا۔ نوابوں اور امیروں کے قلعے بتدریج سر ہوتے گئے اور جاگیردارانہ نظام کی جگہ قومی حکومتیں اُبھرنے لگیں۔ اِس وقت تک انگلستان جاگیروں کا ایک بے ہنگم مجموعہ سا تھا۔ نارمن سرداروں کی جاگیریں رودبار کے دونوں ساحلوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے مفاد انگلستان اور فرانس میں منقسم تھے اتحاد اور یک جہتی کا احساس مفقود تھا۔ اِن حالات میں رچرڈ شیر دل قید سے رہا ہو کر آیا تھا۔ اہلِ انگلستان نے اس کی رہائی کے لیے گراں بہا رقم ادا کی تھی۔ اِس رقم کی فراہمی کے لیے گرجوں کے سونے چاندی کے تبرّکات بھی پگھلا دیے گئے تھے۔ رچرڈ انگلستان پہنچا اور اپنی سلطنت کو متحد کرنے کے لیے فرانس کے شاہ فلپ آگسٹس سے سرگرمِ پیکار ہو گیا۔ فلپ اس وقت تک فرانس میں مستحکم حکومت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

پاپائے روم نے ان دونوں کو صلیبی مہم کی قیادت کرنے کی دعوت دی لیکن

دونوں نے صاف انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ طاقتور حکمرانوں کی راہنمائی کے بغیر اس مہم کی کامیابی ناممکن تھی ۔

گزشتہ ایک صدی کی جنگ اور خونریزی سے یورپ کے کئی دانش ہند اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ محض جوش و خروش سے یروشلم کو دنیائے اسلام کی مضبوط گرفت سے آزاد نہیں کرایا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں کی فوجی طاقت اور وسائل کو شکست دینا شرطِ اوّل ہے۔ مسلمانوں کی طاقت کا مرکز قاہرہ ہے۔ سمندر کے راستے اس شہر تک رسائی آسان ہے۔ جب رچرڈ ساحلِ شام پر موجود تھا۔ اُس وقت بھی قاہرہ پر پیش قدمی کے سوال پر بحث ہوئی تھی۔ قاہرہ یا اس قبیل کے کسی دفاعی مرکز پر تسلّط سے ہی فتحِ یروشلم کی طرح ڈالی جا سکتی تھی ۔

تین لاکھ جانوں کے نقصان کے بعد عیسائی یہ بات اچھّی طرح سمجھ گئے تھے کہ ایشیائے کوچک سے خشکی کے راستے پیش قدمی کرنا ناممکن ہے۔ گویا یہ راستہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہو چکا تھا۔ فریڈرک بربروصہ کی ہڈّیاں اِس امر کی شاہد تھیں۔ اِس عرصے میں بحری رستے سے نقل و حرکت بہت آسان ہو گئی تھی۔ زائرین کی آمد و رفت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بڑے بڑے جہاز چلنے لگے تھے۔ یورپ اور یروشلم کے درمیان باقاعدہ بحری بیڑوں کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ جنیوا، پیزا اور وینیس کے اطالوی شہروں نے اپنی بحری طاقت میں حیرت انگیز اضافہ کر لیا تھا اور اب ان کا شمار یورپ کی طاقتور حکومتوں میں ہونے لگا تھا ۔

اٹلی کی ان خوشحال بلدیاتی جمہوریتوں نے صلیبی جنگوں میں بڑی مشکلات اُٹھائیں اور قربانیاں دیں اور بعد میں بے حد فوائد حاصل کیے۔ ان کی تجارت کو روز افزوں ترقی ہوئی۔ پہلے بیزنطینی اور مسلمان بحری قزّاق ان کے راستے میں حائل رہے۔ جب صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور

صلیبی افواج کے سہارے ساحلِ شام پر اپنے تجارتی اڈے قائم کر لیے۔ ان کی کشتیاں (فنداق)، ساحلِ شام پر پھیل گئیں اور وہ بلادِ مشرق کی نفع بخش تجارت سے ہاتھ رنگنے لگے۔ وہ یورپ سے اُون، سمور اور شرابیں لا کر عیسائی چھاؤنیوں کو مہیّا کرتے اور شام سے گرم مسالہ، ریشمی کپڑا اور غلّہ یورپ لے جاتے۔ یہ تجارت ان کے لیے سونے کی کان ثابت ہوئی۔ وُہ دولت سے مالا مال ہو گئے اور انہوں نے اَن گنت خزانے بھر لیے۔ مشرقی بحیرۂ روم میں اس تجارت کے دُور رس نتائج مترتّب ہوئے۔ سسلی اور جنوبی اٹلی کی بندرگاہیں مثلاً پلرمو اور برنڈزی کی اہمیت بڑھ گئی۔ جزیرہ کریٹ میں کانڈیا کی بندرگاہ کو بھی فروغ نصیب ہُوا۔ یہ بندرگاہ اٹلی اور شام کے درمیان واقع تھی۔ دولت و ثروت کا اصلی دروازہ اسکندریہ تھا۔ جس کی کلید مسلمانوں کے مضبوط ہاتھوں میں تھی۔ وہ اسکندریہ سے تجارت کرنے کی غرض سے مسلمان حاکموں کا اہانت آمیز سلوک بھی برداشت کر لیتے اور محاصل ادا کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اطالوی تاجروں نے اسکندریہ کی بندرگاہ میں داخلے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور اسکندریہ، قاہرہ کا دروازہ تھا۔

یہ عوامل آنے والے واقعات کی تہ میں کار فرما تھے، اس لیے انہیں دوبارہ ملاحظہ کر لینا چاہیے۔ صلیبی جنگ کی قیادت کے لیے کلیسا کے بجائے بادشاہوں کی ضرورت تھی۔ عیسائیوں کے لیے خشکی کی راہیں مسدود تھیں مگر سمندر کے راستے کھُلے تھے۔ ان پر یہ حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کی فوجی طاقت کے خاتمے کے بغیر یروشلم کی تسخیر ناممکن ہے۔ اطالوی بحری بیڑے مضبوط ہو چکے تھے۔ چنانچہ صلیبی افواج کی نقل و حرکت کے لیے ان کا استعمال آسان اور سُود مند ثابت ہو سکتا تھا۔

اس سیاسی بحران کے دَور میں یورپ کے کئی شہزادے "صلیبی مجاہد" بن گئے اور انہوں نے صلیبی افواج کی ہر ممکن اعانت کرنے کے حلف اُٹھائے۔ انگلستان کے

کھیتوں سے لے کر ہنگری کے جنگلوں تک "برائے مزار مسیح" کے نعرے کی گونج پھیل گئی۔ اب صرف یہ مسئلہ درپیش تھا کہ صلیبی افواج کی قیادت کون کرے؟ اور کہاں حملہ کیا جائے؟

بوڑھا پوپ مقدس جنگ کی تلقین کے سوا اور کیا کرتا۔ اس موقع پر ایک عظیم شخصیت اُفقِ سیاست پر نمودار ہوئی۔ شاہ ہنری آگے بڑھا اور اس نے صلیبی پرچم سنبھال لیا۔ وہ فریڈرک بربروصہ کا لڑکا تھا اور "بفضلہ تعالیٰ رومنوں کا بادشاہ اور آگسٹس"[1] تھا۔ وہ قیاصرہ روم کی یاد تازہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ شاہ ہنری چہارم اپنے والد بربروصہ کا حقیقی جانشین ثابت ہوا وہ ہانسٹوفن خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اور "مقدس رومن سلطنت"[2] کا سربراہ بحیرۂ بالٹک سے لے کر جنوب میں دریائے ٹائبر[3] تک اس کا سکّہ چلتا تھا۔ اس وسیع سلطنت کا مرکز اس کی جرمن ریاست تھی۔ اس کی فوجی طاقت کا انحصار لاتعداد بہادر جرمن سپاہیوں پر تھا۔ اس نے جنوبی اطالیہ کی نارمن ریاستوں کی وارث شہزادی کانسٹینس سے شادی کی تھی۔ اس شادی سے اس کے وقار اور قوت میں گراں قدر اضافہ ہوا اگرچہ بعد میں اس سے خوشگوار نتائج مترتب نہ ہوئے۔ اب اس کی سلطنت کی حدود بحیرہ روم تک پہنچ گئیں۔ ۱۱۹۴ء میں پلرمو کے شہر میں اس کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی اور وہ جزیرہ سسلی کا بھی حکمران بن گیا۔ اگلے سال اس نے باری کی بندرگاہ میں سوتری کے بشپ کے ہاتھوں سے صلیب کا مقدس جھنڈا لیا اور حلف اٹھایا۔ جب وہ سُرخ رو ہانسٹوفن تاجدار باری کے

---

[1] یہ شاہ ہنری کا لقب تھا۔ (مترجم)

[2] وسطی یورپ کی ایک سلطنت جس کے سربراہ عموماً جرمن شہزادے ہوتے تھے۔ دراصل یہ کسی سلطنت کا نام نہ تھا بلکہ اعزاز ہو کر رہ گیا تھا اور بقول مؤرخین یہ سلطنت نہ مقدس تھی، نہ رومن اور نہ سلطنت۔ (مترجم)

[3] وہ دریا جس پر روم کا شہر واقع ہے۔ (مترجم)

دھوپ سے نہائے ہوئے گرم ساحل پر کھڑا ہُوا تو اس کی نظریں کہیں دُور مشرق کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے باپ کے کارناموں اور شجاعت سے متأثر تھا۔ اس نے شمال سے مُنہ موڑ کر اپنی توجہ مشرق کی طرف مبذول کر لی تھی۔ وہ یورپ کے سارے ہم عصر تاجداروں سے زیادہ طاقتور اور با اثر تھا۔ ایام اسیری میں رچرڈ شاہ انگلستان نے بھی اس کی اطاعت کا حلف اُٹھایا تھا۔ بوقتِ ضرورت وہ فلپ آگسٹس شاہ فرانس کی طاقت کو بھی پامال کر سکتا تھا۔ اب کہ رچرڈ اور فلپ پھر مصروف پیکار تھے، انہیں اس عظیم الشان سلطنت کو چھیڑنے کی ہرگز جرأت نہ تھی۔ جس کی حدود لورین[1] کے قلعوں سے لے کر پرشیا[2] تک پھیلی ہوئی تھیں۔

وہ سسلی کے کوہستانی قلعوں میں مشرق کی فتح کے خواب دیکھتا اور فوج کشی کے منصوبے بناتا رہا، وہاں ایمالرک آف لوسگنان بھی آن پہنچا۔ وہ اپنے بھائی گائی کی وفات کے بعد قبرص کا بادشاہ بن گیا تھا۔ اس نے شہنشاہ ہنری کی اطاعت قبول کر لی اور وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ اِس اثناء میں شاہِ آرمینیا لیون کا مراسلہ موصول ہُوا۔ اس نے بھی ہنری کی سیادت تسلیم کرنے کا اقرار کیا تھا۔ اِس طرح سے فلسطین کے حدود پر واقع دو حکومتیں ہنری کی باج گزار بن گئیں۔ ہنری کے منصوبے میں کوئی خامی نہ تھی۔ وہ واقعی نئے روما کا قیصر بننے کا اہل تھا۔ وہ شمالی اٹلی کو آسانی سے فتح کر کے سیرنٹو کے پہاڑوں سے لومبارڈی کے میدانوں تک اپنی سلطنت وسیع کر سکتا تھا۔ اِس طرح سے سسلی اور اٹلی کا براہِ راست تعلق جرمن سلطنت سے قائم کیا جا سکتا تھا۔ اٹلی کی بندرگاہوں سے جرمن اور نارمن فوجیں آسانی سے مشرق کی طرف روانہ ہو سکتی

---

[1] لورین فرانس اور جرمنی کی سرحدوں پر واقع علاقہ۔

[2] اُنیسویں صدی میں پرشیا کی مضبوط سلطنت تھی جو بعد کو جرمنی میں مدغم ہو گئی۔ یہ علاقہ موجودہ جرمنی کے مشرق میں واقع ہے۔

تھیں۔ وہ اپنے بحری بیڑے سے قیاصرہ روم کی حدودِ سلطنت دوبارہ دُنیا کے نقشے پر کھینچ سکتا تھا۔ قاہرہ کی تسخیر کے بعد شمالی افریقہ کی فتح مُشکل نہ تھی ؂

صلیبی جنگ کے ذریعے سے اِس عظیم منصوبے کی تکمیل ہوسکتی تھی۔ اس نے سرزمین مقدّس کے متعلق اپنے قانونی مشیروں سے مشورہ کیا تو وہ اس کی تجویز سے ششدر رہ گئے۔ اب تک تو شام کی صلیبی ریاستوں کو گویا کلیسا کی استخلاص یافتہ ملکیّت سمجھا جاتا تھا، ہنری کی رائے اس سے بالکل مختلف تھی۔ یورپ میں قیصر اور آگسٹس کی حیثیّت سے اس کی سیادت محکم تھی۔ اِسی طرح قانوناً مشرق کی حکومتوں پر اس کی شاہی مسلّم ہونی چاہیے۔ مشرق کی فتوحات پر ارباب کلیسا کا استحقاق نہیں ہوگا بلکہ یہ علاقے براہ راست اس کی قلمرو میں شامل سمجھے جائیں گے۔ اِن علاقوں پر بلاشرکت غیرے اس کی حکومت ہوگی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قیصر اعظم اپنا اقتدار کسی اَور کے حوالے کردے؟

البتہ اسے ایک خطرہ درپیش تھا۔ ایک مُشکل اس کی راہ میں حائل تھی۔ مشرق میں بیزنطینی شہنشاہی ابھی تک موجود تھی۔ شہنشاہ آئزک فرشتہ خصال ابھی تک حریر شاہی پہنے قسطنطنیہ کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ وہ رومنوں کا شہنشاہ کہلاتا تھا۔ اگرچہ امتدادِ زمانہ سے اس کی قوت ختم اور اس کے بحری بیڑے مُنتشر ہوچکے تھے اور اس کی حدودِ سلطنت ساحل سمندر تک سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ پھر بھی وہ بیزنطینی سلطنت کا قانونی فرمانروا تھا۔ اسے راستے سے ہٹانے کے لیے ہنری نے عجیب تدبیر اختیار کی۔ اس نے اپنے بھائی فلپ آف سوابیا کی شادی شاہ آئزک کی بیٹی سے کردی تاکہ آئندہ بوقت ضرورت بیزنطینی تاج و تخت کی وراثت کا جھگڑا کھڑا کیا جاسکے۔ اس کے پاس بیزنطینی سلطنت پر فوج کشی کرنے کی کافی وجہ جواز تھی۔ اس کے باپ فریڈرک باربروصہ کو بیزنطینی سلطنت سے گزرتے ہوئے جن مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان کا زخم ابھی تک ہنری کے دِل میں ہرا تھا۔ وہ بیزنطینی حکمرانوں سے اِنتقام لینا چاہتا تھا اور سسلی کے

نارمن نائٹ بھی اس کے ہمنوا تھے۔ ہنری بیزنطینی سلطنت کو زیرنگین کرکے روما و قسطنطنیہ کا قیصر بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بیزنطینی سلطنت کی تسخیر کے بعد اس کی فوج ظفر موج فتح کے پھریرے اُڑاتی دیار مشرق پر تسلط جمالے گی اور لوگ پکار اُٹھیں گے:

"اے فاتح جہان! یہ تیری صبح نَو کی امید ہے۔ ـــــ تیری صبح نَو ـــــ"

واقعی یہ جہانگیری و جہانبانی کا عظیم الشان منصوبہ تھا لیکن اس کی تکمیل خونریزی اور قتال و جدال کے بغیر ہرگز ممکن نہ تھی۔

صلیبی جنگ اِس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ ہنری نے اپنے وزیر کونارڈ کی سرکردگی میں ایک تربیت یافتہ فوج عکّہ بھیجی۔ ہنری کے فرستادہ آرچ بشپ نے قبرص کے بڑے گرجے میں ایمالرک کی رسم تاجپوشی ادا کی۔ اس کے بعد اس نے لیوآن کو طرسوس میں تاج شاہی پہنایا۔ لوگوں میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔ فریڈرک بربروصہ کے دنوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ لوگ جوق در جوق صلیبی فوجوں میں شامل اور ہنری بارہی اور سسلی میں فوج کشی کے لیے بحری بیڑے تیار کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اُدھر کونارڈ کی فوجوں نے سدون اور بیروت کے شہر فتح کر لیے۔ ملک العادل ان کے مقابلے کے لیے کمربستہ ہوا اور اس نے جافا پر تصرف کر لیا۔ سقوطِ جافا سے عیسائیوں کے جنگی عزائم کی نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ ساحل شام کی بہترین بندرگاہ بیروت کے عوض باب القدس یعنی جافا سے بھی دستبردار ہونے کے لیے تیار تھے۔ بیروت کے بعد جرمن فوجیں دامن کوہ کے ساتھ ساتھ بڑھیں اور طبنین کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں وہ دو مہینے پڑے رہے۔ اس اثناء میں ملک العادل کو بھی کمک پہنچ گئی اور جنگ کا پانسہ بدل گیا۔ محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر جرمنوں کو خبر ملی کہ چند مہینے پہلے شاہ ہنری کا اٹلی میں انتقال ہوگیا ہے۔

شاہ ہنری کی بے وقت موت سے صلیبی جنگ ختم ہوگئی۔ جرمن فوج اپنے جہازوں میں

واپس چلی گئی۔ بہر کیف وہ ایک نیا فوجی فرقہ شام میں چھوڑ گئے جس نے ہاسپٹلروں کی جرمن شاخ کی صورت اختیار کر لی۔ وہ جرمن راہب کہلاتے تھے۔ اصلی ہاسپٹلر فرقے کے افراد سیاہ چُغے پہنتے تھے جن پر سفید صلیب بنی ہوتی تھی۔ جرمن فرقے کے راہبوں نے اپنی امتیازی شان قائم رکھنے کے لیے سیاہ صلیبوں والے سفید چُغے پہننے شروع کر دیے۔ وہ عکّہ کے قریب ایک قلعے کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔

۱۱۹۷ء سے ۱۱۹۹ء تک دو سال میں ایسے معرکہ آفریں واقعات رونما ہوئے کہ صلیبی جنگوں کا تمام تر منظر تغیر پذیر ہو گیا۔ کسی غیر مرئی قوت نے سٹیج پر ہاتھ پھیر کر گویا تمام نقشہ ہی بدل دیا۔ پُرانے کردار روپوش ہو گئے۔ نئے کردار منصۂ شہود پر آ گئے اور نئی صدی کے لیے اسٹیج آراستہ ہو گیا۔

شاہ رچرڈ اور شاہ فلپ میں صلح ہو گئی اور جنگ کے صفحے پر تائے تمت لکھ دی گئی۔ رچرڈ کا کسی نواب سے سونے پر جھگڑا ہو گیا۔ رچرڈ نے خفا ہو کر اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ دوران محاصرہ میں کسی تیر انداز نے گز وار کمان سے بادشاہ کو نشانہ بنایا۔ رچرڈ نے تیر انداز کی جان بخش دی لیکن وہ اس کاری زخم سے جانبر نہ ہو سکا۔ اسی طرح پوپ انوسنٹ سوم کی تاجپوشی سے کچھ عرصہ پہلے ہنری ششم جیسا اولوالعزم فرمانروا چل بسا تھا۔ اس اثناء میں یروشلم کا شاہ ہنری (سابق کاؤنٹ آف شیمپین) کھڑکی سے گر کر مر گیا اور ایمالرک آف لوسگنان شاہ قبرص نے اس کی بیوہ ملکہ ازابیل سے شادی کر لی جو چھبیس سال کی عمر میں تین مرتبہ داغ بیوگی اُٹھا چکی تھی۔ ایمالرک یروشلم کا تاجدار بن گیا۔ ملک العادل کی تخت نشینی سے مسلمانوں میں خانہ جنگی ختم ہو گئی اور اس نے اپنا دارالخلافہ قاہرہ میں منتقل کر لیا۔ اِدھر بیزنطینی قیصر آئزک (اسحاق) کے کسی قرابت دار نے اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ بوڑھے قیصر کی آنکھوں میں سلائی پھیرنے کے بعد اسے زنداں میں ڈال دیا گیا۔

اس طرح بارھویں صدی اختتام پذیر ہوئی۔ بہاءالدین نے اپنے محبوب آقا کی سوانح کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا۔ جن پر پیشگوئی کا گمان ہوتا ہے "وہ سال آخر یہ سال ختم ہوئے اور اس دور کے لوگ خوابوں کی طرح گزر گئے"۔

حصّہ سوم

جھونپڑے برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ برف کے سفید بوجھ سے چھتیں جھکی ہوئی تھیں، بے برگ و بار درختوں سے برف کے گالے سرگوشیاں کرتے ہوئے گرتے جنگل ایک سفید ویرانہ تھا، شاہراہوں پر نصب صلیبیں سفید پوش تھیں۔ گرجوں کی گھنٹیوں کی ٹن ٹن، یخ بستہ نیلی فضاؤں میں گونج رہی تھیں ؞

لوگ تاریک جھونپڑوں سے روانہ ہوئے اور منجمد دریاؤں سے گزرتے ہوئے مشرق کی طرف بڑھے۔ فضا میں پھر وہی پرانا نغمہ بکھر گیا:۔

"اے مریم ——— مقدّس ہے تیرا نام ———"

وہ پھر پرانی شاہراہ پر گامزن تھے۔ وہ کندھوں پر گٹھڑیاں اٹھائے، پیٹیوں سے تلواریں باندھے، ہاتھوں میں عصا لیے، برفیلے راستوں پر رواں تھے۔ وہ ستاروں کی مدد سے سیاہ جنگلوں اور کھلی وادیوں سے گزرتے ہوئے عازمِ مشرق تھے ؞

ستاروں کی روشنی ماند ہوگئی۔ گھنٹیوں کی آواز خاموشی میں ڈوب گئی۔ دھند اور سکوت سے نئی آوازیں ابھریں اور وہ ان پر لبیک کہتے ہوئے بڑھے ؞

——— اور رفتہ رفتہ ان کی راہیں اجنبی ملک کی وسعتوں میں کھو گئیں اور نغمے کی سانس ٹوٹ گئی ——— "مقدّس ہے اے ——— مریم ———"

۳۰

انوسنٹ کی آواز

سردیوں کا موسم تھا۔ دریائے ٹائبر کی بھوری سطح پر دبیز دھند چھائی ہوئی تھی۔ جس کا غبار آلود دامن درختوں کے گھنے جھنڈ سے لے کر کلیسائے پطرس تک پھیلا ہوا تھا دھند کی دبیز تہہ کے اوپر دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ لوگ پہروں سے کلیسا کے کانسی کے دروازوں کے سامنے کھڑے تھے۔ دھند چھٹنے لگی اور سب کچھ صاف دکھائی دینے لگا۔ لوگوں کی نظریں ایک چھوٹے سے شخص پر جمی ہوئی تھیں۔ جو غلام گردش میں بیٹھا تھا، اس کے نقش تیکھے تھے اور بھوری آنکھوں کا درمیانی فاصلہ کم تھا۔ وہ تیز رفتار اور خوش گفتار تھا۔ چند لمحے پہلے یہ شخص کارڈینل[1] لوتھیر کے نام سے مشہور تھا۔ وہ کانٹی خاندان کا معزز فرد تھا۔ اس کی عمر سینتیس[37] سال تھی۔ علم و فضل کی بدولت وہ مسیحی دنیا میں بہت نامور تھا۔ وہ

---

[1] کارڈینل کلیسائے روم میں بلند پایہ کے عہدہ دار ہوتے۔ وہ مختلف ممالک میں یورپ کی نیابت کے فرائض بجا لاتے اور کلیسا کی اعلیٰ مشاورتی کونسل کے رکن بھی ہوتے۔ کلیسائے روم کے مختلف محکموں کا انتظام و انصرام بھی ان کے ذمے ہوتا۔ پوپ کی وفات کے بعد نئے پوپ کا انتخاب ان کارڈینلوں کی جماعت سے کیا جاتا تھا (مترجم)

جیّد عالم اور دقیقہ رس قانون داں تھا۔ اسے کونسلوں کے فیصلوں میں بھی پوری دسترس حاصل تھی۔ اب اس کے سر پر کارڈینلوں کی ٹوپی کے بجائے شاہانہ تاج رکھا گیا ؛

سُرخ پوش کارڈینلوں کے حلقے سے ایک بوڑھے کارڈینل نے بڑھ کر اسے تاج پہناتے ہوئے کہا "یہ تاج قبول فرمائیے۔ آپ بادشاہوں اور شہزادوں کے باپ ہیں۔ آپ حاکم دین و دُنیا ہیں۔ اِس دُنیا میں آپ ہمارے مولا و نجات دہندہ یسُوع مسیح کے نائب ہیں ——— یسوع جس کی عزت و عظمت لازوال و پائندہ ہے"۔ اس کے بعد دُوسرے کارڈینلوں نے ہم زبان ہو کر تصدیق کی اور پوپ کی رسم تاجپوشی ختم ہو گئی ؛

ہجوم میں خوشی کی لہر دَوڑ گئی اور آگے بڑھنے کے لیے دھکاپیل شروع ہو گئی۔ مسلح سوار پُرشوق زائرین کو بار بار پیچھے دھکیل دیتے۔ نئے پاپائے اعظم کی سواری کے لیے قرمزی ساز و سامان سے آراستہ گھوڑا حاضر کیا گیا۔ پوپ اپنے تخت سے اُٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ تو اس کا مقدّس پیکر لوگوں کو دُور سے دکھائی دینے لگا۔ کارڈینل لوتھیر اب پوپ انوسنٹ ثالث بن چکا تھا ؛

صلیب بردار پادری آہستہ آہستہ گھوڑے کے سامنے چلنے لگا۔ سینٹ پیٹر (پطرس) کا سُنہری اور سپید علَم بلند کیا گیا۔ پوپ کے دونوں طرف بارہ بارہ مسلح محافظ گامزن تھے۔ نیزہ برداروں کے نیزوں سے ننھے فرشتوں کی تصویریں لٹک رہی تھیں۔ آراستہ و مرصّع گھوڑے پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے۔ اور کبھی بِدک کر اگلے پاؤں سے زمین کھودنے لگتے۔ پوپ کے پیچھے عمائدینِ روما صف بستہ تھے۔ وہ چمکدار زرہ بکتر میں ملبوس اپنے ہاتھوں میں ڈھالیں تھامے سرگوشیاں کرتے ہوئے اپنے اپنے مقررہ مقامات پر کھڑے تھے۔ اِن امیروں میں کئی ایک دُوسرے کے حریف اور دُشمن تھے لیکن آج سبھی پوپ کے ہم رکاب تھے۔ اِس شاندار جلوس کے عقب میں زرہ پوش نائٹ تھے۔ زائرین اِس شان و شوکت سے بہت متاثر ہوئے۔ جلوس ان کے سامنے سے گزرتا تو تحسین و مرحبا

کے نعرے بلند ہوتے۔ اُدھر کلیسائے پطرس کی بلند آہنگ اور مترنم گھنٹیاں فضا میں تشکر و امتنان کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔

گھوڑے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ خوش پوش گانے والے لڑکے صف در صف گاتے جاتے اور ان کی مترنم آواز میں گھنٹیوں کی ٹن ٹن ڈوب جاتی۔ لوگوں کی مشتاق نگاہیں ایک سیاہ پوش سوار پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے گلے میں طلائی زنجیر لٹک رہی تھی جو سیاہ مخملی لبادے پر چمکتی نظر آتی۔ یہ نئے پوپ کا حاجب (چیمبرلین) تھا۔ وہ زین سے لٹکتے ہوئے کیسۂ زر میں ہاتھ ڈالتا اور مٹھیاں بھر بھر کے پھینکتا جاتا۔ بھک منگے اور قلاش ان نقرئی سکوں پر ٹوٹ پڑتے اور مسلح محافظ انہیں بار بار پیچھے دھکیل دیتے۔

جب یہ جلوس ایک پست چوبی عمارت کے سامنے سے گزرا تو لوگ غصے اور جوش سے نعرے لگانے لگے۔ اس بے رنگ عمارت سے سپاہیوں کی حفاظت میں ایک سفید ریش بوڑھا نکلا۔ اس کی عبا سرخ تھی۔ اس نے اپنی چوکور ٹوپی کے اوپر چرمی کاغذ کا خریطہ اٹھا رکھا تھا جو پتلے سے ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ یہودیوں کے کلیسا کا حبر ہے۔ وہ عہد عتیق کی کتب خمسہ اٹھائے ہوئے تھا۔ قرمزی گھوڑے کے پاس جا کر وہ رکا۔ رکاب کو بوسہ دیا اور سرنگوں ہو کر حسب دستور نئے پوپ سے یہودیوں کے لیے رحم اور امان کی درخواست کی۔ ہجوم کے شور و غل میں اس کی آواز سنائی نہ دی۔ کلیسائے روم کے نئے سربراہ نے یہودی حبر کی بوڑھی آنکھوں کی طرف دیکھا اور چند کلمات بطور امان ارشاد فرمائے۔ جب اس نے لب کشائی کی تو لوگ خود بخود خاموش ہو گئے۔ جب اس کی مختصر تقریر ختم ہوئی تو چاروں طرف سے تحسین کا غلغلہ بلند ہوا۔ حاجب نے مٹھی بھر کے نقرئی سکے یوپ پر سے نچھاور کیے۔ لوگ دوبارہ چل پڑے اور بے چارہ بوڑھا حبر بھیڑ میں گھر کر رہ گیا۔ نیزہ بردار محافظوں نے اس کی چنداں پروا نہ کی اور آگے بڑھ گئے۔

تیز دھوپ میں جگمگاتا ہُوا یہ شاہانہ جلوس آہستہ آہستہ دریا تک جا پُہنچا۔ پھر انہوں نے دریا کے گیلے کنارے سے مرمر کا پُل پار کیا اور دُوسری جانب جزیرے کی طرف چلے گئے۔

ایک گھنٹے بعد لاٹرن[1] محل میں دربار لگا اور پوپ انوسنٹ دربار میں جلوہ افروز ہُوا۔ اس کے سُرخ کمر بند سے دو بھاری بٹوے لٹکے ہوئے تھے۔ جو مشک کی خوشبو سے معطّر تھے۔ ایک بٹوے میں اشرفیاں تھیں اور دُوسرے میں قیمتی پتھروں کی بنی ہوئی پُرانی مُہریں۔ پوپ سنگ سماق کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ یکے بعد دیگرے درباری اور امراء اُٹھتے، جھک کر آداب بجالاتے۔ اور اس کے سفید ہاتھ میں پہنی ہوئی انگشتری کو بوسہ دیتے۔ کافی دیر کے بعد دربار برخاست ہُوا۔ انوسنٹ مضمحل اور خستہ نظر آتا تھا۔ شام ہوگئی تھی اور جھاڑ فانوس میں بتّی پڑ چکی تھی۔ اس نے اُٹھ کر حجرے کا رُخ کیا (جس میں سابق پوپ عبادت کیا کرتے تھے) اور بوقلموں فرش پر دوزانو ہو کر تنہا مراسمِ عبادت ادا کیے۔

روم سے فساد اور ابتری کا دَور ختم ہو گیا۔ پوپ کی کونسل کے گذشتہ دَہ سالہ جھگڑے اب داستان ماضی بن چکے تھے۔ اب انوسنٹ اکیلا اور علیحدہ رہ گیا تھا۔ اب زمام اقتدار اس کے ہاتھوں میں تھی۔ شفق میں ڈُوبے ہُوئے لاٹرن محل کے کنگروں سے پرے وادی میں امراء کے قلعے شام کی روشنی میں چمکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ غریبوں کے جھونپڑوں سے اُوپر بلندیوں پر ان قلعوں کی برہنہ بھُوری دیواریں

---

[1] پاپائے اعظم کی قیامگاہ لاٹرن محل میں تھی۔ اصطلاح کے طور پر لاٹرن پوپ کے اقتدار کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

(مترجم)

"ہم تمام کافروں کے خلاف رُوحانی تلوار اُٹھاتے ہیں ——— اوران کے سب گُناہوں سے درگزر تے ہیں جو خلوص اور وفاداری سے کلیسا کی خدمت کرتے ہیں" ۔

وہ معمولی فروگزاشت بھی معاف نہ کرتا اور تعزیر کے نفاذ سے کبھی نہ جھجکتا۔ جب اسے گسیکنی کے صُوبے میں بدعت اور توہم پرستی کی خبریں موصول ہوئیں تو اس نے آوش کے آرچ بشپ کو تاکیداً لکھا" ان کے خلاف اقتدارِ کلیسا کی سخت گیری استعمال کی جائے۔ انہیں تمہارے فیصلوں کے خلاف اپیل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر تم ضرورت سمجھو تو امراء اور عوام سے کہو کہ وہ تلوار کے زور سے اِس فِتنے کا انسداد کریں" ۔

یہ واقعہ آنے والے خوفناک واقعات کی تمہید تھی۔ انوسنٹ ہر معاملے کو منطقی انجام تک پہنچانے کا عادی تھا۔ چاہے اس کا انجام کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ اس نے ایک مرتبہ یہ بھی کہا تھا۔ کہ" نیک مقصد کے حصول کے لیے بُرائی بھی برداشت کی جاسکتی ہے" جب فرانس کے شاہ فلپ نے دُوسری شادی کرلی اور انج بورگ کو عقدِ زوجیت میں لینے پر آمادہ نہ ہُوا تو انوسنٹ نے سارے فرانس میں سب مذہبی رسوم معطّل کردیں۔ بالآخر بیچارہ فلپ انج بورگ سے دوبارہ شادی کرنے پر مجبور ہوگیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس نے شادی کے بعد اسے زنداں میں ڈال دیا ۔

کلیسائے روم کی شمشیر آبدار اِک نئی شان سے چمکنے لگی تھی ۔

انوسنٹ کے لیے صلیبی جنگ ایک اہم ترین مسئلہ تھی۔ عیسائی یروشلم کھو چکے تھے صلیب الصلبوت "ناپاک" دشمن کے قبضے میں تھی۔ عیسائی صرف ساحلی علاقے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ دُنیائے مسیحیت میں یروشلم کی نجات کے پُرجوش نعروں کی آواز بدستور گونج رہی تھی۔ انوسنٹ ان نعروں سے کیونکر بے اعتنائی برت سکتا تھا؟ یہ اس کے اپنے دِل کی آواز تھی۔ وہ مزارِ مسیح سے کیسے مُنہ موڑ سکتا تھا؟ پادری روزانہ گرجوں میں مقدس جنگ کے فضائل بیان کرتے۔ لوگوں میں بہت جوش تھا۔ جنگ کی

تیاری کے لیے ہر کس و ناکس روزانہ گرجوں کے صندوقچوں میں کچھ نہ کچھ ضرور ڈالتا۔ گرجوں کے خزانے معمور ہو گئے۔

گزشتہ صدی کے صلیبی محاربات کی وجہ سے کلیسائے روم کی طاقت بہت وسیع اور مستحکم ہو گئی تھی۔ صلیبی رضاکار خود کو کلیسا کے سپرد کر دیتے اور کلیسا ان کے جان و مال کا محافظ بن جاتا۔ ان کی غیر حاضری میں ان کی جائداد اور املاک کی نگہبانی کلیسا کے ذمے ہوتی۔ وہ صرف کلیسائی عدالتوں کے سامنے جوابدہ ہوتے اور ہر لحاظ سے سلطنتِ کلیسا کے ماتحت ہو کر رہ جاتے۔ انہیں سود، قرضہ اور دیگر محاصل کی ادائی سے بری سمجھا جاتا۔ البتہ کلیسا کو تحائف پیش کرنا ان کا فرض تھا۔ انوسنٹ نے پہلی مجلس شوریٰ میں ہی ان فیصلوں کا اعلان کر دیا تھا۔

"ہم حکم دیتے ہیں کہ جو بھی صلیب کے لیے لڑے گا وہ ہر قسم کے محصول خراج یا جاگیردارانہ واجبات کی ادائی سے آزاد ہو گا۔ ہم انہیں اور ان کی املاک کو اپنی اور سینٹ پیٹر کی حفاظت میں لے لیں گے ——— ان کی واپسی یا یقینی موت تک ان کی املاک سے کوئی تعرض نہیں کر سکے گا"۔

صلیبی جنگ کے لیے عشر جمع کرنے اور ضرورتمند صلیبی سپاہیوں کی حاجت روائی کے علاوہ کلیسا کے کارندوں کا ملکی نظم و نسق میں بڑا دخل تھا۔ کیونکہ بیشتر اراضی، املاک و محاصل کا انتظام ان کے ہاتھوں میں تھا۔ اس طرح سے کلیسائی عدالتیں جاگیرداروں کی عدالتوں کے دائرۂ اختیار میں مداخلت کرنے کی مجاز تھیں۔ انہیں املاک و جائداد پر بحقِ کلیسا تصرف کرنے کا حق حاصل تھا۔ وہ فریقین کے تنازعات میں ثالث کے فرائض بھی انجام دیتے۔ الغرض اس معرکۂ عظیم میں پوپ عوام کا مشیر، خازن اور محافظ بن گیا اور پوپ کی عوام میں مقبولیت بلا واسطہ لڑائی کے اُتار چڑھاؤ سے وابستہ ہو گئی۔

انوسنٹ کسی مجبوری کی وجہ سے صلیبی جنگ کا داعی نہیں بنا تھا۔ بلکہ اس میں

اس کا ذاتی مفاد بھی مضمر تھا۔ اس نے عام مجلس مشاورت میں اعلان کیا:
"یروشلم کی رہائی مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے؟" اس کے خلوص نیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا جنگ میں فتح، یروشلم کی تسخیر، کھوئے ہوئے گرجوں کی بازیافت ——— یہ اس کے لائحہ عمل کے بنیادی رکن تھے۔ جن پر وہ اک عظیم الشان سلطنت تعمیر کرنی چاہتا تھا چنانچہ اس اولوالعزم انسان نے بڑی جانفشانی اور تندہی سے صلیبی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اس نے پادریوں سے آمدنی کا بیسواں حصہ طلب کیا۔ جب خاطر خواہ رقم جمع نہ ہو سکی تو اس نے اور اس کے کارڈینلوں نے اپنی دولت کا دسواں حصہ کلیسا کے سپرد کر دیا۔ اس نے پادریوں کو سخت تنبیہ کی:
"دوسروں کا مال ہو تو اسراف اور اپنی باری ہو تو کنجوسی؟ دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت؟" ———
وہ آتش بیان خطیب اور راثر آفریں مقرر تھا۔
"کیا تم ناموس مسیح کے لیے بھی بخل کرو گے! تمہیں اس کے افلاس کی لاج نہیں۔ کیا تم اسے دوبارہ مجروح اور مصلوب ہونے کے لیے چھوڑ دو گے! تم بیچارے دنیا داروں کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ قربانی کریں ——— لیکن تمہارے اعمال کیا ہیں؟ محض الفاظ ——— تمہاری قربانی کیا ہے محض دھواں دار الفاظ ——— لوگ تمہیں الزام دیتے ہیں کہ تم نے وراثت مسیح کو اپنے کتوں اور بازوں کے لیے گنوا دیا ہے ———"
نواب اور امراء باہمی نفاق اور خانہ جنگی کا شکار تھے۔ ان پر بھی پوپ کے عتاب کی بجلی گری "تمہیں کیا پروا کہ دشمنان خدا ہماری تذلیل کریں۔ تمہیں ان کے طعنوں سے کیا سروکار؟ وہ ہمیں للکارتے ہیں۔ بلاؤ اب تمہارا خدا کہاں ہے؟ ہم نے تمہارے مقدس مقامات پائمال کر دیے ہیں۔ ہم نے تمہارے اسلاف کی توہم پرستی کے اکھاڑوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ ہمت ہے تو اب مقابلے میں آؤ۔ ہم نے فرانسیسیوں کو

نیزے توڑ دیئے ہیں۔ انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ جرمن بہادروں کو نیچا دکھایا ہے اور ہسپانوی سورماؤں کو مار بھگایا ہے۔ اب بُلاؤ کسے بُلاتے ہو؟ ہم نے تمہاری عورتوں کو ایسا داغِ بیوگی دیا ہے کہ تمہارے گھروں سے کبھی سوگ ختم نہیں ہوگا۔ ہم نے تمہارے بچوں کو یتیم بنا کر ان سے ہمیشہ کے لیے خوشیاں چھین لی ہیں۔ تمہارے بادشاہ اور شاہزادے سرزمین مقدس سے بھاگ کر اپنے ڈربوں میں چھپ گئے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مصروف پیکار ہیں۔ انہیں ہمارے خلاف شمشیر آزمائی کا حوصلہ کہاں؟ اب ہمارا مقصد واحد یہی ہے۔ کہ ہم دُنیائے مسیحیت کو تاخت و تاراج کر کے صفحۂ ہستی سے تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں"؂

انوسنٹ کے منصوبے کی کامیابی کا صلیبی جنگ پر دار و مدار تھا۔ اس نے مشرق کے صحیح حالات معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس نے کئی کارڈینلوں کو ساحلِ شام کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا۔ غلہ بردار جہازوں کے ساتھ اس کے مُخبر سرزمین فلسطین جاتے اور بندرگاہوں کے کوائف سے اسے مطلع کرتے۔ اس نے شاہِ آرمینیا روپن اور ایمالرک شاہِ یروشلم سے باقاعدہ مراسلت جاری رکھی۔ وہ ہاسپٹلروں اور ٹمپلروں سے معلومات طلب کرتا اور مسلمان حکمرانوں کو خط لکھنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ اس کے جنگی منصوبے میں مشرق کا تصور بہت صاف اور واضح تھا؂

اِس سے پہلے صلیبی محاربے کی کامیابی کے امکانات کبھی اتنے روشن نہیں تھے۔ فلسطین کے فوجی فرقوں کی سپاہ قلعوں میں حکم کی منتظر تھی۔ اطالوی بندرگاہوں میں جہاز تیار کھڑے تھے۔ اب صرف یورپ کے صلیبی لشکر کی ضرورت تھی۔ اب تو بیس ہزار سپاہی بھی کافی تھے، کیونکہ صلاح الدین فوت ہو چکا تھا۔ ملک العادل قاہرہ چلا گیا تھا۔ مسلمانوں کی قوت منتشر ہو چکی تھی۔ متفرق مسلمان امیر عیسائی فوج کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

انوسنٹ نے اہل یورپ کو صلیبی جنگ کی دعوت دینے کے لیے شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ اپنے مبلغ بھیجے۔ جوق در جوق لوگ وعظ سنتے۔ نیوؔلی کا راہب فوکؔ بڑا آتش بیان خطیب تھا۔ اس نے اپنی تقریروں سے پیٹر ہرمٹ کی طرح لوگوں کے سینوں میں آگ لگا دی تھی۔ عام لوگ فوکؔ کے مرید تھے۔ اِس کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ صاحب کرامت بزرگ ہے۔ اس کے ہاتھوں کے لمس سے اندھی آنکھیں پُرنور ہو جاتی ہیں۔ ۱۱۹۹ء کے کرسمس سے پہلے انوسنٹ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ فوکؔ نے ایکرؔی سورین کے دنگل اور میلے میں ایسا سحر آفریں وعظ بیان کیا کہ لوگوں نے تجوریوں کے منہ کھول دیے۔ چند منچلوں نے فوکؔ سے چاندی سونے کا حساب دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن کسی نے انہیں درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ اِس وعظ کے بعد شمالی فرانس کے بہادروں اور سورماؤں نے صلیبی عَلَم بلند کرنے کا حلف اُٹھایا۔ چنانچہ کاؤنٹ تھیبالٹ آف شمپین، کاؤنٹ لوئی آف بلائے، سائمن آف مانٹفورٹ جیسے نامور صلیبی فوجوں میں شامل ہو گئے۔ اِس اجتماع میں دوشیزائیں بہادر نائٹوں کو صلیبیں پیش کرتی پھرتی تھیں۔ سالِ نو کے بعد انوسنٹ کو اطلاع ملی کہ کاؤنٹ بالڈوِن آف فلانڈرز، اس کی بیوی میرؔی اور اس کے بھائی ہنرؔی نے بھی عَلَمِ صلیب کو بوسہ دے کر صلیبی جنگ میں شامل ہونے کا عہد کیا ہے۔ بیلؔ کے شہر میں جنوبی جرمنی کے نائٹوں نے دعوتِ صلیب پر لبیک کہی۔ وہاں کا سادہ لوح راہب وعظ میں ایک بڑی ناموزوں مگر سچی بات کہہ گیا تھا۔ "نجاتِ اُخروی مسلم ہے مگر حصولِ دولت مسلم تر ہے"۔ فلانڈرز کی بندرگاہوں میں بحری بیڑوں کی تیاری شروع ہو گئی۔

صلیبی محاربے کا آغاز ہو چکا تھا۔ حوصلے بلند، عزم جواں، تعداد کثیر اور دولت وافر تھی ——— فرانسیسی شجاعت و مردانگی کے سرمایہ افتخار "شولیئر" اس کے رُکن رکین تھے۔ شولیئر بلا کے بہادر تھے، وہ ذاتی خطرے کی پروا نہ کرتے اور عزت

کے لیے کٹ مرتے۔ چند مہینے بعد شولیئروں نے اہلِ وینس سے فلسطین جانے کے لیے کرائے پر جہاز لیے اور ان سے فراخ دلانہ معاہدہ کر لیا۔ ساڑھے چار ہزار نائٹوں کو گھوڑوں اور ساز و سامان سمیت، نو ہزار اسکوائروں اور بیس ہزار پیادہ سپاہیوں اور سارجنٹوں کو فلسطین پہنچانے کے عوض اہلِ وینس نے پچاسی ہزار نقرئی مارک طلب کیے۔ اس کے علاوہ جو بھی علاقے فتح کیے جائیں نصف پر جمہوریہ وینس کا تصرّف ہو گا۔ شولیئروں نے یہ شرائط منظور کر لیں۔ یہ یک طرفہ معاہدہ تھا۔ اہلِ وینس نے کچھ جنگی کشتیاں بہم پہنچانے کا بھی وعدہ کیا۔

انوسنٹ نے دیکھا کہ اس معاہدے میں اہلِ وینس کی جانب سے صلیبیوں کو سمندر پار پہنچانے کی شرط کی ذمّہ داری تھی۔ اس میں شام کا کہیں ذکر نہیں تھا بہر کیف اس نے اس معاہدے کی منظوری دے دی۔

صلیبی جنگ کے لیے پرزور تیاریاں جاری تھیں۔ ۱۲۰۱ء کی سردیوں میں کاؤنٹ آف شمپین کا اچانک انتقال ہو گیا یہ ان دنوں کا واقعہ ہے کہ بونی فیس آف مانسریٹ جو کونارڈ حاکم صور کا بھائی تھا، پوپ کے دربار میں حاضر ہوا۔ متوفی کاؤنٹ آف شمپین کی جگہ اسے صلیبی مہم کا سربراہ منتخب کیا گیا تھا۔ وہ پوپ کے نیاز حاصل کرنے آیا تھا۔ خلوت میں دونوں کئی گھنٹے گفتگو کرتے رہے۔ ان کی گفتگو پردۂ خفا میں رہی۔ البتہ بعد میں یہ افواہ پھیل گئی کہ بونی فیس نے پوپ سے التجا کی کہ صلیبی مہم کو یروشلم کے بجائے قسطنطنیہ کے خلاف بھیجنا چاہیے لیکن پوپ نے یہ تجویز سختی سے مسترد کر دی۔

۳۱

سازش

اب ذرا لاٹرن محل کے دریچوں سے مشرق کی طرف غور سے دیکھیے۔ سب سے پہلے ہمیں بحیرۂ ایڈریاٹک دکھائی دیتا ہے۔ جس پر اہلِ وینس کا روز افزوں اقتدار مسلط ہو رہا تھا۔ اہلِ وینس پوپ کے حلیف تھے۔ وینس کے اُوپر شمال کی جانب جرمن مارک شہزادوں کی حکومت تھی۔ مارک شہزادے پاپائیت کے سخت مخالف رہ چکے تھے۔ ہانسٹوفن شہنشاہ ہنری کی وفات کے بعد چند جرمن شہزادوں نے اس کے بھائی فلپ آف سوابیا کی سیادت تسلیم کر لی لیکن وہ پھر بھی اپنے ننھے بھتیجے فریڈرک کا حق غصب کرنے پر آمادہ نہ ہُوا۔ جرمن سلطنت بحران سے دوچار تھی۔ فلپ کو اُمید تھی کہ پوپ انوسنٹ کی وساطت سے معاملات درست ہو جائیں گے۔ پوپ کو ہانسٹوفن شہزادے فریڈرک کی تخت نشینی سے کسی فائدے کی توقع نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنی ماں کانسٹینس آف سسلی کی بدولت جنوب میں سسلی اور شمال میں جرمن ریاستوں کا مالک و مختار بن جائے گا اور اس طرح پاپائی ریاست جرمن

سلطنت میں گھر کر رہ جائے گی۔

پوپ کے ہنگری کے نیم وحشی حکمران سے خاصے خوشگوار تعلقات تھے۔ ہنگری کے وحشی قبائل وسط ایشیا سے آکر پیچ و خم کھاتے ہوئے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں بس گئے تھے۔ وہ بڑے خونخوار اور جنگجو لوگ تھے۔ پوپ بوقتِ ضرورت سیاسی توازن قائم رکھنے کے لیے شاہ ہنگری کو فلپ آف سوابیا کی روز افزوں طاقت کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ انوسنٹ نے ڈینیوب کے جنوب میں بسنے والے وحشی بلغاروی اور ولاش قبائل کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایلچی بھیجے۔ وہ آہستہ آہستہ جزیرہ نمائے بلقان کو دامن پاپائیت میں سمیٹ لینا چاہتا تھا۔

بحیرۂ ایڈریاٹک اور سرزمینِ یونان سے پرے زوال پذیر بیزنطینی سلطنت تھی۔ بیزنطینی سلطنت شورش اور خانہ جنگی کا شکار تھی۔ اس کی فوجی طاقت کالعدم اور بحری بیڑا تباہ ہو چکا تھا۔ بیزنطینی قیصر صرف دنیاوی حکمران ہی نہیں تھا بلکہ وہ یونانی کلیسا کا سربراہ بھی تھا۔ یونانی کلیسا کو کلیسائے روم سے علیحدہ ہوئے صدیاں گزری تھیں یونانی کلیسا والے روم کے پوپوں کو غاصب سمجھتے تھے۔ امتدادِ زمانہ سے دونوں فرقوں کے درمیان مذہبی اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔ پاپائے روم لاطینی کلیسا اور قیصرِ باسلیق کے سربراہ تھے اور یونانی کلیسا والے قسطنطنیہ کے مقاماتِ مقدسہ کے محافظ۔ یہ تھے مغربی اور مشرقی کلیسا جن میں مسیحی دنیا منقسم تھی۔

انوسنٹ دونوں کلیساؤں کے اختلافات کی خلیج پاٹنے کے لیے بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے سرگرمِ عمل تھا۔ وہ کلیسائے یونان کو کلیسائے روم کے واسطے میں لانے کے لیے کوشاں تھا۔ رومن اور بیزنطینی علماء میں اکثر مناظرے اور مباحثے ہوتے رہتے لیکن بے سود۔ انوسنٹ انتہائی کوششوں کے باوجود بیزنطینی مذہب کی رسوم تبدیل نہیں کر سکتا تھا یہ رسوم لوگوں کا تاریخی ورثہ بن چکی تھیں۔ بیزنطینی اب بھی اپنے بور گوں

اور اولیا کی نعشوں کو اطلس کے کفن پہناتے تھے۔

انوسنٹ نے قیصریت کی تجدید میں صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا۔ اولین مسئلہ تو بیزنطینی کلیسا سے اتحاد تھا۔ اس نے تہدید و تنبیہ سے یہ کام نکالنا چاہا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ اہل وینس قسطنطنیہ سے سارا سونا سمیٹ کر لے گئے اور بیزنطینی سلطنت کے دشمن ہو گئے۔ ڈیوک آف سوابیا کے ذہن سے ابھی تک اپنے بھائی ہنری ہانسٹوفن کے عظیم الشان منصوبے کے نقوش مدھم نہیں ہوئے تھے سسلی کے نارمن سردار بھوکے بھیڑیوں کی طرح بیزنطینی سلطنت کی تکابوٹی کرنے کے لیئے بے تاب تھے۔ چنانچہ انوسنٹ نے شہنشاہِ بیزنطین کو متنبہ کیا "غور کیجیے اگر ڈیوک آف سوابیا اپنے عزائم میں کامیاب ہو جائے، وہ جرمنوں کا شہنشاہ اور سسلی کا تاجدار بن جائے تو اس سے سلطنت قسطنطنیہ کو کیا خطرات درپیش ہوں گے؟" شہنشاہِ بازنطین کو واقعی خدشہ لاحق تھا لیکن اس کے دلنشیں خطوط سے کسی پریشانی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ سرخ روشنائی اور سونے کی ابھری ہوئی مصوّر مہروں سے بدستور بیزنطینی خطوط کی متانت قائم تھی۔ دراصل انوسنٹ کی نیت کچھ اور تھی، وہ چاہتا تھا کہ ہانسٹوفن قسطنطنیہ پر قابض ہو جائے اور اس کی تاریخی دیواروں پر پاپائے روم کا جھنڈا لہرا دے۔ اس طرح اس کا حریف مشرق کے دروازے پر مسلّط اور ترکوں سے برسرِ پیکار ہو جائے گا۔ انوسنٹ نے ان عزائم کی تکمیل کے لیے اپنی شمشیر کو بے نیام نہ کیا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کی تیغ آبدار کی جھلک سے اگر بیزنطینی سرنگوں نہ ہوئے تو کم از کم کلیسائے روم کے حلیف ضرور بن جائیں گے۔ اس طرح مشرق کے نقشے کا خلا پُر ہو جائے گا۔ پھر پرشیا۔ لتھوانیا اور بلغاریا کے سرحدی علاقوں کے وحشی اور نیم وحشی لوگوں کو دائرہ مسیحیت میں لانا مشکل نہ ہو گا۔ مسلمانوں کو ایشیائے کوچک اور سرزمین قدس سے نکال دیا جائے گا اور صلیبی محاربات کی کامیاب تکمیل ہو جائے گی۔ مشرق کے طول و عرض پر پوپ کا علَم لہرانے لگے گا۔

"اے آقائے جہان تیری صبح فروزاں کی نمود ——"

"تیری صبح روشن کی نوید ——"

انوسنٹ بھی ہانسٹڈفن کی طرح شاندار خواب دیکھ رہا تھا۔

دراصل صورت حال مختلف تھی۔ کم نظر انسان بدستور لڑنے جھگڑنے اور ایک دوسرے کے حقوق پر جھپٹنے میں مصروف تھے۔ بدستور شورش و فساد کا بازار گرم تھا۔ بوڑھے شہنشاہ آئزک فرشتہ خصال (جس نے صلاح الدین سے مرعوب ہو کر قسطنطنیہ میں مسجد بنوائی تھی) کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اسے جیل خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ نئے بیزنطینی شہنشاہ نے الیکسس ثالث کا لقب اختیار کیا اور انوسنٹ سے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ اِس اثناء میں بوڑھے آئزک کا بیٹا الیکسس کسی طرح زنداں سے فرار ہو کر سمندر پار اپنے بہنوئی فلپ آف سوابیا کے دربار میں جا پہنچا۔ وُہ اپنے بوڑھے باپ کی رہائی کے لیے مدد کا طلبگار ہوا۔

۱۲۰۱ء کے اوائل میں الیکسس نے فلپ سے اعانت کی درخواست کی تھی لیکن اس وقت فلپ جرمن ریاستوں کی خانہ جنگی اور فساد فرو کرنے میں مصروف تھا فلپ نے معذوری کا اظہار کیا تو وہ روم گیا۔ چند یونانی امیر اس کے ہمراہ تھے۔ پوپ انوسنٹ نے اسے شرف باریابی بخشا لیکن بیزنطینی سلطنت کے معاملات میں مداخلت سے صاف انکار کر دیا۔ وُہ بے چارہ مایوس ہو کر واپس فلپ کے پاس آگیا۔ یہاں اس کی ملاقات ایک قابل سیاست دان سے ہوئی۔ جس نے اس کی موافقت کی۔ یہ بونی فیس آف مانسربیٹ تھا۔ جس کی بیوی بیزنطینی شہزادی تھی۔ تینوں نے مل کر صورت حال پر غور کیا اور سوچنے لگے کہ قسطنطنیہ پر کیسے چڑھائی کی جائے۔ فلپ مہم کی تیاری میں مدد دینے پر رضامند تھا۔ کیونکہ اس کا مفاد اس میں مضمر تھا لیکن چند سیاسی مصلحتوں کی بنا پر وہ اس میں خود علانیہ شرکت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ چنانچہ اِس مہم کا رسمی قائد معزول شدہ شہنشاہ کے

بیٹے کو قرار دیا گیا۔ بونی فیس کے مفاد کا بھی تقاضا تھا کہ وہ اس معاملے سے بے تعلق نہ رہے۔ انہیں قسطنطنیہ کی دولت اور اس کی دفاعی کمزوری کا حال خوب معلوم تھا۔ دُنیا کا یہ نادر ترین انعام اب آسانی سے حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے لیے کیا کیا جائے؟ فوج کیسے اکٹھی کی جائے اِس مسئلے پر ان میں جو مذاکرات ہوئے ان کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ تینوں میں اتحاد تھا۔ عشرت پسند الیکسس، اولوالعزم بونی فیس اور خاموش و درشت خُو ہانسٹوفن باہم متفق تھے۔ بیزنطینی شہزادہ تاج و تخت کے حصول کے لیے ہر وعدہ کرنے کو تیار تھا۔ اِس کا معذور اندھا باپ تو دوبارہ تخت نشین ہونے سے رہا۔ تینوں کے ذہن میں ایک خیال جاگزین تھا کہ قریب ہی ایک فوج تیار ہو رہی ہے۔ اِسے کیوں نہ آلۂ کار بنایا جائے۔ اِس فوج سے ان کا مطلب صلیبی فوج سے تھا۔ حسنِ اتفاق سے بونی فیس ہی صلیبی مہم کا سربراہ تھا۔ اِس لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔

اگر وہ صلیبی فوجوں کا رُخ یروشلم سے قسطنطنیہ کی طرف پھیر دیں تو آسانی سے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا جا سکتا تھا لیکن اِس تدبیر کی کامیابی میں دو سخت رُکاوٹیں تھیں۔ پہلے تو صلیبی سپاہی یروشلم کے سوا کسی دُوسری جگہ جانے پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے اور دوسرے پوپ انوسنٹ ایک عیسائی سلطنت پر فوج کشی کی کبھی اجازت نہیں دے گا۔

سال ۱۲۰۱ء کے کرسمس کے دنوں میں ان تینوں شہزادوں کی گفتگو ہوئی تھی۔ آغازِ بہار میں بونی فیس، پوپ انوسنٹ کی رضامندی حاصل کرنے روم گیا لیکن بقول ایک تذکرہ نویس "جب اسے یقین ہو گیا کہ پوپ اِس مہم کا مخالف ہے تو اس نے پوپ سے صرف صلیبی جنگ سے متعلق معاملات طے کیے اور واپس آ گیا"۔

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اہلِ وینس کا پہلے خیال کیسے آیا؟ ممکن ہے اہلِ وینس نے خود ہی پیش کش کی ہو۔ البتہ یہ مسلمہ امر ہے کہ انوسنٹ سے بددل ہو کر ہی انہوں نے اہلِ وینس کی

طرف رجوع کیا تھا۔

وینس جھیلوں اور نہروں کا شہر تھا۔ اُس کی خوشحالی اور بحری طاقت کا دُور دُور تک شہرہ تھا۔ وینس کی بیزنطینی سلطنت سے پرانی عداوت تھی۔ چند سال پہلے بیرا میں وینسی تاجروں کا قتلِ عام ہوا تھا۔ بیزنطینیوں نے وینس کے موجودہ ڈوجے (وینسی حکمرانوں کا خطاب) ڈینڈولو کو اندھا کر دیا تھا کیونکہ جمہوریہ وینس مشرقی بحیرۂ روم کے ان جزیروں پر یکے بعد دیگرے اپنا تسلط جما رہی تھی جو کبھی بیزنطینی سلطنت کے بحری اڈے تھے۔ وہ وینس کی چیرہ دستی سے سخت نالاں تھے لیکن ان کی پیش قدمی روکنے سے قاصر بھی۔ چنانچہ وُہ غصّے سے جل بھن کر اہلِ وینس کو گالیاں دیتے اور انہیں "بحری سانپ" کہتے تھے۔

صلیبی فوج کو وینسی بحری بیڑے میں فلسطین جانا تھا۔ کاش کہ وہ اِس فوج کو یروشلم کے بجائے قسطنطنیہ لے جائیں! کاش کہ وُہ اپنا سارا بحری بیڑا فوج کی امداد کے لیے بھیج دیں! یہ تھے اِن تینوں سازشیوں کے عزائم۔ فلپ آف سوابیا نے ڈوجے کی خدمت میں اپنے ایلچی روانہ کئے۔ بند دروازوں کے پیچھے ان میں کیا گفتگو ہوئی؟ اِس کا حال کسی مؤرخ نے تحریر نہیں کیا۔ البتہ تھوڑی دیر بعد ایلکسس اور بونی فیس کی ڈوجے سے مفاہمت ہو گئی۔ زیرک اور آزمودہ کار ڈوجے نے اِس مسئلے کے ہر پہلو پر غور کیا اور پوپ انوسنٹ کے عتاب کو بھی نظرانداز نہ کیا۔ بالآخر اسے قسطنطنیہ پر فوج کشی میں ہی اپنا مفاد نظر آیا۔ اِس طرح اہلِ وینس نئی بندرگاہوں پر قابض ہوں گے۔ بے شمار دولت ان کے ہاتھ لگے گی اور وہ اپنے دُشمنوں سے اِنتقام بھی لے سکیں گے۔ بے شک صلیبیوں کے ساتھ اس کا معاہدہ تھا لیکن اس کی رُو سے وہ انہیں فلسطین لے جانے کا پابند نہ تھا۔ معاہدے میں صرف سمندر پار لے جانے کی شرط تھی۔ اِس لیے صلیبیوں کو دردانیال

لے جانے کی ترکیب نکالی جاسکتی تھی۔

وقت کم تھا۔ صلیب بردار جتھے وینس میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ وہ مضافات میں پڑاؤ ڈالنے لگے۔ سازشیوں کی قسمت نے یاوری کی اور صلیبی لشکر جہازوں کا پورا کرایہ ادا نہ کرسکے۔

۳۲

ڈوجے کی روانگی

۱۶۲۱ء کے آخرِ گرما کا واقعہ ہے۔ نہروں پر غیر معمولی گہما گہمی نظر آتی تھی ملّاح اپنے لمبے چپوؤں سے بجروں کو کھیتے جاتے۔ اُمراء کی تفریحی کشتیاں (گنڈولا) فرسودہ چوبی مکانوں کے جالی دار جھروکوں تلے رواں تھیں۔ شام کے وقت ریالٹو کے تاجر اپنی دوکانیں بند کر کے سنگین پلوں پر جمع ہو جاتے پلوں پر لالٹینیں روشن ہوتیں۔ گرم مسالے کی خوشبو فضا سے گرانبار ہوتی۔ مچھروں سے لدی ہوئی دلدلوں کی طرف سے مرطوب ہوا کے جھونکے آنے لگتے، گاہے گاہے شہ نشینوں سے بنے سنورے خوبصورت چہرے ہلکے نقابوں سے جھانکتے۔ اِن محلّات کے مقفّل دروازوں پر خواجہ سرا پہرہ دیتے رہتے۔ وینس کے اُمراء نیم مشرقی ذوق کے مالک تھے۔ وہ یونانی بندرگاہوں اور سرکیشیا کے کوہستانوں سے نسوانی حسن کے دل پسند و دلاویز نمونے ڈھونڈ لاتے اور انہیں اپنے محلّوں میں بنا رکھتے۔ تاجر دمشقی مخمل اور زربفت کے چغے اور صدریاں زیبِ تن کرتے۔ وہ منڈیوں کے اُتار چڑھاؤ پر بحث کرتے اور اکثر تانہ کی منڈی کے

غلاموں اور سوقِ اسکندریہ کے ریشم کے نرخوں پر گفتگو کرتے۔ وہ قاقم وسمور کی قدر و قیمت سے واقف تھے۔ جو شمال اقصے کے خطۂ ظلمات سے آتی تھی۔ ہر ایک اپنی خفیہ تجارتی مراعات اور معاہدوں کو متاعِ عزیز سمجھتا۔ جن کی کسی عدالت کو خبر تک نہ ہوتی۔ وہ بحری طاقت کے انعامات سے بہرہ یاب تھے۔

ریوا ڈی شیاؤنی کے سنگین کنارے پر جہازوں کے سائے پھیلے ہوئے تھے بلند مستول اور جھکے ہوئے گز نرم لہروں کے زیر و بم پر آہستہ آہستہ جھول رہے تھے جنگی کشتیاں شانہ بہ شانہ رنگین پشتوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ ان کے اونچے مہروں سے عجیب الخلقت اژدہاؤں اور بے حس عورتوں کے مجسمے لالٹینوں کی مدھم روشنی میں سمندر کی طرف جھانکتے ہوئے معلوم ہوتے۔ اسلحہ خانہ کی بندرگاہ میں نئی جنگی کشتیاں دریائی عفریتوں کی طرح کھڑی تھیں۔ جن کے پس منظر میں بڑے جنگی جہازوں کے خوفناک نقوش نمایاں تھے۔ اِن جنگی جہازوں میں چپوؤں کے لیے دو طرفہ چوبی پشتے نصب تھے۔ اِن چوکور بادبانوں والے جہازوں میں پانچ سو سے زیادہ آدمی سما سکتے تھے صلیبی مہم کے بحری سفر کے لیے یہ جہاز مقرر تھے۔ ان کے ساتھ ہی چوڑے چکلے مال بردار جہاز کھڑے تھے جن میں سے کئی پانچ سو ٹن وزنی تھے۔ اِن میں چپو نہیں تھے بلکہ دو یا تین مستول لگے ہوئے تھے۔ مال بردار جہازوں پر آلات محاصرہ کے بھاری چھکڑے، شراب کے پیپے اور سامان سے بھری ہوئی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ چوڑے پیندے والے چھوٹے جہازوں میں گھوڑے اور ان کا چارا لدا ہوا تھا۔ یہ جہاز ساحل پر سپاہی اور سامان اُتارنے کے لیے بھی استعمال ہوتے تھے۔

یہ عظیم الشان بیڑا سینکڑوں کاریگروں نے مہینوں کی محنت شاقہ کے بعد تیار کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وینس والے اتنی بڑی فوج سمندر پار لے جا رہے تھے بندرگاہ میں یہ خبر گرم تھی کہ صلیبی مہم اِس بیڑے میں جائے گی۔ بازاروں میں اور نہروں پر

رات کو بھی رونق ہوتی صلیبی سپاہی وردیاں اور چُغے پہنے چہل قدمی کے لیے نکلتے کئی گرجوں میں عبادت کے لیے چلے جاتے، کئی پلوں پر کھڑے ہو کر رواں بجروں کا نظارہ کرتے اور کئی شراب خانوں میں بیٹھ کر سڑک سے گزرتی ہوئی نقاب پوش عورتوں کو تاکتے۔ شراب نوشی سے انہیں یک گونہ تسکین ہو جاتی اور وہ رات کو اس سے بے نیاز ہو کر سو جاتے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ اس کے بعد انہیں شراب خانے اور عورتیں کہاں نصیب ہوں گی محلوں کے دروازوں کے سامنے عود و رباب کی تانیں سنائی دیتیں۔ اور جب کوئی مقطع ریش، فراخ سینہ، لمبی زلفوں والا فرانسیسی نائٹ بازار سے گزرتا تو گداگر اسے گھیر لیتے۔

رات گئے تک سینٹ مارک کے مقابل چوک میں صلیبی سپاہی اپنے مختصر قیام کو رنگین بنانے کے لیے تلاشِ مسرت میں سرگرداں رہتے۔ وہ پیازا کے چکر لگاتے اور کھلے دروازوں سے اندر جھانکتے۔ وہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو ہاتھ سے اشارے کرتے ہوئے گزر جاتے۔ وہ کتان کے لباس اور لمبے چست سے پاجامے پہنتے۔ کیونکہ وہ اپنی زرہیں جزیرہ سینٹ نکولس میں چھوڑ آئے تھے۔ وہ مہم کی تاخیر سے بیزار تھے اور اکثر اس کی شکایت کرتے رہتے۔ کئی شولیئر جانباز تہی کیسہ تھے۔ کہ دورانِ سفر میں ہی اپنا اندوختہ صرف کر چکے تھے۔ وہ اپنے مالدار ساتھیوں سے قرض لے کر گزارا کرتے۔ صرف چند دولتمند اشخاص ہی تھے وینس کی نایاب کشیدہ کاری اور طلائی کام کے نادر نمونے خرید کر بھیج دیتیں یا قاصدوں کے ذریعے اپنی محبوباؤں کو بھیجے سبھی لوگ یروشلم جانے کے لیے بے تاب اور جہازوں کے منتظر تھے۔ اہلِ فلانڈرز کو گھروں سے نکلے کئی مہینے گزر چکے تھے وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے بے قرار تھے۔ اگرچہ کئی صلیبی رضاکار خلافِ وعدہ نہیں پہنچے تھے۔ لیکن شولیئروں کو اس کی پروا نہ تھی۔ وہ یروشلم جانے کے لیے مضطرب تھے۔ انہیں اپنی قوتِ بازو پر بھروسا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ لاطینی ادر رومن کے بہادر نوکِ شمشیر سے

شہر مقدس تک راستہ بنا سکتے ہیں۔ اِس جوش و خروش کے باوجود وہ وینس میں رُوح فرسا تعطّل کا شکار ہو گئے۔ یہ ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ ان کی روانگی بحری بیڑے پر منحصر تھی۔ وہ وینس میں پڑے رہے اور وینس کی گرم راتوں میں دادِ عشرت دیتے رہے۔ بندرگاہ کے سنگین پُشتے کے ساتھ ایستادہ جہاز بدستور نرم لہروں پہ ہلکورے لیتے رہے اور سینٹ مارک کے گرجا کی گھنٹیاں بدستور لوگوں کو دعوتِ عبادت دیتی رہیں ؃

کوسی کا نوجوان قلعہ دار بھی اپنے ساتھیوں سمیت وینس آیا تھا۔ وہ سیر و تفریح سے دل بہلانے کے بجائے اپنے کمرے میں پڑا غزلیں کہتا رہتا۔ وہ شعر گنگناتا اور سخت چرمی کاغذ پر لکھتا جاتا۔ اس نے ایک غزل اپنی بیوی کے نام لکھی جو بہت مقبول ہوئی ؃

"خدائے پاک کی قسم! میں اپنی حسین و خوش سلیقہ بیوی کی طرب آگیں صحبت کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہوں۔ اُسی کے دم سے تو میری زندگی بہاراں تھی ——"

وہ مطربوں کی طرح خوش نوا تھا۔ اِس غزل میں اس کا جذب دروں نہاں تھا اور اس میں طلب صادق کی تڑپ تھی ؃

"خدائے برتر کی قسم! لبوں پر حرف شکایت ہے اور دِل فگار ہے۔ مجھے یارائے شکیب نہیں۔ اس کے بغیر جینا ممکن نہیں، میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ اس کی محبت کا جواب کہاں سے لاؤں؟ نہ جانے یہ آنکھیں دوبارہ اسے کب دیکھیں گی؟"

اِس عرصے میں ایک معمّر آدمی کروسیڈ کے متعلق اپنی یادداشت قلمبند کرنے میں مصروف تھا اس کا نام جافرے آف ول ہاردون تھا۔ وہ سیدھا سادا سپاہی اور مُخلص انسان تھا۔ شمپئین کا مارشل ہونے کی حیثیت سے وہ عمائدین کی مجلس میں شامل ہوتا۔ اِس لیے وہ صحیح حالات سے آگاہ تھا۔ اسے اہل وینس سے موجودہ معاہدے کے متعلق پورا علم تھا ؃

"ول ہاردون کا بیان ہے کہ کاؤنٹ لوئی اور دیگر امیر وینس پہنچے تو ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور ان کے اعزاز میں پُرتکلّف ضیافت دی گئی۔ انہیں سینٹ نکولس کے

جزیرے میں ٹھیرایا گیا۔ اس سے پہلے شاید ہی کبھی کسی نے ایسی شاندار فوج دیکھی ہو۔

فوج عظیم الشان تھی۔ سپاہی جوانمرد اور بہترین تھے۔ اہل وینس نے سپاہیوں کو ایک کشادہ منڈی میں ٹھہرایا جہاں سپاہیوں اور گھوڑوں کی ضرورت کی ساری چیزیں آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھیں۔ اہل وینس کا بحری بیڑا واقعی بہت عظیم الشان تھا۔ جہازوں، کشتیوں اور بجروں میں ہم سے تین گنا فوج سما سکتی تھی۔ شاید ہی کبھی کسی عیسائی کو اتنا طاقتور بیڑا دیکھنا نصیب ہوا ہو۔

مقام افسوس ہے کہ جن لوگوں نے دوسری بندرگاہوں کا رُخ کیا تھا وہ یہاں نہ پہنچے۔ "کاش کہ وہ بھی آ جاتے، اور عیسائیت کا بول بالا ہو جاتا اور تُرک سرنگوں ہو جاتے۔"

اہل وینس نے معاہدہ خوب نبھایا وہ لنگر اُٹھانے کے لیے تیار تھے۔ صرف کرائے کی ادائی کی کسر باقی تھی۔ انہوں نے امیروں سے رقم کی ادائی کا مطالبہ کیا۔ کرائے کی وصولی شروع ہوئی تو کئی لوگوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ وہ کرائے کی رقم ادا کرنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ سرداروں نے ان سے جو کچھ بھی مل سکا لے لیا۔ جب ساری رقم اکٹھی ہو گئی اور شمار کیا گیا تو معلوم ہُوا کہ وُہ کرائے کی مطلوبہ رقم کا نصف تھی۔ سرداروں اور امیروں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور کہا۔

"صاحبو! اہل وینس نے اپنا وعدہ ایفا کر دکھایا ہے لیکن ہم کرائے کی مقررہ رقم ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ برائے خُدا اب آپ سے جو کچھ ہو سکتا ہے دیجئے تاکہ ہم اپنا عہد نبھا سکیں۔ اگر یہ فوج نہ جا سکی تو سرزمین قُدس کی تسخیر کا منصوبہ کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔"

لیکن امیروں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اکثریت کی رائے یہ تھی کہ "ہم نے کرایہ ادا کر دیا ہے اگر ان کا دِل چاہے تو وہ ہمیں لے چلیں اور اگر وہ راضی نہیں تو ہمیں بھی کوئی پابندی نہیں۔ ہم کسی اور بندرگاہ سے جہاز لے لیں گے۔" لیکن دوسرے فریق کا خیال تھا کہ "فوج کے پراگندہ اور اس کے اجزا منتشر ہو جانے سے یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ

ہم مفلس ہو جائیں اور اپنی ساری دولت اِس مقدس کام پر صرف کر دیں" ۔

"چنانچہ ارل آف فلانڈرز نے اپنا سارا اثاثہ نذر کر دیا اور جتنی رقم اسے بطور قرضہ دستیاب ہو سکی وہ بھی اُس نے پیش کر دی۔ کاؤنٹ لوئی اور مارکوئیس آف سینٹ پال جو اس کے ہم خیال تھے۔ انہوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ سونے اور چاندی کے عمدہ ظروف ڈوجے کو ارسال کر دیئے گئے۔ اِن قربانیوں کے باوجود چونتیس ہزار نقرئی مارک مقررہ رقم سے کم تھے ۔

پھر ڈوجے نے اہل وینس سے خطاب کیا "صاحبو! یہ لوگ پوری رقم ادا نہیں کر سکتے جو کچھ وہ ادا کر چکے ہیں وہ قانونی طور پر ہمارا حق ہے لیکن لوگ ہمارے حق کو تسلیم نہیں کریں گے اور ہمیں الزام دیں گے۔ اِس لیے ہمیں ان سے سمجھوتا کر لینا چاہیے آپ کو معلوم ہے کہ ہنگری کے بادشاہ نے ہم سے زارا کا عظیم الشان شہر چھین لیا ہے۔ جو سلوانیا میں واقع ہے۔ ہم اِس مضبوط اور طاقتور شہر کو صلیبیوں کی مدد کے بغیر اکیلے کبھی فتح نہیں کر سکتے۔ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ زارا فتح کرنے میں ہماری اعانت کریں اور ہم بقایا چونتیس ہزار مارک کی ادائی فتح زارا تک ملتوی کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ فریقین میں معاہدہ طے پا گیا۔ پہلے تو ان لوگوں نے معاہدے کی سخت مخالفت کی جو فوج کو تقسیم کرنا چاہتے تھے لیکن بعد میں سب نے معاہدے کی توثیق کر دی ۔

"پھر وہ سینٹ مارک کے گرجا میں جمع ہوئے یہ بڑا شاندار منظر تھا۔ امراء اور نوابوں کے علاوہ زائرین اور دیہاتی جوق در جوق اِس میلے میں شامل ہوئے۔ عشائے ربانی سے

سلہ زارا دراصل ہنگری میں واقع تھا۔ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ بادشاہ نے یہ شہر اہل وینس سے چھینا ہو۔ اس کے برعکس اہل وینس اِس شہر پر دانت لگائے بیٹھے تھے اور اس کو فتح کرنا چاہتے تھے سادا لوح ول ہاردون کو پہلے تو وینس والوں کی سازش اور بے ایمانی کا علم نہ تھا اور بعد میں وہ خود حالات کے دھارے کے ساتھ بہہ گیا۔ (مصنف)

پہلے ڈوجے (جس کا نام ہنری ڈینڈ ولو تھا) نے منبر سے اہلِ وینس کو خطاب کیا۔
"حضرات! ہمیں اِس عظیم الشان مہم میں دُنیا کے بہترین آدمیوں کا تعاون حاصل ہے۔ مَیں بُوڑھا آدمی ہوں اور جسمانی طور پر معذُور۔ میری صحت خراب ہے اور مجھے آرام کی ضرورت ہے لیکن اِس کے باوجود مجھے احساس ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے کیونکہ آپ کو فوجی قیادت کا تجربہ نہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مَیں اِس مقدّس جنگ کے لیے صلیب اُٹھاؤں، آپ کے مفاد کی حفاظت اور آپ کی قیادت کروں تو مَیں اپنے بیٹے کو اپنا نائب بنا کر یہاں چھوڑے جاتا ہوں۔ آپ اس کی اطاعت کریں۔ مَیں آپ کے اور زائرین کے ساتھ جاؤں گا۔ مَیں آپ ہی کے ساتھ جیئوں گا اور آپ ہی کے ساتھ مروں گا"۔
اِس کی تقریر کے بعد لوگ یک زبان ہو کر چلّائے۔
"خُدا آپ کو اِس کام کی توفیق دے اور آپ ہمارے ساتھ آئیں"۔
اہلِ وینس اور زائرین کے دِلوں میں اِس بہادر بُوڑھے کی عزّت و توقیر دُگنی ہو گئی وہ واقعی آرام کا مُستحق تھا۔ وہ بُوڑھا تھا اور سر پر زخم لگنے کے بعد اس کی بصارت تقریباً زائل ہو چکی تھی۔ لیکن وہ بڑے دِل گُردے کا مالک تھا۔ وہ منبر سے اُترا اور قُربانگاہ کے روبرو دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے کتان کا جُبّہ پہنایا گیا جس پر صلیب کا نشان بنا ہُوا تھا۔ وہ صلیب پوشی سے لوگوں کے سامنے مثال پیش کرنا چاہتا تھا۔ چُنانچہ اس کی تقلید میں وینس کے بے شمار باشندوں نے صلیب اُٹھائی۔ اِس سے زائرین بہت خوش ہوئے۔ وہ صلیبی فوج میں گرانقدر اضافہ کا باعث ہُوا تھا۔ وہ اس کی دانشمندی اور بہادری کے مُعترف ہو گئے۔
ڈوجے نے صلیب کا حلف اُٹھانے کے بعد جہاز اور کشتیاں صلیبی سرداروں کے حوالے کرنی شروع کر دیں۔ ان کاموں میں کافی مدّت گزر گئی اور ستمبر کا مہینہ شروع ہو گیا۔
اب ایک ایسے عجیب و غریب واقعے اور ایک ایسی شاندار مہم کا حال سُنیے جو

شاید آپ نے کبھی نہ سُنا ہو:-

ان دنوں قسطنطنیہ کے قیصر کا نام آئزک تھا۔ اس نے اپنے بھائی الیکسس کو ترکوں کی قید سے زرِ فدیہ ادا کر کے رہا کرایا تھا۔ الیکسس نے اپنے بھائی سے غدّاری کر کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا اور اس کی آنکھیں نکلوا کر اسے اور اُس کے بیٹے الیکسس کو بھی زنداں میں ڈال دیا۔ شہزادہ الیکسس جیل سے فرار ہو گیا۔ وہ جہاز میں سوار ہو کر انکونا کے شہر میں پہنچا۔ وہاں سے وہ اپنے بہنوئی فلپ شاہ جرمنی کی طرف روانہ ہوا۔ وہ لومبارڈی[1] کے شہر ویرونا میں پہنچا تو اس نے وہاں زائرین اور صلیبی افواج کا اجتماع دیکھا۔ الیکسس کے ساتھیوں نے (جنہوں نے اسے فرار ہونے میں مدد دی تھی) اسے مشورہ دیا۔ "دیکھیے وینس میں دُنیا کے بہترین نائٹ اور فوج جمع ہے۔ یہ فوج سمندر پار جانے کے لیے کمربستہ ہے۔ آپ ان سے فریاد کریں ہمیں یقین ہے کہ وُہ آپ کے والد بزرگوار کی ناحق معزولی کی داستان سُن کر آپ کے حالِ زار پر رحم کریں گے۔ اگر وُہ آپ کی اعانت پر رضامند ہو جائیں تو آپ کو ان کی مرضی کے مطابق چلنا ہو گا۔" الیکسس نے اس مشورے پر صاد کیا۔ اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ بھی۔ اس نے فوج کے سالار مارکوئیس بونی فیس آف مانسریٹ اور دُوسرے سرداروں کی خدمت میں ایلچی روانہ کیے۔

جب ایلچیوں نے ساری روئداد سُنائی تو سردار حیران رہ گئے۔

"ہمیں تمہارے حالات معلوم ہوئے۔ ہم شاہ فلپ اور تمہارے آقا کو مناسب پیغام ارسال کر دیں گے۔ اگر وُہ سرزمینِ مقدّس کے استخلاص میں ہماری امداد[2] کرے تو ہم کھوئی ہوئی

---

[1] لومبارڈی شمالی اٹلی کا صوبہ اور ویرونا اٹلی کا مشہور شہر ہے۔ (مترجم)

[2] نائٹ اور سرداروں نے الیکسس کی کہانی میں خاصی دلچسپی لی۔ انہوں نے اس سے تسخیر یروشلم کے بعد امداد کا وعدہ کیا اور وہ بھی اس شرط پر کہ اگر وہ اس مہم میں پہلے شامل ہو۔ یہ یاد رہے کہ اُمراء بونی فیس کے تابع فرمان نہ تھے۔ کئی اس کے ہم پلّہ اور ہم مرتبہ تھے۔ انہوں نے مہم کے انتظام کے لیے بونی فیس کو مجلس امراء کا سربراہ اور خازنِ عمومی مقرّر کیا تھا۔ سازشیوں کی بھلی پیش کش کا عام پراہیونکو قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ (مصنّف)

سلطنت کی بازیافت میں اس کا ہاتھ بٹائیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسے اور اس کے والد کو سلطنت سے ناحق محروم کیا گیا ہے"۔

چنانچہ انہوں نے شاہ فلپ اور تخت قسطنطنیہ کے جائز وارث کو قاصد بھیجے۔

"مذکورہ بالا واقعات سے پہلے ایک ایسی افسوسناک خبر آئی تھی جس سے امیر اور سپاہی سب افسردہ ہو گئے۔ میسا ئرفوک کا انتقال ہو گیا۔ وہ بڑے نیک بزرگ اور اعلیٰ پائے کے ولی تھے۔ انہی نے سب سے پہلے اس کروسیڈ کی دعوت دی تھی۔

اس واقعہ کے بعد جرمنی سے بہادروں کا نیا دستہ وارد ہوا جس میں بشپ آف ہالبرسٹاٹ کاؤنٹ آف کاٹزن لوبجن اور تھائری آف لوس کے علاوہ کئی جوانمرد شامل تھے۔ اس دستے کی آمد سے زائرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

پھر جہازوں اور کشتیوں پر مختلف امیروں کو مقرر کیا گیا۔ جہازوں میں مال و اسباب، اسلحہ، سامان رسد اور عمدہ گھوڑے لادے گئے۔ پھر سارے نائٹ، سارجنٹ اور سپاہی سوار ہوئے۔ جہازوں کے جنگلوں اور دنبالۂ جہاز تک چاروں طرف ڈھالیں آراستہ نظر آتی تھیں۔ جہازوں پر رنگا رنگ علم لہرا رہے تھے۔ یہ منظر نہایت دل خوش کن تھا۔ یہ یاد رہے کہ تین سو سے زیادہ منجنیقیں اور ہر قسم کے آلات نقب و محاصرہ بھی جہازوں پر لدے ہوئے تھے۔ شاید ہی کبھی اس سے شاندار بیڑا سمندر میں لنگر انداز ہوا ہو۔ یہ بیڑا وینس کی بندرگاہ سے روانہ ہوا"۔

واقعی یہ منظر دل ہار دوں جیسے کہنہ مشق جانباز کی آنکھوں کے لیے سامان مسرت تھا چمکیلی ڈھالوں اور رنگین جھنڈوں سے آراستہ جہاز آہستہ آہستہ ہلکورے لیتے نیلے پانیوں پر پھیل گئے۔ سنگین پشتے پر اہل وینس جہازوں کو الوداع کہنے کے لیے جوق در جوق جمع تھے۔ وہ بڑے جوش سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ بگل کی آواز گونجی، وزنی لنگر اٹھائے گئے۔ چوکور بادبان کھول دیے گئے اور جہاز آہستہ آہستہ سمندر پر رواں ہو گئے۔

بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور سُرخ صلیبی نشان اُبھر کر صاف نظر آنے لگے۔ بگل کی آواز دوبارہ فضا میں مُرتعش ہوئی تو سپاہی ہم آہنگ ہو کر گانے لگے۔ بعض لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

ڈوجے کے سُرخ جہاز کا مُہرہ آہستہ سے مُڑا اور اس نے سمندر کا رُخ کیا۔ پھڑپھڑاتے ہوئے جھنڈوں تلے دُنبالۂ جہاز پر سُرخ ساٹن کے شامیانے میں بُوڑھا ڈوجے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر عزم کی جھلک تھی۔ ایک عظیم الشان بیڑے اور کثیر التعداد فوج کی قیادت اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اب وینس کے بیڑے اور اس کی قسمت کا دارومدار اس پر تھا۔ وہ مشرق کی طرف رواں تھا لیکن اس کی اندھی آنکھیں یروشلم کے بجائے ساحلِ ڈالمیشیا[1] اور قسطنطنیہ کے شہر پر لگی ہوئی تھیں +

---

[1] بحیرہ ایڈریاٹک کا مشرقی ساحل جس پر موجودہ یوگوسلاویہ واقع ہے۔ (مترجم)

۳۳

وِل ہاردون کے مشاہدات

ڈوجے بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے زندگی کی کئی بہاریں دیکھی تھیں۔ اس کی طبیعت میں شاہانہ تمکنت اور تاجرانہ احتیاط تھی۔ وُہ حیلہ سازی اور سازش بازی میں پرلے درجے کا ماہر تھا۔ ذاتی فائدے کے لیے وعدہ شکنی اس کے لیے معمولی بات تھی۔ وہ فرانسیسی صلیبیوں سے حقارت آمیز بے اعتنائی سے پیش آتا۔ اسے ان کی جہالت کا حال خوب معلوم تھا۔ انہیں ان علاقوں سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت کو چھپانے کے بجائے اس پر نازاں تھے۔ چونکہ وہ اس کے مقروض تھے اس لیے وہ اس کے اختیار سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ اس نے تہیّہ کر لیا تھا کہ انہیں قرض کی زیر باری سے سبکدوش کرنے سے پہلے ان سے ہر ممکن کام لے گا۔ اس جہاں دیدہ بوڑھے کا سینہ صلیبی جذبے سے خالی تھا۔ وُہ پکّا دُنیا دار اور صرف وینس کا وفادار تھا۔ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے بھاری داؤ لگانے سے بھی نہ گھبراتا۔ اس کا مقصد کمزور بیزنطینی سلطنت کی براہِ راست بربادی نہ تھا۔ وہ اِس سلطنت کے ملبے پر وینس کی

احکام جاری بھی کر دیئے تو وِنیس والوں کو ان کی خاص پروانہ تھی۔ وِنیس کی کونسل پوپ کی کونسل کی مدِمقابل ہوسکتی تھی۔

بہرکیف کسی نہ کسی طرح سے ڈینڈولو نے زارا تک پہنچنے میں پورا ایک مہینہ صرف کر دیا۔ آخرکار ساحل ڈالمیشیا کے کوہستانی سلسلے میں ایک جگہ شگاف سا نظر آیا جس میں زارا کی قلعہ بند بندرگاہ واقع تھی۔ زارا کی مہم متوقع طور پر بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ البتہ واکس کے کٹر دیندار پادری نے امیروں اور سرداروں کو متنبہ کیا "صاحبو! میں پاپائے روم کی جانب سے آپ کو اس شہر پر حملہ کرنے سے منع کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ عیسائیوں کا شہر ہے۔ عیسائیوں سے لڑائی ہرگز زائرین کا کام نہیں"۔

چند زائروں کو نوابوں کی حرکت سخت ناپسند تھی۔ چنانچہ وہ از راہ ہمدردی محصورین زارا کو تسلی دیتے رہے وہ زارا کی فصیلوں کے پاس کھڑے ہو کر انہیں یقین دلاتے کہ انہیں صلیبی فوج سے حملے کا خدشہ نہیں رکھنا چاہیے لیکن ڈینڈولو نے ان پُرجوش زائروں کی مساعی کا فوراً سدِباب کر دیا۔

اس نے نوابوں کو یاد دلایا "حضرات! آپ نے مجھ سے یہ شہر فتح کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں آپ سے وعدہ وفائی کرنے کی التجا کرتا ہوں"۔

جلد ہی وعدہ پورا ہو گیا۔ جنگی جہاز بندرگاہ کی زنجیر توڑ کر دربار میں گھس گئے۔

(بقیہ حاشیہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۳۵۷) بچوں کو بپتسمہ دلوایا جا سکتا تھا۔ نہ شادیاں ہوسکتی تھیں اور نہ مردوں کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لیے پادری جنازہ پڑھاتے۔ غرضیکہ مذہبی زندگی تعطّل کا شکار ہو جاتی۔ یہ حکم امتناعی اتنی دیر تک نافذ رہتا جب تک کہ خطاکار اپنے گناہوں سے تائب ہو کر معافی نہ مانگ لیں۔ اس کے علاوہ پوپ بے دینی اور کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیا کرتے تھے۔

پاپائیت کا یہ حربہ نہایت مؤثر اور کارگر ثابت ہوتا۔

اُس زمانے میں لوگوں کا انداز فکر مذہبی تھا اس لیے وہ مذہبی تعطّل گوارا نہ کر سکتے اور حکمران پاپائیت سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ (مترجم)

فوج نے آلاتِ محاصرہ نصب کر کے سنگباری شروع کر دی۔ دیواروں کو نقب لگائی گئی۔ پانچ دن کے بعد اہلِ زارا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فاتحین نے انہیں صرف اپنی جانیں لے کر شہر سے نکل جانے کی اجازت دی۔ آدھے شہر پر صلیبیوں کا تصرف ہو گیا اور آدھے شہر پر اہلِ وینس نے قبضہ کر لیا۔

پھر اس نے سرداروں کو سمجھایا "میرے صاحبو سردیاں شروع ہو گئی ہیں۔ یہ طوفانی موسم ہے۔ ہم ایسے میں تک عازمِ سفر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ راستے میں کہیں سے سامانِ رسد دستیاب نہیں ہو گا۔ اگر ہم یہاں مقیم رہیں تو اس شہر سے ہماری ضروریات بخوبی پوری ہو سکتی ہیں"۔

ڈینڈولو کی تجویز بلا اختلاف رائے منظور ہو گئی۔ پھر اس کی توقع کے مطابق صلیبیوں نے از خود پوپ کی خدمت میں وفد ارسال کیا تاکہ اُس پر یہ واضح کر دیا جائے کہ صلیبی مہم ناکام کیوں کی گئی۔ کچھ عرصے کے بعد انوسنٹ کا جواب موصول ہُوا۔ جب انوسنٹ نے ایلچیوں سے یہ سرگذشت سُنی تو وہ سخت برہم ہُوا اور غصّے سے چلایا "سرزمین قدس کی نجات کے بجائے تم لوگ اپنے عیسائی بھائیوں کا خُون بہاتے رہے ہو"۔ لیکن پوپ نے ان پر کوئی تعزیر نہ لگائی البتہ انہیں متحد رہنے اور مقدس صلیبی جنگ کرنے کی پُرزور تاکید کی۔

دُوسرا اہم واقعہ بونی فیس آف مانسریٹ کی آمد تھی۔ جو حالات کا جائزہ لینے اور فلپ آف سوابیا سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے روم میں ٹھیر گیا تھا۔ اس کے بعد ایلچی جرمنی سے

ط ا ابھی بونی فیس روم میں مقیم تھا کہ قیصر الیکسس نے قسطنطنیہ پر مجوزہ فوج کشی کی (جس کی افواہیں اسے پہنچی تھیں) کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے اپنے سفیر پوپ کے دربار میں بھیجے۔ انوسنٹ نے تامل کیا اور اس معاملے پر کارڈینلوں کی کونسل میں بحث کی گئی پھر اس نے نجی طور پر بونی فیس کو متنبہ کیا کہ خبردار یہ مہم قسطنطنیہ نہ جائے لیکن اس کے برعکس اس نے برسرِ عام بیزنطینی سفیروں کو خبردار کیا کہ کلیسائے روم کی اطاعت قبول کرنے کے بعد ہی پوپ اس سلسلے میں کچھ کر سکے گا۔ دیکھیے حاشیہ صفحہ ۳۶۰)

فلپ کی نئی پیشکش لے کر آئے۔ فلپ نے اپنے مراسلے میں صلیبیوں کی توجہ اِس امر کی طرف مبذول کرائی۔ کہ آپ راہِ خدا میں ظُلم اور بے انصافی کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ آپ یہ نہ بھُولیے کہ شہزادہ الیکسس بھی مظلوم اور ستم رسیدہ ہے۔ اور آپ کی حمایت کا مُستحق ہے۔ اور وُہ سرزمین مقدّس کی فتح میں آپ کا معاون و مددگار ہوگا۔ اگر سلطنتِ بیزنطین کا تخت و تاج حاصل کرنے میں آپ اس کی مدد کریں تو وہ بخوشی قسطنطنیہ پر روم کی سیادت کو تسلیم کر لے گا۔ آپ اپنی ساری دولت صرف کر چکے ہیں اِس لیے وہ آپ کو دو لاکھ نقرئی مارک ادا کرنے کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ وُہ آپ کے ساتھ فلسطین جائے گا اور اگر خود شمولیت سے قاصر رہا تو اپنے خرچ پر دس ہزار مسلح سپاہی ایک سال کے لیے اس مقدّس خدمت کے لیے ارسال کرے گا۔ اِس کے علاوہ تاحینِ حیات پانچ سو مسلّح سپاہی مقاماتِ مقدّسہ کی خدمت کے لیے مامور کر دے گا۔

فلپ کے سفیر معاہدہ کرنے کے مجاز و مختار تھے۔ انہوں نے صلیبیوں پر واضح کیا کہ ایسی فیاضانہ پیش کش کبھی نہیں کی گئی اور اِس کو مسترد کرنا ان کی مُردہ دلی کا ثبوت ہوگا۔

فلپ کا خط بڑا پُر فن تھا۔ اس میں ان کی غیرت کو اُبھارا گیا تھا۔ یروشلم کی تسخیر کا وعدہ کیا گیا تھا اور مال و دولت کی فیاضانہ پیش کش کی گئی تھی —— یہ پیش کش ضرورت مند صلیبیوں کو بہت پسند آئی کیونکہ وہ تنگ دستی کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ اِس کے علاوہ اِس میں قسطنطنیہ کو پوپ کی چوکھٹ پر سرنگوں کرنے کے روشن امکانات

(بقیہ حاشیہ کے لئے دیکھیے صفحہ ۳۵۹) اِس معاملے میں مداخلت کر سکتا ہے۔ پوپ الیکسس کے خدشات کا فائدہ اُٹھا کر دونوں کلیساؤں کا جبری اتحاد کرانا چاہتا تھا۔ بہرکیف دانستہ یا نادانستہ طور پر پوپ کے فیصلے سے سازشیوں کے لیے راہ ہموار ہوگئی۔ بونی فیس خوشی خوشی دوڑا اور جا کر صلیبی فوج میں شامل ہوگیا۔ جب ڈینڈولو کو پتا لگا کہ پوپ نے قیصرِ قسطنطنیہ کو صلیبی مہم کی دھمکی دی تھی تو اس نے بھی بلاخوف اپنے ہاتھ دکھانے شروع کر دیے۔ (مصنّف)

مضمر تھے۔

وہ قسطنطنیہ کو شہروں کی ملکہ سمجھتے۔ وہ اِس شہر کی دولت، نادر چیزوں اور بزرگوں کے مقدس تبرکات کے افسانوں سے خوب آشنا تھے۔ وہ سوچتے کہ قیاصرہ کے قدیم مرکز کی فتح واقعی ایک شاندار کارنامہ ہوگا! اور اس سے بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔ وہ سوچتے کہ ہماری کیسی خوش قسمتی ہے۔ ہم اِس مہم کے لیے تیار رہیں۔ مارکوئیس اس کے حق میں ہے۔ ڈوجے اِس کو پسند کرتا ہے اور تمام اہلِ وینس فوج کشی کے لیے کمربستہ ہیں۔

فوجی سرداروں نے اِس مسئلہ پر کونسل میں بڑی سنجیدگی سے بحث کی۔ وِل ہاردوین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کے مختلف پہلوؤں کا بغور جائزہ لیا کیونکہ ان میں اتفاق رائے نہیں تھا۔ واکس کے سخت مزاج راہب نے اپنے گروہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ ہم شام کے سوا کسی اور جگہ جانے کو تیار نہیں لیکن دُوسرے فریق نے جواب دیا۔ "جناب والا۔ آپ شام میں جا کر کچھ نہیں کر سکتے وہ لوگ جو دُوسری بندرگاہوں سے شام گئے تھے۔ وہ بھی کچھ نہیں کر پائے۔ اگر آپ واقعی سرزمین قدس کی نجات چاہتے ہیں تو یہ صرف مصر کی فتح اور یونانی سلطنت کی تسخیر کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اِس پیش کش کو رد کر دیں تو ہمیں سخت بدنامی اُٹھانی پڑے گی۔ لوس کے راہب نے اپنے وعظ میں کہا کہ "واقعی یہ معاہدہ سرزمین قدس کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے"۔

بحث کے بعد عمائدین نے قسطنطنیہ کے حق میں فیصلہ کیا اور کہا کہ قسطنطنیہ پر فوج کشی نہ کرنا ہمارے لیے باعث شرم ہے۔ چنانچہ بونی فیس آف مانسریٹ، بالڈون آف فلانڈرز، کاؤنٹ لوئی اور کاؤنٹ ہیو ڈوجے کے ہاں گئے اور جانے کا حلف اُٹھایا معاہدے پر باقاعدہ مُہر تصدیق ثبت کی گئی اور صرف نصف درجن نامور سرداروں نے دستخط کیے۔

کئی سردار شام جانے پر مصر رہے۔ رینو آف مانٹ مریل نے کاؤنٹ لوئی سے ایک

جہاز مستعار لیا اور چند نائٹوں کے ہمراہ شام چلا گیا۔ کئی آدمی سخت ناراض تھے۔ وُہ تاجروں کے جہازوں میں بیٹھ کر روزانہ چلے جاتے۔ پانچ سَو آدمیوں نے مِل کر ایک جہاز کا انتظام کیا۔ انہیں طُوفان نے آلیا ان کا جہاز غرق ہو گیا۔ اور وُہ سارے کے سارے ڈُوب گئے۔ دُوسرے گروہ نے برّی راستے سے سفر اختیار کیا۔ ان میں سے بیشتر اہلِ ہنگری سے لڑتے بھڑتے مارے گئے۔ اور پس ماندگان نہایت بُری حالت میں زآرا واپس آئے۔

اولوالعزم سائمن آف مانٹفورٹ اور واکس کے پادری نے ہنگری کے بادشاہ سے پروانۂ راہداری حاصل کر کے شام کی راہ لی۔ فوج کا ایک پُورا ڈویژن جانے پر آمادہ ہو گیا مگر انہیں بمشکل اِس وعدے پر روکا گیا کہ فتح قسطنطنیہ کے دو ہفتے بعد سفرِ شام کے لیے جہاز ان کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ اِس اثنا میں شہزادہ الیکسس مختصر سی فوج لے کر آن پہنچا۔ ڈوجے نے اس کا رسمی طور پر استقبال کیا اور اسے متجسّس صلیبیوں کے روبرو پیش کیا گیا۔ ڈینڈولو مزید تاخیر کے حق میں نہ تھا۔ اِس لیے زآرا کی فصیلیں مُنہدم کر دی گئیں۔ جہازوں کو دوبارہ لادا گیا اور جہازوں نے جنوب کا رُخ کیا۔

اہلِ وینس نے ایوانِ مشاورت میں اپنی بات منوا لی تھی۔ اب ان کے منصوبے کی تکمیل میں صرف سمندر اور قسطنطنیہ کی دیواریں حائل تھیں۔

وہ ۱۲۰۳ء کے موسمِ بہار میں عازمِ سفر ہوئے۔ یہ لوگ عجیب قسم کے یارانِ سفر تھے۔ جس طرح روایتی جہاز آرگو[1] میں سب لوگ من مانی کرتے تھے اسی طرح اِس بیڑے کا کوئی متفقہ امیر نہ تھا۔ ان میں صرف یہی قدرِ مشترک تھی کہ وہ اکٹھے مہم پر نکلے تھے۔ ان کی طبائع اور مقاصد میں نمایاں تضاد بھی تھا۔ بونی فیس گویا روائتی ہیرو جیسن کی طرح اِس

[1] اس میں قدیم یونانی داستان کی طرف اشارہ ہے۔ تھیسلی کی حکومت شہزادہ جیسن کے چچا پلیاس نے غصب کر لی تھی۔ اس نے جیسن کو سُنہری اُون لانے کے لیے کہا (سلسلہ کیلئے دیکھیے حاشیہ صفحہ ۳۶۳)

مہم کا ہیرو تھا۔ جیسن کی طرح سنہری اُون دیکھ کر وہ بھی متحیر ہُوا لیکن اس کے تجربہ کار عملی ذہن نے اس کی راہنمائی کی اور ظاہری آب و تاب کے بجائے اس کی توجہ ٹھوس سیاسی مفاد پر مرکوز رہی۔ اندھا ڈینڈولو اپنے شہر کی عظمت کا تانا بانا بُننے میں مصروف تھا۔ اس کے دل میں انتقام کا جذبہ بھی موجزن تھا۔ وہ وینس کی بحری سلطنت کی تعمیر کے لیے ہر جزیرے پر اپنا عَلَم گاڑتا جاتا۔ مگر بیزنطینی شہزادے نے ایسے وعدے کئے تھے جن کو وفا کرنے کی اُس میں مطلق استطاعت نہ تھی لیکن پھر بھی وُہ اِس خیالِ خام میں مُبتلا تھا کہ شاید دُوسروں کے خوابوں کی تعبیر کے ساتھ اسے بھی تاج و تخت مِل جائے۔ صلیبی سردار بے سر و پا وعدوں اور مکّارانہ معاہدوں کے چکّر میں گرفتار ہونے کے باوجود فتح و نُصرت کی اُمیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ وُہ مشرق کے بے تابی سے منتظر تھے —— وہی کُہنہ سرزمین جس کے افسانے موسیقاروں کی تانوں میں گونجتے تھے۔ مجوس کا وطن جو انواع و اقسام کے تحائف لاتے تھے، وُہ خطہ ارضی جہاں رولینڈ، چین خطائی کی تلاش میں سرگرداں رہا تھا ان کی نگاہیں مشرق کے نوادرات و عجائب کی منتظر تھیں۔

جہاز اپنے لمبے چپّوؤں سے سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے کارفو[54] کی بندرگاہ پہنچے۔ انہوں نے

(سلسلہ کے لئے دیکھیے بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۲) جس کی حفاظت پر ایک خوفناک اژدہا مامور تھا۔ جیسن نے نامور بہادر اکٹھے کئے اور آرگو نامی جہاز میں عازم سفر ہُوا۔ بالآخر وہ ایرانی ہیرو رُستم کی طرح سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہُوا اُس مُلک میں جا پہنچا جس کے تصرّف میں سُنہری اُون تھی۔ وہاں کے بادشاہ نے سُنہری اُون اِس شرط پر دینا منظور کی کہ جیسن دو بیلوں کو جوتے جو نتھنوں سے آگ برساتے تھے۔ اس کے بعد کھیت میں اژدہے کے دانت بوئے جن سے یک دم مسلح سپاہی نمودار ہو کر اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ بالآخر جیسن نے شہزادی میڈیا کی مدد سے ان مُشکلات پر قابو پایا۔ پھر وہ اپنی محبوبہ میڈیا کو لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ داستان بہت پُرانی ہے اور ہومر بھی اس سے واقف تھا غالباً اوڈیسیس کے اسفار کا پس منظر بھی داستان تھی۔ (مترجم)

[53] ایک مشہور رزمیہ نظم کا کردار۔ یہ نظم قرونِ وسطیٰ میں بہت مقبول تھی۔ (مترجم)

[54] کارفو کا جزیرہ یونان کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ (مترجم)

تین ہفتے آرام کیا۔ بندرگاہ کے مقابل پہاڑوں پر جنگل اور باغات پھیلے تھے۔ کھیتوں میں سوسن کے سفید پھول کھلے تھے اور سنگترے کے پھولوں کی تیز خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی مختصر قیام کے بعد جہازوں نے لنگر اٹھائے۔ وِل ہاردوون لکھتا ہے "موسم خوشگوار اور آسمان صاف تھا۔ ہوا موافق اور سمندر خاموش تھا۔ ہم نے جہازوں کے بادبان کھول دیئے"۔ جوں جوں دن گزرتے گئے یونان کا ساحلی سمندر گہرا نیلا اور شفاف ہوتا گیا پہاڑیوں کی چوٹیوں پر گرجوں کے گنبد اور انگور کے باغات صاف نظر آتے تھے۔ اینڈروس کے جزیرے پر چند مسلح سوار اترے۔ وہ گرم پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے شہر جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر مقامی یونانی باشندے حیران رہ گئے۔ انہیں شہزادہ الیکسس کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس کارگزاری میں ڈینڈولو کا ہاتھ کارفرما تھا۔

مختلف جزیروں سے گزرتے ہوئے انہوں نے پُرسکون بحیرۂ ایجین کو عبور کیا۔ وہ چاندنی میں جگمگاتے ہوئے ساحلوں پر لنگر انداز ہوتے۔ کچھ آدمی پانی کی تلاش میں خوابیدہ بستیوں کا رُخ کرتے۔ اور جنگی جہاز پُرسکون کھاڑیوں کی نرم سطح پر محوِ خواب نظر آتے۔ اُن دنوں کا واقعہ ہے کہ کوتسی کا قلعہ دار گائی جس نے وینس میں اپنی بیوی کے فراق میں کئی پُرسوز گیت لکھے تھے، مر گیا۔ اس کی لاش کو اس کی ڈھال سے ڈھانپ کر آہستہ سے سمندر کے سپرد کر دیا گیا وہ مر گیا لیکن موسیقاروں کی زبان پر اس کا گیت زندہ رہا۔

خدائے پاک کی قسم!
حرفِ شکایت زبان پر آتا ہے
مجھے اِس جانِ بہار کا قُرب نصیب نہیں
مَیں کیا کروں —— کہاں جاؤں؟

جُون کے مہینے کی شامیں نہایت پُرسکون اور طویل تھیں۔ وسط جُون میں وہ لیمناس[1] کی بھوری پہاڑیوں کے قریب سے گزُرے اور ساحل کا رُخ کیا۔ ایک پتلی سی آبنائے دُور تک چلی گئی تھی جس کے بائیں جانب زمین کا لمبوترا سا ٹکڑا تھا اور دائیں جانب کے پست ساحل کے پیچھے گہرے رنگ کی پہاڑیوں کی قطار نظر آتی تھی۔ جہازوں کے مستولوں پر بحری پرندے چکّر کاٹنے لگے۔ جہازوں کے گزُرنے سے پانی میں تموّج پیدا ہو گیا تھا۔ پرندے پانی کی لہروں پر منڈلانے اور جھپٹنے لگے۔

کئی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ یہ تنگنائے دانیال یا ہیلس پونٹ ہے۔ اس کے دائیں کنارے عہدِ عتیق کا شہر ٹرائے[2] واقع تھا۔ کئی اِس آبنائے کو سینٹ جارج کا بازو کہتے، کیونکہ پادریوں کے خیال کے مطابق اِس جنگجو ولی کا مزار ساحل کے قریب تھا۔ انہوں نے اِس مقام سے نیک شگون لیا۔

وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں اُترے۔ جو مٹی کے ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ مکانوں کے درمیان بڑا گرجا تھا۔ اہلِ قصبہ نے اطاعت قبول کر لی۔ حملہ آوروں نے اِس قصبے کا نام ایوبی رکھا۔ وہ یہاں آٹھ دِن تک دُوسرے جہازوں کے منتظر رہے۔ جب وہ آبنائے سے نکلے اُس وقت تیز ہَوا چل رہی تھی۔ حدِ اُفق تک سطحِ آب پر جہاز ہی جہاز منتشر نظر آتے تھے۔ بحیرۂ مارمورا کو عبور کرتے وقت مطلع ابر آلود ہو چکا تھا۔ بحری بیڑے کو دیکھ کر ماہی گیروں کی کشتیاں خوفزدہ پرندوں کی طرح بھاگنے لگیں۔ پست مشرقی ساحل دُھند میں ڈُوبا ہُوا تھا۔ البتہ کہیں کہیں مرمر کی سفید چمک دکھائی دے جاتی۔

---

[1] یُونان کا ایک جزیرہ۔ (مترجم)

[2] ہومر کی مشہور رزمیہ نظم اِس شہر سے متعلق۔ ہیلن اِس شہر کی بے مثال حسینہ تھی۔ بالآخر حملہ آور چوبی گھوڑے کے شکم میں بیٹھ کر اس میں داخل ہوئے اور اسے برباد کر دیا۔

دِل ہاردوِن رقمطراز ہے "جہاز اور جنگی کشتیاں قسطنطنیہ کے سامنے پہنچیں تو وہ بہت دیر تک اِس شاندار شہر کو دیکھتے رہے۔ حیرت سے ان کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ جب انہوں نے اس کی بلند فصیلیں، مضبوط بُرج، مرمریں محل اور پُر شکوہ گرجے دیکھے تو انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ واقعی دُنیا میں ایسا عظیم الشان شہر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ شہر اتنا طویل و عریض تھا کہ دُنیا بھر میں اِس کی مثال نہیں تھی۔ اِس حیرت آفریں منظر کو دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ یہ تعجب کی بات نہیں کیونکہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی نے ایسی مشکل مہم کی جُرأت نہیں کی تھی"۔

۳۴

سمندر کی فصیل

بلاشُبہ یہ بہت معرکہ آرا مہم تھی۔ انہوں نے شہر کے اِرد گرد کشتیوں میں چکّر لگائے تو ان کے دلوں پر اس پُر وقار قلعہ کی عظمت و ہیبت کے نقوش گہرے ہوتے گئے اور وُہ سوچنے لگے کہ ان سنگین دیواروں سے عرب، ہُن اور بلغاروی حملہ آور بڑی بڑی فوجیں لے کر ٹکرائے اور پاش پاش ہو گئے۔ گزشتہ آٹھ سَو سال سے کوئی غنیم اس آہنی حصار میں داخل نہیں ہو سکا۔ اِس شہر کی عظمت سے ان کے دلوں پر کچھ ایسی ہیبت سی طاری ہو گئی کہ وہ متحیّر و خائف نگاہوں سے اس کی بلند دیواروں اور مضبوط بُرجوں کا جائزہ لیتے۔ یہ شہر اس مقام پر تعمیر کیا گیا تھا جہاں بحیرۂ مارمورا گھٹ کر تنگنائے باسفورس میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں ایک وسیع سنگلاخ مثلث پر یہ شہر ایستادہ تھا۔ مثلث کی ایک نوک ذرا شکستہ تھی۔ اِس طرف محلات کے رنگین باغات کے اوپر سینٹ صوفیہ کے گرجے کے پُر شکوہ گنبد نظر آتے تھے مثلث کی دائیں جانب شہر پناہ سمندر کے مقابل تھی۔ جہاں سمندر کی لہریں سیاہ چٹانوں سے پیہم ٹکراتی رہتیں۔ بائیں جانب شہر پناہ گولڈن ہارن کے کونے کی

طرف مڑ گئی تھی۔ گولڈن ہارن ایک پانی کی طویل کھاڑی تھی جس پر بندرگاہ واقع تھی۔ اِس مثلث کا قاعدہ خشکی سے متصل تھا۔ یہاں ایک گہری خندق کھودی گئی تھی جس سے آمدورفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ اِس جگہ دوہری فصیل تھی۔ اندرونی فصیل کے مضبوط برجوں سے بیرونی دیوار کی مدافعت کی جاسکتی تھی۔ برج سطح زمین سے چالیس فٹ اونچے تھے۔ برجوں کے چاروں طرف تیراندازوں کے لیے رندے بنے ہوئے تھے۔ صلیبیوں نے سنا تھا کہ ان برجوں پر آتش بار آلات نصب ہیں جن سے محاصرین پر یونانی آگ برسائی جاسکتی ہے۔ گولڈن ہارن کے دہانے پر دونوں جانب برج تھے۔ جن سے ایک بھاری زنجیر لٹکی ہوئی تھی۔ اِس بھاری زنجیر سے گولڈن ہارن کا تنگ دہانہ مسدود کر دیا گیا تھا۔ اِس زنجیر کے پیچھے بیزنطینیوں کے جنگی اور تجارتی جہاز کھڑے تھے۔

گولڈن ہارن کے دوسرے کنارے پر ایک عمودی چڑھائی پر گلسطیہ کا مضافاتی شہر آباد تھا۔ جس کا گول مینار بہت نمایاں تھا۔

ڈینڈولو اور وینیسی ملاح اِس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھے۔ ڈوجے نے نائٹوں اور سرداروں کو بہت مفید مشورہ دیا۔ اس نے انہیں قسطنطنیہ کے مقابل باسفورس کے علاقے میں پڑاؤ ڈالنے کی صلاح دی تاکہ کچھ دیر فوجوں کو آرام مل سکے اور نواحی علاقے پر دھاوا کر کے سامانِ رسد جمع کیا جاسکے۔ قیصر نے اپنی فوجیں شہر میں جمع کر رکھی تھیں اِس لیے باسفورس کے علاقے میں پڑاؤ ڈالنے سے بیزنطینی افواج سے بھی تعرض کا خدشہ نہ تھا۔ یہ تجویز نہایت معقول اور کارگر ثابت ہوئی۔ صلیبی لشکر نے چالسڈونی اور سکوطری کی مضافاتی بستیوں پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ انہوں نے بیزنطینیوں کے چھوڑے ہوئے محلات میں ڈیرے جما لیے۔ وہ ان عمارات کی شان و شکوہ سے حیران رہ گئے۔ وہ نواحی علاقے کی پکی ہوئی فصلیں سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اکثر وہ بلندیوں پر کھڑے ہو کر قسطنطنیہ کے چمکتے ہوئے گنبدوں، اونچے میناروں اور مقدس مقامات کا

جائزہ لیتے رہتے۔ قسطنطنیہ صرف ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔
چند روز کے بعد قیصر کا سفیر آیا۔ جس نے یہ پیشکش کی کہ "اگر آپ یہاں سے چلے جائیں تو سونے کا بھرپور خزانہ آپ کو دیا جائے گا"۔
کنون ڈی بیتھون نے سفیر کو جواب باصواب دیا۔
"جناب آپ نے کہا ہے کہ آپ کے آقا حیران ہیں کہ ہمارے نائٹ اور سردار اس کے علاقے میں کیوں وارد ہوئے ہیں؟ ہم اس کی سلطنت میں داخل نہیں ہوئے۔ دراصل یہ سلطنت اس کی نہیں۔ اس نے خدا اور حقوقِ انسانی کے خلاف غدّاری اور سیاہ کاری سے سلطنت غصب کر لی ہے۔ یہ سلطنت اس کے بھتیجے یعنی قیصر آئزک کے بیٹے کی ہے اور وُہ ہمارے ساتھ ہے۔ البتّہ اگر تمہارا آقا خود کو اپنے بھتیجے کے رحم و کرم کے سپرد کرنا چاہتا ہے تو اسے تاج و تخت اور سلطنت سے فوراً دستکش ہو جانا چاہیے۔ ہم اس کے لیے مُعافی کی سفارش کریں گے۔ اور اگر آپ اپنے آقا کو اطاعت پر آمادہ نہیں کر سکتے تو ہمیں دوبارہ شکل نہ دکھائیے"۔
سفیر دوبارہ نہ آیا اور سردار لڑائی کے لیے تیار ہونے لگے۔ بالڈون اور اس کا جواں سال بھائی ہنری آزمودہ کار سپاہی تھے۔ وہ بخوبی فوج کی قیادت کر سکتے تھے انہوں نے فوج کو "جنگی دستوں" میں تقسیم کر دیا۔ مقدمۃ الجیش کی قیادت انہوں نے خود سنبھال لی۔ بونی فیس کو ساقہ کا سردار مقرّر کیا گیا۔ اس کے ماتحت، برگنڈی، لومبارڈی اور جرمنی کے جانباز دستے تھے۔
ڈینڈولو نے جنگ کے معاملے میں کوئی مداخلت نہ کی کیونکہ سردار برّی جنگ کے بڑے ماہر تھے۔ اس نے اُن کی ہر ممکن مدد کی۔ بہرکیف وینس والوں نے انہیں بحری فصیل پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا اور یہ سمجھایا کہ اگر خُشکی کی طرف سے حملہ کیا گیا تو صلیبی فوجوں کی تعداد کھُلے علاقے میں یُونانی فوجوں کو روکنے کے لیے ناکافی ہو گی۔

سرداروں نے جواب دیا کہ یہ تجویز معقول ہے لیکن ہمیں عرشۂ جہاز سے لڑنے کا کوئی تجربہ نہیں۔ ہم خشکی پر گھوڑے دَوڑانے کے خُوگر ہیں اور اپنے طریقے کے مطابق خشکی کی جنگ لڑیں گے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اہل وِنیس بحری فصیل پر اور صلیبی فوج خُشکی والی دیوار پر حملہ کریں ؛

حملے کا دِن مقرر تھا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد سردار گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے اپنے لشکروں کو روانہ ہوئے۔ سپاہی پادریوں کے رُوبرو اپنے گُناہوں کا اعتراف کرنے اور انہیں اپنی وصیّتیں بتانے لگے۔ وُہ قطار در قطار سپاہیوں سے گزرتے گئے اور سپاہی بخوشی اِس فرض سے سبکدوش ہوئے۔ صُبح بڑی حسین تھی۔ آسمان صاف تھا اور نرم ہوا چل رہی تھی۔ نائٹ اور دیگر سردار اپنے اپنے گھوڑوں کو لے کر چھوٹی کشتیوں تک پہنچے جوان کی مُنتظر تھیں۔ سب نے زِرہیں پہن رکھی تھیں۔ خودوں کے تسمے بند تھے۔ گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی تھیں اور ان پر دبیز چمڑے اور لوہے کی جالی کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ سپاہی ڈھالیں کندھوں پر لٹکائے قطار در قطار باربردار کشتیوں میں سوار ہونے لگے۔ پھر ملّاح چپّوؤں والی جنگی کشتیاں لے آئے۔ وُہ انہیں کھے کر بڑے جہازوں تک لے گئے تاکہ آبنائے کو جلد عبور کیا جا سکے۔ شہزادہ ایلکسس اپنے امیروں سمیت آیا۔ اس نے سرداروں کو سلام کیا اور جہاز پر سوار ہو گیا۔ اِدھر بگل کی صدا بلند ہوئی جس کے جواب میں ساحل سے بھی بگل بجنے کی آواز سُنائی دی اور جنگی بیڑا تنگنائے آب میں داخل ہو گیا ؛

بیڑے نے قسطنطنیہ کا رُخ کرنے کی بجائے گلیطہ کے ساحل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ یہاں بیزنطینی فوج کا ایک ڈویژن بڑا ڈالے ہوئے تھا۔ جنگی جہاز سیدھا سنگین پشتوں اور بجریلی کھاڑی کی طرف بڑھے۔ نائٹ کشتیوں سے پانی میں کُودے اور یُونانیوں کے سنناتے ہوئے تیروں کی بوچھاڑ کے باوجود کنارے تک پہنچ گئے۔

کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ تیراندازوں کے پیچھے پیچھے سارجنٹ اور سپاہی تھے۔ یونانیوں پر جوابی تیراندازی کے دوران میں وہ نیزے تانے آگے بڑھے۔ یونانی فوج گولڈن ہارن کی طرف پیچھے ہٹ گئی۔ صلیبیوں نے یونانیوں کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا اور چند ایک گلیطہ کا بُرج دیکھنے چلے گئے۔

صلیبیوں نے جلد بازی نہ کی۔ ساری فوج تنگنائے عبور کر کے گلیطہ کے ساحل پر پہنچ گئی انہوں نے یہودیوں کے چھوڑے ہوئے گوداموں میں ڈیرے ڈال دیئے۔ دُوسرے دن صبح کے وقت قلعۂ گلیطہ کی یونانی فوج نے حملہ کیا۔ صلیبی فوج اس حملہ کے لیے تیار تھی۔ صلیبی نائٹوں اور مسلّح سپاہیوں کی پیشہ ور یونانی سپاہیوں سے دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ انہوں نے یونانیوں کے چھکّے چھڑا دیئے۔ یونانی سپاہی بندرگاہ کی طرف بھاگے لیکن چند نائٹوں نے اتنی تیزی سے اُن کا تعاقب کیا کہ ان کے ہمراہ بُرج میں داخل ہوگئے۔ اس طرح صلیبیوں نے پہاڑی اور قلعۂ گلیطہ پر قبضہ کر لیا ؛

اِس اثناء میں وینس والوں نے بندرگاہ پر حملہ کیا۔ آہنی زنجیر پر ضرب لگانے کے لیے جنگی جہاز قطار اندر قطار آگے بڑھے۔ ایک جہاز کے دہانے پر فولاد کی مضبوط چونچ نصب تھی جس کی ضربوں سے تنی ہوئی زنجیر ٹوٹ گئی۔ جنگی جہاز تیزی سے بندرگاہ میں داخل ہوئے اور گولڈن ہارن میں کھڑے بیزنطینی جہازوں کو تباہ و برباد کر کے اس خطّہ آب پر قبضہ کر لیا ؛

چار دن تک نائٹ اپنے نئے مورچوں کو مستحکم کرنے میں مصروف رہے۔ وہ ان پلوں کی مرمّت کرتے رہے جو یونانیوں نے پسپائی کے وقت توڑ دیے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سامانِ رسد بھی فراہم کیا۔ پانچویں دِن صلیبی فوجوں نے پھر حرکت کی۔ وہ گولڈن ہارن کے موڑ سے قسطنطنیہ کی خشکی والی فصیل کی طرف بڑھے۔ وہ کنارِ آب کے ساتھ ساتھ رہے تاکہ ان کے بائیں بازو کو جنگی جہازوں سے تقویت رہے۔ بالڈون اپنے نائٹوں کے

ہمراہ ٹیلے پر چڑھا جس پر ایک پرانی خانقاہ تھی۔ انہوں نے اس کونے کا بغور جائزہ لیا۔ جہاں خشکی کی دیوار بحری فصیل سے ملتی تھی۔ گول برجوں کے پیچھے سے محل کے قطار در قطار چبوترے، چمکتی چھتیں اور وسیع باغات نظر آ رہے تھے۔ یہ بلاشرنے کا محل تھا جو قیصر کی قیامگاہ تھا۔

اِدھر جفاکش ملاح جہازوں سے آلات محاصرہ اُتارنے لگے۔ اُدھر سپاہی اپنے نئے پڑاؤ کے گرد خندق کھود کر جنگلہ لگانے لگے تاکہ بیزنطینیوں کی یورش کو روکا جا سکے۔ جو خشکی والی فصیل کے دروازوں سے نکل کر آزادانہ دھاوا کر سکتے تھے۔ صلیبیوں نے اس شہر کی عظیم الشان مثلث کے صرف ایک کونے پر اپنی فوجیں مرکوز کر دیں۔ وہ اپنی قوت کو منتشر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ شہر کی آبادی محاصرین سے بارہ[12] گنا زیادہ تھی، یعنی کہ ایک سپاہی کے مقابلے میں مختلف قسم کے بارہ[12] شہری تھے۔ بیزنطینی فوج پیشہ ور سپاہیوں پر مشتمل تھی جن میں مشہور ورانگین دستے کے نارزمین[15] کے علاوہ صلاف، سیکسن اور ترک سپاہی بھی شریک تھے۔ یہ سپاہی بڑے جوانمرد اور وفادار تھے لیکن ان سے کام لینے کے لیے اعلیٰ عسکری قیادت کی ضرورت تھی۔ بیزنطینی رسالہ جاگیرداروں اور امیروں پر مشتمل تھا۔ شہریوں کا مسلح ہجوم فصیل کی حفاظت پر متعین تھا۔ بیزنطینی فوج کی حقیقی طاقت کا انحصار پیشہ ور سپاہیوں پر تھا۔ کیونکہ صرف وہی یورپ کے مسلح شمشیر بازوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

اس دوران میں ہوشیار وینسیوں نے بحری فصیل پر حملے کے لیے اپنے جہاز تیار کر لیے تھے۔ انہوں نے جنگی جہازوں کے بلند دہانوں اور عقبی عرشوں پر آلات محاصرہ نصب کر دیے تھے۔ مستولوں کی چوٹیوں کے ساتھ معلق پل لگا دیے تھے۔ چوبی تختوں کے یہ پل

---

[15] نارزمین (NORSEMEN) یعنی اہل شمال۔ اس سے جزیرہ نمائے سکینڈے نیویا اور جزیرہ بالٹک کے نواحی علاقے کے جنگجو اور تند خو سپاہی مراد ہیں۔ ان لوگوں نے سمندر میں بھی بڑا نام پیدا کیا تھا۔ (مترجم)

چرخیوں کی مدد سے چلتے تھے اور یہ رسّوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے تاکہ ملاح عرشہ جہاز پر کھڑے ہو کر انہیں حسبِ ضرورت جھکا سکیں۔ ڈینڈولو کا منصوبہ یہ تھا کہ جنگی جہازوں کو فصیل کے بُرجوں کے عین مقابل لا کر کھڑا کر دیا جائے تاکہ معلّق پُلوں کے سِروں کو بُرجوں کی چوٹیوں پر ٹکا کر گذرگاہ بنائی جا سکے۔ پھر حملہ آور سپاہی اپنی فوج کی مدافعتی تیراندازی اور سنگ باری کی اوٹ میں بُرجوں پر قبضہ کر لیں۔ اِن تیاریوں میں دس دِن گذر گئے۔ ۱۷ جولائی کو بگل کے ذریعے دوبارہ حملے کا حکم دیا گیا۔ اب حملے کی تفصیلات وِل ہاردوِن کی زبانی سُنیئے:-

"کاؤنٹ بالڈوِن آف فلانڈرز کی سرکردگی میں چار لشکروں نے پیش قدمی شروع کی۔ سمندر سے متصل بیرونی فصیل[1] پر انگریزوں اور ڈنمارک کے سپاہیوں نے ہلّہ بول دیا۔ انہوں نے فصیل سے دو سیڑھیاں لگا دیں۔ یہ حملہ شدید اور تند و تیز تھا۔ چند نائٹ اور سارجنٹ ہمّت کر کے فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ پندرہ بہادر شانہ بشانہ کھڑے ہو کر تلوار اور تبر کے جوہر دکھانے لگے۔ پھر محصورین ان پر پل پڑے اور ایک ہی وحشیانہ ہلّے میں انہیں دیوار سے نیچے دھکیل دیا اور دو کو قیدی بنا لیا۔ اسی طرح فرانسیسیوں کی یورش بھی ناکام رہی اور ان کے کئی آدمی مقتول اور زخمی ہوئے۔ نائٹ غصّے سے بپھرے ہوئے تھے۔

"دوسری طرف ڈوجے مصروفِ پیکار تھا۔ اس نے جنگی جہازوں اور کشتیوں کو قطار میں آراستہ کیا جس کا طُول تین تیروں کی اُڑان تھا۔ جہاز اِس ساحل کے قریب پہنچے جو فصیل اور بُرجوں تلے پھیلا ہوا تھا۔ جہازوں پر نصب شدہ منجنیقوں نے سنگباری شروع کر دی، گز دار کمانیں گز برسانے لگیں اور تیراندازِ تیروں کی بوچھاڑ

---

[1] یہ فصیل بندرگاہ کی جانب واقع تھی اور لبِ ساحل سے پیچھے ہٹ کر تعمیر کی گئی تھی۔ کھلی جگہ پر جہازوں کی گودیاں اور کنارِ آب تک جانے کے لیے زینے بنے ہوئے تھے۔ (مصنّف)

کرنے لگے محصورین نے بڑی بے جگری سے مدافعت کی۔ جہازوں سے معلق سیڑھیاں دیواروں سے ٹکراتیں تو محصورین انہیں تلوار اور نیزوں سے کاٹ کاٹ کر نیچے گراتے جاتے۔ بحر و بر پر قتل و خون کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جنگی کشتیوں کو ساحل پر لنگر انداز ہونے کی جرأت نہ ہوئی ؏

اب شجاعت کا ایک نادر واقعہ سُنیے۔ ڈوجے بوڑھا اور تقریباً اندھا تھا۔ وہ اپنے عرشہ جہاز پر مسلح ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے حُکم دیا کہ میرے سامنے سینٹ مارک کا نشان لہرایا جائے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو للکار کر کہا کہ "جہاز کو کنارے پر لگاؤ ورنہ میں تمہارے خُون سے بدلہ لوں گا" ؏

انہوں نے حُکم کی تعمیل کی۔ جہاز ساحل سے لگتے ہی سپاہی باہر کود ے ڈوجے کے پیش پیش سینٹ مارک کا نشان تھا۔ جب اہل وینس نے اپنے بوڑھے سردار کے جہاز کو سب سے پہلے ساحل پر پہنچتے دیکھا اور انہیں سینٹ مارک کا نشان ریت پر لہراتا نظر آیا۔ تو انہیں شرم آگئی۔ ان کی غیرت نے جوش مارا اور وہ ساحل پر ٹوٹ پڑے۔ کھُلے بجروں میں سوار سپاہی کُود کُود کر پُشتے پر چڑھنے لگے۔ بڑے جہازوں پر تیزی سے اُترے اور لپک کر چھوٹی چھوٹی ناوؤں میں سوار ہو گئے۔ بجروں اور جہازوں کے سپاہیوں میں مسابقت ہونے لگی ؏

پھر وہ شاندار حملہ شروع ہُوا جس کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی۔ یکدم سینٹ مارک کا نشان ایک بلند بُرج پر لہرانے لگا۔ فصیل پر چڑھ کر نشان نصب کرنے والے بہادر کا نام کسی کو معلوم نہیں۔ یہ معجزے سے کم نہ تھا۔ مدافعین فصیل سے بھاگ گئے اور حملہ آور بڑی تیزی سے داخل ہو گئے۔ حملہ آور باہمی مسابقت کے جذبہ کے تحت بڑے جوش و خروش سے مصروف پیکار تھے۔ انہوں نے پچیس[1] بُرج فتح کر کے ان میں اپنے

---

[1] دو بُرجوں کا درمیانی فاصلہ ایک تیر کی پرواز کے برابر تھا۔ اِس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل وینس نے فصیل کے ایک میل لمبے حصّے پر قبضہ کر لیا تھا۔ (مصنّف)

سپاہی تعینات کر دیے۔ پھر ڈوجے کھلی کشتی میں سوار ہو کر بڑھا۔ اس نے نائٹوں کو پیغام بھیجا کہ ہم نے پچیس[25] بُرج فتح کر لیے ہیں۔ یہ خبر سُن کر نائٹ اس قدر متحیر[26] اور مسرور ہوئے کہ کچھ دیر تو انہیں اس خبر کی صداقت پر یقین نہ آیا۔

"جب قیصر الیکسس نے دیکھا کہ دُشمن شہر میں داخل ہو گیا ہے تو اس نے بے شمار سپاہ لڑائی میں جھونک دی اور صلیبیوں کے لیے مزاحمت مُشکل ہو گئی۔ چنانچہ صلیبیوں نے اپنے اور یُونانی فوج کے درمیان آگ لگا دی۔ ہوا کا رُخ یُونانیوں کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر میں آگ نے گرد و نواح کے سب مکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دھوئیں کے بادل پھیل گئے اور ہماری فوج یُونانیوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ مجبوراً یُونانیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ پھر قیصر الیکسس کثیر جمعیت کے ساتھ شہر کے دُوسرے دروازوں سے اچانک برآمد ہُوا۔ یہ دروازے ہمارے پڑاؤ سے ایک کوس دُور تھے اس نے کھُلے میدان میں اپنی فوج کو ترتیب دیا اور انہوں نے بڑی تیزی سے ہمارے پڑاؤ پر دھاوا بول دیا جب ہمارے فرانسیسی سپاہیوں نے انہیں آتے دیکھا تو لپک کر ہتھیار سنبھال لیے اور ہر طرف کھلبلی سی مچ گئی۔ اس وقت کاؤنٹ بالڈون آف فلانڈرز قصرِ بلاشرنے کے قریب فصیل کے سامنے آلاتِ محاصرہ کی حفاظت کر رہا تھا۔

"ہمارے چھ[27] لشکر جلدی سے پڑاؤ کے جنگلے کے باہر صف آرا ہو گئے۔ ان کے پیچھے سارجنٹ اور پیادہ فوج آراستہ ہو گئی۔ اس کے عقب میں تیر انداز اور گرزدار کمانوں والے کمر بستہ کھڑے تھے۔ وہ جنگلے کے سامنے دُشمن کے منتظر رہے۔ یہ بڑی دانش مندانہ تدبیر تھی۔ اگر وہ دھاوا کر کے کھُلے میدان میں چلے جاتے تو یقیناً[28] دشمن کی کثیر تعداد سے مات کھا جاتے ہمارے چھ لشکروں کی دُشمن کے چالیس لشکروں سے کوئی نسبت نہ تھی۔

"قیصر الیکسس پیش قدمی کرتے ہوئے تیر اندازوں کی زد میں آ گیا۔ فریقین کے

تیر انداز تیزی سے تیر چلانے لگے۔ جب ڈیجے کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے مفتوحہ برجوں سے اپنے سپاہیوں کو نکالا اور پڑاؤ کا رُخ کیا۔ وُہ سب سے پہلے ساحل پر اُترا اور اپنے لشکر کی قیادت کرتا ہُوا پہنچ گیا۔

یُونانیوں کو ہماری فوج پر حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوئی اور ہماری فوج اپنے مورچوں سے نکل کر لڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ جب قیصر الیکسس نے یہ صورت حال دیکھی تو مجبوراً اپنی فوج سمیت پسپا ہو گیا۔ ادھر ہماری فوج پیادہ رفتار سے آگے بڑھی۔ اس اثناء میں یونانی فصیل کے اندر داخل ہو چکے تھے۔

اس دن جنگ کی یہ صورت رہی۔ خُدا کی مرضی تھی کہ اور کچھ نہ ہو۔ قیصر الیکسس اپنے محل میں واپس چلا گیا اور ہمارے سپاہیوں نے بھی پڑاؤ میں آکر اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ وہ تھکے ہوئے تھے۔ کھانے کی قلّت تھی۔ انہیں تھوڑا بہت جو کچھ ملا وہی کھا کر سو گئے۔

دُوسرے دن محاصرہ جاری رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی کیونکہ راتوں رات غاصب شاہ الیکسس نے ایک ہزار طلائی مُہریں اپنی کمر میں باندھیں اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر محل سے فرار ہو گیا۔ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہُوا اور بحیرۂ مارمورا کو عبور کر کے چلا گیا۔ وُہ اپنی بیوی اور اہل وعیال کو لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ گیا۔

اس کے بعد یہ قدرتی بات تھی کہ یُونانی امراء اندھے قیصر آئزک کو رہا کرتے تاکہ رسمی طور پر کوئی سلطنت کا سربراہ ہو اور صلیبیوں سے بنائے جنگ بھی دُور ہو جائے۔ اسے بڑے تزک و احتشام سے قصرِ بلاشرنے میں لایا گیا۔ شہزادہ الیکسس کو قاصد بھیجے گئے کہ وہ آکر اپنے معذور باپ کے پہلو میں بیٹھے اور اپنا منصب سنبھالے۔

صلیبی سردار اس اچانک تغیر پر حیران رہ گئے۔ انہیں یُونانیوں پر اعتماد نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے قیصر آئزک کو معاہدہ کی شرائط یاد دلانے کے لیے ایلچی روانہ کیے۔

یعنی قسطنطنیہ کلیسائے روم کے زیر نگیں ہوگا، صلیبیوں کو دو لاکھ نقرئی مارک ادا کیے جائیں گے اور دس ہزار بیزنطینی سپاہیوں کو ان کے ہمراہ سرزمین قدس بھیجا جائے گا۔ بچارے نوجوان آئزک کو ان شرائط کا قطعاً علم نہ تھا۔ وہ سخت پریشان ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ شرائط بہت گراں ہیں۔ بہرکیف میں انہیں پورا کروں گا۔

صلیبی فوج خوش تھی کہ بالآخر یروشلم کی راہ تو صاف ہوگئی۔ قسطنطنیہ کا جھگڑا بھی ختم ہوا۔ اب سفر کے لیے موسم بھی سازگار ہے اور خدا کو منظور ہوا تو ایک مہینے بعد ہم ساحل عکہ پر لنگر انداز ہو جائیں گے۔ کچھ صلیبی دستے شہزادہ الیکسس کو پہنچانے قسطنطنیہ گئے۔ شہزادے نے صلیبیوں اور بیزنطینیوں کے درمیان دنگا فساد کے خطرے کے پیش نظر انہیں گلیطہ واپس جانے کا حکم دیا۔ اور وہ بخوشی لوٹ آئے۔

پھر الیکسس کی رسم تاجپوشی اور مطلوبہ رقم کے نصف یعنی ایک لاکھ نقرئی مارک کی ادائی کی تاریخ مقرر کی گئی۔ حسب وعدہ الیکسس نے یہ رقم ادا کر دی۔ معاہدے کے مطابق اس کی آدھی رقم اہل وینس کے حوالے کر دی گئی۔ فرانسیسی امیروں نے اہل وینس کو ۳۴ ہزار مارک علیحدہ ادا کیے۔ کیونکہ جہازوں کے کرایہ کا بقایا ابھی تک ان کے ذمے تھا۔[۵۱]

---

۵۱ اہل وینس کی کامیاب منافع خوری غور طلب ہے۔ اِس وقت تک وہ صلیبیوں سے شام تک کے کرائے کی پوری رقم یعنی پچاسی ہزار نقرئی مارک ہتھیا چکے تھے۔ وہ پچاس ہزار نقرئی مارک بیزنطینیوں سے بھی بطور خراج وصول کر چکے تھے۔ اِس کے علاوہ زارا اور کئی جزائر ان کے قبضے میں آ چکے تھے۔ اس کے باوجود صلیبی فوجیں اپنی آدھی منزل بھی طے نہیں کر پائی تھیں اور اہل وینس کا انہیں شام لے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ ڈینڈولو کو معاہدوں کی خلاف ورزی کا مجرم بھی نہیں گردان سکتے تھے۔ اس نے صرف انہیں سمندر پار لے جانے کا وعدہ کیا تھا اور اس شرط کی تکمیل اس نے کر دکھائی تھی۔ اس نے بقایا رقم کی ادائی میں مہلت کے عوض زارا طلب کیا اور انہیں مہلت بخش دی تھی۔ (مصنف)

وہ بے تابی سے روانگی کے منتظر تھے لیکن ایلکسس کی وجہ سے ان کی روانگی پھر معرض التوا میں پڑ گئی۔ اس نے صلیبی کیمپ میں آ کر مہلت طلب کی اور ان سے مزید توقف کی درخواست کی "ساری سلطنت میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے۔ غاصب ایڈریانوپل میں ڈٹ گیا ہے اور میرے پاس بقایا رقم جمع کرنے کے وسائل مفقود ہیں۔ اگر آپ لوگ چلے گئے تو مجھے خانہ جنگی سے دوچار ہونا پڑ جائے گا"۔

دراصل بیزنطینی شہزادے کی التجا کے پیچھے ڈینڈولو کا مضبوط ارادہ کارفرما تھا۔ ڈوجے اپنا بیڑا یروشلم نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ وہ بیزنطینی سلطنت میں گہرے سیاسی نفوذ کا متمنی تھا۔ وہ اپنے اقتدار کی توسیع کا خواہاں تھا۔ اس وقت فریقین کے دلوں میں شکوک و شبہات جاگزیں ہو گئے تھے۔ ڈوجے نے بے اعتمادی کی اس شک آفریں فضا سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے صلیبیوں کو یاد دلایا کہ ہمارے باہمی معاہدے کی میعاد ستمبر کے آخر میں ختم ہونے والی ہے۔ اب جولائی کا مہینہ ہے۔ دو مہینوں میں سرزمینِ قدس میں کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر آپ موسم بہار تک قسطنطنیہ میں ٹھہریں تو اس سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ ایلکسس کی حکومت مستحکم ہو جائے گی اور ہم اس سے بقایا رقم وصول کر کے آغاز گرما ہی میں شام پہنچ جائیں گے۔ ہمیں اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔ اگر آپ کو یہ شرائط منظور ہوں تو میں مزید ایک سال کے لیے بیڑا آپ کی خدمت کے لیے وقف کر سکتا ہوں۔

سردار اس حیلہ گری سے بوکھلا گئے۔ اب ڈوجے نے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ واقعی یہ درست ہے کہ انھوں نے سینٹ مائیکل کے تہوار تک بحری بیڑا کرائے پر لیا تھا۔ اور دو مہینے میں معاہدے کی میعاد ختم ہونے والی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے شہزادہ ایلکسس کو تخت نشین کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس کی ساری سلطنت فتح کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لیا تھا۔ وہ غصے سے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہے لیکن اس کا

اظہار نہ کر سکے۔ مارکوئیس بونی فیس کو اس سازش کا حال معلوم تھا جس سے ان کی قوتِ عمل معطل ہو چکی تھی لیکن وہ خاموش رہا۔ وہ اپنا کھیل کھیلنے میں مشغول تھا۔

سرداروں نے اس معاملے پر خلوت میں بحث کی۔ انہیں یہ احساس ہو گیا کہ ہم قوسِ قزح کے غیر مرئی رنگوں میں جادو کے خزانے کی تلاش میں بے کار سرگرداں ہیں ـــــ لیکن پھر بھی قسطنطنیہ کے زر و جواہر کی چکا چوند سے کئی آنکھیں ایسی خیرہ ہوئیں کہ وہ حقیقت شناسی سے قاصر رہیں۔ البتہ چند اولوالعزم جلد سے جلد یروشلم پہنچنے کے حق میں تھے اور مُصر تھے کہ جہاز فوراً روانہ ہوں۔

وِل ہارڈ وِن لکھتا ہے کہ بالآخر یہ قضیہ یُوں طے پایا: "اہلِ وینس نے سینٹ مائیکل کے تہوار سے مزید ایک سال تک بحری بیڑا یہاں ٹھہرانے کا حلف اُٹھایا۔ الیکسس نے ان کی ہر ممکن امداد کی سوگندی، اور صلیبیوں نے مزید ایک سال توقف کرنے اور اس کی حمایت کرنے کی قسم کھائی"۔

اب ڈینڈولو مزے سے حالات کا انتظار کر سکتا تھا۔ اس کی نظر انجام پر تھی۔ جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ صلیبی سردار قیصر کے لیے شمالی علاقوں کو زیر نگیں کرنے گئے ہوئے تھے۔ ان کی غیر حاضری میں قسطنطنیہ میں بلوہ ہو گیا۔ صلیبیوں اور بیزنطینیوں میں فساد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ شورش کے دَوران میں کسی نے بندرگاہ کے قریب لکڑی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگ کس نے لگائی لیکن غالب گمان یہ ہے کہ یہ اہلِ وینس کی شر انگیز کارستانی تھی۔ تیز ہَوا سے آگ کے شُعلے بھڑک اُٹھے اور آگ نے شہر کے نشیب و فراز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کئی شاندار محل اور گرجے جل کر خاکستر ہو گئے۔ سینٹ صوفیہ کی عمارت بھی نقصان سے نہ بچ سکی۔ جب نائٹ واپس آئے تو انہیں سخت صدمہ ہُوا۔ آتش زدگی سے بیزنطینیوں میں حملہ آوروں کے خلاف غیظ و غضب کا طُوفان اُمڈ آیا۔ انہوں نے

انتقامی کارروائی کے طور پر وینسی جہازوں پر آتش باری شروع کردی اور وہ اپنے جہازوں کو بمشکل بچا سکے۔

قسطنطنیہ کے امیر شہزادہ الیکسس اور اُس کے اندھے باپ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ انہوں نے مرزوپل نامی شخص کو اپنا سربراہ چنا اور حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ یہ اس قسم کا خاموش محلاتی انقلاب تھا جس کے اہلِ قسطنطنیہ خوگر تھے۔ الیکسس اور اُس کا باپ قصر بلاشرنے میں محوِ خواب تھے۔ انہیں سوتے ہی میں گرفتار کر لیا گیا اور محل سے باہر لے جا کر زمین دوز زنداں کی کوٹھڑیوں میں ڈال دیا گیا۔ بوڑھے قیصر کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ الیکسس پر زہر پوری طرح کارگر نہ ہوا تو جلادوں نے اس کا گلا گھونٹ کر ختم کر دیا۔ یکم جنوری ۱۲۰۴ء کو اس کی پُرالم زندگی تمام ہوئی۔

انہوں نے صلیبیوں پر قسطنطنیہ کے دروازے بند کر دیے۔ دو سال کے مسلسل انتظار سے ان کی مایوسی برہمی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس واقعے سے وہ سخت غضبناک ہوئے اور بلاتاخیر شہر پر دھاوا بولنے کی ٹھان لی۔ یہ ڈینڈولو کے لیے سنہری موقع تھا۔ اس نے امیروں کی کونسل طلب کی جس میں یہ طے پایا کہ شہر کی فتح کے بعد چھ وینسی اور چھ صلیبی امیر نئے قیصر کو منتخب کریں گے۔ شہر کا چوتھا حصہ نئے قیصر کے سپرد کیا جائے گا، باقی ماندہ تین چوتھائی شہر اور اسی طرح ملحقہ علاقے فریقین آپس میں برابر بانٹ لیں گے۔

بے بصر ڈوجے اہلِ بصارت صلیبی امیروں سے زیادہ دُور بین تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے مستقبل کا خاکہ صاف اور واضح تھا۔ اس کے برعکس امیر آنکھیں ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔

۳۵

فتح قسطنطنیہ

باسفورس پر پھر بہار چھا گئی۔ شاخوں میں نرم شگوفے نمودار ہونے لگے۔ محلات کی سفید مرمریں دیواروں کے سامنے سفیدے کی شاخوں کی سبز جالی سی تننے لگی۔ پانی کے حوض لبریز ہو گئے اور شاداب مُرغزاروں میں بھیڑیں چرنے لگیں۔ آج پام سنڈے[1] کا تہوار تھا! لیکن خلاف معمول بچے شاخیں اُٹھا کر جلوس کی صورت میں بازاروں میں نمودار نہ ہوئے۔ آج گرجوں میں دیبا و اطلس کے چغوں میں ملبوس پادری اپنے نحیف ہاتھ فرباں نگاہوں کی طرف اُٹھائے دُعائیں مانگ رہے تھے۔ ان کے پیچھے نقاب پوش عورتیں آہ وزاری میں مصروف تھیں۔ غلام پریشان کھڑے تھے۔ ان کے کانوں میں دُور سے کسی ہنگامے کی ملی جُلی آوازیں آ رہی تھیں۔ بازاروں میں بادِ شمال چل رہی تھی اور مینجنیق فصیل کے

---

[1] ایسٹر سے پہلے کا اتوار جس دن حضرت عیسیٰؑ یروشلم میں داخل ہوئے اور ان کے استقبال کے لیے کھجور کی شاخیں بچھائی گئیں۔ اِس واقعے کی یاد میں پام سنڈے کا تہوار منایا جاتا اور گرجوں کو کھجور کی شاخوں سے سجایا جاتا ہے۔ (مترجم)

سیاہ قدم چُوم رہی تھیں فصیل کے پرے سے ہَوا کے دوش پر انسانی ہنگامے کی آواز آ رہی تھی جو کل شروع ہو کر ابھی تک سرد نہیں ہُوا تھا۔ مخالفین کے چپّو آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ گھرر گھرر کرتی منجنیقیں، چٹانیں اور مرمر کے بھاری پتھر پھینک رہی تھیں۔ پتھر فضا میں اُڑ کر حبشی محاصرین کے جہازوں پر دھم سے گرتے۔ شور و غُل کی آواز ہَوا کے جھونکوں کی تال پر بلند و پست ہوتی اور کبھی کبھی لہروں کی مسلسل دھڑکن بھی اس میں ڈُوب کر رہ جاتی۔

زرہ بکتر میں ملبوس حبشی فصیلِ شہر پر دھاوا کر رہے تھے۔ وہ مجنونانہ طور پر اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو لتاڑتے ہوئے فصیل پر چڑھنے میں کوشاں تھے۔ ان کی آنکھوں سے خُون برس رہا تھا۔ ایک دفعہ انہیں پسپا کر دیا گیا تھا اور وُہ مُنتشر ہو گئے تھے لیکن اب وُہ دوبارہ مجتمع ہو کر یورش کر رہے تھے۔

اِس لیے نقاب پوش عورتیں گرجوں میں سلامتی کی دُعائیں مانگ رہی تھیں۔ ان کے دل نامعلوم حادثات کے خوف سے لرزاں و ترساں تھے۔ شاہی خاندان کی خواتین سیاہ لبادے پہنے محوِ التجا تھیں۔ وُہ شہزادیاں جنہوں نے قصرِ شاہی میں جنم لیا تھا قربانگاہوں کے سامنے سرنگوں تھیں۔ یُونانی غلام سروں پر منقّش پٹکے باندھے ایستادہ تھے۔ وہ سراسیمہ و ہراساں تھے۔ ان کے رنگ فق تھے۔ لوگ بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دُعا تھے۔ وہ بزرگوں کی خانقاہوں پر منتیں مان رہے تھے کہ اگر اس انسانی سیلاب کے سامنے فصیلِ شہر برقرار رہی تو ہم شمعیں جلائیں گے اور جواہرات نذر کریں گے۔

انہیں معلوم ہُوا کہ ہمارے انجنیئروں نے فصیل پر ایسے چوبی جنگلے بنائے ہیں کہ دشمن جنگی جہازوں کے معلّق پُلوں سے قلعے پر رد نہیں لگا سکے گا۔ بُرجوں پر سنگ بار آلات نصب کر دیے گئے ہیں اور دشمن کے جہازوں کو فصیل کے قریب آنے کی جُرأت نہیں ہو گی۔ انہوں نے دیوار سے دھوئیں کا بادل اُٹھتا ہُوا دیکھا جو کسی بدشگون پرندے کی طرح اپنے چوڑے سیاہ پَر پھیلائے شہر پر سایہ ریز تھا۔ گرجوں کے دروازوں کے

باہر خالی محملوں کے پاس سیاہ فام غلام کھڑے تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپ بازاروں میں گونج رہی تھی۔ سڑک پر یونانی نوجوان سرپٹ گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے۔ اِن کے سُنہرے چار آئینے اور کلغی دار خود دھوپ میں چمک رہے تھے، غبار کے بادلوں سے شمشیر بازوں کے دستے گزرتے ہوئے نظر آتے۔ لمبے بالوں والے نارمین سالنو لے ارمنی سپاہیوں کے دوش بدوش چل رہے تھے۔ اُن کے رنگیلے چُغے ہوا میں لہرا رہے تھے یہودی چھتوں پر کھڑے تھے۔ اِن کی تشویشناک نگاہیں فصیل پر جمی ہوئی تھیں ◆

چوک سُنسان تھے۔ اِن میں کُتّوں کے غول آوارہ تھے۔ قطار در قطار مجسموں کے سامنے سے گاہے گاہے کسی بھولے بھٹکے شخص کے تیز قدموں کی چاپ سُنائی دے جاتی۔ عہدِ رفتہ کے قیصروں کے مجسمے اپنے سنگین چہرے اُٹھائے بے بصر آنکھوں سے ہجوم کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ہاتھوں میں عصائے شاہی لیے چبوتروں پر کھڑے تھے۔ اب کسے اِن کی پرواتھی۔ وہ اِس زمانے سے متعلق تھے جب قسطنطنیہ سمندروں کی ملکہ سمجھا جاتا تھا۔ جب یہ شہر فرشتوں کی امان میں تھا اور جنگوں سے ماوراء ◆

بندرگاہ سے متصّل شراب خانوں میں مجروح سپاہی لکڑی کے بنچوں پر لیٹے تھے۔ وہ سُرخ قبرصی شراب پی کر سرور میں سر ہلاتے تھے۔ اِن میں سے اکثر خاموش تھے اور چند سپاہی اپنی اپنی زبانوں میں تیز تیز باتیں کر رہے تھے۔ شراب خانوں میں بھانت بھانت کی بولیاں سُننے میں آتی تھیں۔ کوئی کہتا کہ ڈوکاس خاندان کے سربراہ مرزوپل نے سُرخ عبائے قیصری زیبِ تن کر لی ہے۔ وہ فرانکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں نکلا ہے۔ وہ مقدّس مریم کا مجسمہ اپنے ساتھ لے کر گیا اور اب یہ مقدّس مجسمہ صلیبیوں کے جنگی جہاز کے مستول سے بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ بڑی بدشگونی ہے ◆

کوئی کہتا کہ میں نے جنگی جہاز کو تیز ہوا کے زور سے بُرج تک پہنچتے دیکھا۔ جہاز کے معلق پُل سے ایک ملّاح اور مسلّح نائٹ فصیل کے رخنے سے اندر گھس گئے۔ ملّاح تو

مارا گیا لیکن ناٹٹ برُج میں بڑی بہادری سے مقابلہ کرتا رہا۔ یقیناً فرانکوں کو شکست ہوگی۔ وُہ ایک دفعہ تو مُنہ کی کھا چکے ہیں۔ اِن کے بیس ہزار سپاہی کبھی اِس مضبوط فصیل کو توڑ کر اندر نہیں آسکتے۔ اب شام ہونے والی ہے۔ رات تک لڑائی ختم ہو جائے گی "

شراب خانوں میں اِس قسم کی گپیں ہانکی جا رہی تھیں فضا لمحہ بہ لمحہ دھوئیں سے گرانبار ہو رہی تھی۔ یکدم شور ہوا اور آواز آئی "فرانکوں نے چار برُج فتح کر لیے ——"

فصیل پر گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ فصیل سے متصّل گلی کوچے لڑائی کے شور سے گونج رہے تھے۔ اُفق پر شفق کی سُرخی پھیل رہی تھی۔ سپاہیوں کا ایک دستہ سُرخ چُغے پہنے نیم تاریک کوچے میں سے گزُرا تو اس کا سامنا ایک نہتّے یُونانی ہجوم سے ہُوا۔ بھاگتے ہوئے ہجوم نے راستہ روک رکھا تھا۔ سپاہی تلواریں سونت کر بھگوڑوں کے انبوہ میں گھُس گئے۔ اُنہوں نے نوکِ شمشیر سے اپنا راستہ بنا لیا اور لاشوں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔ اُن کے مضبوط قدموں کی چاپ کافی دیر تک سُنائی دیتی رہی حتےٰ کہ وہ دھوئیں اور غبار کے بادلوں میں اوجھل ہو گئے۔ قطار در قطار مکان جل رہے تھے۔ وُہ اِن کے قریب پہنچ کر رُک گئے۔ وہاں بے چاری مصیبت کی ماری عورتیں اور بچّے گٹھڑیاں اُٹھائے، جلتے ہوئے گھروں سے بھاگ رہی تھیں۔ عورتوں نے دیوہیکل نارمن سپاہیوں کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔ سالہا سال سے یہ سپاہی شہر کے امن و امان کے مُحافظ تھے لیکن اِن کی تلواریں شعلوں کو سرد کرنے سے قاصر تھیں۔ آگ ایک ایسا دُشمن تھا جسے کوئی تلوار فرو نہیں کر سکتی تھی۔ فوجی دستے کے سردار نے حُکم دیا اور سپاہی لوگوں کی بھیڑ سے گزُرتے ہوئے قریب ترین محل کی طرف چلے گئے ؛

شہر کی دُوسری جانب جہاں پانی کے حوض تھے، ایک سوار باغ کی اوٹ سے نمودار ہُوا۔ وُہ سرتاپا جالی دار آہنی زرہ میں غرق تھا۔ اِس کے گھوڑے کی لگامیں بھی زنجیر کی تھیں۔ گول آہنی ٹوپی سے اِس کی آنکھیں چھُپی ہوئی تھیں۔ اِس کے داہنے ہاتھ میں

ننگی تلوار تھی۔ اِس صلیبی سوار نے محتاط انداز سے اِردگرد دیکھا اور اپنے مرکّب کو ایک کھلے بازار میں ڈال دیا جو مرکزِ شہر کی طرف جاتا تھا۔ اِس نائٹ کے پیچھے دُوسرے سوار بھی آگے بڑھے۔ دراصل وہ ایک بغلی دروازے کے پرخچے اُڑا کر اندر داخل ہوئے تھے۔ انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اِن کے روبرو ایک بیزنطینی رجمنٹ کے خالی خیمے کھڑے تھے جن کے پاس بھیڑیں چر رہی تھیں ٭

ہَوا میں اُڑتے ہوئے دھوئیں کے بادلوں پر شفق کے سُرخ رنگ گھرے ہوتے گئے۔ قصرِ بلاشرنے کی دھاری دار دیواروں کے تاریک سایوں تلے فرانسیسی تیرانداز جمع ہو رہے تھے۔ پینٹو کریٹر کے چھوٹے چھوٹے گُنبدوں تلے عباپوش راہب بھاگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ گرجوں کے اندر تاریکی تھی۔ اندھیرے سے عورتوں کی گریہ وزاری کی دلدوز آواز آ رہی تھی۔ ایک صلیبی بہادر اپنے گھوڑے سے اُترا اور گرجے میں داخل ہو گیا۔ وہ اپنے گردآلود اور پھٹے ہوئے چُغے کے سامنے ڈھال تانے تھا لیکن باسلیق کی عمارت خالی تھی۔ مقدّس تصویر کے تلے مومی شمعیں ہَوا کے نرم جھونکوں سے جھلملا رہی تھیں۔ چاروں طرف پُراسرار نیم تاریکی تھی۔ صلیبی نوجوان نے متحیّر نظروں سے قُربان گاہ کا جائزہ لیا جہاں بزرگوں کے اکڑے ہوئے بوقلموں مجسموں کے نیچے چاندی کے بیش قیمت صندوقچے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ایڑی پر گھوم کر مُڑا اور غائب ہو گیا۔ جب تاریکی چھا گئی تو نیزہ برداروں کا ایک گروہ مشعلیں اُٹھائے بڑی دیدہ دلیری سے گرجے میں داخل ہُوا اور قُربان گاہ سے چاندی کے صندوقچے اُٹھا کر لے گیا ٭

بالڈون گھوڑا دَوڑاتا ہُوا اپنی فوج میں گُھس گیا۔ اس نے سپاہیوں کو اپنے اپنے دستوں میں واپس جانے کا حُکم دیا۔ چند اسکوائر پھڑپھڑاتی ہوئی مشعلیں لیے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وُہ دُلکی چال سے اِس کے پیچھے پیچھے تھے تاکہ مشعلوں کی روشنی میں سب بالڈون کا تکونی خود اور ڈھال پہچان لیں جس پر ایک کھڑے شیر کی تصویر بنی ہوئی

تھی، جو کاؤنٹ آف فلانڈرز کا دوسرے نائٹوں سے امتیازی نشان تھا۔ راستے راستے میں جہاں بھی نائٹ ملے اُس نے اِنہیں گھوڑوں سے اُترنے کا حکم دیا اور کہا فوراً اپنے اپنے دستوں کو چلے جاؤ۔ اس نے نائٹوں کو سمجھایا کہ تین صلیبی لشکر فصیل کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ اگر انہیں شہر میں جانے کی اجازت دی گئی تو وہ پُرپیچ گلیوں اور بازاروں کی بھول بھلیّوں میں کھو کر رہ جائیں گے۔ اس نے حکم دیا کہ میرا پرچم کھلے میدان میں گاڑ دیا جائے۔ سپاہی اِدھر اُدھر سے بنچ اور تختے کھینچ لائے اور انہوں نے میدان میں کئی الاؤ روشن کر دیے آگ کے پاس قیدی، خانہ بدوش، بوڑھی یہودنیں اور لاوارث بچے اِدھر اُدھر دبکے پڑے تھے۔ ان کھلے میدانوں میں خانہ بدوش اور ایرے غیرے لوگ پہلے ہی سے خیمہ زن تھے۔ سیاہ بکریاں گھوڑوں کے درمیان آوارہ پھر رہی تھیں۔ نائٹ اپنے اپنے خیموں میں بیٹھ کر خچروں اور گھوڑوں کو گننے لگے جو سپاہی اِدھر اُدھر سے ہانک لائے تھے ؎

الاؤ کی روشنیوں سے پَرے تاریک فضا پاؤں کی چاپ اور عجیب سرسراہٹ سے معمور تھی۔ سیاہ پیکر خاموشی سے چھتوں پر سرگرداں تھے۔ اِس شور و حرکت کے ہنگامے سے دُور عظیم الشان قسطنطنیہ تاریکی اور سکوتِ شب کی آغوش میں ڈوبا ہُوا تھا۔ اندھیرے کے اس پُراسرار سمندر سے اُبھر کر گرجوں کے بلند گنبد اور رفیع مینار ستاروں کو چُوم رہے تھے۔ بادِ شمال سرسراتی تھی کبھی کوئی دہکتی ہوئی بلندی نظر آ جاتی یا کبھی کوئی مشعل لمحہ بھر کے لیے چمکتی اور پھر تاریکی میں غائب ہو جاتی ؎

صلیبی سپاہی اور سردار خاموش بیٹھے غنودگی کے عالم میں پُرفن بیزنطینیوں کی حیلہ گری کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اب وہ کیا چال چلیں گے؟ ان خفیہ خزائن کا کیا ہو گا؟ جو اِن عجیب لوگوں کے قلعے میں دفن ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد بحری فصیل کی جانب سے اہلِ وینس کے بگلوں کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

مارکوئیس آف بونی فیس کے قاصد آئے۔ جس کا پڑاؤ اِن کے پڑاؤ اور اہل وینس کے مورچوں کے درمیان واقع تھا۔ مثلث کے کونے پر واقع قصر بلاشر نے کے سوا صلیبی حملہ آور شہر کے اِس کونے پر قابض ہو چکے تھے۔ ویرانگین محافظ دستے اور مسلح غلام بدستور اِس محل کی حفاظت کر رہے تھے وِل ہاردوِن کا خیال تھا کہ حصار اور برجوں کو فتح کرنے میں کئی مہینے لگیں گے لیکن صلیبی حملہ آور خلاف توقع جلد کامیاب ہو گئے ⁂

غالباً بونی فیس کے لومبارڈ سپاہیوں نے بحران کی روح فرسا کیفیت سے بیزار ہو کر قتل و غارت شروع کر دی تھی۔ وُہ اِرد گرد کے مکانوں کو لُوٹ کر انہیں نذرِ آتش کرنے لگے۔ لکڑی کے مکان دھڑا دھڑ جلنے لگے اور شُعلے تنگ گلیوں کو پھلانگ کر مقابل کے مکانوں کی چھتوں کو اپنی آتشی زبانوں سے چاٹتے ہوئے جنوب کی طرف رینگنے لگے۔ تیز ہوا کے دوش پر آگ کا طُوفان بلامزاحمت بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اِس کی بلاخیز روشنی ہر فصیل سے نمایاں ہو گئی ⁂

مرزوپل نے بلوکیوں کے گرجے سے متصل کشادہ میدان میں یُونانی رسالے کو جمع کر کے اسے صلیبیوں پر حملے کے لیے تیار ہونے کا حُکم دیا۔ اِس نے اپنے سرداروں کو ہمراہ لیا اور وُہ اِس سڑک کی سیڑھیاں چڑھے جو ویران ہپوڈروم کے پہلو سے ہوتی ہوئی ایک وسیع چوک سے گزرتی تھی جہاں قیصر کانسٹنٹائن کا دیوہیکل مجسمہ ایستادہ تھا۔ اِس چوک میں پہنچ کر وہ رُکے اور تھوڑی دیر تک آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے۔ مرزوپل نے حُکم دیا اور اُنہوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں مشرق کی جانب ایک کھُلی سڑک کی طرف موڑ دیں۔ وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے بڑھے۔ صلیبی فوج اِن کے دائیں جانب بہت پیچھے رہ گئی لیکن وہ دوڑتے چلے گئے۔ اُنہوں نے گھوڑوں کو مہمیز کیا اور وہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے سُنہری دروازے کی ڈیوڑھی تک پہنچ گئے۔ مرزوپل نے حُکم دیا اور کانسی کے بھاری کواڑ کھول دیے گئے ⁂

ویراَنگین دستے دروازے کی حفاظت پر متعین تھے اُنہوں نے مرزوپل اور اُس کے رسالے کو خشمناک نگاہوں سے گھورا لیکن سواروں نے اِن کی چنداں پروانہ کی اور وُہ شہر کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر دیہات کی طرف نکل گئے ؞

جب یُونانی عمائدین کو مرزَوپل کے فرار ہونے کی خبر ملی تو وہ بلاکیوں کے گرجے میں جمع ہوئے۔ کافی دیر تک بند دروازے کے پیچھے خُفیہ گُفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر تھیوڈریکارس کو قیصر منتخب کیا گیا۔ اِس اثناء میں آگ شہر کے وسط تک پہنچ چکی تھی۔ ہر طرف خوف وہراس کا سماں تھا یُونانی امیروں کی ہمّت جواب دے گئی۔ ان کے حوصلے پَست ہو گئے۔ وُہ لڑائی جاری رکھنے کے حق میں نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ جلدی سے اپنا مال و اسباب سمیٹا اور اپنے اہل وعیال سمیت فرار ہو گئے اُنہوں نے شہر کی جنوبی بندرگاہوں کا رُخ کیا جو وینس کے جنگی جہازوں کی دستبرد سے محفوظ تھیں ؞

یہاں پہنچ کر وہ جہازوں میں سوار ہوئے بادِ شمال ان کے جہازوں کو بحیرۂ مارمورا سے ایشیائی ساحل کی طرف لے گئی ؞

صُبح کے وقت شہر پر دھوئیں کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی صلیبیوں نے دوبارہ پیش قدمی شروع کی تو کسی نے اِن کی مزاحمت نہ کی بلکہ اِن کے استقبال کے لیے بارِیش راہبوں کا جلوس صلیب اُٹھائے برآمد ہُوا۔ اُنہوں نے اہلِ شہر کے لیے سلامتی کی درخواست کی ؞

گویا مُعجزہ ہُوا اور قسطنطنیہ پر یکدم صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ابتدا میں صلیبی سردار بہت محتاط رہے۔ انہوں نے سپاہیوں کو باقاعدہ صفوں میں منظم رہنے کی تاکید کی۔ اہم ناکوں اور چوکوں پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے سوار گشتی دستوں کو گلی کُوچوں میں پھیلا دیا۔ پھر دروازے کھول دیے اور اہلِ وینس کے علاوہ صلیبی کیمپ کے محافظ دستے بھی شہر میں داخل ہوئے۔ اِنہیں جلد ہی پتا چل گیا کہ محلّات کے محافظ دستوں کے

سوا باقی ساری بیزنطینی فوج تتر بتر ہو چکی ہے۔ اِدھر سرداروں نے محلات کا رُخ کیا۔ اُدھر عام نائٹ اور سپاہی لُوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔

شہر کا بیشتر حصہ آگ کی تباہ کن لپیٹ میں آ چکا تھا۔ متأثرہ علاقہ، روم، وینس اور روم کے تینوں شہروں کے مجموعی رقبے سے زیادہ تھا خوفزدہ بیزنطینی شہری آگ اور غارت گری سے بچنے کے لیے اپنی پونجی اُٹھائے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ صلیبی سردار تلواریں سونتے بیزنطینی امیروں کے محلات کے صحنوں میں گھس گئے۔ انہیں دیکھ کر خوفزدہ غُلام چیخیں مار مار کر بھاگ گئے۔

انہوں نے فرشوں سے ریشمی قالین سمیٹے اور چھتوں سے فانُوس اُکھیڑ لیے۔ وُہ پُرتکلّف خوابگاہوں میں پُہنچے تو سامانِ عیش و عشرت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سُرخ رُو، سادہ لوح فارمن دہقانوں اور موٹے برگنڈین سپاہیوں کے مُنہ حیرت سے کھُلے کے کھُلے رہ گئے۔ دیواروں پر نفیس دمشقی کپڑا لگا ہُوا تھا۔ سنگِ سلیمان اور سنگِ عاج سے مُرصّع آبنوسی سنگھار میز قرینے سے سجی ہوئی تھی۔ بیزنطینی بیگمات نے اپنے چہرے چُھپا لیے، لرزاں و ترساں غُلام کونوں میں دبک گئے اور صلیبی بہادر مزے سے صندوقچوں کے ڈھکنے اُکھیڑنے میں مصروف رہے۔ صندُوقچے کھولنے کے بعد اُنہوں نے اپنے تھیلے اُلٹ دیے اور فرش پر گھٹیا ساز و سامان کے ڈھیر لگا دیئے۔ پھر وُہ خالی تھیلوں اور بوروں میں عنبر کی چُوڑیاں اور جواہردار کنگھیاں بھرنے لگے وُہ ایک دُوسرے سے ٹھٹّھا کرنے لگے۔ انہوں نے مذاق مذاق میں بلوریں شیشیوں اور میناکار مرتبانوں سے بیش قیمت خوشبوئیں انڈیل کر اپنے چہروں اور بالوں پر ملیں۔ نوکِ خنجر سے موٹے خواجہ سراؤں کی توندوں کو گدگدایا اور انہیں خُفیہ خزائن کی نشان دہی کا حُکم دیا۔

مسلح سپاہی غلام گردشوں سے مطلّا مجسمے اُٹھائے بھاگے جا رہے تھے۔ انہوں نے چھتوں میں پوشیدہ ارگن باجے بھی اُکھیڑ لیے اور قیاصرہ کی اِن پُراسرار غُلام

گردشوں میں چیخ چیخ کر آوازے لگائے جہاں ہلکی سی سرگوشی کی بازگشت بھی قیصروں کے کانوں تک پہنچ جایا کرتی تھی اور وہ اپنے غلاموں اور مہمانوں کی گفتگو آسانی سے سُن سکتے تھے۔ کئی منچلے غارت گری اور لُوٹ کے بعد حسین کنیزوں اور خوبصورت عورتوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کبھی اتنی حسین و جمیل عورتیں نہیں دیکھی تھیں جن کے جسم خوشبوؤں سے سراپا گلدستہ تھے۔ حسینانِ مشرق سے اِن کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ سیاہ بالوں والی ایرانی لڑکیاں جن کی رگوں میں خُون کے بجائے شُعلے رقصاں تھے۔ دراز قامت، زرد رُو سرکیشین عورتیں جن کے جسم صحت و توانائی کے رنگین پیکر تھے۔ خوف و ہراس کی ماری ہوئی عورتیں اِن گنوار لوگوں کی کرخت گرفت میں مجبور اور بے بس ہو کر رہ گئیں ÷

دُوسری جانب وینسی لوگ بھی لُوٹ کا مال سمیٹنے میں مصروف تھے۔ یہ تاجر نما سپاہی بڑے سیانے تھے۔ اِنہوں نے اپنے خدمتگاروں سمیت ہپوڈروم کی ویران غلام گردشوں کا رُخ کیا جہاں دُور بُت پرستی کے دیوتاؤں کے بیش قیمت مجسمے ایستادہ تھے۔ یہ مجسمے قدیم یُونانی صناعوں کی ماہرانہ سنگ تراشی کے نمونے تھے۔ وُہ دیواروں پر آویزاں طلائی ڈھالوں کو تاڑتے اور نیزوں اور تبروں سے اپنے خزینوں کی حفاظت کرتے ہوئے عہدِ کہُن کے اِس مقدّس محل کے اندرونی دالانوں میں پہنچ گئے۔ وُہ زربفت و حریر کے مشجر پردے پھاڑ پھاڑ کر اُتارنے اور ہاتھی دانت کی نادر مُورتیاں اور جواہرات سے مُرصّع ریشمی پارچات سمیٹنے لگے ÷

اِس اثنا میں ایک انوکھی قسم کی غارت گری بھی جاری تھی۔ صلیبی فوج کے جنگجو پادریوں اور پُرجوش بشپوں نے اپنے خادموں کے جلو میں قدیم گرجاؤں کا رُخ کیا اور دروازے توڑ کر اندر گھس گئے۔ وُہ زرنگار تبرک خانوں میں داخل ہوئے جہاں دُنیائے مسیحیت کے مشہور اور نادر ترین تبرکاتِ محفوظ تھے۔ حواریانِ مسیح کے سروں کی برکت و کرامات کے

متعلق مدّتوں سے دُنیائے مسیحیت میں شہرت تھی۔ اِن مقدّس شخصیتوں کے سر کلیسائے باسلیق کے تلے دفن تھے۔ شہر بھر میں مشرق کے قیمتی تبرکات اور مذہبی نشان موجود تھے۔ ——— بزرگوں کی ہڈیاں، بال اور عصا مشرق قدیم کے مقدّس مقامات سے لاکر یہاں جمع کیے گئے تھے۔ مُشتاق پادری، بشپ اور راہب ان انمول تبرکات اور نشانیوں کو اپنے اپنے گرجوں میں لے جانے کے لیے کوشاں تھے ٭

ہالبرسٹاٹ کے موٹے بشپ نے مارکوئیس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھایا اور سیدھا قیصروں کے نجی گرجے میں گھُس گیا اور نادر تبرکات اُٹھا کر چلتا بنا ٭

نائٹاآس بیزنطینی دربار میں دبیر کے عُہدے پر فائز تھا۔ اِس نے سقوطِ قسطنطنیہ کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے "ہماری آنکھوں نے جو دیکھا اسے کان نہیں سُن سکتے۔ اِن بدبخت خبیثوں نے گرجوں کے مقدّس گلدانوں اور زیوروں سے اپنی اپنی میزوں کو سجایا۔ بڑے گرجے میں انہوں نے ایسی نازیبا حرکات کیں کہ اِن کا ذکر مُشکل ہے ——— قُربان گاہ کی میز صناعی اور خوبصورتی کا نادر نمونہ تھی۔ اِن وحشی سپاہیوں نے میز کو توڑ کر آپس میں بانٹ لیا۔ وُہ لدے ہوئے گھوڑے اور خچر ہانکتے ہوئے گرجوں کے مقدّس ترین کمروں میں گھُس گئے۔ شفاف فرشوں پر گوبر اور خون بکھر گیا ٭

"پھر ایک لُوئی چڑیل، شیطان کی خالہ، چڑیلوں کی دلالہ، سیاہ کار قطامہ، حرافہ، اسقف اعظم کی متبرک نشست پر جا براجمان ہوئی اور جناب مسیحؑ کا مذاق اُڑاتے ہوئے اپنی بھدّی بے سُری آواز میں گانے لگی۔ وُہ قُربان گاہ پر ناچتی تھرکتی اور اُچھلتی کُودتی رہی ٭

انہوں نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں گھُسنے کی کوشش کی جہاں سینٹ پیٹر (پطرس) کی زنجیر طلائی صندوقچے میں محفوظ تھی اور ابری دار پتھر کے مرتبانوں میں موبدانِ قدیم

کے تحائف رکھے تھے۔شہنشاہِ کانسٹنٹائن بانیِ قسطنطنیہ کا جواہر نگار تاج جو اسے فرشتوں نے بخشا تھا وُہ بھی یہاں موجود تھا۔صلیبی سرداروں نے انہیں اِس گرجے کی بے حُرمتی سے باز رہنے کی تاکید کی اور پھر آگ کو روکنے کے لیے دھوئیں سے اَٹی ہوئی گلیوں اور بازاروں میں غائب ہو گئے۔اِن کی روانگی کے بعد جو کچھ ہُوا وہ وِل ہاردون کی زبانی سُنیئے:-

"مارکوئیس آف بونی فیس اب ساحل کے ساتھ ساتھ گھوڑا دَوڑاتا ہُوا سیدھا قصرِ بکولیون کی طرف گیا۔محل والوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اِن کی جان بخشی کر دی گئی۔ کئی عالی نسب خواتین اِس قلعہ نما محل میں پناہ گزین تھیں جن میں شاہِ فرانس اور شاہِ ہنگری کی بہنیں بھی تھیں، وہ دونوں سابقہ ملکہ تھیں۔ قصرِ بلاشر نے پر کاؤنٹ بالڈون کے بھائی ہنری نے قبضہ کر لیا اور بے شمار دولت اُس کے ہاتھ لگی۔ فاتح امیروں نے محلات میں اپنے سپاہی اور خزائن کی حفاظت کے لیے پہرہ دار مقرر کر دیے ÷

سپاہی شہر میں پھیل گئے۔انہوں نے جی بھر کر لُوٹ مار کی اور سونے چاندی، جواہرات، قیمتی ظروف، ساٹن، دیباہ حریر اور قاقم وسمور کے اِتنے انبار جمع کر لیے کہ ان کا شُمار مُشکل تھا۔شہر میں عُمدہ مکانات کی چنداں کمی نہ تھی اِس لیے جہاں جس کا جی چاہا ڈیرے ڈال دیے وہ نہایت مسرور و شاد کام تھے۔ وُہ اپنی نصرت کو تائیدِ ایزدی کی نشانی سمجھتے۔ اِن کے دِل شُکر سے لبریز تھے۔ مُفلس اور قلّاش سپاہی یکدم امیر ہو گئے تھے۔ حمدِ خُداوندی اِن کے لبوں پر جاری تھی۔ یہ خُدا کی مہربانی تھی کہ بیس ہزار کو چار لاکھ پر غلبہ نصیب ہُوا ÷

پھر سپہ سالارِ فوج مارکوئیس آف بونی فیس، دیگر امراء اور ڈوجے کی جانب سے فوج میں منادی کرا دی گئی۔ کہ حسبِ وعدہ تمام مال و دولت ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔ اِس کی خلاف ورزی کرنے والے دائرۂ مسیحیت سے خارج قرار دیے جائیں گے۔

اِس مقصد کے لیے تین گرجے مُنتخب کیے گئے۔ وہاں قابلِ اعتماد فرانسیسی اور وینیسی سپاہیوں کے دستے تعینات کر دیئے گئے۔ رفتہ رفتہ سپاہی مال و دَولت کے ذخیرے لا کر جمع کراتے گئے۔ کچھ لوگ تو ہنسی خوشی اپنا سامان لے آئے لیکن کئی حرص کے بندے اچھی اچھی چیزیں چُھپانے لگے اور بادلِ ناخواستہ چند بچی کھچی چیزیں لے آئے۔ اِس طرح سے وہ خُدا کی مہربانی سے دُور ہو گئے۔ اُف خُدایا! وہ لوگ جنہوں نے اب تک اِتنے خلوص کا ثبوت دیا تھا اب انہیں ہوس دامنگیر تھی۔ اِنہیں اپنی بدعملی کی سزا بُھگتنی پڑی۔

بالآخر ساری دَولت مالِ غنیمت، اور ساز و سامان اکٹھا ہو گیا۔ گرجوں میں جمع شُدہ سامان کو یکجا کر کے فرانسیسی اور وینیسی فوجوں میں نصف نصف بانٹ دیا گیا۔ باقی ماندہ مال و دَولت کی اِس طرح تقسیم ہوئی کہ ایک مسلّح سوار کو دو مسلّح پیادوں کے برابر حصّہ دیا گیا۔ ایک نائٹ کو دو مسلّح سواروں کے برابر حصّہ ملا۔ چاہے کوئی کِتنا ہی بہادر تھا۔ اِس سے زیادہ کچھ نہ ملا۔ اگر کِسی کے پاس کچھ زیادہ تھا۔ تو وہ یقیناً چوری کا مال تھا۔ جو چور پکڑے گئے اِنہیں قرارِ واقعی سزا دی گئی اور کئی ایک کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ کاؤنٹ آف سینٹ پال کے ایک نائٹ نے کوئی چیز چُھپالی تھی۔ اُسے اِس جُرم کی سزا میں پھانسی دی گئی اور اس کی ڈھال اس کی گردن سے لٹکا دی گئی۔ مسروقہ مال اور وینیسی لوگوں کے حصّے سے قطع نظر اگر خزانے کا شمار کیا جائے تو اس کا تخمینہ چار لاکھ نُقرئی مارک اور دس ہزار گھوڑوں کے برابر ہوتا ہے"۔

قسطنطنیہ کی آب و تاب سے حملہ آوروں کی آنکھیں خیرہ ہو چکی تھیں ہر سپاہی کے پاس اِتنی دَولت تھی کہ وُہ اسے بمشکل سنبھال سکتا تھا۔ حملہ آوروں کے قدموں پر عروس البلاد قسطنطنیہ سرنگوں تھا، مجبور اور غیر مامون۔ پادری اپنے مخالف یُونانی فرقے کے تبرکات پر تصرف حاصل کر کے بہت خوش تھے اور اپنی فوجوں کی کارروائیوں کی تعریف و تحسین کرتے تھے۔

"ہم کہتے ہیں کہ یہ جنگ حق پرستی اور نیکی کا معرکہ ہے ـــــ اگر تُم خلوص دِل سے اِس سرزمین کو فتح کر کے روم کے تابع فرمان کرنا چاہتے ہو تو یقیناً تُم پوپ کے عفو کے حقدار ہو ـــــ جو بھی یہاں مرے گا اِس کے گُناہ بخشے جائیں گے ـــــ" وِل ہارڈِون لکھتا ہے کہ یہ الفاظ امیروں اور زائروں کے لیے بڑی تسکین کا باعث ہوئے۔

ڈینڈولو خود فریبی کا شکار نہ تھا اس کا عملی ذہن کسی وہم میں گرفتار نہ ہُوا۔ جب امراءِ مفتوحہ علاقے کا نیا قیصر مُنتخب کرنے جمع ہوئے تو اس نے اپنا نام پیش نہ کیا البتہ اُس نے وینسی نمائندوں کو ہدایت کر دی کہ وہ مارکوئیس آف مانسریٹ کے انتخاب کی مخالفت کریں کیونکہ وہ بہت زیرک اور طاقتور امیر تھا جمہوریہ وینس کو ایسے شخص کا اقتدار ہرگز گوارا نہ تھا۔ بالآخر نمائندوں نے فیصلہ کر لیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور ابھی تک باہر صلیبی فوج مُنتظر کھڑی تھی۔ بشپ آف سائسوں باہر نکلا اور اس نے فیصلے کا اعلان کیا "حضرات! ایسٹر کی اِس مُبارک تقریب کے موقع پر ہم نے متفقہ طور پر کاؤنٹ بالڈون آف فلانڈرز اور ہینالٹ کو شہنشاہ مُنتخب کیا ہے"۔

وہ راست باز اور سیدھا سادہ آدمی تھا مفتوحہ علاقوں کی تقسیم میں ڈوجے اور مانسریٹ نے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا۔ بالڈون کو قسطنطنیہ کے نصف سے کچھ وافر حصّہ مِلا۔ باقی ماندہ شہر پر وینس والوں کا تصرف تھا۔ سینٹ صوفیا کا مشہور گرجا بھی انہیں کے علاقے میں تھا۔ ڈینڈولو نے اپنی حیلہ سازی سے کسی نہ کسی طرح سے کروسیڈ کے سرداروں کو مفتوحہ علاقوں کی تقسیم سے قبل شہر کے ⅜ حصے پر وینس والوں کا اقتدار تسلیم کر لینے پر رضامند کر لیا تھا۔

شمالی یُونان مانسریٹ کے حصّے میں آیا۔ امیروں کو مُختلف شہر دیئے گئے اور انہیں ڈیوک وغیرہ کے مناسب خطابات سے نوازا گیا لیکن یہ دُور اُفتادہ شہر ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے۔ اور اِن شہروں کے لوگ اپنے نئے آقاؤں سے آشنا تک نہ تھے۔

اس عرصے میں بیزنطینی حکمران ایشیائے کوچک میں مدافعت کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شمال سے بلغاوری حملہ آور صلیبی فاتحین کا قافیہ تنگ کر رہے تھے ؛

معاملہ فہم وینس والوں نے اِن حالات سے خُوب فائدہ اُٹھایا۔ ان کی مساعی کا ثمر مندرجہ ذیل فتوحات تھیں۔ یُونان میں ایپروس، ایکرنانیا اور راٹولیا کے اضلاع، بحیرہ ایڈریاٹک کے ساحل پر انہوں نے ڈرازو اور ارٹا خورجہ پر قبضہ جما لیا۔ جزیرہ کارفو کے جنوب میں زرخیز آئی اونین جزائر پر تصرف کر لیا۔ اِن جزائر میں سیفالونیا، زانتے اور سانتا مورا کے جزیرے بھی تھے جنہیں خلیج کارنتھ کی کلید سمجھا جاتا تھا۔ اِس طرح آئی اونین سمندر اور بحیرہ ایڈریاٹک بھی اِن کے حلقۂ اقتدار میں آ گئے۔ جنوبی یُونان میں پٹراس کی بندرگاہ کے علاوہ کئی مقامات اِن کے حصے میں آئے۔ بحیرۂ ایجین میں انہوں نے ناکسوس، اینڈروس اور یوبیا کے جزیروں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اور جزیرہ نما گیلی پولی پر قبضہ کر کے درۂ دانیال پر اپنا تسلط جما لیا۔ انہوں نے روڈسٹو اور ہرقلیا کے تجارتی مراکز پر اپنے حق کا دعویٰ پیش کیا، قسطنطنیہ کے شمال میں ایڈریانوپل پر بھی اِن کا پرچم لہرانے لگا۔ اِس کے علاوہ ڈینڈولو نے بونی فیس سے خفیہ معاہدہ کر کے جزیرہ کریٹ کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ؛

اِن میں سے کئی شہر صلیبیوں اور بیزنطینیوں کی طویل کشمکش میں کبھی مفتوح نہ ہو سکے اور صلیبیوں کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ تاہم ڈینڈولو کی فتوحات اِس کی توقعات سے بھی زیادہ تھیں۔ اِس طرح وینس کی عظیم الشان بحری سلطنت کی ابتدا ہوئی۔ چنانچہ

ملے جن لوگوں نے وینس دیکھا ہے انھیں شاید یاد ہو کہ وہاں اِس جنگ کی یادگاروں کی نمائش کی گئی ہے جن میں سینٹ مارک کے گرجا کی چوٹی پر کالنسی کے گھوڑے اور سنگِ سماق کے شاہی مجسمے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ڈیوک کے محل میں شاندار تصویریں ہیں جن میں قسطنطنیہ پر فوج کشی اور بالڈون کی تاجپوشی کی منظر کشی کی گئی ہے اِن تصویروں میں ڈوجے بالڈون کو تاجِ شاہی پہناتا ہُوا دکھایا گیا ہے حالانکہ اسکی رسمِ تاجپوشی پادریوں نے ادا کی تھی (مصنف)

کچھ عرصے تک اہلِ وینس سنجیدگی سے اِس معاملے پر غور کرتے رہے۔ کہ جمہوریہ وینس کا مرکز وینس سے قسطنطنیہ میں منتقل کر دیا جائے۔ نئے علاقوں کے الحاق کے بعد وہ بخوشی بالڈون کی رسمِ تاجپوشی میں شریک ہوئے۔ ان کے منصوبے کی کامیابی کے لیے بالڈون کا وجود ضروری تھا۔ دراصل وہ بالڈون کو نئے مفتوحہ علاقوں میں نفاذِ امن کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ وہ اِس سپاہی سے سپاہیانہ کام لینا چاہتے تھے۔ تین ہفتوں تک رسمِ تاجپوشی کی تیاری ہوتی رہی۔ اِس تقریب کے لیے نئے ملبوسات اور شاہی لوازم کا بندوبست کیا گیا۔

رابرٹ کلاری نامی تذکرہ نویس نے بالڈون کی تاجپوشی کی روئداد قلمبند کی ہے۔ تاجپوشی کی رسم سینٹ صوفیا کے عظیم الشان گنبد تلے منعقد ہوئی۔ بلند چھت پر بنی ہوئی بزرگوں کی بوقلموں تصویریں اپنی آنکھوں سے عود و لوبان اور شاہانہ شوکت کا منظر دیکھ رہی تھیں۔

"تاجپوشی کا دن آن پہنچا۔ بشپ، ایبٹ، پادری، امیر اور نائٹ گھوڑوں پر سوار ہو کر قصرِ بوکلیون کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر وہ جلوس کی صورت میں شہنشاہ کو سینٹ صوفیا لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے سینٹ صوفیا کا چکّر لگایا اور اسے ایک کمرے میں لے گئے۔ اِس کمرے میں انھوں نے اس کے کپڑے اور بوٹ اُتروائے۔ اسے قرمزی ساٹن کے نئے جوتے پہنائے گئے۔ پھر دُوسرے کپڑوں کے اوپر اسے نئے کپڑے اور جواہرات سے مرصّع شاہی عبا پہنائی گئی۔ جس کے سامنے قیمتی پتھروں سے عقاب بنے ہوئے تھے۔ جو اِتنے تاب ناک تھے کہ ساری عبا روشن و منوّر نظر آتی تھی۔

جامہ پوشی کے بعد اسے قربان گاہ کی طرف لے گئے۔ کاؤنٹ لوئیس شاہی نشان، اور کاؤنٹ آف سینٹ پال شاہی تلوار اُٹھائے اس کے رُو بہ رُو چل رہے تھے وہ بشپ مارکوئیس کے ہتھیار اُٹھائے ہوئے تھے۔ جو تاجِ شاہی لیے چل رہا تھا۔ امیر اور سردار نئی پوشاکوں میں ملبوس تھے۔ وینسی اور فرانسیسی سردار ساٹن اور

ریشم کے چُغے پہنے تھے۔ قربان گاہ کے رُوبرو پہنچ کر شہنشاہ دو زانو ہو گیا اور امیروں نے آہستہ سے اِس کے شانوں سے عبا اُتار دی۔ اِس کے بالوں پر تیل ملنے کے بعد عبا دوبارہ اِس کے شانوں پر درست کر دی گئی۔ ڈوبشپ تاج کو قربان گاہ پر تھامے کھڑے تھے باری باری سارے بشپ آئے اور تاج پر صلیب کا نشان بنا کر برکت کی دُعا کی۔ پھر اِسے تاج پہنایا گیا۔ تاجپوشی کے بعد اسے ایک اُونچی کرُسی پر بٹھایا گیا۔ اِس کے ایک ہاتھ میں عصائے شاہی اور دُوسرے ہاتھ میں طلائی سیب تھا۔ جس پر صلیب کا نشان بنا ہُوا تھا۔ اس نے عشائے ربانی کے نغمات ختم ہونے تک تختِ شاہی پر جلوس کیا۔ پھر یہ رسم برخاست ہوئی۔ وہ گرجے سے باہر آئے اور اسے ایک سفید گھوڑے پر سوار کر کے واپس قصرِ بوکلیون لے آئے۔ وہاں اسے قیصر کانسٹنٹائن کی کرُسی پر بٹھایا گیا۔ میزیں چُنی ہوئی تھیں شہنشاہ اور امیروں نے محل میں کھانا تناول کیا۔ ضیافت کے بعد امیر اور سردار اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف چلے گئے اور شہنشاہ محل میں اکیلا رہ گیا"۔

دیارِ مغرب سے دُور نوجوان بالڈون اور اِس کی ملکہ میری مشرق کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اِس کی شاہی کبھی حقیقت میں تبدیل نہ ہو سکی اور وہ صِرف نام کا شہنشاہ رہا۔ وہ یروشلم کے پہلے حکمران بالڈون اوّل کا ہم نام تھا۔ اُس کی طرح اس کی زندگی بھی مسلسل تگ و دو میں گزُری۔ کبھی وہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے شمشیر بکف ہوتا تو کبھی اسے اپنے عقب میں بیزنطینیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے واپس آنا پڑتا۔ اُس کے کئی سرداروں نے اپنی جاگیریں فتح کرنے کی سعی لاحاصل میں جانیں گنوا دیں۔ کلیسائے روم نے بیزنطینی پادریوں کو رام کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ قسطنطنیہ کے بطریقِ اعظم نے گرجوں سے دستکش ہونا گوارا کر لیا لیکن روم کی اطاعت قبول نہ کی۔ شہر نیم برباد اور ویران تھا۔ کچھ مدّت کے بعد فاتحین کے مالِ غنیمت کے ذخیرے ختم ہوتے گئے۔

سینکڑوں طالع آزما اپنے حلف کے ایفا کے لیے شام چلے گئے اور بالڈون بلغاری زار کے خلاف لڑائی میں مارا گیا۔ دو نسلوں تک مغربی امیر باسفورس کے کنارے نیم ویران محلوں میں مقیم رہے۔ اِن کے مقاصد تبدیل ہو چکے تھے۔ اب مقدس صلیبی جنگ کے بجائے وہ ہوسِ مُلک گیری کے معرکوں میں مُبتلا ہو گئے تھے وہ جاگیردارانہ ریاست اور مغرب کی نوآبادی کے قیام میں مصروف تھے۔ بالآخر وہ قسطنطنیہ سے نکالے گئے۔ چُنانچہ اہلِ وینس کی غداری کا یہ نتیجہ نکلا کہ صلیبی مہم کا رُخ یروشلم سے دُوسری طرف مُنتقل ہو گیا۔ عظیم الشان صلیبی قوتوں کو لگام دے کر دُوسرے کاموں پر لگا دیا گیا ॥

۳۶

شاہ جان

ڈینڈولو سے عظیم تر ہستی نے بھٹکے ہوئے صلیبی معرکہ آراؤں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا
پوپ انوسنٹ ثالث نے سختی سے اِس مہم کی ممانعت کر دی تھی لیکن اِس کے احکام کے
خلاف صلیبی بیڑے نے قسطنطنیہ کی راہ لی تو وہ زہر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا۔
چند مہینے بعد اِسے تسخیرِ قسطنطنیہ اور بیزنطینی شکست کی خبر موصول ہوئی تو اس نے علانیہ
اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ اس نے اہلِ وینس کو خارج المذہب قرار دیا۔ پوپ کو
اپنے اقتدار کی توہین ہرگز گوارا نہ تھی۔ مجرموں کو قرارِ واقعی سزا دینا ضروری تھا لیکن
حیرت کی بات ہے کہ پوپ نے شمشیرِ انتقام بے نیام کر کے دوبارہ زیرِ نیام کر لی۔ اِس نے
کفر کا فتویٰ واپس لے لیا۔ وہ بالڈون اور اس کے امیروں کے قسطنطنیہ میں قیام پر
راضی ہو گیا۔ وہ بیزنطینی دارالخلافے پر اِن کے تسلّط سے خوش تھا۔ چنانچہ اس نے
اپنے اعلیٰ نمائندے قسطنطنیہ بھیجے اور کئی نائٹوں کو بطورِ کمک بھی روانہ کیا۔
صلیبی معرکہ آراؤں نے سلطنت اور کلیسائے بیزنطینی کو روم کے سامنے سرنگوں

کر دیا تھا۔ اِس طرح پوپ کے نقشے کا ایک وسیع خلا پُر ہو گیا +

شاید ہی کسی رُومی قیصر نے نئی فتح کا اِتنا پُرجوش خیر مقدم کیا ہو۔ اب انوسنٹ کا اقتدار دُور دراز سرحدوں تک پھیل گیا تھا۔ وہ پاپائی تسلط کے استحکام میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ آئس لینڈ کے بشپ اِس کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ اب اِس نے اپنے نمائندۂ خاص کارڈینل پلیچیس کو بیزنطینی پادریوں سے اطاعت منوانے کے لیے قسطنطنیہ روانہ کر دیا تھا۔ زمانۂ قدیم میں یعنی قیاصرہ کے دَور میں جیسے مشرق کبھی مغربی سلطنت سے ملحق تھا ویسے ہی دوبارہ مغربی سلطنت سے منسلک ہو گیا +

مضبُوط قوتِ ارادی اور شاطرانہ سیاست کی بدولت شاہی اقتدار پوپ انوسنٹ کے قبضۂ قُدرت میں آ گیا۔ اِس نے کہا "بخدا ہمارا اقتدار اقوام و ممالک سے برتر و فائق ہے" +

اِس کی مجلسِ شوریٰ اور کونسل نئے علاقوں کے انتظام و استحکام سے متعلقہ مسائل سُلجھانے میں مصروف ہو گئی۔ کئی تاجدار اور بادشاہ خراجِ اطاعت پیش کرنے روم آئے، ان میں اراگون کا فرمانروا بھی تھا۔ پطرس اعظم کے باسلیق میں اس نے اپنا تاج اور عصائے شاہی پطرس کے مرمریں مرقد پر رکھ دیے اور حلف اُٹھایا۔

"مَیں دِل اور زبان سے پاپائے روم کی سیادت کا اقرار کرتا ہوں مَیں پطرس اعظم کے جانشین کے رُوبرو سرِ تسلیم خم کرتا ہوں، جو اِس اعلیٰ ہستی کا نائب ہے، جس کی حکومت اقوام و اقالیم دُنیا پر حاوی ہے اور جو جسے اچھا سمجھے حکومت اور عزت عطا کرے" +

"مَیں کہ پیٹر ——— شاہِ اراگون، کاؤنٹ آف بارسیلونا، حاکم مانٹسپیلر بفضلِ خُدا اپنی سلطنت آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ——— اے عالی صفات باپ! ——— اے آقا و مولا! ——— پاپائے اعظم، تاجدارِ اعلیٰ انوسنٹ ...... آپ کے رُوبرو

سرِ نیاز خم کرتا ہوں اور آپ کی ذات کے ذریعے مقدّس کلیسائے روم کی اطاعت و معاونت کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ میری سلطنت روم کی باجگزار ہوگی اور ہر سال میرا خزانچی اڑھائی سو اشرفیاں بطورِ خراج عطا کیا کرے گا"۔

کئی زبردست حکمرانوں نے انوسنٹ کی گرفت محسوس کی۔ جب فلپ آگسٹس شاہِ فرانس نے نارمنڈی اور دیگر انگریزی مقبوضات پر تصرّف کیا تو انوسنٹ نے اپنا اثر و اقتدار کمزور شاہ جان کی حمایت میں استعمال کیا لیکن جب شاہ جان نے کلیسائے انگلستان کی املاک میں مداخلت کی، تو پاپائی غضب کی تلوار فوراً بے نیام ہو گئی۔ پوپ نے سارے انگلستان میں مذہبی شعائر معطل کر دیے اور ۱۲۰۸ء میں شاہ جان پر کُفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ بالآخر شاہ جان نے پوپ کی سیادت قبول کر لی اور ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ خراج دینا منظور کر لیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ انگریزی امیر اور نائٹ متلوّن مزاج جان کے مخالف ہو گئے اور اسے میگنا کارٹا[51] تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

جرمنی میں انوسنٹ نے مختلف حکمتِ عملیوں سے کام لیا۔ جرمن سلطنت فلپ آف سوابیا اور آٹو آف برنزوک کے درمیان دیرینہ عناد تھا۔ اِس نے کمزور فریق کی حمایت کی، بالآخر فلپ کے قتل کے بعد زبردست آٹو کے لیے میدان صاف ہو گیا۔ ظفرمند آٹو نے رسمِ تاجپوشی ادا کرنے کے لیے ٹائبر[52] روم کا رُخ کیا۔ تو پوپ نے اُسے کافر قرار دے دیا۔ عیار فلپ آگسٹس اور دُرشت خو آٹو کے سوا دُنیائے مسیحیت کے

---

۵۱ میگنا کارٹا کے لفظی معنی عظم دستاویز یا چارٹر کے ہیں۔ انگریزی آئین کے ارتقاء میں یہ دستاویز خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس میں پارلیمانی سیادت اور شخصی آزادی کے اصولوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ میگنا کارٹا اگرچہ جاگیرداروں کی مساعی کا نتیجہ تھا مگر اِس سے عمومی مفاد کے تحفظ کے کئی پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں اِسے انگریزی آئینی جدوجہد میں بلند مقام حاصل ہے۔

۵۲ روم کا شہر دریائے ٹائبر کے کنارے واقع ہے۔ (مترجم)

سارے تاجدار اور حکمران مقدس پوپ کے مطیع اور باجگزار تھے۔

فتح قسطنطنیہ کے چار سال بعد صلیبی جنگ کے متعلق انوسنٹ کے نظریات تغیر پذیر ہو چکے تھے۔ پہلے وہ بلا تامل اس مہم کی حمایت میں کمربستہ تھا اور یروشلم کی نجات کو ضروری سمجھتا تھا۔ سرزمین مقدس کی رہائی کے متعلق لوگوں کے جذبات سرد نہیں ہوئے تھے اور یروشلم کے نعرے بدستور یورپ کی فضا میں گونج رہے تھے لیکن پچھلے چند سال کے واقعات سے پوپ پر عیاں ہو گیا تھا کہ صلیبیوں کو فوری مسائل کے حل کے لیے بخوبی استعمال کیا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے بلا دریغ والٹر آف برین اور اس کے فرانسیسی نائٹوں کی تلواروں سے اٹلی کے سیاسی مسائل سلجھائے۔ اس نے ہنگری شہزادوں کو کروسیڈ میں شامل ہونے سے باز رکھا تاکہ فلپ آف سوابیا کی روزافزوں قوت کو روکا جا سکے۔ اس کے ایما کے بغیر بالڈون اور اہل وینس نے قسطنطنیہ پر روم کا پرچم لہرا دیا تھا۔

صلیبی تحریک کی رہنمائی سے بھی پاپائی اقتدار کو بدستور تقویت پہنچ رہی تھی۔ اطراف و اکناف سے روم کے خزانوں کے لیے مال و دولت آ رہا تھا۔ اس فراواں دولت کے محاسبے کی ضرورت نہ تھی۔ ہاسپٹلر اور ٹمپلر کے فوجی فرقوں کو جنگ کی ہنگامہ پرور فضا سے فروغ حاصل تھا۔ وہ پوپ کے تابع فرمان تھے، اس کے علاوہ ہزاروں صلیبی رضاکاروں نے کلیسا کی خدمت کا حلف اُٹھایا تھا۔ وہ جاگیرداروں اور شہزادوں کے دائرہ اختیار سے بے نیاز ہو گئے، انھیں بے شمار مراعات حاصل ہو گئیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس طرح پاپائیت کے سیاسی مفاد کو تقویت پہنچی۔ پوپ کا اختیار و اقتدار وسیع تر اور محکم تر اور اسی نسبت سے شاہی اقتدار کمزور تر ہوتا گیا۔

اس دور میں پوپ کے افسروں نے بھی دُنیوی شان و شوکت اختیار کر لی۔ پوپ کے دربار کے آداب و رسوم شاہانہ عظمت و وقار کے حامل تھے۔

انوسنٹ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ تسخیرِ یروشلم کی صلیبی تحریک کے ناکام ہونے کا قوی امکان تھا۔ اِس لیے اِس نے کامیابی کی واضح راہیں تلاش کر لی تھیں۔ اِسے جہاں بھی اپنا مفاد نظر آیا، بلا دریغ حاصل کر لیا۔ اِس نے صلیبی لشکروں کو رُخصت سفر دی اور انہیں اپنے مفاد کے لیے یورپ میں استعمال کیا۔ اِس نے انہیں بھی وہی مراعات بخش دیں جو یروشلم میں لڑنے والے صلیبیوں کو حاصل تھیں۔ اِس نے پہلی ضرب مُرتدین پر لگائی۔

جنوبی فرانس میں لوگ بڑے مزے سے رہتے تھے، وہ باغات اور زرخیز کھیتوں کے مالک تھے۔ آب و ہوا خوشگوار تھی اور وہاں کی دھوپ سازگار تھی۔ وہ جاگیردارانہ قتال و جدال کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ تھے۔ پرنیز کا سلسلۂ کوہ ان کی سلامتی کا ضامن تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنے گھروں میں رہتے۔ اِن کے ہال کمروں میں مغنّی شاعر گاتے اور خوبصورت عورتوں کے گرد مُشتاق مداح جمع ہو جاتے۔ پروونس اور گیسکنی کے اِن خوش مزاج باشندوں کی رگوں میں عربوں کا خُون گردش کر رہا تھا۔ انہوں نے عربوں سے بہت کچھ سیکھا تھا اور اپنے قدیم آباؤ اجداد سے یہ عقیدہ ورثے میں پایا تھا کہ دُنیا میں صرف خیر و شر ہی حقیقی قوتیں ہیں، جو انسانی افعال پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ سب لوگوں کا اِس عقیدے پر ایمان نہ تھا لیکن بہت سے لوگ اِس کے گرویدہ تھے۔ اُنہوں نے ایک نئے مذہب کی بُنیاد ڈالی تھی۔ وہ ابتدائے آفرینش کے متعلق سوچتے جب پیغمبر زندہ تھے اور کلیسا معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ بلاشبہ اِن کے خیالات عرب فلاسفروں کے رہینِ منت تھے۔

انہیں "کتھار" یعنی "خالصین" کہا جاتا تھا۔ ایشیا کے راہبوں کی طرح وہ جسمانی خواہشات کی آلائشوں سے صاف و منزہ رہنے کی کوشش کرتے۔ کئی تو گوشت اور عورت کے نزدیک تک نہ جاتے۔ ان کے حقیقی عقائد پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

کیونکہ اِن کی ساری تعلیمات فنا کر دی گئی تھیں۔ اور جو کچھ موہوم سی تعلیمات باقی رہ گئی ہیں، وُہ اُن کے مخالف ستم گروں کی مسخ کردہ ہیں۔

مانٹ پیلیر میں اِس فرقے کی طرح ایک اور فرقہ ظہور پذیر ہُوا۔ انہوں نے کیتھولک کلیسا کے عیش پسند پادریوں کے خلاف آواز اُٹھائی۔ وہ قرونِ وسطیٰ کے کلیسا کے بنیادی عقائد ہی کے مخالف تھے، یعنی وہ اولیاء کے وجود اور عقیدۂ حضورِ مسیح کے مُنکر تھے۔ وہ اپنے عقائد کی تبلیغ میں بھی خاصے سرگرم تھے۔ کئی جاگیرداروں اور نوابوں نے اِس فرقے کے عقائد قبول کر لیے۔ اِن میں کاؤنٹ آف فوکسن، وائی کاؤنٹ آف بیران، اور ریمنڈ ششم کاؤنٹ آف ٹولو بھی شامل تھے۔ یہ ریمنڈ پہلی صلیبی مہم کے ایک سردار ریمنڈ کی اولاد سے تھا۔ رفتہ رفتہ دیہات کی خواب آلود چوپالوں اور امیروں کے محلات میں نئے مذہب کا چرچا ہونے لگا۔

خُداوندانِ کلیسا کی نظر میں بے دینی سخت جُرم تھا لیکن علانیہ ارتداد اور کلیسا کے مسلمہ عقائد کا انکار بدترین اور ناقابلِ معافی گُناہ تھا۔ مُرتد باغی تھا، اِس کی تادیب ضروری تھی۔ دیوانے کُتّے کی طرح اِسے زندہ رہنے دینا معاشرے کے لیے خطرناک اور مُہلک تھا۔ اِسے زندہ رکھنے کے بجائے عذاب دے کر مار دینا بہتر تھا۔ یہ تھے کارپردازانِ کلیسا کے دلائل۔

کتھاروں کے خلاف ابتدائی کارروائی خاصی نرم تھی۔ ایک بشپ اور راہب کو جنوبی فرانس میں اِس فرقے کے مُہلک اثر کا اندازہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ جسے سرکاری پادریوں کی خامیاں اور کمزوریاں معلوم ہو گئیں۔ بالآخر وہ اِس نتیجے پر پہنچے کہ اِس عارضے میں تادیب و تطہیر کے بجائے تریاق کی ضرورت ہے، چُنانچہ مال و دولت سے دستکش ہو کر وُہ ننگے پاؤں قریہ قریہ لوگوں کے پاس گئے۔ وُہ اپنے خلوص اور سادگی سے یہ واضح کر دینا چاہتے تھے کہ خادمانِ کلیسا بھی

کتھاروں کی طرح قربانی کر سکتے ہیں اِس انتھک اور سرگرم راہب نے عالمِ مسیحیت میں سینٹ ڈومینک کا نام پایا۔

معلوم نہیں کہ اِن کی مساعی کا کتھاروں پر کیا اثر ہُوا البتہ کلیسا کے سرکاری پادری اِن کے خلاف ہو گئے۔ وُہ اِن کی قربانیوں کو اپنی ذِلّت اور رُسوائی کا سامان سمجھنے لگے۔ کلیسا کے اعلیٰ عُہدیداروں نے اِس بیماری کے عِلاج کے لیے تنقیہ کافی نہ سمجھا بلکہ اِرتدادی سرطان سے متأثر اعضاء کی قطع و برید کے لیے عملِ جراحی کا پُرزور مطالبہ کیا۔ وہ کہتے کہ سرطان کا زہر سارے جِسم میں پھیلنے سے پہلے ہی بے کار حصّوں کو جلا دینا قرینِ دانش ہے۔ چنانچہ کسی اسقف نے ۱۲۰۷ء میں پوپ کے سفیر سے ریمنڈ آف ٹولو کے متعلق کُفر کا فتویٰ طلب کیا۔ اگلے سال یہ فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ اِس پر کاؤنٹ کے کسی سرپھرے مصاحب نے پوپ کے سفیر کو قتل کر دیا۔ اِس کے قتل کی خبر انوسنٹ کو پہنچی۔

جب پوپ کو اپنے سفیر کے قتل کی خبر ملی تو اُس نے اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھائے اور سینٹ پیٹر کو یاد کر کے دُعا مانگی۔ دُعا سے فارغ ہو کر اُس نے شمع گُل کر دی۔ اُس وقت سیٹو کا راہب، نوجوان ملوتن اور نصف درجن کارڈینل، پوپ کے پاس تھے۔ وُہ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اِس حلقے میں وہ فیصلے کیے گئے جن کی تکمیل میں کئی اِنسانوں کا خُون بہا اور کئی عورتیں برہنہ کی گئیں۔

انوسنٹ نے مُرتدوں کے خلاف کروسیڈ کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے کلیسا کے اقتدار کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اِس لیے کلیسا کی افواج ہی کو اِن کا قلع قمع کرنے کے لیے مامور کیا گیا۔ کروسیڈ میں شامل ہونے والے رضاکاروں کے گُناہ معاف کر دیے گئے۔ تاجروں اور شمال کے ساہوکاروں نے بڑی بڑی رقموں کے عطیے دیے۔ اِنہیں اس کا وافر معاوضہ ملا۔ زرخیز جنوبی فرانس کی لُوٹ کے بعد اِنہیں مالِ غنیمت کے کپڑوں، شراب اور غلّے سے وافر حصّہ ملا۔ بیشتر صلیبی رضاکار لینگڈوک کے

متاثرہ علاقے کے ہمسائے فرانسیسی تھے۔ انہوں نے اپنے سینوں پر اطلس کے چوڑے چوڑے کمر بند باندھ لیے جن پر سنہری صلیبیں بنی ہوئی تھیں۔ وہ اِس مہم پر ایسے روانہ ہوئے جیسے کسی سرحدی حملے پر جا رہے ہوں کلیسا اِن کا پُشت پناہ تھا اور انہیں قتل و غارت کی کھُلی چھُٹی تھی۔ ریمنڈ آف ٹولو نے پُرزور احتجاج کیا کہ مَیں اِس قتل سے بری الذمہ ہوں لیکن بے سُود حملہ آور فوج کی قیادت سائمن ڈی مانٹفورٹ جیسے بہادر اور بے رحم سردار کے ہاتھ میں تھی۔ پادری فوج کے آگے آگے حمد خواں تھے۔ حملہ آوروں نے خوب کا رُخ کیا۔ انہوں نے "کتھاری" اور عام لوگوں میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔

انہوں نے بیزئیر پر یورش کی تو عورتوں اور بچّوں نے سینٹ میڈلین کے گرجے میں پناہ لی۔ لیکن وہ خونخوار حملہ آوروں کی بربریت کا شکار ہو گئے، سات ہزار مقتول ہوئے۔ وہ جس گاؤں میں جاتے وہاں مکانوں پر بے جا تصرّف کر لیتے اور لوگوں کے گھروں پر بلائے بے درماں کی طرح مسلّط ہو جاتے۔ بعض مقامات پر چند بے خوف نائٹوں نے مزاحمت بھی کی۔ لیکن بے سُود وہ انسانوں کو تہ تیغ اور گھروں کو نذرِ آتش کر دیتے، قیدی نائٹوں کو بے رحمی سے زیتون کے درختوں سے لٹکا کر سُولی پر چڑھا دیا جاتا یا گھوڑوں کی دُموں سے باندھ کر اِن کے ٹُکڑے ٹُکڑے کر دیئے جاتے۔ فوج اپنی ظفر مندانہ یلغار کے راستے میں لاشوں کے انبار، ملبے کے سُلگتے ہوئے ڈھیر اور برباد کنبے چھوڑ گئی۔ تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپ میں مغنیوں کے طربناک نغمے اور شاعروں کے گیت سِسک سِسک کر خاموش ہو گئے۔

اراگون کا بادشاہ پیٹر لینگڈوک کے ہمراہ ڈی مانٹفورٹ کی صلیبی فوج کے خلاف معرکہ آرا ہوا لیکن شکست کھائی اور مارا گیا۔ یہ ۱۲۱۳ء کا واقعہ ہے۔ جنگ چار سال جاری رہی لیکن خُونریزی اور غارت گری کا بازار اِس کے بعد بھی کافی مدّت تک

گرم رہا۔

اِس اثنا میں انوسنٹ نے ڈُوا ورمہنوں کو بھی کروسیڈ کا درجہ بخش دیا تھا۔ یورپ کے شمال مشرقی علاقے کے پرُشین[1] وحشیوں کو بزورِ شمشیر عیسائی بنانے کے لیے ٹیوٹانک[2] (جرمن) نائٹوں کو مامور کیا گیا[3]۔ پوپ نے ہسپانیہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کے استیصال کے لیے صلیبی جنگ کا نعرہ بلند کیا۔ ہسپانیہ میں صلیبی نائٹوں کو نمایاں کامیابی ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو غرناطہ کے ساحلی علاقے کی طرف دھکیل دیا۔ پوپ نے انگلستان کے مُفسد بادشاہ جان "ناشُدنی[4]" کا قلع قمع کرنے کے لیے بھی کروسیڈ کی تیاری شروع کردی۔ یہ اقدام فلپ آگسٹس شاہِ فرانس کو بہت پسند تھا۔ چنانچہ اِس نے سب سے پہلے اِس پر لبّیک کہی۔ فلپ نے لینگڈوک لُوٹنے میں حصّہ نہیں لیا تھا۔

---

[1] پرُشیا:- یہ جرمنی کا شمال مشرقی علاقہ ہے۔ اُنیسویں صدی میں پرُشیا کی قیادت ہی میں جرمن قوم متحد ہوئی تھی۔ پرُشین لوگوں کی فوجی روایات اور جنگجوئی ضرب المثل تھی۔ اِس علاقے کے لوگوں نے بارھویں صدی تک عیسائیت قبول نہیں کی تھی اور بدستور مظاہر پرستی کے قائل تھے۔ (مترجم)

[2] ٹیوٹانک سے لغوی طور پر مُراد ہے جرمن قوم یا زبان سے متعلق۔ لیکن یہاں اِن جرمنی النسل نائٹوں کے فرقے سے مُراد ہے جو ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں کی طرز پر منظم تھے۔ (مترجم)

[3] اِس مہم کی وجہ سے ٹیوٹانک فرقے نے اپنا صدر مقام سرزمین مقدس سے مشرقی یورپ میں منتقل کرلیا تھا۔ اِس کے بعد یہ فرقہ فلسطین کے معاملات میں کوئی نمایاں حصّہ نہ لے سکا، سوائے اس کے کہ اُنہوں نے شہنشاہِ فریڈرک ثانی کی حمایت کی۔ (مصنف)

[4] جان شاہِ انگلستان رچرڈ کا بھائی تھا۔ تاریخ انگلستان میں Holy land یعنی ناشُدنی یا بدبخت اِس کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ اِس بادشاہ کی پوپ، کلیسا اور جاگیرداروں سے ٹھنی رہی۔ اُسے اپنی متلوّن مزاجی، بدعہدی اور ظلم کی وجہ سے ہمیشہ ناکامی ہوئی۔ (مترجم)

لیکن وہ انگلستان پر حملے کے لیے عُذر کا مُتلاشی تھا۔

۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۳ء تک انوسنٹ نے صلیبی تحریک کی قوت سے کام لیا اور قسطنطنیہ سے لے کر غرناطہ تک اپنی پالیسی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل رہا۔ اِس نے جنوبی فرانس میں مُرتدین کے استیصال کے لیے جو تلوار پہلی مرتبہ بلند کی وہ آخری دفعہ نہ تھی۔ اِس کے بعد بار بار اِس تلوار کے اِستعمال کی ضرورت پیش آئی۔ آئندہ پانچ صدیوں میں کئی پوپوں اور بادشاہوں نے اِس کی تقلید کی۔

انوسنٹ کی مرضی سے پہلی مرتبہ کروسیڈ تحریک کو یورپی معاملات سلجھانے میں صرف کیا گیا۔ صلیبی جنگوں کی قوت پاپائی عزائم کی تابع ہو کر رہ گئی۔

۳۷

انوسنٹ کا نعرۂ جنگ

کلیسائے روم پر انوسنٹ کے رُعب و جلال سے ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ چند سال ہی میں اُس نے گرجوں کی اصلاح کا معجزہ کر دکھایا تھا[1]۔ اِس صدی میں کوئی بھی جاہ پسندی اور مستقل مزاجی میں اِس کا ہمسر نہ تھا۔ لیکن وُہ اپنے گھر کی اصلاح سے قاصر رہا۔ شورش پسند ہجوم بدستور روم میں فساد برپا کرتے رہتے۔ پوپ کے محل کے

---

[1] انوسنٹ کی رائج کردہ داخلی اصلاحات سے ہمیں واسطہ نہیں۔ اس نے واقعی ایسی انتظامی اصلاحات نافذ کیں جو اِس زمانے کے اعتبار سے معرکہ آرا اور اعجاز آفریں تھیں۔ اِس کی کونسل کی کارروائیوں سے آئندہ کئی صدیاں متاثر ہوئیں۔ اِس کے عہد میں "تجسیم و حضورِ مسیح" کا عقیدہ جاری ہُوا۔ اور ایذا رسانی سے ملزموں کی "آزمائش" کا طریقہ متروک قرار دیا گیا۔ اِس عظیم پوپ کی شخصیت ہمہ گیر تھی اور کئی دانشمند تاریخ دان اِس کی تمام کامیابیوں اور اصلی مقاصد کا تجزیہ اور احاطہ کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ یہاں ہمارا مطلب انوسنٹ کے ان افعال و اعمال سے ہے جو براہِ راست صلیبی محاربات پر اثر انداز ہوئے۔ (مصنف)

دروازے کے سامنے مختلف گروہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے۔ گاہے گاہے آرسینی خاندان کے لوگ پوپ کے خلاف صف آرا ہو جاتے کیونکہ پوپ اِن کے حریف کانٹی خاندان کا فرد تھا۔ وہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو جاتے یا روم کے بازاروں کو میدانِ کارزار بناتے اور جب پوپ نے حفاظتی بُرج تعمیر کرائے تو اسے شہر چھوڑ کر جانا پڑا ؛

روم کے شمال میں لومبارڈوں کی بلدیاتی جمہوریتیں تھیں۔ یہ خود مختار جمہوریتیں پوپ کے روز افزوں اقتدار کے لیے سدِّ راہ تھیں۔ وہ آخر کے رومن قیصروں کی طرح انوسنٹ بھی اپنی سلطنت کی حدود کو وُسعت دینے کے باوجود روم میں امن و امان قائم نہ کر سکا ؛

اُسے کلیسا میں ایک خاموش داخلی بغاوت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ پادریوں کی دُنیا طلبی سے پُرجوش اور مُخلص نوجوان سخت بیزار تھے۔ دیہات میں اربابِ کلیسا کی سند کے بغیر کئی بے قاعدہ راہب گھومنے لگے۔ وُہ بوسیدہ پیرہن اور برہنہ پا پھرتے رہتے۔ دربدر بھیک مانگ کر گزارا کرتے اور اپنی قوتوں کو مشقت کے مارے دُکھی انسانوں کے درد کا مداوا کرنے میں صرف کرتے۔ وُہ بلند حوصلہ اور انسان دوست تھے۔ ہر ایک کی فرمائش پوری کرتے، کسی کو حمد سُناتے تو کسی کو ٹھنگی سے کھاد ڈھو دیتے۔ وُہ خانہ بدوشوں کے ہمراہ سفر کرتے۔ کھائیوں اور پھوس کے ڈھیروں میں سو کر راتیں گزارتے۔ وُہ ذاتی وجاہت و عزّت کی خام خیالوں سے بے نیاز تھے۔ اِن کا ایک راہنما اسیسی کا باشندہ تھا۔ وُہ بچّوں سے ہنستا بولتا، کوڑھیوں کی خدمت کرتا اور دراصل جوش و طیور کے ساتھ رہتا۔ اسے مرے ہوئے دو سال نہیں گزرے تھے کہ لوگ اسے ولی کہنے لگے اور وُہ سینٹ فرانسیس کے نام سے مشہور ہو گیا ؛

اِس کے ساتھی فرانسسکن کہلائے۔ کئی لوگ انہیں "بھورے راہب" کہہ کہہ پُکارتے۔ وہ لوگوں کی خدمت کرتے، وہ عوام میں سرکاری پادریوں سے بدرجہا

زیادہ مقبول تھے۔ لوگ انہیں پیار سے "مسیح کے مداری" کہتے۔ اِن بھکاری راہبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اِن کی سادگی اور افلاس پادریوں کی دولت اور جاہ پرستی کے خلاف ایک خاموش اور رواں دواں بغاوت تھی۔ سرکاری پادری کلیسا کے مُلازم تھے۔ وہ لوگوں کے خادم نہ تھے۔

سنہ ۱۲۱۲ء کے ایسٹر کے موقع پر ایک ایسا عجیب واقعہ ظہور پذیر ہُوا جس سے ساری دُنیائے مسیحیت حیران رہ گئی۔ اٹلی کے شمالی کوہستانوں سے بچّوں کے جلوس گروہ در گروہ وادیوں میں پھیل گئے۔ وُہ اپنے معصوم ہاتھوں میں لکڑی کی صلیبیں اُٹھائے اور اُونچی آواز میں حمد کے گیت گاتے شہروں اور دیہات سے گزُرے۔ جب بھی کوئی اِن سے پُوچھتا "تم کہاں جا رہے ہو؟" وہ جواب دیتے "خُدا کے پاس"۔

دراصل وہ وینڈوم کی وادی کے غریب چرواہوں کی اولاد تھے۔ جو راضی برضا اپنے گھروں سے نکل کر کھڑے ہوئے اور راستے میں انہیں کئی بچّے اور مل گئے۔ وہ ساحل سمندر کی طرف رواں تھے کہ سرزمینِ مقدّس میں پہنچ کر آقا و مولا مسیح کی خدمت کریں۔ وُہ اس مقدّس شہر کو حاصِل کرنے جا رہے تھے جس کی فتح کے بعد دُنیا میں امن و امان کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔

بچّوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اِنہیں کیا کرنا چاہیئے؟ اور اِن مقاصد کی عملی طور پر تکمیل کیسے ہو گی؟ لیکن اس کے باوجود ہزاروں بچّے اپنی خوشی سے جمع ہو کر جا رہے تھے۔ بچّوں کا جلوس دیکھنے کے بعد لوگ اسے معجزہ اور بشارت سمجھنے لگے۔

دیکھنے والوں کو یقین ہو گیا کہ خُداوند اِن کے شامِل حال ہے اور معصوم رضاکاروں کے ذریعے کوئی عظیم الشان واقعہ معرضِ وجود میں آنے والا ہے۔ اِن کی راہ میں کوئی مزاحم نہ ہوا۔ وہ پہاڑوں سے اُترے اور انہوں نے اطالوی شہروں کا رُخ کیا۔ ظاہری اسباب کے بغیر بھی وہ سمندر عبور کرنے کے متعلق پُر اُمید تھے۔

وہ صلیبیں اور کشکول اُٹھائے بندرگاہوں کا چکر لگاتے رہے لیکن سمندر پار جانے کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ سمندر کے پانی نے انہیں رستہ نہ دیا اور وہ پیدل یروشلم نہ جا سکے۔ وہ بے یارو مددگار تھے ان کے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ بچّوں کے معصوم گروہ میں کئی بدنام انسانی بھیڑیے گھس گئے انہوں نے ان کی بیچارگی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور خوش اندام لڑکیوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے لگے۔ ایک شہر میں انہیں مفت جہاز مل گئے۔ وہ خوشی خوشی جہازوں میں سوار ہوئے۔ جہازوں نے لنگر اُٹھائے۔ سنگدل جہازران ان جہازوں کو مسلمانوں کی بندرگاہوں میں لے گئے انہوں نے قیروان اور اسکندریہ کی بندرگاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو فروخت کر دیا۔ ایک جہاز بچّوں کو لے کر روانہ ہُوا لیکن ایک جزیرے کے قریب ڈوب گیا۔

جب انوسنٹ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے کوئی مداخلت نہ کی البتہ یہ کہا "ہمارے لیے باعث شرم ہے کہ بچّے تو سرزمین مقدس کی رہائی کے لیے نکلیں اور ہم گھروں میں دبکے بیٹھے رہیں"۔

باقی ماندہ بچّے مایوس ہو چکے تھے، مضمحل اور بیزار ہو کر وہ ساحل سے واپس ہوئے ان کے لبوں پر گیتوں کے سوتے خشک ہو چکے تھے، ان کے ہاتھوں سے صلیبیں گر چکی تھیں، وہ کٹھن اور سنگلاخ پہاڑی راستوں سے اپنے گھروں کو واپس ہوئے، وہ لوگ جنہوں نے معجزے کی توقع میں ان کی مدد کی تھی انہیں واپس آتا دیکھ کر آوازے کسنے لگے۔ وہ ان لڑکیوں پر انگشت نمائی کرنے لگے جو انسانی درندوں کی ہوس کا شکار ہو چکی تھیں۔ وہ نفرت و حقارت سے کہتے "ارے یہ شیطان کی کنیزیں خدائی کام کے لیے نہیں بدکاری کے لیے گئی تھیں"۔

اس طرح بچّوں کا صلیبی سفر ختم ہُوا۔ وہ از خود روانہ ہوئے تھے۔ افلاس کے مارے اور سختیوں سے گھبرائے ہوئے۔ وہ اپنے جھونپڑوں سے یروشلم کی تلاش میں نکلے تھے۔

اُس شہر کی جُستجو میں نہیں جو فلسطین میں واقع تھا بلکہ اُس پُرامن بستی کی آرزو میں جو دُنیا کے سات سمندر پار ہے۔

جس جزیرے کے قریب اِن کا جہاز غرق ہُوا تھا وہاں انوسنٹ نے بعد میں ایک یادگار تعمیر کرا دی۔

بچوں کے کروسیڈ کے متعلق اس کی رائے چاہے کچھ بھی تھی، وہ ایک عظیم الشان مہم کے لیے کمربستہ ہوگیا۔ وہ اِس مہم کو پاپائیت کا طرّہ افتخار بنانا چاہتا تھا۔ اس نے یورپ میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ ختم اور یروشلم کے استخلاص کے لیے مہم کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اِس مرتبہ اس کا مقصد واضح تھا۔ اِس میں کسی ابہام کی گنجائش نہ تھی یعنی فتح یروشلم سے پاپائی اقتدار کا استحکام و اعلان۔۔ اب یورپ کا میدان صاف ہوچکا تھا اُس نے اپنے حریفوں کو سرنگوں کر لیا تھا۔ اِس کا آخری دُشمن آٹو بھی فلپ آگسٹس کے ہاتھوں تباہ ہوچکا تھا۔ آٹو کے بجائے اس نے ایک کم سن شہزادے کو مقدّس رومن سلطنت کا شہنشاہ مقرر کر دیا تھا۔ اور اس کی رسم تاجپوشی ادا کی تھی۔ یہ شہزادہ فریڈرک آف ہانسٹوفن تھا، یعنی ہنری ششم کا بیٹا۔ اِس کی ماں کانسٹنس نے جزیرہ سسلی کی حکومت اور کم سن شہزادہ فریڈرک کو پوپ کے حوالے کر دیا تھا۔ پوپ اس کا محافظ اور سرپرست تھا۔ تاجپوشی کے بعد فریڈرک نے از خود یا ممکن ہے انوسنٹ کے زیر اثر شارلمین[1] کی صلیب اُٹھائی جو ایکس لاشپیسال کے ایک غار میں بطور تبرک محفوظ تھی۔ جواں سال فریڈرک صلیبی جنگ کے لیے تیار ہوگیا۔ اِس طرح انوسنٹ کو یہ اطمینان ہوگیا کہ سلطنت اور پاپائیت کی طویل کشمکش بخیر و خوبی ختم ہوگئی ہے اور پاپائیت

---

[1] شارلمین فرانکوں کا ممتاز تاجدار تھا۔ وہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا۔ شارلمین خلافت اندلس کے خلاف نبرد آزما رہا۔ مسلمانوں کے خلاف جنگوں کی وجہ سے اِسے خاص شہرت حاصل ہوئی۔ (مترجم)

کامران ہے ؎

نومبر ۱۲۱۵ء میں لاٹرن محل میں اعلیٰ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں شمولیت کے لیے عالمِ مسیحیت کے گوشے گوشے سے بشپ اور پادری آئے۔ یروشلم اور قسطنطنیہ کے اسقفِ اعظم بھی موجود تھے۔ انوسنٹ بڑی شان و شوکت سے دربار میں جلوہ افروز ہوا۔ اس نے پُرتاثیر اور سحر آفریں وعظ کہا۔ اور صلیبی جنگ کی ضرورت پر زور دیا۔ اس نے کہا کہ "اب سفر کا وقت آن پہنچا ہے۔ اِس مقدّس سفر کے لیے کمربستہ ہو جائیے۔ میری دُعائیں آپ کے شاملِ حال ہوں گی اور میری رُوح آپ کی رفیق" ؎

نئے کروسیڈ کے لیے جون ۱۲۱۷ء کی تاریخ مقرّر کی گئی۔ سب پادریوں نے اپنی آمدنی کا بیسواں حصّہ کروسیڈ کے لیے وقف کر دیا۔ پوپ اور کارڈینلوں نے اپنی آمدنی کا دسواں حصّہ دینا منظور کیا۔ چار سال تک یورپ میں خُدائی امن کا اعلان کر دیا گیا۔ اطالوی جمہوریتوں کو مسلمانوں سے تجارت بند کر دینے کے لیے کہا گیا۔ انوسنٹ فتح کے متعلق بہت پُر اُمید تھا۔ لیکن کروسیڈ کی تیاریوں کی ابتدا ہی میں انوسنٹ چل بسا ؎

انوسنٹ قرونِ وسطیٰ کا سب سے عظیم الشان پوپ تھا۔ اِس کی تخت نشینی کے وقت یروشلم کی راہیں کھُلی تھیں۔ عیسائی فوجیں مزارِ مسیح کی طرف جانے کے لیے دوبارہ کمربستہ تھیں۔ لیکن اس کی سترہ سالہ پاپائیت (جسے عہدِ حکومت کہنا موزوں ہوگا) میں ایک بھی یورپی سپاہی یروشلم جانے کے لیے ساحلِ شام پر نہ اُترا۔ اِس دور میں صرف ساحلی علاقے کے ٹمپلروں نے یا قبرص کے شاہِ ایمالرک نے از خود ایک دو حملے کیے۔ اِس سے زیادہ کچھ نہ ہُوا۔ ایمالرک کی فوج مختصر اور کمزور تھی۔ چُنانچہ وُہ قاہرہ کے سُلطان ملک العادل سے بخوشی طویل المیعاد صُلح پر رضامند ہو گیا۔ اب ملک العادل بھی بُوڑھا ہو چکا تھا۔ صلیبیوں کے چند جتھے قسطنطنیہ کی مہم سے علیحدہ ہو کر ایمالرک کے پاس پہنچے۔ لیکن ایمالرک شرائطِ صُلح کی پابندی کی وجہ سے اِن کی قیادت سے معذور تھا۔ اِس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو

وہ منتشر ہو گئے، اور کئی شاہ آرمینیا اور حاکم انطاکیہ کی باہمی جاگیردارانہ جنگ میں اُلجھ کر مخالف گروہوں میں صف آرا ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد ایک فلیمش[1] بحری بیڑا ساحلِ شام پر اُترا لیکن وہ بےکار رہے۔ بالآخر اِس بیڑے کے سردار کی ایمالرک سے ٹھن گئی۔ اِس لڑائی کی وجہ عجیب تھی۔ فلانڈرز والوں کے سردار کا نام جان ڈی نیل تھا۔ مارسیلز میں اس کی ملاقات اِس فراموش شدہ بیزنطینی شہزادی سے ہوئی جسے رچرڈ شاہِ انگلستان اسیر بنا کر ساتھ لے گیا تھا۔ اور وہ ملکہ برنیگیریا کے ہمراہ فرانس واپس آئی تھی۔ وہ محاربہ عکّہ کی درماندہ تھی۔ ڈی نیل نے اس سے شادی کر لی۔ اِس نے قبرص پہنچ کر جزیرے کی حکومت کا دعویٰ کر دیا۔ اِس نے جلاوطن شہزادی سے شادی کی بنا پر تاج و تخت کا دعوے کیا تھا۔ ایمالرک نے فلانڈرز کے اس گنوار ملّاح کی طرف حیرت سے دیکھ کر کہا "یہ آوارہ کُتّا کون ہے؟ اِس سے کہہ دو کہ فوراً دفع ہو جائے ورنہ دھکّے مار کر نکال دیا جائے گا"۔

صلیبی رضاکار مقدّس جنگ کی جستجو میں نکلے تھے لیکن وہ مایوس و ناکام گھروں کو لوٹے جیسا کہ بچّوں کے کروسیڈ کے افسردہ اور آشفتہ حال درماندگان گیتوں اور چوبی صلیبوں کے بغیر لوٹے تھے۔

قسطنطنیہ کی مہم سے غیر متوقع طور پر کروسیڈ کا رُخ بدل گیا جب ساحلِ فلسطین کے لوگوں کو معلوم ہُوا کہ فرانسیسی فوجیں بیزنطینی دارالسلطنت پر قابض ہو گئی ہیں تو نائٹ اور طالع آزما سرداروں کی مُشتاق نگاہیں شمال پر جم گئیں۔ انھوں نے سُنا کہ قسطنطنیہ اور یونان کے نواح میں قلعے اور جاگیریں تقسیم ہو رہی ہیں اور مال و دولت کے اَن گنت ذخیرے آسانی سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ مزید برآں پوپ نے قسطنطنیہ کے ان حملہ آوروں کو بھی وہی مراعات عطا کر دی ہیں جو فلسطین کے صلیبیوں کے لیے مخصوص

---

[1] فلانڈرز کے لوگوں کو فلیمش کہا جاتا ہے۔

تھیں۔ اِن کے لیے یہ جنگ کفارۂ گناہ قرار دی گئی۔ چنانچہ سینکڑوں صلیبیوں نے ساحلِ شام کو خیرباد کہہ کر اس شہر کی راہ لی جس پر ان کے ارمانوں کی قوسِ قزح چھائی ہوئی تھی۔

اِس عرصے میں اہلِ وینس نے صلیبی جنگ کا ڈھونگ ختم کر دیا اور اپنے اصلی روپ میں نمودار ہو گئے۔ اہلِ جنیوا اور اہلِ پیزا کے تجارتی مقابلے کے خوف سے انھوں نے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ انھوں نے یونان کے ساحلوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد کریٹ میں بھی مورچے مستحکم کر لیے تھے۔ اگر حرص کے مارے وینسی یونانی گرجوں کو اس بری طرح تاخت و تاراج نہ کرتے تو شاید انوسنٹ یونانی پادریوں کو لاطینی کلیسا کی سیادت قبول کرنے پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ جمہوریۂ وینس نے اِن فتوحات ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی تجارت کا دائرہ وسیع تر کرنے کے لیے ایشیائے کوچک کے سلجوق سلطانوں اور مصر کے فرمانروا ملک العادل[1] سے بھی معاہدے کرنے سے گریز نہ کیا۔

اہلِ وینس کے لیے ایشیائی تجارت اتنی نفع بخش ثابت ہوئی کہ وہ صلیبی جنگوں کے مخالف ہو گئے۔ اِن معرکوں سے اِن کی تجارت میں خلل واقع ہوتا تھا کروسیڈ کی مخالفت ان کے مفاد کا تقاضا تھا لیکن اس کے خلاف پاپائیت کو اپنے اقتدار کے بقا کے لیے کروسیڈوں کی ضرورت تھی۔ اِس طرح سے پوپ اور اہلِ وینس ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اِس کشمکش میں اہلِ وینس نے اپنی قوت کو برقرار رکھا۔ انوسنٹ نے

---

[1] ایک عیسائی تذکرہ نویس یوں رقمطراز ہے "صلاح الدین کے بھائی نے وینس کے ڈوجے کو گرانقدر تحائف بھجوائے اِس نے دوستی اور سلامتی کی خواہش ظاہر کی۔ اگر اہلِ وینس صلیبیوں کے حملے کو مصر سے منتقل کرا دیں تو انہیں اسکندریہ میں آزادانہ تجارت کی مراعات کے علاوہ بیش بہا خزانہ بھی پیش کیا جائے گا"۔

حال ہی میں ملک العادل کا وہ فرمان دریافت ہوا ہے۔ جس میں اہلِ وینس کو تجارتی مراعات عطا کی گئی تھیں۔ انوسنٹ کی مسلمانوں سے تجارت پر بندش غالباً تجارتی جنگ کی پہلی مثال ہے (مصنف)

مسلمانوں کے ساتھ تجارت کی ممانعت کر دی تو اہلِ وینس کے وفد نے پوپ سے سخت احتجاج کیا۔ اِس احتجاج کے پیشِ نظر پوپ نے حکمِ امتناع کو صرف جنگی سامان کی تجارت تک محدود کر دیا۔ جنگی سامان میں لوہا، لکڑی، کولتار، رسّے، اسلحہ اور جہاز شامل تھے۔

انوسنٹ نے یورپ میں اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف صلیبی قوت استعمال کر کے صلیبی جنگوں کی ماہیت کو ہی بدل دیا تھا۔ اِس نے پاپائیت کے سیاسی اقتدار کو اِس قدر وُسعت دی کہ اسے اس کی بقا کے لیے صلیبی تحریک کا دست نگر ہونا پڑا۔ یورپ میں کُشت و خُون کے باوجود وہ صلیبی جنگ کے نعرے بلند کرتا رہا۔ ایک سَو بیس سال قبل پوپ اربن ثانی نے پہلے کروسیڈ کا خیر مقدم کیا تھا۔ کیونکہ اِس سے پاپائیت کی رُوحانی قیادت مسلّم ہو گئی تھی۔ انوسنٹ نے اِس رُوحانی قیادت کو سیاسی اقتدار کے لیے استعمال کیا۔ انوسنٹ کی حکمت عملی کلیسائے روم کی مُستقل پالیسی بن گئی اگرچہ ابتدا میں اِس پالیسی کے نتائج صبر طلب تھے لیکن بالآخر نہایت دُور رس اور معرکہ آفریں ثابت ہوئے۔ یورپی سیاست میں اِس پالیسی کے نتائج اِس قدر یقینی ہو گئے جیسے کہ دن کے بعد رات کا وجود۔

انوسنٹ کی مَوت کے بعد کلیسا اس کی عظیم الشان قیادت سے محروم ہو گیا اس وقت کلیسا کو کروسیڈ کی قیادت کے وقار کی اشد ضرورت تھی۔ جس کا سامان بالغ نظر انوسنٹ کی پالیسی کی صورت میں موجود تھا۔ انوسنٹ کی مَوت کے بعد اس کی وسیع سلطنت میں شگاف پڑنے لگے تھے۔ دُور دراز مقامات میں انتشار کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اہل آرمینیا روم کی اطاعت سے آزاد ہو گئے، لاطینی حملہ آوروں کے خلاف بیزنطینی مدافعت کامیاب ہونے لگی، اہلِ فرانس ابھی تک لینگوڈوک کے خرابات میں سرگرداں تھے۔

انوسنٹ کے جانشینوں کے ذاتی نظریات کچھ بھی ہوں، وہ کروسیڈ کی تبلیغ و

اشاعت پر مجبور تھے۔ ان کے لیے کروسیڈ سے گریز ممکن نہ تھا۔ جولائی ۱۲۱۶ء میں بوڑھے اور امن پسند کارڈینل سینچو سیویلی کو پوپ منتخب کیا گیا۔ تاجپوشی کے فوراً بعد اس نے اعلان کیا کہ ہم انوسنٹ کے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اس نے بلاتاخیر جواں سال شہنشاہ فریڈرک ثانی، شاہ یروشلم اور قسطنطنیہ کے فرانسیسی شہنشاہ کو کروسیڈ میں شمولیت کے لیے خط روانہ کیے۔ فریڈرک نے لکھا کہ میری سلطنت اندرونی خلفشار کا شکار ہے۔ اس لیے مجھے مہلت عنایت کی جائے لیکن اینڈریو شاہ ہنگری نے سب سے پہلے صلیب کے نعرے پر لبیک کہا۔ انوسنٹ نے اس کی فوجوں کو یورپی مصلحتوں کے پیش نظر کروسیڈ سے روک دیا تھا۔ اس وقت ہنگری کی فوجیں کروسیڈ کے لیے تیار تھیں۔

سارے یورپ میں کروسیڈ کی تبلیغ شروع ہوگئی۔ واعظ لوگوں کے مذہبی جوش کو بھڑکانے لگے۔ چنانچہ یورپ کے اطراف واکناف سے لوگ مقدس جنگ کے لیے جمع ہونے لگے۔ ان میں فلانڈرز، سکنڈے نیویا اور آسٹریا کے باشندے پیش پیش تھے۔ وہ فتح یروشلم کے متعلق پُراُمید اور پُریقین تھے لیکن کروسیڈ کی راہیں انہیں یروشلم کے بجائے کہیں اور لے گئیں۔

۳۸

قاہرہ کی طرف

نئے کروسیڈ[1] کی منزل قاہرہ تھی ۱۲۱۸ء سے ۱۲۲۱ء تک مغرب کی افواج مشرق کے خلاف نبرد آزما رہیں۔ چالیس[2] برس میں پہلی مرتبہ کامیابی صلیبیوں کی گرفت میں معلوم ہوتی تھی۔ اِن کی کامیابی کے امکانات اب پہلے کی نسبت زیادہ روشن تھے

یہ جنگ مسلسل تھی، اِس لیے افراد کے کارناموں یا پسِ پردہ ریشہ دوانیوں کے تذکرے کے بجائے یہ بہتر ہے۔ کہ اِس کا بحیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے۔ اِس طرح ہمیں میدانِ جنگ اور فوجی نقل و حرکت کا خاطر خواہ علم ہو سکے گا جو اِس جنگ میں حربی تدابیر کا ایک اہم حصّہ تھا۔ یہ کروسیڈ جسے قاہرہ کا کروسیڈ کہنا بے جا نہ ہوگا، دراصل اِس کشمکش کا نُقطۂ معراج تھا، جو چھتیس سال پہلے صلاح الدین نے شروع کی تھی۔ یہ پرانے دور کا انجام اور نئے دور کا آغاز تھا۔ جیسے انوسنٹ کی حکمت عملی سے

---

[1] پہلے مصری کروسیڈ کو بالعموم پانچواں کروسیڈ سمجھا جاتا ہے۔ محاصرہ عکّہ والا کروسیڈ (۱۱۸۹-۱۱۹۲) تیسرا صلیبی معرکہ تھا اور قسطنطنیہ کی مہم (۱۲۰۰-۱۲۰۴) چوتھا کروسیڈ شمار کی جاتی ہے۔ (مصنّف)

کروسیڈوں کی اصلیت تغیر پذیر ہو گئی تھی، اِس طرح اِس کروسیڈ میں جنگی چالوں کی ہیئت بدل گئی ✦

ملک العادل جو صلاح الدین کا دستِ راست رہ چکا تھا اب مصر کا حاکم اور مسلمانوں کا قائد تھا۔ العادل بوڑھا ہو چکا تھا۔ اِس کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی لیکن اِس کی دانشمندی اور معاملہ فہمی میں کمزوری واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی گھوڑے کی سواری کر سکتا۔ اور مملوک امیروں کی قیادت کے فرائض سرانجام دے سکتا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جس شخص کی ساری عمر صلح پسندی اور امن جوئی میں گزری اِس کا انجام جنگ کے خونریز ہنگاموں میں ہوا۔ مرنے سے پہلے ہزیمت و آفت کی خبریں اِس کے کانوں میں گونج رہی تھیں ✦

منظر:-

سمندر سے قاہرہ کا فاصلہ ایک سو میل سے کچھ زیادہ تھا۔ قاہرہ کے جنوب میں دریائے نیل کئی شاخوں میں بٹ گیا تھا۔ یہ شاخیں پنکھے کی تیلیوں کی طرح سمندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سب سے بڑی شاخ مغرب کی جانب واقع تھی۔ اور اِس کے سرے پر اسکندریہ کا شہر تھا۔ سب سے بڑی مشرقی شاخ کے آخر میں دمیاط کی بندرگاہ تھی۔ دریائے نیل کی مشرقی اور مغربی شاخوں کے درمیان واقع مثلث نما قطعہ زمین پست اور ہموار تھا۔ نیل کا ڈیلٹا شاداب اور زرخیز تھا، جہاں آبپاشی کی نہروں اور نالیوں کا جال بچھا ہوا تھا اور زمین سبز و سیاہ بساط کے خانوں کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ لہلہاتے ہوئے سبز کھیت اُفق کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں کاشتکار اپنی بھوری بھینسوں اور موٹے تازے گھوڑوں سے کھیتی باڑی کرتے، نہروں میں ہر قسم کی کشتیاں اور بجرے چلتے، مکانوں کی دیواریں گارے مٹی کی ہوتیں، گاؤں کی کچی دیواروں سے پرے کشتیوں کے اُونچے مستول دکھائی دیتے۔ جب نیل میں

طغیانی آتی تو بند اور نہروں کے پُشتے مضبوط کر دیئے جاتے تا کہ زمین زیرآب نہ ہو۔ اِن پُشتوں اور بندوں کے اُوپر سڑکیں اور راستے بنے ہوئے تھے، جن پر لوگ اپنی دو پہیوں والی گاڑیاں چلاتے ہوئے گزرتے۔ یہ سڑکیں، بند اور پُشتے صلیبی حملہ آوروں کے لیے نہایت مفید اور راہم ثابت ہوئے۔

مُسلمان دمیاط کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ حصار کی دوہری فصیلیں پُختہ اینٹوں کی تھیں، بیرونی فصیل گہری خندق کے کنارے کھڑی تھی۔ شہر کے عقب میں مشرق کی جانب ایک اُتھلی جھیل تھی۔ شہر کے سامنے دریائے نیل موجزن تھا۔ شہر کے مقابل دریا کے وسط میں ایک پُختہ بُرج ایستادہ تھا۔ اِس بُرج اور دونوں کناروں کے درمیان وزنی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ بُرج السلاسل کشتیوں کی آمد و رفت میں حائل تھا۔

مُسلمانوں کی قوت:۔

دمیاط میں بیس ہزار فوج متعیّن تھی۔ چند ہفتوں میں سُلطان اِتنی ہی فوج قاہرہ میں فراہم کر سکتا تھا۔ ملک العادل کے باقاعدہ مملوک دستے مسلّح سواروں پر مشتمل تھے۔ وہ بڑے دلیر اور آزمودہ کار تھے۔ ایک دو مہینے میں دمشق سے بھی فوج طلب کی جا سکتی تھی۔ شمالی شام کے تُرکوں کی امداد پر بھی اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ اِس کے علاوہ عرب اور سوڈانی قبائل بھی جمع کیے جا سکتے تھے یہ نیم ہتھیار بند لوگ صِرف فتح کی صورت میں مفید تھے۔ ہزیمت اور پسپائی میں وہ آفت کا سبب بن سکتے تھے۔ بہرکیف سُلطان چند مہینوں میں پچاس ہزار سوار اور بے شمار بے قاعدہ سپاہی اکٹھے کر سکتا تھا۔

۱۲۱۷ء کا آغاز:۔

سیدھا قاہرہ جانے کے بجائے صلیبیوں کے ابتدائی گروہ عکّہ پہنچے۔ اُنہوں نے

غلّہ فراہم کرنے کے لیے سوادِ عکّہ میں لُوٹ مار شروع کر دی۔ پھر انہوں نے گلیلی کے علاقے میں سدوّن کا رُخ کیا جب ملک العادل کے لشکر نے ان کے خلاف پیش قدمی کی تو انہیں جنگ آزمائی کی ہمّت نہ ہوئی۔ وُہ عکّہ کی طرف لوٹے انہوں نے سردیاں عکّہ اور قبرص میں گزار دیں۔ جزیرہ قبرص گویا صلیبیوں کے لیے غلّے کا گودام تھا۔

عیسائیوں کی قوت :-

مئی ۱۲۱۸ء کے آغاز میں صلیبی لشکر کی پہلی کھیپ میدان جنگ میں وارد ہوئی۔ اس میں تیس ہزار سپاہی تھے، وہ عمدہ قسم کے سپاہی تھے۔ اِن میں جوانمرد ہنگری، دیو قامت اہلِ سیکنڈے نیویا، آسٹروی، تیر انداز اور ثابت قدم ولندیزی شامل تھے۔ اِن میں بیشتر تعداد پیادوں کی تھی، یہ پیادے خوب مسلّح اور ضبط کے خُوگر تھے۔ اِن کے پاس معرکۂ عکّہ کے صلیبیوں سے زیادہ گزار کمانیں تھیں۔ وہ مسلمانوں کے حملوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتے تھے۔ اِن کے آلات محاصرہ وافر اور طاقتور تھے۔ ہاسپٹلروں اور ٹمپلروں کے جنگ آزمودہ دستوں سے اِس فوج کی قوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اِس کے علاوہ شام اور قبرص کے نائٹ بھی شاہِ یروشلم کی سرکردگی میں صلیبی فوج میں آملے۔ اگرچہ اِن کی تعداد چنداں زیادہ نہ تھی لیکن وہ خوب مسلّح سوار تھے۔ اور مسلمانوں کے اسلوب جنگ سے اچھی طرح واقف۔ صلیبی فوج نے اہلِ جنیوا اور اہل پیسا کے جہازوں میں سفر کیا۔ اِن جہازوں کے ملّاح بحری جنگ کے ماہر تھے۔

منصوبہ :-

صلیبی سردار نیل کے ڈیلٹا میں فوجیں اُتار کر دمیاط پر ہلّہ بولنا چاہتے تھے جو قبرص اور عکّہ سے دو تین دِن کی مسافت پر تھا۔ دمیاط پر قبضہ کر کے وہ یورپ سے امدادی فوجوں کے مُنتظر رہیں گے۔ اِن کی آمد کے بعد وہ نیل کی اس شاخ کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کریں گے۔ بحری بیڑا اور بری فوج بیک وقت قاہرہ کی سمت حملہ آور ہوں گے۔

تسخیر قاہرہ کے بعد وہ وہاں مضبوطی سے ڈٹ جانا چاہتے تھے، قاہرہ پر تسلط ممکن تھا۔ ایک طرف سے بڑی فوج حصار پر قابض ہو سکتی تھی اور دوسری طرف سے بحری بیڑا دریائی مواصلات کا سلسلہ منقطع کر سکتا تھا۔ سارے ڈیلٹے پر قبضے کے بعد بھی وہ قاہرہ کو برباد کر کے، اسلامی قوت کے مرکز کو نیست و نابود کر کے دمیاط کی طرف لوٹ سکتے تھے۔

فوجی سردار:-

جان آف برین شاہ یروشلم کے زیر کمان ڈیوک آف آسٹریا، ہنگری کا ؤنٹ، ٹمپلر اور ہاسپٹلر فرقوں کے سردار تھے شاہ یروشلم اس برین کا فرزند تھا جو محاصرہ عکہ میں مرا تھا۔ اس کے بھائی والٹر کو پوپ انوسنٹ نے اٹلی سے نہیں جانے دیا تھا اور کلیسا کی خدمت اس کے سپرد کر رکھی تھی۔ بالآخر جان برین گاڈفرے اور بالڈون کا وارث بن کر تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی سے ایک داستان وابستہ ہے:-

یروشلم اور قبرص کے بادشاہ ایمالرک کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس کی موت کے بعد یروشلم کے تخت کا کوئی وارث نہ تھا۔ نائٹوں اور نوابوں کی اعلیٰ کونسل میں یہ طے پایا کہ میری مانسریٹ کو تخت کا وارث تسلیم کیا جائے پھر سوال پیدا ہوا کہ اس کا شوہر کون ہو؟ چنانچہ نوابوں نے فلپ آگسٹس شاہ فرانس سے شاہ یروشلم نامزد کرنے کی درخواست کی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کاؤنٹ آف شمپین جیسے کسی نواب کو نامزد کر دے گا لیکن اس کے بجائے فلپ نے جان آف برین کو منتخب کیا جو ایک گمنام نائٹ تھا: وہ نہ دولتمند تھا اور نہ عالی نسب، حد تو یہ ہے کہ وہ جوان بھی نہ تھا۔

برین نے اس پیشکش پر غور کیا۔ اس نے پوپ سے اپنی جاگیر رہن رکھ کے چالیس ہزار کراؤن ادھار لیے۔ اور اتنی ہی رقم فلپ آگسٹس سے بلا ضمانت حاصل کی۔ اس نے ایک سو نائٹوں کو اکٹھا کیا اور اپنی موعودہ سلطنت کے مرکز کی راہ لی اسے دیکھ کر نواب اور سردار خوش نہ ہوئے۔ اس کی شادی میری سے ہوئی۔

افسردہ خاطر نواب اِس کے جشنِ شادی میں شامل ہوئے! ایک تذکرہ نویس لکھتا ہے کہ "وہ بُوڑھا آدمی تھا اور دولتمند بھی نہ تھا۔ لیکن نہایت باتدبیر اور اولوالعزم سالار تھا"۔ یہ سیدھا سادہ سپاہی عجیب تھا۔ نہایت مُستقل مزاج اور شرافت کے اعلیٰ معیار کا حامل جس سے اکثر عالی نسب افراد عاری تھے۔ بادشاہ کی حیثیت سے اِس خامیاں چاہے کچھ بھی ہوں، وہ صلیبی محاربین کی تاریخ میں ایک کابل فوجی قائد ثابت ہُوا۔

مئی ۱۲۱۸ء میں برین اپنی فوج کے ہمراہ دمیاط کے مقابل ساحلِ دریا پر اُترا۔ اِنہوں نے شہر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا جنیوا کے جنگی جہازوں کو بُرج السلاسل، مسمار کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اِس بُرج سے رود بار مسدود تھی۔ مدافعین نے جہازوں پر اتنی سخت سنگباری اور آتشباری کی کہ حملہ آور جہاز نقصان اُٹھا کر پسپا ہو گئے۔

اِس اثنا میں العادل کے رسالے کے دستے قاہرہ سے دمیاط پہنچ کر شہر سے متصل دریا کے کنارے خیمہ زن ہو گئے۔ اِدھر صلیبی انجنیئروں نے بُرج السلاسل، کے انہدام کے لیے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ بُرج ساحل سے خاصا فاصلے پر تھا اور سنگبار آلات کی دسترس سے محفوظ۔ چُنانچہ انہوں نے دو شکستہ جنگی جہازوں پر ایک دبابۂ رواں بنا دیا۔ دونوں جنگی جہاز لمبے شہتیروں سے باہم پیوستہ تھے۔ واقعی یہ حصارِ رواں تھا، جو ہر طرف سے تانبے کی موٹی چادروں سے محفوظ تھا۔ اِس کی بلند چوٹی پر سنگبار آلات نصب تھے اور اس کی بالائی منزل سے کھٹکے دار چوبی پُل فصیل پر گرایا جا سکتا تھا۔ اِس میں تین سَو آدمی سما سکتے تھے۔

جب صلیبیوں کی جنگی کشتیاں اِس عظیم الشان دبابۂ رواں کو کھینچتی ہوئی آگے بڑھیں تو مسلمان ششدر رہ گئے۔ حملہ آوروں نے کھٹکے دار پُل کو فصیل پر گرانے کی کوشش کی لیکن مُسلمانوں کے آتش بار اور شعلہ انداز آلات نے اِس قیامت کی

آگ برسائی کہ وہ کامیاب نہ ہوسکے، تاہم اِس اثنا میں دو منچلے دبابے کی چوٹی سے برج السلاسل کی فصیل پر کُود گئے تھے، وہ اپنے لمبے نیزوں سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹانے لگے۔ اِن میں سے ایک فلانڈرز کا باشندہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبی درانتی تھی۔ وہ دیوانہ وار درانتی گھماتا اور عربوں کی صفوں کو چیرتا سُلطان کے زرد جھنڈے تک جا پہنچا۔ اِس نے جھنڈا اُتار کر فصیل سے نیچے پھینک دیا۔ اِدھر سے چند نائٹ بھی ہجوم کر کے آن پہنچے۔ مُحافظین بُرج کے پست حصّے کی طرف ہٹنے پر مجبور ہو گئے، بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔

ملک العادل کو بُرج السلاسل کے سقوط کی خبر قاہرہ میں ملی۔ بُوڑھا سُلطان پچھلے سال کی فوج کشی سے مضمحل ہو چکا تھا۔ وہ بیمار تھا، اِس حادثے کی منحوس خبر سُننے کے بعد اس کی قوت ہمیشہ کے لیے جواب دے گئی۔ اِس کے ذاتی مصاحبوں اور بیٹے کے علاوہ کِسی کو اس کی وفات کی خبر نہ دی گئی۔ سُلطان کی نعش کو حنوط کر کے محمل میں رکھوا دیا گیا۔ محمل کے گرد سخت پہرہ متعیّن کر دیا گیا۔ سُلطان کے ذاتی مصاحبوں نے اعلان کیا کہ تبدیلیٔ آب و ہوا کے لیے سُلطان دمشق روانہ ہوں گے۔ بالآخر جب اُس کی مَوت کی خبر عام ہوئی۔ اِس وقت اُس کے بیٹے ملک الکامل کی سیادت مسلم ہو چکی تھی۔ اِس نے دمیاط کے رسالے کی کمان سنبھال لی تھی اور محل پر تصرف کر لیا تھا۔ ملک العادل کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا پُرامن طریقے پر جانشین ہو گیا۔ گویا ملک العادل مَوت کے بعد بھی اِسلام کے لیے مفید ثابت ہُوا۔

ملک الکامل نے فوراً زمام اختیار سنبھال لی۔ وہ خاصی عمر کا زیرک اِنسان تھا۔ اور اپنے باپ کی طرح ہوشیار و تجربہ کار۔ چند ایوبی امیروں نے اِس کے خلاف سازش کی اور اسے میدانِ جنگ چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ صلیبیوں نے ملک الکامل کی مُشکلات سے پُورا فائدہ اُٹھایا اور فساد کے ان دنوں میں دمیاط کا

چاروں طرف سے پورا محاصرہ کر لیا۔

ملک الکامل فتنے کو فرو کر کے جلد واپس ہوا۔ اس نے شہر کی حفاظت کے لیے دریا پر ایک پشتہ بنوایا لیکن اہلِ جنیوا کے جنگی جہازوں نے پشتے کو توڑ دیا حاضر دماغ سلطان نے بڑی مستعدی سے یہ شگاف دوبارہ پُر کرا دیا۔ اس مرتبہ اس نے اپنے جہازوں میں پتھر بھروا کر انہیں شگاف زدہ پشتے سے اُوپر کے رُخ پر غرقاب کرا دیا۔ اس سے صلیبیوں کے بیڑے کا راستہ مسدود ہو گیا۔

سردیوں کے مختصر موسم میں بارشیں شروع ہو گئیں۔ ان دنوں لشکری رخصت پر تھے۔ فوج کی تعداد اتنی کم تھی کہ ملک الکامل کو حملہ آوروں کے خلاف کسی اقدام کی جرأت نہ ہوئی۔ اس اثنا میں صلیبیوں نے ڈوبے ہوئے جہازوں سے مسدود شاخ کے بجائے دوسری دریائی شاخ صاف کر لی تھی۔ صلیبی جہازوں کی آمدورفت کھل گئی اور وہ مسلمانوں کو دائیں کنارے پر محصور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے دمیاط کے بالمقابل دریا پر کشتیوں کا پل بھی بنا لیا تھا۔

۱۲۱۹ء کے موسم بہار میں صلیبی فوجوں نے دمیاط کے گرد خندقیں کھود لی تھیں۔ انہوں نے محصورین کے ذرائع رسد اور کمک منقطع کر دیے اس اثنا میں۔ کارڈینل پلیجیس کی سرکردگی میں تازہ دم فرانسیسی اور انگریزی فوج صلیبیوں کی امداد کے لیے پہنچ گئی۔ کارڈینل موصوف پوپ کا وزیر مختار تھا۔ اس کے ہمراہ کئی پادری اور راہب تھے۔ اٹلی سے چند لومبارڈ رجمنٹیں بھی اس کے ہمراہ آئیں۔

صورت حال فیصلہ کن نہ تھی۔ مخالفین کی قوت مساوی تھی۔ بلاشبہ صلیبیوں نے برج السلاسل پر قبضہ کر لیا تھا لیکن دمیاط کے محاصرے کی طوالت سے یہ فتح بے سود ہو گئی۔ کئی دستے اُکتا کر واپس جانے کے منصوبے باندھنے لگے۔ اس وقت سلطان کا بحری بیڑا جو قاہرہ میں رُکا پڑا تھا نمودار ہوا۔ سلطان کا بحری بیڑا دریا سے صلیبی جنگی

جہازوں کو ہٹا کر دمیاط تک راہ صاف کرنی چاہتا تھا۔ بحری جنگ میں اہلِ جنیوا کا پلہ بھاری رہا اور سُلطانی بیڑا واپس چلا گیا۔ صلیبیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ فرانسیس آف اسیسی اور اس کے رفیقوں کی موجودگی اور کارڈینل موصوف کے وعظ ان کے لیے بڑے ایمان افروز ثابت ہوئے۔ یہ راہب بھورے لباس والے راہبوں کے فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔

کارڈینل تجربہ کار اور معاملہ فہم شخص تھا۔ قسطنطنیہ کی زمامِ اقتدار اس کے ہاتھوں میں رہ چکی تھی۔ وہ مصر آتے ہی اقتدارِ اعلیٰ کے لیے کوشاں ہو گیا۔ اس نے فوجی کارروائی تیز تر کرا دی اور اس کے زیرِ ہدایت صلیبی فوج گرمیوں میں بھی بے کار حملے کرتی رہی۔ کارڈینل کونسل پر چھا جاتا۔ اِدھر اسیسی کا کریم النفس راہب سپاہیوں کے خیموں میں چلا جاتا۔ کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتا۔ اور بیماروں کی خدمت کرتا۔

آغازِ خزاں تک مُسلمانوں کے لشکر میں سخت فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ چار نومبر کی رات کو بلا کا طوفان اُٹھا۔ اس طوفانی رات کی تاریکی میں صلیبیوں نے اچانک ہلّہ بول دیا۔ وہ خاموشی سے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور ایک برج پر قبضہ کر لیا۔ اِدھر چند ٹمپلر لڑتے بھڑتے ایک بغلی دروازے تک جا پہنچے انہوں نے اپنے تبروں سے دروازہ توڑ کر اپنے ساتھیوں کے لیے راستہ کھول دیا جو باہر منتظر تھے وہ یورش کر کے اندر داخل ہو گئے۔

ملک الکامل شہر سے قریب ہی خیمہ زن تھا لیکن وہ محصورین کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ کیونکہ اس کے راستے میں سیلاب سے لبریز نہریں حائل تھیں۔ اور دریائے نیل میں ہلاکت آفریں طغیانی اپنے عروج پر تھی۔ سُلطان پیش قدمی سے قاصر رہا۔ دوسرے دن صلیبیوں نے دمیاط فتح کر لیا۔ دمیاط کی بے شمار دولت اور پُر رونق بازار حملہ آوروں کے قدموں میں تھے متعصب کارڈینل پلیجیس نے شہر کی جامع مسجد کو کیتھیڈرل (بڑے گرجے) میں تبدیل کر دیا۔ عیسائیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔

مسلمان دمیاط کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ وہ بہت دِل شکستہ اور افسردہ ہو گئے۔ کئی لوگ واپس قاہرہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور وہاں بھی یہ افواہ پھیلادی کہ دُشمن جلد ہی قاہرہ پہنچنے والا ہے۔ ملک الکامل اور اس کے امیر خوفزدہ اور ہراساں عوام کا راستہ روکنے سے عاجز تھے۔

پلیجیس نے قاہرہ کی طرف پسپا ہوتی ہوئی مُسلمان فوج کے تعاقب میں فوری پیش قدمی پر زور دیا۔ عام آدمی کی نظروں میں یہ اقدام نہایت موزوں، واضح اور دلنشین تھا۔ بلاشُبہ یہ اقدام فیصلہ کُن ہو سکتا تھا، بشرطیکہ تمام صلیبی سپاہ کو بجنسہٖ فوری طور پر قاہرہ کے دروازے کے سامنے مُنتقل کیا جا سکتا، لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ صلیبی فوجوں کو محاصرے میں سخت نقصان اُٹھانا پڑا تھا اور وُہ قاہرہ سے سَو میل دُور تھے۔ اِن کے راستے میں کئی سیلاب زدہ نہریں اور ندیاں حائل تھیں۔

اِس لیے جان آف برین اور دیگر تجربہ کار فوجی سرداروں نے مشورہ دیا کہ پہلے دمیاط کے دفاعی مورچوں کو مضبوط اور بیرونی پڑاؤ کو مُستحکم کیا جائے، سپاہیوں کو آرام کی مُہلت دی جائے اور سیلاب کے فرو ہونے اور جرمن شہنشاہ فریڈرک کی آمد تک ٹھہرا جائے۔ کونسل میں بڑی بحث ہوئی۔ بالآخر جان آف برین کی قوت ارادی غالب آئی۔ کارڈینل نے اِس کی تجویز کو منظور تو کر لیا، لیکن پلیجیس نے اِس کی اِس جُرأت کو کبھی معاف نہ کیا۔

۳۹

منصُورہ

وُہ منتظر رہے اور ادھر صلیبی فوجوں نے تانس کے قلعے پر حملہ کر دیا جو قریب ہی ایک جھیل کے وسط میں واقع تھا۔ لیکن فریڈرک مصر نہ پہنچا۔ صلیبیوں کو اس کے ارادوں کا علم نہ تھا۔ کہ وہ واقعی آنا چاہتا بھی ہے یا نہیں۔ البتہ اس کی روانگی کا متعدد بار اعلان کیا گیا تھا۔ ۱۲۲۰ء کے موسم گرما میں جان اور شامی نائٹ دمیاط کو پلیجیس کے سپرد کر کے عارضی طور پر عکہ واپس چلے گئے۔

اس اثنا میں دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ سلطانِ دمشق الکامل کا بھائی تھا۔ اس نے یہ خدشہ محسوس کیا کہ دمیاط کے بعد صلیبی فوجیں یقیناً یروشلم کا رُخ کریں گی۔ چنانچہ اس نے سوائے بیت الحرم اور برجِ داؤد کے، یروشلم کی فصیلیں مسمار کرا دیں۔ اس نے یروشلم کو کھلا شہر بنا دیا جس کا دفاع فصیلوں کی از سرِ نو تعمیر کے بغیر ممکن نہ تھا۔

مشرقِ اقصیٰ سے ایک ایسا فتنہ اُبھرا کہ ساری دُنیائے اسلام میں کھلبلی مچ گئی۔ مسلمانوں کی سراسیمہ نگاہیں اس طرف مرکوز ہو گئیں۔ صلیبیوں کو اس فتنہ کے ظہور

اور مسلمانوں کی پریشانی کا علم نہ ہُوا۔

چنانچہ ۱۲۲۰ء اسی طرح گزر گیا۔ صلیبی دمیاط سے اپنی حدود وسیع کرنے میں کوشاں رہے۔ اور الکامل قاہرہ میں اپنی فوج کی تنظیم میں مصروف رہا۔ دریں حالات شاہِ یروشلم اور سلطان الکامل از خود کیا کرتے مستقبل غیر یقینی تھا۔ البتہ کارڈینل پلیجیس نے حالات کا رُخ بدل دیا۔

۱۲۲۱ء کے آغاز گرما میں لوئی ڈیوک آف بیویریا[1] ایک زبردست فوج لے کر نیل کے ڈیلٹے پر لنگر انداز ہوا۔ اِدھر ٹیوٹانک (جرمن) نائٹوں کا سردار ہرمن آف سالزا بھی پانچ سو شمشیر بازوں سمیت پہنچ گیا۔ وُہ یہ مژدہ لایا کہ میرا آقا شاہِ فریڈرک جلد ہی مصر پہنچنے والا ہے۔ دریں حالات پلیجیس نے قاہرہ پر پیش قدمی کا فیصلہ صادر کر دیا۔ جب برین اور شامی نائٹوں کو اس فیصلے کی خبر موصول ہوئی تو وہ جلدی سے مصری محاذ پر پہنچے۔ انہوں نے فریڈرک کی آمد تک پیش قدمی مُلتوی کرنے پر اصرار کیا۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا۔ کہ دمشق، حما اور بعلبک کے لشکر ملک الکامل کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کی جمعیت عیسائیوں سے تین گُنا زیادہ ہے لیکن کارڈینل کو اطالوی لشکر اور تازہ دم جرمن فوج کی حمایت حاصل تھی۔ چنانچہ دریائے دمیاط کے ساتھ ساتھ قاہرہ کی طرف نقل و حرکت شروع ہو گئی۔ شاہ جان برین اور اس کے نائٹوں کو مجبوراً شامل ہونا پڑا۔ یہ فوج ایک ہزار نائٹوں، پانچ ہزار سواروں اور چالیس ہزار پیادوں پر مشتمل تھی۔

صلیبی فوج پیش قدمی کرتی ہوئی بڑھی تو ملک الکامل نے خلاف توقع شرائط صلح پیش کر دیں۔ اسے اُفق مشرق سے اُبھرتے ہوئے خطرے کا سامنا کرنا تھا۔ ان حالات میں وہ قاہرہ کو محاصرے میں نہیں جھونک سکتا تھا۔ مزید برآں صلیبیوں نے دمیاط میں اپنی قوت اتنی مستحکم کر لی تھی کہ انہیں وہاں سے باہر نکالنا بڑا مشکل تھا۔ اس لیے

---

[1] - جرمنی کی ایک ریاست (مترجم)

اِس نے یہ پیشکش کی کہ اگر صلیبی دمیاط چھوڑ دیں اور مصر سے چلے جائیں تو یروشلم اِن کے سپرد کر دیا جائے گا جس کا حصول ان کا مقصدِ اولیٰ ہے۔ وہ یروشلم کا نواحی علاقہ بھی اِن کے حوالے کرنے پر آمادہ تھا، یعنی کہ بیت اللحم اور ناصرہ سے لے کر ساحلِ عسقلان تک کا درمیانی علاقہ اور جنوب میں سوادِ طبریہ۔ بالفاظِ دیگر وہ اردن سے لے کر ساحلِ بحر تک صلاح الدین کی تمام فتوحات سے دست بردار ہونے پر رضامند تھا۔

سلطان نے یہ پیشکش اُس وقت کی جب عیسائی فوجیں معمولی سی کامیابی حاصل کر کے سلطان کے عسکری مرکز منصورہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ منصورہ اس جگہ واقع تھا جہاں دریائے نیل دو شاخوں میں منقسم ہوتا تھا۔ اِس غیر متوقع پیشکش سے صلیبی سردار حیران رہ گئے۔ اِس موضوع پر بڑی سنجیدگی سے تبادلۂ خیالات کیا گیا، عیسائی سردار دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ شاہ جان، فرانسیسی سردار، شامی نائٹ، ٹمپل اور ہاسپٹل فرقوں کے سربراہ ایک طرف تھے۔ اِن کی متفقہ رائے تھی کہ سلطان کی شرائط فوراً قبول کر لینی چاہئیں۔ اِن شرائط سے صلیبی سلطنت کی تجدید ممکن تھی۔ اِس طرح معرکہ حطین سے پہلے کی حدود بحال کی جا سکتی تھیں۔ دریائے اردن سے لے کر شمالی کوہستانی علاقے تک آسانی سے تسلّط قائم کیا جا سکتا تھا لیکن اِن سب سے اہم تھا یروشلم پر صلیبی غلبہ۔

عجیب بات ہے کہ فوجی تو یروشلم کے بدلے دمیاط سے دست بردار ہونے کے لیے آمادہ تھے لیکن پادری اِس تجویز کے مخالف تھے۔ یہ تجویز پلیجیس کی سماعت پر بھی گراں تھی۔ اُس نے پُرزور مطالبہ کیا کہ شرائط رد کر دی جائیں اور قاہرہ کی طرف یلغار جاری رکھی جائے۔ معلوم نہیں اُس نے یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا[1]۔

---

[1] اگر صلیبیوں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہوتی تو قاہرہ پر یلغار جائز تھی لیکن اِس کے برعکس الکامل کی جمعیت زیادہ تھی، اِسے مشرق سے تازہ کمک پہنچ چکی تھی۔ (سلسلہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۴۳۲)

اہلِ جنیوا مصر میں جنگ جاری اور دمیاط پر قبضہ قائم رکھنے کے حق میں تھے۔ یہ لوگ تاجر تھے۔ یروشلم کی بازیافت ان کے لیے بے معنی تھی۔ ان کے لیے دمیاط اور مصر کی تجارت ہی سُود مند تھی۔ دیگر اطالوی اور نووارد جرمن بھی پلیجیس کے ہم نوا تھے۔ کارڈینل کے سر پر میدانِ جنگ میں فیصلہ کُن فتح کا خبط سوار تھا۔ اِس نے قسطنطنیہ میں حکومت چلائی اور سپاہیوں کو دمیاط پر حملہ کرنے کی ہمت دلائی تھی، اور اب وہ قاہرہ پر فوج کشی کا عزم کر چکا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری تھا۔ کیونکہ وہ پوپ کا وزیر مختار تھا۔ سلطان کی شرائط مُسترد کر دی گئیں اور فوج دوبارہ حرکت میں آگئی +

اِدھر خلاف معمول دریائے نیل میں سیلاب کا پانی اُمڈا چلا آرہا تھا۔ بالآخر الکامل منصورہ میں جنگ کے لیے صف آرا ہُوا۔ وہ کئی مہینوں سے قاہرہ میں جنگی جہاز بنوا کر نیل کی دوسری شاخ سے انہیں اسکندریہ بھجوا رہا تھا۔ مسلمانوں کا بیڑا خاصا مضبوط ہو گیا تھا۔ وہ اسکندریہ سے سمندر کے راستے اچانک دمیاط جا پہنچا اور صلیبی جہازوں کو دمیاط سے دُور دھکیل دیا۔

۲۴ر جولائی کو صلیبیوں کی پیش قدمی رُک گئی۔ وہ دریائے دمیاط اور دریائے

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۴۳۱) مسلمان مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس کے زیر کمان چالیس ہزار فوج تھی۔ بدوی اور سوڈانی قبائلی لشکر اس پر مُستزاد تھے۔ وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے اصلی مطالبات سُلطان کی پیش کش سے بدرجہا زیادہ تھے۔ اِنہوں نے یروشلم کے ساتھ حصن الاکراد (کیراک) اور مانٹ ریال کے قلعوں کا مطالبہ ہی نہیں، بلکہ یروشلم کی فصیلوں کی تعمیر اور مرمت کے لیے پانچ لاکھ دینار کی رقم بھی طلب کی تھی۔ غالباً مسلمان مؤرخ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ملک الکامل نے عیسائیوں کے مطالبات رد کر دیے لیکن ان کی شہادت کے باوجود حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ صلیبیوں نے سُلطان کی پہلی پیش کش رد کر دی تھی۔

(مصنّف)

اشمون کے سنگھم پر پہنچ گئے تھے۔ اِس مثلث نما دوآبے میں پیش قدمی ممکن نہ تھی؛ دونوں طرف دریا تھا۔ اور ان کے مقابل اُونچی زمین پر منصورہ کا مورچہ بند پڑاؤ تھا۔ انہوں نے دریا عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مسلمانوں کی بے پناہ سنگباری اور تیروں کی بوچھاڑ سے عاجز ہو گئے۔ بدّو سواروں کے غول بھی انہیں پریشان کرنے لگے وُہ اپنے پڑاؤ کے گرد خندقیں کھودنے پر مجبور ہو گئے۔ اِدھر دریائے نیل میں طُغیانی کی سطح بلند ہوتی گئی۔ سُلطان کے جنگی جہازوں نے صلیبی مال بردار جہازوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ دریائے دمیاط پر قابض ہو کر دمیاط میں صلیبی مورچوں کے عقب میں پہنچ گئے۔ صلیبی بحری بیڑا مسلمانوں کے تازہ حملے کے تدارک سے قاصر تھا۔ بحری راستوں پر قبضے کے بعد مسلمان فوجوں کی نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ ملک الکامل اپنی فوجوں کو بلا روک ٹوک ہر طرف لے جا سکتا تھا۔

عیسائیوں کو نیل کی طُغیانی کا اُس وقت پتا چلا جب اِن کے پڑاؤ میں ٹخنوں ٹخنوں پانی پھیل گیا۔ اِس وقت الکامل نے بڑا جُرأت مندانہ اقدام کیا۔ اِس نے دریاؤں کے پُشتے توڑ کر اِس مثلث قطعۂ زمین کو حوالۂ آب کر دیا، جس پر صلیبی فوجیں خیمہ زن تھیں۔ عیسائیوں کے عقب میں چاروں طرف پانی پھیل گیا۔ صِرف خچروں کا تنگ سا راستہ بچ گیا۔ یہ راستہ دمیاط سے مُلحق تھا۔ سُلطان نے دریائے اشمون پر کشتیوں کا پُل بنا کر اپنے مسلّح رسالے کو اِس راستے پر متعین کر دیا۔ سُلطان کے تیر انداز صلیبیوں کے خیموں کو نشانہ بنانے لگے۔ شاہ جان کو شکست نظر آ رہی تھی۔ اِس نے ہمّت کر کے اپنے نائٹوں کے ساتھ اِس دلدلی علاقے کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ لیکن عیسائیوں کے بھاری مسلّح گھوڑے دلدلی زمین میں دھنس کر رہ گئے۔ پُشتوں کی اوٹ میں چھُپے ہوئے مُسلمان قدر انداز تیروں کی بوچھاڑ سے سواروں کو گھوڑوں کی پُشت سے دھڑا دھڑ گرانے لگے۔

بالآخر شاہ جان نے اپنے خیمے جلا دیے اور بھُوک کی ماری ہوئی مایُوس فوج کو لے کر

دمیاط کی طرف پلٹا لیکن اب دمیاط کا راستہ صرف نوکِ شمشیر ہی سے بنایا جا سکتا تھا۔ پہلے دِن ہی پسپائی فرار بن گئی۔ سپاہی اور گھوڑے سیلاب زدہ نہروں اور نالیوں میں گرنے اور کیچڑ میں دھنسنے لگے۔ عیسائی فوج پانی میں بالکل عاجز ہو کر رہ گئی اور مجبوراً شاہ جان نے سُلطان سے صُلح کی درخواست کی۔ اگرچہ عیسائی فوج اپنے جہازوں سے جُدا ہو چکی تھی تاہم اس نے مُسلمانوں کے حملوں کو روک دیا۔ اِس اثنا میں شاہ جان کو بحفاظت ملک الکامل کے خیمے میں پہنچایا گیا۔ شاہ جان اپنے سر کو ہاتھوں میں تھامے، فرش پر گر پڑا۔

"آپ کو کیا غم ہے؟" سُلطان نے دریافت کیا۔

"مجھے اِن لوگوں کی سلامتی کا غم ہے" شاہ جان نے عیسائی فوج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ صلیبی فوج نقل و حرکت کے قابل نہ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی اُس نے فاتحین کی کئی یلغاریں ناکام بنا دی تھیں۔ ملک الکامل اِن بے خوف لوگوں پر حملے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اِس نے اپنی فتح سے خاطر خواہ فائدہ نہ اُٹھایا۔ دمیاط کا محاصرہ آسان نہیں تھا کیونکہ وہاں زبردست عیسائی فوج متعین تھی[1]۔ اِس لیے سُلطان نے بڑی فراخدلانہ شرائط پیش کیں، فریقین اسیرانِ جنگ واپس کر دیں، دمیاط خالی کر دیا جائے۔ اور باقی ماندہ صلیبی فوج پُرامن طریقے سے نکل جائے۔ فریقین میں آٹھ سال تک عارضی

---

[1] فوجی صورتِ حال ملک الکامل کے لیے انتہائی سازگار تھی۔ اِس کی جمعیت زیادہ تھی۔ بحری راستوں پر اِس کا تصرّف تھا۔ اگر وُہ چند دِن اور عیسائی فوج کا راستہ روکے رہتا تو فاقہ زدہ عیسائی فوج کی مکمل تباہی مُشکل نہ تھی۔ اور یقیناً یہ اِس کا بڑا کارنامہ سمجھا جاتا۔ معرکہ حطین کے بعد غالباً اِس فتح کی اہمیت مسلّم سمجھی جاتی۔ مگر ملک الکامل فیصلہ کُن ضرب لگانے سے گھبرا گیا۔ سُلطان صلاح الدین اور ملک الکامل کے کرداروں کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مؤخرالذکر اگرچہ قابل سپہ سالار ضرور تھا لیکن اِس میں بالغ نظر قائد کی صلاحیت نہیں تھی۔ (مترجم)

صُلح ہوگی۔ بانئے کروسیڈ کے کسی یورپی تاجدار کی آمد تک صُلح برقرار رہے گی۔ شاہ جان کو ابھی تک شہنشاہ جرمنی فریڈرک کی آمد کی توقع تھی۔ وہ اپنی شکست سے اِس کو معاہدے کا پابند نہیں کر سکتا تھا۔ اِس طرح سے ۱۲۲۱ء میں مصر پر پہلا صلیبی حملہ دریائے نیل کی سیاہ کیچڑ میں دھنس کر ختم ہوگیا۔

اِس شکست کا دوہرا اثر ہُوا۔ صلاح الدین کی فتحِ القدس کے بعد اہل یورپ نے صلیبی جنگ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اب تک وہ اپنے مقدس شہر کے استخلاص کے متعلق پُرامید تھے۔ اور اپنی شکستوں کے متعلق اکثر کہا کرتے کہ یہ ہمارے گناہوں اور بداعمالیوں کی سزا تھی۔ اگر خدا کو منظور ہُوا تو ہم ضرور مظفر و منصور ہوں گے۔ اہلِ کلیسا نے اِن کے دِلوں میں صلیبی فتح کا عقیدہ راسخ کر دیا تھا لیکن منصورہ کی شکستِ فاش کے بعد سپاہیوں کے ایمان میں لغزش آنے لگی۔

اِس کے برعکس صلاح الدین کی وفات کے بعد مسلمانوں کے پاؤں بتدریج اُکھڑ رہے تھے۔ اگرچہ انہیں فیصلہ کُن شکست نہیں ہوئی تھی۔ تاہم خاصے علاقے اِن کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ اب نیم دِل مسلمانوں کا اعتماد بحال ہوگیا منصورہ سے یہ واضح ہوگیا کہ خوفناک صلیبی نائٹوں کے لشکروں کو دوبارہ شکست دی جا سکتی ہے۔ صلاح الدین کو بڑی کٹھن مُشکلات کا سامنا تھا لیکن ملک الکامل اور صلیبی برابر کی چوٹ تھے۔ اِس کے بعد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہونے والا تھا۔ اگرچہ جس طریقے سے مسلمانوں کی قوت بحال ہوئی اس کا انہیں خود بھی وہم و گمان نہ تھا۔

معرکۂ منصورہ کے بعد صُلح کا وقفہ آیا۔ جنگ بند ہو چکی تھی۔ ایک لانبا چھریرا آدمی راہبوں کا جُبّہ پہنے ننگے پاؤں اور ننگے سر مسلمان سپاہیوں کی دھمکیوں اور پھبتیوں سے بے نیاز ان کے خیموں میں جا نکلا۔ یہ سینٹ فرانسس آف اسیسی تھا۔ جو شفقت اور افلاس کا پیغمبر تھا۔ اِس نے سلطان سے درخواست کی جو فتح و نُصرت کے

تخت پر متمکن تھا۔ ملک الکامل اِس کی باتیں تو نہ سمجھا اور شاید اسے مجذوب و دیوانہ خیال کیا۔ تاہم اِس نے امن کے اِس پہلے صلیبی ایلچی کو حفاظت اور سلامتی سے واپس پہنچا دیا۔

ملک الکامل نے صلیبی فوجوں کو دھکیل کر ایک عام کروسیڈ کا خاتمہ کر دیا لیکن ابھی اسے فریڈرک آف ہانسٹوفن سے نپٹنا باقی تھا۔

حصّہ چہارم

قیصرِ سُرخ ریش نے صلیبی پرچم اُٹھایا اور مشرق کا رُخ کیا لیکن وہ کبھی واپس نہ آیا اور لوگوں کی نظروں سے رُوپوش ہو گیا۔ اِس کی قبر کا نام و نشان تک مٹ چُکا تھا۔ اِس کی لوحِ مزار کی تحریر شاید جنگل کے بونوں اور غول بیابانی نے پڑھی ہو، انسانی آنکھیں اِس سے ناآشنا تھیں۔ بُوڑھے آدمی اور موسیقار بیان کرتے ہیں کہ وہ کفِ ہاسر کی عمیق گہرائیوں میں محوِ خواب ہے۔ واقعی قیصر سُرخ ریش اپنے مصاحبوں سمیت قیامت تک آسودہ خواب رہے گا اور جب جہانِ عدم کے بُرجوں سے فرشتے صور پھُونکیں گے "وہ دوبارہ عازمِ سفر ہو گا۔ اپنی فوج سمیت وہ دوبارہ عازمِ سفر ہو گا"۔

اِس طرح سال گزرتے گئے۔ اِنسانی نسلیں گزرتی گئیں، قیامت گزر گئی، لیکن قیصر سُرخ ریش بدستور سوتا رہا۔ اِس کی قبر کا سُراغ ذہنِ انسانی سے محو ہو چکا تھا۔

۴۰

فرزندِ سسلی

پلرمو[1] کا دربار عیش و نشاط کی آسُودگی سے آشنا ہو چکا تھا۔ پلرمو دُنیا کی شاہراہوں سے دُور اور جنگ کے ہنگاموں سے پرے واقع تھا۔ پُرسکون نیلے سمندر اور بلند پہاڑیوں کے درمیان یہ شہر فروغ پا رہا تھا۔ یہاں زندگی مسرت آفریں تھی۔ نارمن طالع آزما اور جرمن سرداران خوشگوار پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہو گئے تھے یہاں وادیاں گرم دھوپ سے سرسبز اور تابناک تھیں۔ انہیں اپنے برفانی وطن کی یخ بستہ زندگی سے نجات مِل گئی تھی۔ وہ خوش اور شاد کام تھے۔ اِنہوں نے پہاڑیوں کے اُوپر اپنے قلعے تعمیر کر لیے۔ جن کے دامن میں تاکستان چمنستان حدِّ نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ ساحلِ بحر کی چمکدار ریت پر ماہی گیروں کی کشتیاں اور جال بکھرے نظر آتے یہاں سردیوں میں انہیں اپنے مکانوں میں مقیّد رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ نہ سرمائی ہواؤں سے ان کے مویشی تاریک باڑوں میں سُوکھ کر دُبلے ہوئے تھے۔ یہاں لکڑہاروں کو سرمئی ابر کے

---

[1] سسلی کے صدر مقام کا نام پلرمو ہے۔ (مترجم)

سائے تلے تاریک جنگلوں سے لکڑیاں کاٹنے اور برف میں گرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں لوگوں کی زندگی آسان تھی۔ یہاں وہ کھلے نیلے آسمان تلے گھوڑے دوڑاتے شکار کے لیے جا سکتے تھے۔ وہ جب چاہتے محل کے میدانوں میں کھیلوں کے مقابلے اور فنِ سپاہ گری کے مظاہرے کر سکتے تھے۔ محلوں سے مُلحق میدان تھے جن کے گرد گھرے سبز رنگ کی جھاڑیاں تھیں جن میں سُرخ رنگ کے پھُول کھلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اہلِ شمال کی پوستینیں اور اُونی لباس ترک کر دیے تھے سسلی کی خوشگوار گرم آب و ہوا میں وہ ریشم اور کتان کے رنگین اور زر دوزی چغے زیب تن کرنے لگے تھے۔ اب عورتیں اپنے کمروں میں محبوس سارا دِن کپڑا بُننے میں نہیں گزارتی تھیں بلکہ وہ مردوں کے مشاغل میں شریک ہوتیں۔ جب قلعوں کے کشادہ ایوانوں میں پُرتکلف ضیافتیں مُنعقد کی جاتیں تو عورتیں اِن تقریبات کی رونق بڑھاتیں۔ امیر اور نائٹ مویشی کا شمار کرنے، کھالوں، شراب اور اناج کے ذخیروں کا حساب رکھنے اور گرمیوں میں کھیتی باڑی کی مشقت اُٹھانے سے بے نیاز تھے۔ مقامی کسان ان کے کھیتوں کی بوائی اور کٹائی کا کام کرتے اور عرب خزانچی ان کی آمد و خرچ کے حسابات رکھتے۔

نارمنوں کی آمد کے بعد پلرمو میں خاطر خواہ ترقی ہوئی پھُولوں سے مہکتے ہوئے باغات کے کنارے سنگین حجُرے تعمیر کیے گئے۔ گرما کی طویل دوپہروں میں راہب یہاں آرام کرتے۔ پلرمو کی خوبصورت ترین عمارت نیا کیتھیڈرل تھا اس گرجے کی عمارت شوخ شربتی رنگ کے تراشیدہ پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ اِس کے اُوپر مینار تھے۔ جن میں گھنٹے آویزاں تھے۔ بازار کے گرد و غبار اور شور و غُل سے اُوپر بہت اُوپر یہ مینار سفید بادلوں کو چھُوتے نظر آتے تھے۔ ہر سال وہ اِس میں کسی حجُرے یا کسی محراب دار دروازے کا اضافہ کر دیتے۔ وہ اس کی خوبصورتی دوبالا کرنے کے لیے اِس میں بوقلموں مرقعے بناتے رہتے جو سُنہری زمین پر آئینوں کی طرح دمکتے۔ اِن راہب کاریگروں کو

رنگوں سے محبت تھی۔ انھوں نے عرب اور بیزنطینی صناعوں کی نادرہ کاری کے نمونے دیکھے تھے۔ وہ موقلم سے اولیاء کی تصویروں کے خدوخال اور بالوں کی نقاشی کرتے اور سونے کے پتروں سے ان کے مقدس پیکروں کے گرد نور کے ہالوں کو سجاتے۔ یورپ کے مروجہ دستور کے مطابق اس گرجے کی دیواریں سرد اور بے رنگ خاکستری نہ تھیں۔ اس گرجے کی بلند دیواروں کے اوپر کشادہ محراب دار کھڑکیاں تھیں۔ ان کھڑکیوں میں بوقلموں شیشے کے ٹکڑے سیسے سے جوڑ کر حضرت یسوع مسیحؑ کی زندگی کے رنگین مرقعے پیش کیے گئے تھے۔ ان مناظر میں حضرت مسیحؑ کے قدموں میں سبز کھیت لہلہاتے اور سوسن کے پھول مسکراتے۔ جب سورج کی کرنیں ان رنگین دریچوں کو چومتیں تو مقدس ہستیوں کے پیکر زندہ ہو جاتے، ان کی تصویروں سے ہفت رنگ روشنیاں چھن چھن کر بام و در کو منور کر دیتیں۔ واقعی یہ عمارت عجوبۂ روزگار تھی۔

محل سے ملحق شاہی گرجے میں اس سے بھی زیادہ ہوش ربا نوادر موجود تھے۔ منبر کے پایوں اور ستونوں کے سروں پر پرندوں اور درندوں کے مرمریں مجسمے بنائے گئے تھے۔ ماہر عرب کاریگروں نے اس کی چوبی چھت میں ایسی مرصع کاری کے جوہر دکھائے تھے کہ چھت لکڑی کے بجائے رنگین پھولوں اور خوشنما لکیروں کا پُران تانا بانا معلوم ہوتی تھی۔ شہر کے لوگ روزانہ کیتھیڈرل جاتے۔ وہاں زائرین اور حاجت مندوں کا ہجوم ہوتا کوئی اپنے بیمار بچوں کو اٹھا کر دعا کے لیے لاتا۔ کوئی پادریوں سے مقدس تصویروں کی برکت کا خواہاں ہوتا۔ کئی لوگ پُرسکون گوشوں میں محوِ عبادت ہوتے اور کئی روزمرہ کی زندگی کے کھڑاگ سے بیزار ہو کر کیتھیڈرل کے سرود نوازوں کے دلآویز نغمات سننے جمع ہو جاتے۔

ہر ایسٹر کے تہوار پر اس کیتھیڈرل سے جلوس نکالا جاتا۔ خوش اعتقاد دہقان پیغمبرِ مصلوب کے مجسمے کو اپنے مضبوط کندھوں پر اٹھائے چلتے۔ مقدس مجسمے کے قدموں پر

آنسوؤں کی طرح سفید سوسن اور مسیح کے زخموں کی طرح لالہ کے سُرخ پھولوں کے انبار ہوتے، مختلف اولیاء کے مجسمے بھی اِس جلوس کی زینت ہوتے۔ ایک طشت میں وہ چاقو رکھا ہوتا جس سے جناب پطرس نے اپنے آقا پر کسی ستم ڈھانے والے کا کان کاٹا تھا۔ چاقو کے ساتھ سچ مچ کا کان بھی طشت میں رکھا ہوتا۔

اہلِ کلیسا صرف مذہبی جلوسوں میں شامل ہونے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے وہ علم ادب کے دلدادہ بھی تھے۔ وہ عرب عالموں کی گراں قدر تصانیف سے واقف تھے۔ بہت سوں نے عہدِ عتیق کے بُت پرستوں یعنی ورجل اور ہوریس کی غیر مقدس کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ وہ اپنی روزمرّہ کی زندگی میں ان کی تقلید نہ کرتے لیکن فرصت کے لمحات میں ان کے متعلق تبادلۂ خیالات ضرور کیا کرتے۔

امرا اور نائٹ علم و فن کی جدید ترقیات سے بہرہ ور نہ تھے۔ وہ لاطینی اور یونانی کتابوں کے مطالعے سے اپنے دماغوں اور پُرسکون زندگی میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں موسیقاروں کے نغموں سے زیادہ دلچسپی تھی اور ان میں سے اکثر بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی کے ماہر تھے وُہ جادُو ٹُونے کے قائل تھے اور سحر و افسوں سے خائف۔ آفت و مصیبت میں انہیں شیطان کا ہاتھ کارفرما نظر آتا۔ وہ اپنے بچّوں کے علاج کے لیے عرب طبیبوں کو ترجیح دیتے جنہیں جسمِ انسانی کی خلطوں اور خُون کی خاصیتوں کا علم تھا۔ عرب معالجوں کے مقابلے میں وہ مقدس پانی دم کرنے والے جاہل پادریوں اور بڑی بُوڑھیوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے۔ یہ بُوڑھی ڈائنیں اپنے نسخوں کے گُن گاتیں اور جڑی بُوٹیوں کو سانپوں کی انتڑیوں، مینڈکوں اور جوؤں وغیرہ کے ساتھ اُبال کر استعمال کرنے کا مشورہ دیتیں۔ ان کے برعکس عرب طبیبوں کے مشروبات نہایت پاکیزہ اور خوش ذائقہ ہوتے۔

ابھی تک بھورے راہب اور مبلغین پلرمو نہیں پہنچے تھے۔ سسلی کے امرا شمال کے

بشپوں کے اثر سے آزاد تھے۔ وہ سیاحوں اور تاجروں کو جانتے تھے اور عرب اہلِ دانش سے انھوں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ وہ آزمائشی مقابلوں (ٹورنامنٹوں) میں شان و شوکت کا بہت التزام رکھتے۔ وہ کھیل کے میدانوں کے کناروں کو آراستہ کرتے اور گھوڑوں کو ساز و سامان سے خوب سجاتے۔ انھوں نے اپنے آداب و اخلاق مسلمانوں کے ضابطہ شجاعت سے اخذ کیے تھے۔ خواتین کے لیے بھی آزمائشی مقابلے مسرت انگیز ہوتے۔ جرمنی میں عورتیں کھیل تماشوں میں شامل نہیں ہُوا کرتی تھیں کیونکہ اعضا شکن کھیل عورتوں کے لیے ساز گار نہ تھے۔ امیروں نے عورتوں کی محبت کو دینِ مسیح کی وفاداری سے ہم آہنگ کرلیا تھا۔ رزم و بزم میں عورتوں کی صحبت بڑے مزے کی ہوتی۔ وہ اِن کی لطیفہ گوئی پر تالیاں بجاتیں اور جب شراب کا دَور چلتا تو محفل ان کے حسین وجود سے رنگین ہو جاتی۔ وہ اپنی آبائی جاگیردارانہ رسوم بھول چکے تھے۔ اب عورتیں وہ پُرانی عورتیں نہیں رہی تھیں جو بچے پیدا کرتی رہتیں اور جن میں سے اکثر مرجایا کرتی تھیں۔ اب اِن کی زندگی کا مقصد کُنجیوں کے وزنی گچھے اُٹھانا نہ تھا، ان کے مشاغل کشیدہ کاری کے چوکھٹوں سے عبادت کے حجروں تک محدود نہ تھے جہاں اولیا کی بے رنگ اور خشک تصاویر کی پرستش کی جاتی تھی ٭

محفوظ اور روشن باغ میں پودے خُوب پروان چڑھتے ہیں۔ ایسے ہی سسلی کے ان باشندوں کے تن بدن میں نئی قوت کا خُون گرم رواں تھا۔ ان کے دماغ روشن اور ذہن بیدار ہو گئے۔ وہ نئے خیالات کے دلدادہ تھے۔ اِن کی روشن خیالی سے روم میں یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ سسلی کا دربار بھی ٹولو کے دربار کی طرح ہے اور لینگڈوک کے کافروں کی آماجگاہ بن گیا ہے......

سسلی کے اِس نئے جذبے کا زندہ پیکر اس کا تاجدار فریڈرک ہانسٹوفن تھا۔ وہ ہنری ششم اور سسلی کی شہزادی کانسٹنس کا فرزند تھا۔ وہ تین سال کی عمر میں ہی شفقتِ پدری

سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کی شکل و شباہت عام نارمنوں سے مختلف نہ تھی ویسا ہی مضبوط اور ہٹا کٹا۔ اس کے بھدّے چہرے پر خشمناک آنکھیں باہم پیوست معلوم ہوتی تھیں اس کا شاہی وقار اس کے کٹیلے مزاج کی طرح فطری تھا۔ وہ ہانسٹوفن خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ وہ سُرخ ریش فریڈرک کی اولاد سے تھا۔ جسے جرمن ہنی بال[1] سمجھا جاتا تھا اور جس نے بڑے فخر سے کہا تھا "خدا کے فضل سے میں رُوم کا شہنشاہ ہُوں"۔

فریڈرک کو امورِ سلطنت کی پروا نہ تھی۔ اس کی سلطنت کی نگہداشت کلیسا کے ذمّے تھی پوپ انوسنٹ اِس کا اتالیق تھا اور موجودہ پوپ اِس کا مُرشد۔ یہی دونوں سسلی کا انتظام چلا رہے تھے۔ روم میں اس کے کئی دوست تھے وہ انہیں بخوشی سسلی میں مراعات دیتا۔ اسے امورِ سلطنت کی طرف متوجہ ہونے کے لیے اپنے مشاغل سے ہی فُرصت نہ ملتی۔ وُہ شکار کا دِلدادہ اور بازوں کا شوقین تھا۔ وُہ ٹُورنامنٹ کے ہنگاموں پر جان دیتا تھا۔ وہ ہر کھیل کا ماہر تھا اور ہر کام بخوبی کر سکتا تھا۔ وُہ بلا کا تیز اور زیرک تھا۔ وہ ہر مسئلہ کا حل نکال لیتا۔ وہ ہر چیز پر قُدرت رکھتا، چاہے نیزہ بازی ہو یا خوبصورت عورتوں سے معاشقہ۔ اِسے عورتوں سے چھیڑ خانی کا چسکا تھا اور عورتوں سے تعلق اِس کے لیے سامانِ مسرت۔ بعد میں یہی مسرت اس کے مشغلے میں تبدیل ہو گئی۔ وُہ اپنے جذبات سے کھیلتا اور تفریح کی نت نئی راہیں تلاش کرتا رہتا۔

اِس نے فلاسفروں کا دماغ پایا تھا، وُہ خوش گفتار تھا۔ دلیل بازی اور حجّت طرازی میں اُسے یدِطُولےٰ حاصل تھا۔ وہ پادریوں، عربوں اور یُونانیوں کے باہمی مناظروں سے گہری دِلچسپی رکھتا۔ اِس کے خیالات محدود اعتقادات کے پابند نہ تھے اور اس کا ذہن عجیب و غریب

---

[1] قدیم قرطاجنہ کا مشہور سپہ سالار اور فاتح جس نے شمالی افریقہ کو فتح کر کے یورپ پر حملہ کیا تھا۔ وہ سپین کو تاخت و تاراج کرتا ہُوا کوہ ایلپس کی برفپوش چوٹیوں اور دُشوار دروں کے رستے روم پر حملہ آور ہُوا تھا۔ اس نے رومائی سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ ہنی بال کا حملہ عسکری تاریخ میں معرکہ آرا حملہ سمجھا جاتا ہے۔ (مترجم)

تصورات کی بازی گاہ تھا۔ وہ جسٹینین اعظم کا مثیل تھا جس کا بے قرار ذہن کافرانہ خوابوں سے بھی مطمئن نہ تھا۔ فریڈرک نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں صرف اِس حقیقت پر یقین کروں گا جسے میں مشاہدہ کر سکتا ہوں۔ در اصل اِس کے اعتقاد کی بنیاد اِس کی ذاتی پسند تھی۔ اِس نے فلسفے کو بھی تجسس پر غالب نہ ہونے دیا۔ حُسنِ اتفاق یا شومئی قسمت سے جب اس نے زمامِ اختیار سنبھالی، نئے رجحانات کی نمود کے باوجود یورپ کلیسا کے مضبوط بندھنوں میں جکڑا ہُوا تھا۔ کلیسا کے اعتقادات کی گرفت بڑی سخت تھی ۔

انوسنٹ کی زندگی میں فریڈرک کے روم سے نہایت خوشگوار اور دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ دیندار نہ تھا تو نہ سہی، کلیسا کے معاملات میں مداخلت تو نہیں کرتا تھا۔ وہ اِن جھمیلوں سے بے نیاز ہر وقت اپنے بازوں اور یونانی حسیناؤں میں مگن رہتا تھا ۔

پھر گویا یکدم اِس کی کایا پلٹ گئی۔ اِس نے فوراً فیصلہ کیا اور تن تنہا شمال کی طرف چل پڑا۔ وہ اپنے آبائی جرمن تخت و تاج کا طلبگار تھا۔ راستے میں اِس نے پوپ انوسنٹ سے شرف باریابی حاصل کیا۔ دونوں میں ایک معاہدہ قرار پایا۔ پوپ نے دو شرائط پر اِس کے دعوے کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا۔ پہلے فریڈرک صلیبی عَلَم اُٹھائے اور کروسیڈ کی قیادت کرے اور دوسرے سسلی اور جرمنی کی سلطنتیں ہرگز کبھی ایک تاجدار کے زیرِ نگیں یکجا و متحد نہ ہونے پائیں۔ فریڈرک چاہے کتنا ہی مخلص حلیف کیوں نہ ہو کلیسائے روم کو سسلی اور جرمنی کا اتحاد کسی قیمت پر گوارا نہ تھا۔ شہنشاہ ہنری نے بھی اس اتحاد کی سعی میں کلیسا کی مخالفت مول لی تھی لیکن اب حالات مختلف تھے۔ اب سسلی اور جرمنی کی سلطنت کی نیابت خود کلیسائے روم کے ہاتھوں میں تھی ۔

فریڈرک نے بظاہر بڑے خلوص و احترام سے اِن شرائط کی پابندی کا حلف اُٹھایا۔ وہ تین سال کی عُمر میں یتیم ہو گیا تھا اس کا بچپن غفلت اور سازش کا شکار رہا تھا۔ وہ کلیسا کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھا تھا۔ اِس لیے وہ کلیسا کی خدمت کے فرض سے

آگاہ تھا۔ کروسیڈ اس کی شجاعت اور مردانگی کا امتحان تھا اور وُہ اِس کے لیے ہمہ تن آمادہ تھا۔ انوسنٹ بھی بہت مردم شناس آدمی تھا۔ اِس مُلاقات کے بعد اس کے دِل میں فریڈرک کے متعلق شکوک و شبہات جاگزیں ہوئے۔ یہ معاہدہ کلیسا کے لیے تباہ کُن ثابت ہُوا۔

یہ ۱۲۱۵ء کا واقعہ ہے۔

کچھ مُدت تک فریڈرک جرمن سلطنت کے معاملات میں اُلجھا رہا۔ اُس نے بڑی ہوشیاری سے جرمن مسائل کو سلجھایا۔ اگرچہ پہلے پہل وُہ جرمن زبان تک نہیں بول سکتا تھا۔ شیر کا بچہ قوت و فراست حاصل کر رہا تھا۔ وُہ سیاسی داؤ سیکھ رہا تھا۔ اِس دَوران میں اُس نے مُختلف معاملات سے آگاہی حاصل کی جب اُسے معلوم ہُوا کہ پوپ کی کونسل اٹلی میں اِس کے حقوق کو نظرانداز کر رہی ہے۔ تو اُس نے جنوب کی طرف توجہ کی۔ عظیم ترین ہانسٹوفن کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ دُوسرے اس کے حقوق پامال کریں۔ وُہ جرمنی کے بے رنگ قلعوں سے بھی اُکتا گیا تھا۔ اِس کے دِل سے سسلی کی خُوشگوار یادیں محو نہیں ہوئی تھیں۔ وُہ سسلی واپس جانا چاہتا تھا۔

کلیسائے روم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ سوچنے لگے تھے کہ ہم نے اچھا دوست کھو کر بُرا ہمسایہ پیدا کر لیا ہے۔ اربابِ کلیسا آئندہ خطرات کے پیشِ نظر فریڈرک سے کروسیڈ کے لیے اصرار کرنے لگے۔ لیکن فریڈرک پر ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اس لیے وُہ کسی نہ کسی بہانے سے اپنی روانگی کو مُلتوی کرتا رہا۔ وُہ اپنے مرکزِ قوت سے جُدا ہونے کے لیے ہرگز آمادہ نہ تھا۔ بالآخر جب کلیسا کا اصرار بہت شدید ہو گیا تو اس نے درخواست کی کہ روانگی سے قبل روم میں تاجپوشی کی رسم ادا کی جائے۔ اربابِ کلیسا نے یہ درخواست منظور کر لی اور بڑے تزک و احتشام سے رسمِ تاجپوشی ادا کی گئی۔ جب مصری کروسیڈ کی ناکامی اور سقوطِ دمیاط کی خبریں روم پہنچیں تو نئے کروسیڈ کی

تنظیم کے لیے شہزادوں اور سرداروں کی کانفرنس طلب کی گئی۔ ۱۲۲۳ء میں یہ کانفرنس فیرنٹینو کے مقام پر پوپ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں فریڈرک کے علاوہ جرمن راہبوں کے فرقے کا سربراہ ہرمن آف سالنزا بھی شامل تھا جو مصر سے بھاگ کر آیا تھا۔ ٹمپل اور ہاسپٹل فرقوں کے سربراہ، شاہِ یروشلم جان اور دیگر شہزادے بھی حاضر تھے۔

نہ جانے کس کے ایما پر ہرمن آف سالنزا نے ایک تجویز پیش کی ——— وہ کھڑا ہوا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "شاہِ یروشلم جان کی صاحبزادی یولانڈی سے جو تخت و تاج کی وارث بھی ہے، فریڈرک شادی کر لے"۔

سن رسیدہ طالع آزما شاہ جان بہت خوش تھا۔ ہانسٹوفن جیسا عالی مرتبت داماد اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ پوپ ہینوریس نے بھی اِس تجویز کو پسند کیا۔ اِس کا خیال تھا کہ اس سے فریڈرک سرزمین قدس میں دلچسپی لینے لگے گا۔ فریڈرک بھی فوراً مان گیا۔ یہ تجویز مشرق کی فتح کی تمہید ہو سکتی تھی۔ مشرق کی فتح یعنی اس کے باپ کے خوابوں کی تعبیر اس معاملے پر سوائے بیچاری گیارہ سالہ شہزادی یولانڈی کے ہر ایک نے بحث کی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ایک سال بعد جب شہزادی سن بلوغ کو پہنچ جائے تو شادی ہو۔ ہرمن آف سالنزا کی تحریک پر یہ بھی منظور کر لیا گیا۔ کہ تاحینِ حیات جان ہی یروشلم کا بادشاہ رہے۔ فریڈرک کو یہ تجویز بہت اچھی لگی اور اس نے ۱۲۲۵ء میں کروسیڈ پر جانے کا حلف لیا۔

جب شادی کا وقت قریب آیا تو فریڈرک اپنی دُلہن لانے کے لیے یروشلم نہ گیا۔ اس کے بجائے شہزادی یولانڈی برنڈزی پہنچی۔ یہاں عظیم الشان کیتھیڈرل میں شادی کی رسم ادا کی گئی۔ وہ اپنے ساتھ اپنے جہیز کے صندوق اور خدمتگاروں کی مختصر سی جماعت لائی۔ جب وہ کیتھیڈرل میں داخل ہوئی، تو اس کے کم سن چہرے پر شاہانہ وقار تھا۔ اور دِل انجانے اندیشوں سے مضطرب۔ وہ تیرہ ۱۳ سالہ لڑکی دُنیائے مسیحیت کے سب سے

زبردست حکمران یعنی ہانسٹوفن سے وابستہ کر دی گئی تھی۔ کسی تذکرہ نویس نے اس کی داستان بیان نہیں کی۔ وہ عالیشان شاہی دربار میں اپنے جرمن شوہر کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھی اور اس کے بعد وُہ گمنامی کی تاریکیوں میں کھو گئی شادی کو ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہ جان کو معلوم ہُوا کہ اس کی بیٹی کو برنڈزی کے قلعے میں اکیلا روتا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اِس پر کیا گزری اور فریڈرک نے اِس پر کیا ستم ڈھائے اِس کی داستانِ غم کسی نے رقم نہیں کی۔ تاریخ کے خشک قلم نے صرف یہ تحریر کیا ہے کہ وہ پہلوٹھی کے بچے کو نارڈو کی زچگی میں مرگئی۔

اس شادی سے شاہ جان کی خوشی چھن گئی۔ اِس کے بعد اُسے سکون نصیب نہ ہو سکا فریڈرک نے شادی کے دُوسرے ہی دِن جان سے یروشلم کے تخت و تاج سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا۔ اِس نے کہا کہ تاج و تخت کی جائز وارث یولانڈی ہے۔ اِس نے بوڑھے جان سے یروشلم کی سلطنت جبراً چھین لی۔ وُہ بے چارا شاہی نشان اور تاج و تخت سے دست کش ہو گیا۔ اِس طرح سلطنت ہمیشہ کے لیے ایک تاجدار سے دُوسرے کی طرف منتقل ہو گئی۔ جان نے پُرزور احتجاج کیا۔ اِس نے فریڈرک کو فیرنٹینیو کا حلف یاد دلایا کہ تاحین حیات یروشلم کی سلطنت پر میرا تسلط رہے گا لیکن فریڈرک نے جواب دیا کہ کوئی تحریری معاہدہ تو نہیں ہُوا تھا۔ فریڈرک کو عہد شکنی کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ جان آف برین غیر معروف شخص تھا۔ اِسے حکمرانی و شاہی کی راہ سے ہٹا دینے میں کیا مضائقہ؟

لیکن وُہ کروسیڈ کے حلف کو یُوں آسانی سے نہیں ٹال سکتا تھا۔ اِس نے دوبارہ کروسیڈ کی قسم کھائی۔ اُس نے کارڈینل پلیجیس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دوبارہ حلف اُٹھایا کہ مَیں دو سال کے عرصے میں بحری بیڑا اور فوج لے کر مقدس مہم پر جاؤں گا۔ اور اگر ایسا نہ کروں تو مجھے بے دین اور کافر قرار دے دیا جائے۔ لیکن اِن دو برسوں میں نئے نئے منصوبے اِس کے ذہن میں پرورش پانے لگے اور اِس نے سسلی پر

مُستقل حیثیت سے تسلط جمانے کا عزم کر لیا۔ پلرمو کی نشاط آفریں زندگی سے اِس جزیرے کی محبت اِس کے دِل میں راسخ ہو چکی تھی۔ وہ سسلی سے دست بردار ہونے کے لیے ہرگز آمادہ نہ تھا لیکن وہ پوپ انوسنٹ سے یہ وعدہ کر چکا تھا کہ جرمن سلطنت کی بازیافت کے بعد وہ سسلی کی حکومت سے دستکش ہو جائے گا۔ دوبارہ سسلی کا مطالبہ کرنا خطرناک اور نازک معاملہ تھا۔ جو سیدھی اُنگلیوں طے نہیں ہو سکتا تھا اِس لیے سازش اور حیلہ سازی کی ضرورت تھی۔ اسے سازباز اور ریشہ دوانی میں بھی لُطف مِلتا تھا۔

لاٹرن کے حاکم اِن خطرات سے بخوبی آگاہ تھے۔ اگر شمال اور جنوب کے پاٹ ایک ہاتھ کی جُنبش سے چلنے لگیں تو روم اِس چکّی میں پِس کر خاک ہو جائیگا۔ کریم النفس بُوڑھا پوپ ہینوریس فوت ہو گیا۔ اِس کا جانشین پوپ گریگوری نہم بھی بُوڑھا تھا لیکن وہ نہایت اولوالعزم اور عالی حوصلہ انسان تھا۔ نئے پوپ نے سب سے پہلے فریڈرک کو خط لکھا کہ اپنا وعدہ پُورا کرو اور جلد کروسیڈ کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

بالآخر ستمبر ۱۲۲۷ء میں فریڈرک کی حیلہ سازی ختم ہوئی اور وہ ایک لشکرِ جرار لے کر عازمِ مشرق ہُوا۔ گرمی کے موسم میں ساحلِ برنڈزی پر لشکر میں بیماری پھیل گئی۔ جہازوں پر سپاہی اِس کثرت سے مرنے لگے کہ مجبوراً فریڈرک کو اوٹرانٹو کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہونا پڑا۔ یہ اخیر ستمبر کا واقعہ ہے۔ پوپ گریگوری نے اِس کی واپسی کی وجہ سے اِس پر کُفر کا فتویٰ صادر کر دیا ہے۔ فریڈرک نے یہ خبر سُنی تو وہ سناٹے میں آ گیا۔ کلیسا نے اپنی لعنت کا ہدف بنا کر اِسے دُوسرے انسانوں سے علیحدگی کی سزا دی تھی۔ اِس کی رعایا کو اطاعت سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ پوپ کے اِس غیر متوقع اقدام سے فریڈرک بھنا گیا لیکن وہ پوپ کی اطاعت کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ پوپ کے خلاف فوج کشی کرنے واپس جرمنی چلا جائے گا لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب فریڈرک جرمنی کے بجائے یروشلم روانہ ہو گیا۔ شاید یہ بات اِس کے شرارتی مزاج کو بھائی ہو کہ دیکھیں کافر ہو کر مقدس صلیبی جنگ لڑنے میں کیا مزا ہے؟

۴۱

فریڈرک کا سفر

فریڈرک اپنی فوج کا بیشتر حصّہ سسلی میں چھوڑ گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے مالک سے وفاداری کے بجائے اِس کی سرکشی اور کُفر کے متعلق پریشان تھے۔ پادری بہت متفکّر تھے۔ چند پادریوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ بادشاہ کو عجیب شیطانی صورتوں سے ہم کلام دیکھا گیا ہے۔ واقعی وہ بے دین اور کافر ہے۔ کچھ پادری اِن افواہوں سے متفق نہ تھے۔ وہ کہتے کہ وہ تائیدِ ایزدی سے شہنشاہ ہے۔ کلیسائے روم کو خُدا کے مُنتخب نائب پر پابندی عائد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بُوڑھے سپاہی پُرانی باتیں یاد کرتے اور کہتے کہ فریڈرک کے جدّامجد کو نافرمانی کا کفارہ ادا کرنا پڑا تھا۔ پوپ کے بند دروازے کے سامنے وہ صِرف کُرتا پہنے کئی دِن تک برف پر دوزانو ہو کر طالبِ عفو رہا تھا۔ بربروصلہ پوپ کے راستے میں لیٹ گیا تا کہ پوپ اِس کی گردن پر پاؤں رکھ کر گُزر جائے۔ وہ بڑبڑاتے "کلیسا کی مخالفت کر کے کسی نے پھل نہیں پایا لیکن اب کیا کیا جائے۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔" کچھ جوشیلے لوگ کہتے "اگر فریڈرک مزارِ مسیح سے کافروں کو ہٹا دے تو

اِس کے گُناہ کا کفارہ ادا ہو جائے گا لیکن سوال یہ ہے کہ جہاں کارڈینل پلیجیس جیسے پاکباز پادری ناکام رہے ہوں وہاں مقدس پوپ کا معتوب اور ملعون کیسے فتح حاصل کر سکتا ہے اور خُدا جانے اِس کی فوج کا کیا حشر ہو گا؟

کافروں کے خلاف شمشیر آزمائی تو ہر عیسائی کا فرض ہے لیکن شیطانی قوتوں کے خلاف نبرد آزمائی جن کے سالار کو پوپ نے ملعون قرار دیا ہو، اِس سے زیادہ اہم اور خوفناک فریضہ ہے۔ فریڈرک کی فوج ضرور تباہ ہو گی۔ اس کی تعداد بھی تو آدھی نہیں رہی تھی۔"

جرمن سپاہی اِس قسم کی باتیں کرتے جاتے تھے۔ جہاز بحیرۂ ایجین کو قطع کرتے ہوئے قبرص کے پست ساحل تک پہنچ گئے۔ غیر ملکی سپاہی فریڈرک کا ساتھ چھوڑ کر جا چکے تھے، البتہ ٹیوٹانک (جرمن) نائٹ اِس کے ہم رکاب رہے۔ اِس کی مختصر فوج اپنے سرداروں اور نائٹوں کے اشارے پر کام کرتی رہی۔ یہ اور بات ہے کہ اِن کے دِل بھی خدشات و شبہات سے پاک نہیں تھے۔ وہ لماسول کے ریتیلے ساحل پر اُترے تو ٹمپلر کو لوسی کے قلعے سے باہر نہ نکلے، حالانکہ فریڈرک کا استقبال اِن کا فرض تھا، البتہ قبرصی امیروں نے محتاط طریقے سے شہنشاہ کا خیر مقدم کیا۔ فریڈرک نے اِن باتوں کی پروانہ کی۔ وُہ بڑی ترنگ میں تھا۔ اِس نے اپنے میزبانوں سے ضیافت کا بندوبست کرنے کے لیے کہا دستر خوان پر وہ قبرصی امیروں سے بڑے تپاک سے گفتگو کرتا رہا۔ اور اس نے ہال میں اپنے سپاہیوں کی موجودگی کی بھی پروا نہ کی۔ یکایک وہ آزمودہ کار سردار جان آف ابلین حاکم قبرص کی طرف متوجہ ہُوا ——— "جناب جان! میں آپ سے دو چیزوں کی درخواست کرتا ہوں اگر آپ میری درخواست پُوری کر دیں تو یہ آپ کی مہربانی ہو گی اور آپ کے لیے بھی اچھا ہو گا اور آپ کی دانشمندی کا ثبوت سمجھا جائیگا"

ابلین بیروت کا حاکم بھی تھا۔ اِس نے بڑی متانت سے جواب دیا ——— "حضور کا ارشاد سر آنکھوں پر۔ جو بھی عزت و شرافت کا تقاضا ہو گا، میں پُورا کرنے سے دریغ نہیں

کروں گا"۔

فریڈرک مہمانوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "پہلے تو میں قلعۂ بیروت کا مطالبہ کرتا ہوں جو میرے بیٹے کونارڈ کی سلطنت میں ہے۔ دوسرے یہ کہ شاہ ہیو کی وفات سے لے کر آج تک دس سال ہوئے ہیں۔ آپ اس عرصے میں سلطنت قبرص کے خراج و محاصل کے حساب پیش کر دیں، کیونکہ جرمن قانون اور جرمن سلطنت کے ضابطے کی رُو سے اس سلطنت کے فوائد و آمدنی کا میں حقدار ہوں"۔ یہ الفاظ سُن کر حاضرین متحیّر ہو گئے اور کئی پریشان ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ فریڈرک نے صاف طور پر قبرص کے زرخیز جزیرے اور بیروت کے شاندار قلعے کا مطالبہ کر دیا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ اپنی بیوی یولانڈی کے حقِ وراثت کی رُو سے اِن علاقوں کا مطالبہ کر رہا تھا۔ یہ علاقے یولانڈی کے باپ کے زیرِ نگین تھے لیکن فریڈرک کو ایسے آدمی سے سابقہ پڑا جو کسی خوشامد اور جبر سے مرعوب ہونے والا نہیں تھا۔

جان ڈی ابلین نے فریڈرک کے مطالبے پر غور کرنے کے بعد بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "جنابِ عالی! بیروت کا شہر میں نے عربوں سے فتح کیا تھا اور مجھی کو اس پر حکومت کرنے کا حق ہے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ معزز مہمانوں کے رُو برُو کھڑا ہو گیا۔ "اور جہاں تک قبرص کی آمدنی اور محاصل کا تعلق ہے، میں اِس معاملے کو نوابوں کی عدالتِ عالیہ کے رُوبرو پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور اس مقدمے میں جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس عدالت سے فیصلہ چاہتا ہوں۔۔۔"

فریڈرک نے بہت زور لگایا، بہت ہنسا اور بہت خوشامد کی لیکن وہ ایک سپاہی کے فیصلے کو تبدیل نہ کر سکا۔ پہلے تو اس کا خیال تھا۔ کہ کسی کو میری مخالفت کی جرأت نہیں ہو گی لیکن بعد میں یہ ظاہر کرنے لگا کہ مجھے چنداں پروا نہیں کہ اِس تنازعے کا فیصلہ نوابوں کی عدالتِ عالیہ میں ہو لیکن وہ یروشلم جانے سے پہلے اپنے کارندے

قبرص میں چھوڑ گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے مشرق ادنیٰ میں سلطنت کی تشکیل کا ارادہ ترک نہیں کیا تھا۔

اس نے خوب فہم و فراست سے کام لیا۔ شامی نائٹوں کو ابلین کے واقعے سے عبرت ہو چکی تھی اس لیے وہ اس کی اعانت پر آمادہ نہ ہوئے، ہاسپٹلر بھی اپنے قلعوں سے باہر نہ نکلے۔ فریڈرک کے ہمراہ پینتیس ہزار سوار اور دس ہزار پیادے تھے۔ اخراجات سفر سے اس کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ اس نے عکّہ میں لنگر انداز ہوتے ہی شامی نائٹوں سے چالیس ہزار اشرفیاں قرض لیں۔

اس فوج کے ساتھ وہ یروشلم پر کامیابی سے فوج کشی نہیں کر سکتا تھا۔ اب اُسے میدانِ کارزار میں فتح کی اُمید نظر نہ آئی۔ تو اُس نے سیاست سے کام لیا۔ مسلمانوں کو اس کی آمد کی اطّلاع مل چکی تھی اور وہ خاصے گھبرائے ہوئے تھے۔ فریڈرک نے باقاعدہ طور پر ملک الکامل کو اپنی آمد کی اطّلاع کر دی تھی۔ اس نے سلطان کو بڑا دوستانہ پیغام بھیجا تھا۔ اب اس نے سلطان کی خدمت میں دوبارہ مکتوب ارسال کیا۔

"محاصرۂ دمیاط کے وقت آپ سارا فلسطین ہمارے حوالے کرنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ مجھے اس سے فروتر پیش کش نہیں کریں گے جو آپ اہلِ فرانک کے سامنے رکھ چکے ہیں۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ یہ مراعات نہیں بخشیں گے تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ مجھے مایوس کرنا آپ کے مفاد کے منافی ہوگا۔"

واقعی یہ نہایت لطیف گستاخی تھی۔ ملک الکامل یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ کیا کیا جائے۔ اس نے فریڈرک سے مصالحت کے لیے آمادگی تو ظاہر کی تھی۔ لیکن یروشلم کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ مسلمان حکمران جرمن شہنشاہوں سے کچھ خائف تھے اور انہیں عالمِ مسیحیت کے سربراہ سمجھتے تھے۔ الکامل فلسطین سے دست بردار ہونا اور ساتھ ہی فریڈرک سے جنگ بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے فریڈرک کی خوشامد کے لیے اپنے سفیر روانہ کیے۔

فریڈرک نے سُلطانی سفیر کی شاہانہ مدارات کی اور اس کی خوشامد میں بچھتا چلا گیا۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں مذہب اسلام اور اسلامی رسم و رواج کے متعلق اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور سسلی میں اپنی مسلمان رعایا کا بھی ذکر کیا۔ اس کے بعد اس نے امن و رشد کے نظریات اور عرب فلسفے پر تبادلۂ خیال کیا۔ اس نے دَوران گفتگو میں یہ بھی وعدہ کر لیا کہ "ملک الکامل کے خلاف یورپ سے آئندہ صلیبی مہموں کو روک دیا جائے گا"۔

اس کے بعد فریڈرک نے جافا کی طرف پیش قدمی کر کے اس کی مورچہ بندی کر لی۔ کیونکہ وُہ مذاکرات کے لیے مُسلمانوں کے قریب ہونا چاہتا تھا۔ وُہ جافا میں مقیم رہا۔ دربار میں ہر روز ضیافتیں اُڑتیں اور جرمن نائٹ یروشلم کی نواحی پہاڑیوں میں شکار کھیلتے رہتے مُسلمان صورتِ حال پر غور کرنے میں مشغول تھے۔ فریڈرک نے پھر ملک الکامل کو لکھا:۔۔۔

"مَیں آپ کا دوست اور بہی خواہ ہوں۔ جلد ہی آپ پر واضح ہو جائے گا کہ مَیں تمام یورپی شہزادوں اور تاجداروں سے اعلیٰ تر اور عظیم المرتبت ہوں ۔۔۔" بالآخر الکامل مان گیا اور جب سُلطان کا سفیر شرائطِ صُلح لے کر آیا۔ تو فریڈرک نے عربی اور فرانسیسی زبان میں معاہدے کی دو نقلیں تیار کرائیں۔ گواہوں نے بطورِ شہادت معاہدے پر دستخط کیے اور فریڈرک نے معاہدے کی ایک دستاویز سنبھال کر رکھ لی۔ پھر اس نے لشکر میں اعلان کرا دیا۔ کہ ملک الکامل نے سرزمین قُدس ہمارے حوالے کر دی ہے۔

لوگوں کو کئی سال کے بعد اس معاہدے کی پوری شرائط معلوم ہوئیں۔ فریڈرک نے بھی کئی رعائتیں منظور اور کئی مطالبات قبول کیئے تھے۔ لیکن اس نے خوش آئند دعووں کے عوض علاقہ حاصل کر لیا تھا۔ اس معاہدے کی رُو سے مُسلمانوں کے مقدس مقامات، حرم، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرا کے سوا تمام یروشلم فریڈرک کے حوالے کر دیا گیا۔ ٹمپلروں اور

ہاسپٹلروں کو شہر میں داخلے کی اجازت تھی۔ لیکن وہ شہر سے ملحق علاقوں کی مورچہ بندی کرنے کے مجاز نہ تھے۔ یروشلم کے نواحی دیہات بیت اللحم اور ناصرہ بھی عیسائیوں کے سپرد کر دیے گئے۔ یروشلم کو سمندر سے ملانے کے لیے عکہ تک ایک طویل گذرگاہ بھی دی گئی جس پر لڈ، روان اور مانٹفورٹ کے قلعے بھی واقع تھے۔ ان مراعات کے عوض فریڈرک نے مسلمان زائروں کی سلامتی کی ضمانت دی اور دس سال تک صلح پر پابند رہنے کا وعدہ کیا۔ اس عرصے میں اس نے شمالی شام کے عیسائی نوابوں کی امداد سے احتراز کرنے کا وعدہ کیا اور یہ بھی یقین دلایا کہ یورپ سے کسی صلیبی مہم کو مصر کے خلاف روانہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس نے یروشلم کی دیواروں کی مرمت اور تعمیر کو موقوف کرنا منظور کر لیا۔

فریڈرک پوپ کا معتوب تھا۔ اس کے ہمراہ مختصر سی فوج تھی۔ واقعی یہ معاہدہ اس کی سیاست و فراست کا شاندار کارنامہ تھا۔ فریڈرک اپنے ہم مذہبوں سے معاہدوں کی چنداں پروا نہیں کیا کرتا تھا لیکن اس نے اس معاہدے کی بہت پاسداری کی۔ دراصل یہ معاہدہ یروشلم کا نصف حل تھا۔ کسی فریق کی کامل فتح نہ تھی۔ مسلمانوں اور عیسائیوں نے یروشلم تقسیم کر لیا تھا اور اسے غیر محفوظ کھلا شہر قرار دے دیا گیا تھا۔ ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں نے فوری طور پر اس معاہدے کے خلاف احتجاج کیا۔ تجویز معاہدہ میں

لے اس معاہدے کی شرائط کا وثوق سے علم نہیں۔ فریڈرک نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یروشلم کی فصیلوں کی تعمیر شروع کرا دی، حالانکہ اس نے معاہدہ کی دوسری شرائط کا پورا احترام کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملک الکامل نے لاذقیہ اور کوہ طبریہ بھی فریڈرک کو دے دیے تھے۔ اس معاہدے کے بعد انطاکیہ سے لے کر عسقلان تک سارے ساحل پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ دامن کوہ میں کئی علاقے ان کے تصرف میں آ گئے۔ ہاسپٹلروں نے وسط شام میں اپنے علاقوں کی مورچہ بندی کر لی تھی اس لیے مسلمان بھی اپنے کوہستانی قلعوں سے نہ ہلے۔ اس طرح فریقین کے درمیان دریائے اردن کی حد قائم رہی اور یروشلم کے صلیبی ہمیشہ غیر محفوظ رہے۔ (مصنف)

اِن سے مشورہ تک نہیں لیا گیا تھا لیکن انہیں شرائط معاہدہ کا پابند کر دیا تھا۔

الکامل کے خلاف مسلمان آوازے کسنے لگے جس نے کھوکھلے وعدوں کے بدلے القدس فرانکوں کے حوالے کر دیا تھا۔ سُلطان نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سُود۔ وُہ اِن سے کہتا "مَیں نے عیسائیوں کو گرجوں، کھنڈروں اور ملبے کے ڈھیروں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ مسجد اقصٰے ہمارے پاس ہے۔ اور شعائرِ اسلامی بدستور جاری رہیں گے"۔

قاضی اور حفّاظ جنہیں شہر چھوڑنا پڑا وُہ اپنے جُبّے اور عمامے سنبھالے قرآن اور جانماز اُٹھائے مِصر چلے گئے۔ قاہرہ پُہنچ کر اُنھوں نے سُلطان کے محل کے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔ وہ محل کے دروازے کے سامنے آہ و فغاں کرتے رہتے۔ اور جب سُلطان نمودار ہوتا تو اُسے جلی کٹی سُناتے۔

جو عیسائی سرزمین قُدس کی فتح کے آرزُو مند تھے وُہ اِس معاہدے کو آنے والی آفت کا شگونِ بد سمجھتے۔ وُہ اِس معاہدے کو "بُری صُلح" کہہ کر پکارتے۔

۱۲۲۹ء کے سینٹ کے تہوار سے پہلے فریڈرک نے یروشلم میں داخل ہونے کی تیاریاں کیں۔ واقعی یہ اس کی شاندار کامیابی تھی۔ اور وُہ روم کے قدیم سیزروں کی فتوحات کے خواب دیکھنے لگا۔ اِس کا جلوس شاہی اِن پُر پیچ وادیوں سے بصد شانِ تجمّل گزرا جہاں کبھی رچرڈ شیردل مصروفِ پیکار رہا تھا۔ اِس کے جلو میں امراء کا پُرشکوہ دستہ تھا۔ بارش کے بعد دھوپ کھلی ہوئی تھی۔ فضا میں خوشگوار گرمی تھی اور ہر طرف سبزہ پھیلا ہُوا تھا لیکن اِس روشن منظر کے باوجود جرمن شہنشاہ اور اُس کی فوج پر ایک منحوس تاریکی سایہ فگن تھی۔ روم سے پوپ نے اپنے نمائندے اور مبلّغ بھیجے۔ وہ سائے کی طرح فریڈرک کے ساتھ تھے۔ وہ لوگوں کو متنبہ کرتے کہ دُشمنِ کلیسا سے خبردار رہو۔ کوئی پادری فریڈرک سے ایمان کی تصدیق نہیں کروا سکتا تھا اور نہ کوئی اِس مہم کے لیے دُعائے خیر کر سکتا تھا۔ جہاں بھی فریڈرک شب باشی کے لیے پڑاؤ ڈالتا، پوپ کے فرستادہ پادری پہنچ جاتے۔

اور اس مقام میں عبادات اور مذہبی رسوم کی ادائی کے امتناع کا حکم نافذ کر دیتے لیکن شہنشاہ اِن کی پروا کیے بغیر یروشلم کے شکستہ دروازے سے شہر میں داخل ہُوا۔ اِس نے مُسلمانوں کے ایک اُفتادہ محل میں قیام کیا۔ بازاروں میں عجیب قسم کا ہجوم تھا۔ لوگ بادشاہ کو دیکھنے جمع ہو گئے تھے۔ کہیں یُونانی کلیسا کے پادریوں کا جمگھٹا تھا، کہیں سانولے بیزنطینی کھڑے تھے۔ یہودی لمبے چغوں میں ملبوس، عصاؤں سے ٹیک لگائے مُنتظر تھے۔ اِن کے قریب ہی قاضی اور حاجی سفید عمامے باندھے خاموش کھڑے تھے سوائے اِن لوگوں کے یروشلم بالکل ویران تھا۔ فریڈرک کے خیر مقدم کے لیے نہ گرجوں کی مسرّت آفرین گھنٹیاں بجیں اور نہ سرود نوازوں کے ترانے بلند ہوئے۔ وُہ گھوڑے سے اُترا اور خاموشی سے مزارِ مسیحؑ کے صحن میں داخل ہُوا۔ اِس نے ستون کا سہارا لے کر نیم شکستہ مینار اور رسال خوردہ اور غفلت زدہ محراب دار دروازوں کا جائزہ لیا۔ کِسی نے اِسے خوش آمدید نہ کہا اور نہ کوئی اس کی آمد کا منتظر ہی تھا۔ جب اِس کے مصاحب جمع ہو گئے۔ تو اُس نے اِن کی پیشوائی کی اور وُہ تاریک گرجے میں داخل ہوئے۔ وُہ اندھیری غلام گردشوں سے گزرتے ہوئے حضرتِ مسیحؑ کی مرمریں لوحِ مزار کے سامنے دست بدستہ جا کھڑے ہوئے۔ لوح کے اُوپر شکستہ گنبد تھا۔ اِن کے پیچھے پیچھے یُونانی کلیسا کے پادری بھی آ پہنچے۔ وُہ اِس ماں کی طرح خائف اور ہراساں نظروں سے اِنہیں تک رہے تھے جس کے بچّے کو اُٹھانے کے لیے کوئی اجنبی بڑھے۔

جرمن اپنے ہاتھوں میں مومی شمعیں لیے لوحِ مزار کے رُوبرو دوزانو ہو گئے۔ فریڈرک اُٹھا اور مقابل قُربان گاہ کی طرف گیا۔ قُربان گاہ پر طلائی تاج رکھا تھا۔ چونکہ کوئی پادری رسمِ تاجپوشی ادا کرنے کے لیے موجود نہ تھا۔ فریڈرک نے خود ہی اپنی رسمِ تاجپوشی ادا کی۔ اِس نے تاج اُٹھا کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا ــــــ

"تثلیثِ مقدس کی برکت سے ..... منکہ فریڈرک ثانی .... بفضلِ خُداوند

شہنشاہ روم، ـــــ لازوال آگسٹس اعظم ـــــ شاہِ سسلی اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ میں شاہِ یروشلم بھی ہوں گا ـــــ"

وہ ایک بلند کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک قد آور شخص اپنا خود بازو پر اُٹھائے آگے بڑھا۔ یہ ہرمن آف سالنزا تھا۔ اِس نے منتظر نائٹوں سے پہلے جرمنی میں اور پھر فرانسیسی میں خطاب کیا:۔

"معزّزین! میرے مالک شہنشاہ معظم نے اِس مہم کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں مقامِ مسرّت ہے کہ انہوں نے شہر مقدّس اور مزارِ مسیح کو دشمن سے نجات دلا کر ہمارا سر اونچا کر دیا ہے۔ میرے آقا دیارِ قدس کے تحفّظ کے لیے اپنی تمام تر قوت اور ذرائع وقف کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں اور آپ کو بھی اِس مقدّس فرض کے لیے اپنی آمدنیوں کا بیشتر حصّہ وقف کر دینا چاہیے ـــــ"

گرجے سے واپس آکر فریڈرک نے محل میں دربارِ عام منعقد کیا۔ اِس نے ایک شاندار ضیافت کی جس میں مسلمان امیروں کو بھی مدعو کیا اور اُن کے ساتھ بڑے شوق سے گفتگو کرتا رہا۔ اِس نے کہا کہ "اب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلح کا دور شروع ہو گیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ سسلی کے عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرح اِن کی باہمی دوستی بھی پائیدار ثابت ہو گی۔ ضیافت کے بعد فریڈرک شہر کی مسمار شدہ دیوار کے معائنے کے لیے گیا۔ مسلمان بھی اِس کے ہمراہ تھے۔ اِس نے اپنے ہاتھوں سے نئی دیوار کی بنیاد کھودی۔ اِس کے بعد اُس نے مسلمانوں کے مقدّس مقامات کی زیارت کا ارادہ ظاہر کیا۔ ملک الکامل کا فرستادہ قاضی اسے دیوارِ گریہ کے راستے قبۃ الصخرہ لے گیا جس کا عظیم الشان گنبد، متّصلہ ہیکل کے اُوپر سے نظر آ رہا تھا۔ فریڈرک نے اِس کی بہت تعریف کی اور مسجد اقصیٰ کے خوبصورت اور کشادہ صحن کو دیکھ کر تحسین و آفرین کے جملے بے اختیار اس کی زبان سے نکل گئے۔ اِس صحن میں وراوّل

کے صلیبیوں کے بنائے ہوئے نازک ستون بدستور کھڑے تھے۔ اس نے فوارے کے قریب پڑے ہوئے منبر پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک پادری اور چند نائٹ مسجد کے دروازے کی طرف آتے دیکھے۔ ٹمپلروں نے اس مسجد میں اپنا گرجا تعمیر کر رکھا تھا۔ پادری کے ہاتھ میں مقدس کتابیں تھیں۔ انہیں دیکھ کر وہ غصے سے چلایا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس علاقے میں ہم سلطان الکامل کی رعایا ہیں۔ خبردار جو کبھی نے گرجوں کی مقرر شدہ حدود سے تجاوز کی جرأت کی" ۔

شام کے وقت وہ اذان سننے کے لیے اپنے محل کی چھت پر گیا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی رہی۔ اس نے دوسرے دن قاضی کو بلایا ـــــ "اب مؤذن میناروں سے اذان کیوں نہیں دیتے؟ ـــــ"

قاضی نے متلون مزاج اور درشت خونئے حکمران سے ڈر کر اذان بند کر دی تھی۔ اس نے کہا "خادم نے شہنشاہ کے احترام کے لیے اذان بند کر دی تھی" ۔

فریڈرک نے جواب دیا "آپ نے ٹھیک کام نہیں کیا۔ میں راتوں کو مؤذن کی صدائے تکبیر سننے کے لیے ہی یروشلم آیا ہوں ـــــ"

جب تک شہنشاہ یروشلم میں مقیم رہا بطریقِ اعظم کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کی روانگی کے بعد پوپ کا نمائندہ یروشلم میں وارد ہوا۔ عبا پوش پادری اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دیوارِ گریہ سے گزر کر مقدس گرجوں میں داخل ہوئے۔ جن گزرگاہوں اور راستوں سے فریڈرک گزرا تھا۔ وہ بھی انہیں راستوں سے گزرے مگر انہوں نے راستے میں ہر بام و در پر کلیسا کا حکمِ امتناعی نافذ کر دیا۔ وہ مزارِ مسیح کے صحن میں داخل ہوئے۔ پادریوں کی مترنم اور پرشکوہ تلاوت سن کر سنگ دل سپاہی بھی لرزہ براندام ہو گئے اور عجز و حیرت سے صلیب کا نشان بنانے لگے۔ پوپ کے نمائندے نے پوپ کے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ راہب خانوں سے لے کر

گھروں تک اِس کا چرچا ہونے لگا۔ پریشان لوگ ایک دُوسرے سے سرگوشیاں کرتے اور ان کے چہروں کی رنگت اُڑ جاتی ۔۔۔ "مقدس مریمؑ! ۔۔۔ اب کیا ہوگا؟ یہ کیا بلا نازل ہوئی ہے تُو نے تو مزارِ مسیحؑ پر بھی حکمِ امتناعی نافذ کر دیا ہے"۔

وُہ خائف و پریشان تھے کہ اِس کا انجام ٹھیک نہیں ہوگا۔ یروشلم میں لوگوں کی آزادانہ آمد و رفت شروع ہو گئی۔ کئی شخص فریڈرک کے مداح بن گئے۔ بدی کی قوتوں پر غلبہ پانے کی وجہ سے وُہ اسے میکائیل کا مثیل سمجھنے لگے۔

جہازوں نے لنگر اُٹھائے اور فریڈرک دوبارہ عازمِ سفر ہُوا۔ اُسے خبر ملی تھی کہ پاپائی فوجوں نے اِٹلی میں اِس کے نائبوں اور کارندوں کے خلاف ہتھیار اُٹھائے ہیں۔ روانگی سے پیشتر اُس نے نوابوں اور نائٹوں کی عدالت عالیہ کے اجلاس میں اعلان کیا کہ تا حکمِ ثانی میں بالین آف ابلین کو فلسطین میں اپنا نمائندہ اور مُختارِ خاص مقرر کرتا ہوں۔ وہ اپنی فوج سمیت جہازوں میں سوار ہو کر چلا گیا، اور جو سفید ہاتھی ملک الکامل نے اِسے تحفہ دیا تھا، وُہ بھی جہاز پر لدوا دیا۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ وُہ اپنے ساتھ خوبصورت عرب لڑکیاں بھی لے گیا۔ جب اِس کا جہاز عکّہ کی گودی سے روانہ ہُوا، تو لوگوں نے قریب ہی قصابوں کی دُکانوں سے انتڑیاں اور فُضلہ لے کر اُس کے امیروں پر پھینکا۔

اِس طرح شہنشاہ فریڈرک نے کروسیڈ کو مُلک گیری کے لیے اِستعمال کیا۔ اِس کے ساتھ مغربی سیاست کی مشرق میں دخل اندازی شروع ہوئی۔

۴۲

سیزر زندہ باد

مشرق میں فریڈرک صرف سطحی امن قائم کر سکا۔ یہ درست ہے کہ اس نے کروسیڈ کے متعلق اپنا وعدہ پورا کر دکھایا لیکن ساتھ ہی فتح یروشلم کو بھی اپنی مُلک گیری کا ذریعہ بنانا چاہا۔ سسلی کے اس اولوالعزم شہنشاہ کے خیالات کافرانہ تھے۔ وہ اس فتح کو بھی اپنے عظیم الشان منصوبے کی تکمیل سمجھتا تھا۔ اس زمانے میں جذبۂ قومیت کا آغاز ہو رہا تھا۔ فریڈرک بدستور انسانیت کو واحد قوم سمجھتا تھا جس پر اس کی حکمرانی و تسلّط ہونا چاہیے۔ وہ عہدِ قدیم کے سیزروں کی طرح اپنی سلطنت سے عالمگیر امن قائم کرنا چاہتا تھا۔ خدا کے فضل سے وہ سب اقوام و قبائل کا شہنشاہ تھا۔ اسے قوانین کی پروا نہ تھی، وہ خود قانون تھا۔

لیکن ان بلند عزائم کے باوجود وہ دوبارہ مشرق نہ جا سکا۔ اس کی فراست دوبارہ کوئی سیاسی کرشمہ نہ دکھا سکی۔ دس سال تک وہ کارندوں اور مختاروں کے ذریعے سے اپنا تسلّط مستحکم کرنے کی کوشش کرتا رہا اور بالآخر ناکام ہوا۔ بالین آف ابلین

اس کے نائب کی حیثیت سے فلسطین کے امورِ سلطنت سے عہدہ برآ ہوتا رہا۔ اِس عرصے میں شامی نائٹ اور نواب بدلے ہوئے حالات کے خوگر ہو چکے تھے۔ جب فریڈرک نے شاہی مارشل فلانجیری کو طلائی فرمان دے کر فلسطینی مقبوضات کا قبضہ لینے کے لیے بھیجا۔ تو حالات دگرگوں ہو گئے اور اس کا ئیاں اطالوی کی ہوشیاری سے بھی نہ سنبھل سکے۔ پہلے تو فلانجیری نے انس و تلطف سے کام نکالنا چاہا لیکن بات نہ بن سکی۔ پھر اس نے پر پُرزے نکالے اور بیروت کو بحق سرکار ضبط کرنے کی بے سُود کوشش کی۔ اِس اقدام سے نوابوں کی عدالت ناراض ہو گئی۔ جب فلانجیری نے احکام کی تعمیل کرانے کے لیے تلوار اُٹھائی تو ابلین اور نواب اس کے خلاف رزم آرا ہو گئے۔ فریقین میں علانیہ جنگ چھڑ گئی جو قبرص سے شروع ہو کر ساحلِ شام تک پہنچ گئی۔ مقامی نوابوں نے جرمن افسروں کو نیچا دکھایا۔ چنانچہ فریڈرک کے کارپرداز آرمینیا بھاگ گئے یا اٹلی واپس چلے آئے۔

اس عرصے میں فریڈرک نے تھیسالونیکا کے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اُس نے قسطنطنیہ کے فرانسیسی طالع آزماؤں کے خلاف بیزنطینی امراء کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا اور اپنی بیٹی کی شادی بھی بیزنطینی قیصر سے کر دی۔ اِس نے ضرورت مند فرانسیسی نائٹوں کو اپنی سلطنت سے کمک لے جانے کے راستے مسدود کر دیے "وہ بلا تامل کہتا میں چاہتا ہوں کہ بیزنطینی اپنے شہر پر قابض ہو جائیں اور میرے باجگزار رہیں"۔ اس نے ملک الکامل سے دوستی برقرار رکھنے کے لیے باقاعدہ مراسلت قائم رکھی۔

اٹلی پہنچ کر جب اِس نے خبر سُنی ہو گی تو اسے ضرور ہنسی آئی ہو گی۔ اِس نے اپنی غیر حاضری سے دانستہ یا نادانستہ طور پر پاپائیت کے لیے تباہی کے سامان پیدا کر دیے تھے۔ پاپائیت اپنے جال میں خود ہی گرفتار ہو کر رہ گئی۔ بُوڑھے اور اولوالعزم پوپ گریگوری نے فریڈرک کے خلاف عَلَمِ جنگ بلند کر کے اُس کی

سلہ۔ یُونان کے علاقہ تھیسلی جس میں سالونیکا کا مشہور شہر واقع ہے (مترجم)

غیر حاضری میں اس کے خلاف مقدّس جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ اِس بے دین شہنشاہ کی تادیب کے لیے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور اہلِ انگلستان سے مذہبی جبات فراہم بھی کر لیے گئے۔ پاپائی فوجیں روم میں جمع ہوئیں اور فریڈرک کے تابعین کے خلاف اُنہیں کچھ کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ پاپائی فوج کا سپہ سالار ستم رسیدہ جان آف برین تھا۔ پاپائیت کا جھنڈا اِس کے ہاتھوں میں تھا۔ اِس جھنڈے پر دو کنجیوں سے صلیب کا نشان بنا ہُوا تھا۔ یہ تھی کلیسائے روم کی متبرک علامت۔

فریڈرک تنگر انداز ہُوا اور اُس نے کہا "اِن رومنوں کے ڈھنگ تو دیکھو"۔ اِس کے سپاہی ابھی تک کروسیڈ کی صلیبیں زیب تن کیے ہوئے تھے اِس کی آزمودہ کار فوج کے سامنے جان آف برین کی مختصر فوج کیا حقیقت رکھتی تھی اور ہانسٹوفن کی سپہ سالاری کے خلاف پوپ کا تمام قہر و غضب بے سُود تھا۔ کروسیڈ کی صلیب اور کلیسا کی کنجیوں کی جنگ میں فریڈرک کامیاب رہا۔

بالآخر گریگوری کو کفر کا فتویٰ واپس لینا پڑا اور فریڈرک نے بڑی نفع بخش شرائط پر صلح کر لی۔ ۱۲۳۰ء میں ملوکیت اور پاپائیت کے تصادم کا پہلا دور ختم ہُوا۔ ان کی باہمی کشمکش سے کروسیڈ کو فائدہ کم ہُوا اور نقصان زیادہ۔ فریڈرک نے سرزمین قدس کو یورپ کی سیاسی بساط کا مُہرہ بنا لیا تھا اور گریگوری نے عالمِ مسیحیت کے سب سے اولوالعزم اور زبردست حکمران کے خلاف کروسیڈ کا فتویٰ صادر کر کے سخت حماقت اور تنگ نظری کا ثبوت دیا تھا۔ تقدیر کی چکّی آہستہ آہستہ تو چل رہی تھی لیکن اِس کے پیسنے میں کوئی شک نہ تھا۔

۱۲۳۰ء کا سال عارضی صلح کا زمانہ تھا۔ پوپ اور شہنشاہ میں ملاقات ہوئی۔ دونوں نے بڑے دوستانہ ماحول میں گفتگو کی۔ بظاہر وہ ہنستے رہے لیکن اِن کی بصیرت ایک دُوسرے کا جائزہ لینے اور تخمینہ لگانے میں مصروف رہی۔ یہ محض ظاہر داری کا ڈھونگ تھا۔ ظاہر داری دیرپا نہیں ہوتی۔ جب یہ ڈھونگ ختم ہُوا۔ تو معرکہ آفریں واقعات رُونما ہوئے۔

پاپائیت اور ملوکیت کی دو صد سالہ کشمکش نے دوبارہ جنگ کی صورت اختیار کر لی اور یہ جنگ بڑی بیرحمی سے مسلسل جاری رہی۔ یہ منظم فوجوں کی، حملوں اور محاصروں کی لڑائی نہ تھی یہ جنگ نہایت خوفناک تھی۔ کامل بُردباری کی جنگ تھی۔ اِس کا مقصد مخالف کی بیخ کُنی تھا۔ عالمِ مسیحیت کے اِنسانی اور مادی وسائل اِس جنگ کی نذر ہونے لگے۔ اِس کے بعد یورپ پر دوبارہ قرونِ وسطیٰ کی تاریکی چھا گئی۔ ماضی کی شفق سے ارضی دیوتا پھر جھانکنے لگے۔ شہنشاہ لوگوں کی دُنیا کا مُحافظ تھا۔ اور پوپ لوگوں کی رُوحوں کا راہبر لیکن اب دونوں ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار تھے ۔

ابھی تک اِس انتشار سے قومیں معرضِ وجود میں نہیں آئی تھیں اور افراد کا ضمیر بیدار نہیں ہُوا تھا۔ لوگ خود کو ایک عالمگیر برادری کا فرد سمجھتے ۔ وُہ اِس ہجوم میں گُم تھے۔ ابھی تک وُہ راہبری اور دستگیری کے لیے اپنے درخشاں حاکموں کے دستِ نگر تھے۔ اِن کی نگاہیں ابھی تک نامزدِ خُدا شہنشاہ اور پدرِ کلیسا پوپ پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں آقا اب باہم دست و گریباں تھے اور لوگ پریشان! اِس کشمکش کا مرکز روم تھا ۔

سینٹ آگسٹائن نے ایک عالمگیر شہر کا خواب دیکھا تھا۔ جو دُنیا میں امن و سلامتی کا ضامن ہو۔ لیکن اب شہنشاہی کے طلبگار اِس شہر کی تاریخی تجدید کے لیے کوشاں تھے۔ اِن کے خیالات پر موجودہ روم کا شہر اثر انداز تھا ۔

یہاں سیزروں نے حکومت کی تھی اور اسی خاک میں وُہ مدفون ہوئے تھے۔ واقعی یہ شہر عالمگیر سلطنت کا مرکز رہ چکا تھا۔ زائر سینٹ پیٹر کے کلیسا کی زیارت کے لئے آتے تو وہ ٹائبر کے کنارے پھیلے ہوئے نیم برباد شہر کو بھی دیکھتے۔ یہاں وہ فورمؔ[1] واقع تھی جس نے آگسٹس اور ٹراجن جیسے اولوالعزم شہنشاہوں کی شان و شوکت دیکھی تھی۔ لیکن اب اِس فورم کے مُلحقہ زمین دوز کمروں میں چوروں کی کمین گاہیں تھیں اور رہزنوں نے

---

[1] مشہور رومن عمارت جو زمانہ قدیم میں سیزروں کی شان و شوکت کا مرکز تھی۔ (مترجم)

قدیم رومی امرا کے ویران محلات کو قلعوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ جب زائران پُرشکوہ کھنڈروں کو دیکھتے تو ان کے دلوں میں روم کی گزشتہ عظمت کی بحالی کی آرزو بیدار ہو جاتی۔

سو سال بعد جلاوطن دانتے[1] نے بھی اپنے ہم عصر شہنشاہ کو پُرعظمت شاہانہ ماضی کے زندہ کرنے کی دعوت دی۔ برسوں بعد کولا ڈی رینزی نے اپنے آقا چارلس[2] سے بھی اپنی سلطنت کی بُنیاد رُوم کے خرابات پر اُستوار کرنے کی التجا کی۔ فریڈرک کے زمانے کے لوگ بھی روم کو لازوال شہر سمجھتے تھے، جو دُنیا کے دونوں مالکوں کے شایانِ شان تھا۔ اِس شہر سے مُلحقہ جاگیریں بھی اِن کا حصّہ تھیں۔ فریڈرک ذاتی عظمت کا دلدادہ تھا۔ اِسے کشمکش کی گویا ہوس تھی، لیکن پھر بھی آخری کشمکش شروع کرنے کی پُوری ذمہ داری اِس کے کندھوں پر نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ اِس کے ذہن میں بربروصا کے نفیر جنگ کی آواز بدستور گونج رہی تھی اور اس کے والد ہنری ششم کے پُرشکوہ عزائم کے نقوش ابھی تک روشن تھے۔ پوپ گریگوری کو بھی آخری فیصلے کی تمنّا تھی۔ اِس نے نئی حکمت عملی کی ایجاد نہیں کی تھی وُہ بڑے خلوص اور دیانت سے اِس راہ پر گامزن تھا۔ جو پوپ ہلڈا برنیڈ نے متعیّن کی تھی اور جسے انوسنٹ ثالث کے عزائم نے اُستوار کیا تھا۔ کبھی نہ کبھی تو آخر اس کا فیصلہ ہونا تھا کہ عالمِ مسیحیت کا حکمران کون ہو؟ پوپ ہو یا شہنشاہ؟ انوسنٹ نے کلیسائی تسلّط کے لیے میدان صاف کر لیا تھا۔ اور تقریباً اقتدار کی جنگ جیت لی تھی لیکن اِس کے جانشین ہینوریس نے فریڈرک کے خلاف کمزوری دکھا کر

---

[1] چودھویں صدی کا مشہور اطالوی شاعر جس نے ڈیوائن کامیڈی (DIVINE COMEDY) کی شہرہ آفاق نظم لکھی تھی۔

[2] چارلس پنجم ہسپانیہ کا اولوالعزم بادشاہ جس نے اٹلی کے بیشتر علاقے فتح کر لیے تھے۔ اِس کا زمانہ سولھویں صدی کا ہے۔ (مترجم)

بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا تھا۔

اب فیصلہ قریب تھا۔ اِس فیصلے سے عالمگیر سلطنت و اقتدار کے خواب بھی ہمیشہ کے لیے پریشان ہو گئے۔ صُلح کی خلاف ورزی کا سبب لومبارڈی کی زمینوں کے متعلق ایک معمولی تنازع تھا۔ فریقین نے اعلان شائع کیے، ضبطی کے فرمان جاری کیے، فوجوں کو کیل کانٹے سے لیس کیا اور پھر علانیہ جنگ شروع ہو گئی۔ فریڈرک نے پوپ کے حامیوں کی جمعیت کو مُنتشر کرنے کے لیے شمالی اٹلی پر فوج کشی کر کے پوپ کی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔

جنگ کے دوران میں بھی فریڈرک کا زرخیز دماغ مُختلف منصوبوں سے کھیلتا رہا۔ اِس نے نیپلز میں یُونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز کی۔ جاگیرداروں اور پادریوں کے بجائے شاہی مُنصف مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اِس نے لومبارڈ لیگ کو اُلجھائے رکھا اور مروجہ جاگیردارانہ نظام ختم کر کے اِس کے بجائے مُسلمانوں کی طرح سرکاری اجارہ داری قائم کر لی۔

مینیز (جرمنی) میں اُس نے نوابوں کی مجلس میں کلیسائی عدالتوں کے بجائے قومی قانون کے نفاذ کی تجویز پیش کی اور تعذیب سے جُرم کی تحقیقات کا طریقہ موقوف کرنے کی سفارش کی۔ وہ کریمونا میں فاتحانہ شان سے داخل ہُوا۔ ملک الکامل کا دیا ہُوا سفید ہاتھی اس کی علمبردار گاڑی میں جُتا ہُوا تھا اور چوبِ علم سے وینس کے ڈوجے کا فرزند زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا کوئی اُسے شاہی مسیحا سمجھتے اور کوئی شیطان کا نائب۔

"مقدس باپ کے حُکم اور ذاتی اختیار سے ہم نام نہاد شہنشاہ فریڈرک کو دین سے خارج کرتے ہیں اور اِسے مردود قرار دیتے ہیں کیونکہ اس نے کلیسائے روم کے خلاف بغاوت برپا کی جس کا مقصد پوپ اور کارڈینلوں کو اِس مقدس مقام سے نکالنا تھا۔ ہم اِس کی رعایا کو حلفِ وفاداری سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اب اِس کی

اطاعت کے پابند نہیں جب تک وہ دائرہ مذہب سے خارج ہے۔ ہم انہیں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی سختی سے ممانعت کرتے ہیں۔ جہاں تک اس کے کفر اور بے دینی کے جرم کا تعلق ہے، ہم مناسب وقت پر اس کا بھی مواخذہ کریں گے"۔

یہ تھا گریگوری کا فتویٰ۔ اب پوپ نے خطرات سے گھبرا کر فریڈرک کی معزولی کا فرمان بھی جاری کر دیا۔

فریڈرک نے یہ خبر سُنی تو وہ غصے میں چلایا "کیا اس سے زیادہ کوئی حماقت ہو سکتی ہے۔ لاؤ میرے خزانے کہاں ہیں؟"

جب جلدی سے صندوق لائے گئے تو اُس نے انہیں کھولنے کا حکم دیا "دیکھو میرے تاج کہیں گم تو نہیں ہو گئے۔ پوپ اور اس کے سارے مشیر مجھ سے یہ تاج چھین نہیں سکتے۔ اس نے مجھے معزول کرنے کی جرأت کی ہے —— مجھے! جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ بہت اچھا —— پہلے میں اس کی اطاعت پر مجبور تھا، اب میں اس سے صلح قائم رکھنے کی ہر ذمہ داری سے بری ہوں۔ اس نے پوپوں کے خلاف خوب زہر اُگلا۔ اس کی طنزیہ باتیں بڑی موثر اور کٹیلی تھیں۔

"یہ کلیسا کے سربراہ نہیں، یہ مسیحی بھیڑوں کے رکھوالے نہیں بلکہ یہودی گڈریئے ہیں——"

گریگوری نے بھی الزامی جواب دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ اس نے کہا کہ یہ بدزبان فریڈرک اپوکلیپس کا حیوان ہے۔ وُہ عفریت جو سمندر سے نکلا تھا۔

اس زمانے کا ایک تذکرہ نویس میتھیو آف پیرس یُوں رقمطراز ہے:۔ فریڈرک کے متعلق بڑی ناگوار خبریں پھیل گئیں جن سے اس کی شہرت داغدار ہو گئی۔ لوگ کہتے تھے کہ وُہ بداعتقاد اور بے دین ہے۔ ہمیں ان الزامات کو دہرانے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس کے دُشمن کہتے کہ وُہ یسوع مسیح کے بجائے محمدؐ پر زیادہ ایمان رکھتا ہے اور

اِس کے حرم میں کئی مُسلمان کنیزیں ہیں۔ وہ برسوں سے مُسلمانوں کا حلیف ہے اور عیسائیوں کے بجائے وہ مسلمانوں سے دوستانہ مراسم رکھتا ہے۔ اِس کی حقیقت خُدا جانے۔

سازش کی تاریکی اور جنگ کے طوفان میں بربروصا کی طرح فریڈرک نے بھی روم کی طرف پیش قدمی کی۔ اِس نے نوکِ شمشیر سے فِتنہ و فساد کی تخریبی قوتوں کے جنگل سے راستہ بنا لیا۔

میتھیو لکھتا ہے: "پیرس کے ایک پادری کو شہنشاہ کے خلاف کُفر کے فتوے کا اعلان کرنے کا حُکم دیا گیا۔ پادری راضی نہیں تھا اِس نے کہا: "سب حاضرین سُن لیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ باقاعدہ شمعیں روشن کرکے اور گھنٹیاں بجا کر رسمی طور پر شہنشاہ فریڈرک کی سزا کا اعلان کروں مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں لیکن اس کی اہمیت کا احساس ضرور ہے۔ مخالفین میں سخت نفرت و عناد ہے۔ مجھے پتا ہے کہ ایک نے دُوسرے پر ظُلم کیا ہے لیکن وہ کون ہے؟ مجھے معلوم نہیں۔ جہاں تک میرے اختیار کا تعلق ہے مَیں ظالم کو دین سے خارج کرتا ہوں۔ صِرف ظالم کو جس نے دُوسرے پر ظُلم کیا اور اِس مظلوم کو بَری قرار دیتا ہوں جس نے مسیحت کے لیے اِس قدر مُہلک چوٹ برداشت کی۔

سارا اٹلی جنگ کی لپیٹ میں تھا۔ فریڈرک نے اپنی فوجیں لے کر روم پر چڑھائی کر دی۔ گریگوری بھی اپنے قلعے کی مدافعت کے لیے مُستعد تھا۔ ایک جلوس نکالا گیا۔ یروشلم سے آئے ہوئے صلیبی تبرّکات اور قسطنطنیہ سے آئے ہوئے رسولانِ کلیسا کے سروں کی نمائش کی گئی۔ یہ جلوس لاٹرن محل سے شروع ہو کر سینٹ پیٹر کے گرجا میں ختم ہُوا۔ گریگوری نے تبرّکات اور اپنے تاج کو قربانگاہ پر رکھ کر دُعا مانگی۔ اِس کے بعد وہ حاضرین سے مخاطب ہُوا اور اپنے دستِ مُبارک سے سپاہیوں کو صلیبیں تقسیم کیں جنہیں فریڈرک کے خلاف جنگ میں بطور نشان استعمال کیا گیا۔

مشرق سے ایک خوفناک خطرہ اُبھر رہا تھا لیکن اِس خطرے کی نمود پر بھی وہ اپنے

حریف کے خلاف فوج کشی سے دست بردار ہونے کے لیے آمادہ نہ ہُوا۔ وُہ فریڈرک کے خلاف کروسیڈ کی تبلیغ کرتا رہا اور بازاروں میں لڑائی کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ فریڈرک کے حامیوں نے قسطنطین اعظم کے غُسل خانوں اور آگسٹس کے مقبروں میں مورچہ بندی کر لی۔

فریڈرک ٹیوولی کی پہاڑیوں پر خیمہ زن ہو گیا۔ جھیلوں اور دلدلوں پر پھیلی ہوئی تپ آفریں دُھند کے بادلوں سے روم کی بھوری فصیلیں موہوم سی نظر آتی تھیں۔ وُہ فتح کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ فتح اِس کے ہاتھ سے چِھن گئی۔

اِس طویل کشمکش سے خستہ حال بُوڑھا گریگوری چل بسا۔ اگست ۱۲۴۱ء میں تخت پاپائیت خالی ہو گیا۔ کلیسا قائد کے بغیر رہ گیا۔ اب کوئی حریف میدان میں نہ تھا جس کے خلاف فریڈرک اقدام کر سکتا۔ فریڈرک بیزار ہو کر روم سے چلا گیا۔

کئی مہینے تک کارڈینلوں کو نیا پوپ منتخب کرنے کی جُراُت نہ ہوئی۔ فریڈرک بلا قائد کلیسا کے خلاف تو جنگ نہیں کر سکتا تھا۔ وُہ خالی تخت تو نہیں اُلٹ سکتا تھا۔ وُہ سخت مایُوس و برہم ہو کر اپنی جاگیروں کو واپس چلا گیا۔ وہ نہایت خوش مذاق تھا لیکن قُدرت کی اِس ستم ظریفی پر وہ بھی نہ مُسکرا سکا۔ قُدرت نے اِسے عین ہنگامِ فتح میں لاچار و محروم کر دیا تھا[۱]۔

فریڈرک مشرقِ اقصےٰ سے اُٹھنے والے خطرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ طوفان جو بیس برس پہلے یورپ کو چھُو کر گزر گیا تھا اور جس نے سُلطان قاہرہ کو خوفزدہ کر دیا تھا اب مشرقی یورپ سے ٹکرایا۔ یہ طُوفان رُوس کے وسیع میدانوں اور پولینڈ کے

---

[۱] حاکم قسطنطنیہ بالڈون نے فریقین میں صُلح کرا دی لیکن یہ صُلح بیکار تھی۔ لڑائی کی تجدید کے لیے فریڈرک نئے پوپ کے تخت نشین ہونے کا مُنتظر تھا۔ بہرکیف اِس نے پاپائی ریاست کی تحریم کو تسلیم کر لیا۔ اِس کے بدلے کلیسا نے اسے اور اس کے حامیوں کو بَری قرار دیا۔ ۱۲۲۹ء میں فریڈرک کی یروشلم سے واپسی کے بعد رائے عامہ اس کے حق میں تھی لیکن بعد میں اس کے خلاف ہوتی گئی۔

کھیتوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا کارپتھین کے پہاڑوں کو عبور کر کے فریڈرک کی سلطنت سے متصل سائیلریا میں داخل ہو گیا۔ یہ طوفان یکدم چھا گیا۔ اس کے عقب میں دھوئیں کے سیاہ بادل اور شعلے تھے۔ یہ طوفان غول در غول آن گنت منگول سواروں کی صورت میں نمودار ہوا۔ ایک نسل پہلے چنگیز خان کی سرکردگی میں منگول فوجیں صحرائے گوبی سے اُبھری تھیں۔ وہ وحشت اور بربریت کی تاریکیوں سے اُٹھے اور یہ درندہ نما انسان عالمِ مسیحیت کی سرحدوں کو گویا سونگھ کر اپنے بیابانوں میں غائب ہو گئے[1]۔

وہ یوں آئے جیسے آندھی کے عظیم پروں پر سوار طوفان ابر و برق۔ وہ اپنی گزرگاہوں میں ہلاکت و بربادی پھیلاتے نکل گئے۔ ان کے سامنے فوجیں یوں پامال ہو جاتیں جیسے کھلیانوں میں سوکھی فصل کے تنکے منتشر ہو جائیں۔

غبار کے بادلوں سے سیاہ اور سنہری پوستین پوش سوار نمودار ہوئے تو لوگ کہنے لگے کہ دنیا کی آخری فصلیں کاٹنے کے لیے دجّال کی فوجیں آگئی ہیں۔ ڈیوک آف بیویریا کی فوج اور ٹیوٹانک نائٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ پونس ڈی آوبن ٹمپلروں کا سربراہ تھا۔ اس نے اپنے نوجوان آقا سینٹ لوئیس شاہِ فرانس کو کافروں کے خلاف رضاکارانہ طور پر لڑنے کی پیش کش کی۔

"آقا و مولا آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے جرمنی اور ہنگری کے نوابوں اور نائٹوں نے ان کافر تاتاریوں کے خلاف صلیب اُٹھائی ہے۔ خدانخواستہ اگر ان جوانمرد نائٹوں کو شکست ہوئی تو کوئی بھی ان سے مزاحم نہیں ہو سکے گا اور آپ کی سلطنت تک ان کے راستے کھل جائیں گے"۔

لیکن سینٹ لوئیس تک خط پہنچنے سے پہلے ہی ہنگری کی فوج شکست کھا چکی تھی اور

---

[1] مصنف نے اپنی پہلی تصنیف میں چنگیز خان اور اس کی فتوحات کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے یہاں اس کے اعادے کی گنجائش نہیں۔ تیرھویں صدی میں اہل یورپ منگولوں کو تاتار کہتے تھے۔ (مصنف)

پرنس ڈی آوبن تمام ٹمپلروں سمیت لڑائی میں مقتول ہو چکا تھا۔ فریڈرک کی سلطنت میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور لوگ منگولوں کے قہر سے سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔ منگول نیوسڈاٹ تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ۱۲۴۱ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت تک فریڈرک روم کی طرف پیش قدمی میں مصروف تھا۔ اسے خبر ملی تو اس نے پوپ گریگوری کو شرائط صلح پیش کیں۔ تاکہ دونوں فوجیں متحد ہو کر منگولوں کے خلاف یورپ کی مدافعت کر سکیں۔ لیکن پوپ نے اس کی پیش کش ٹھکرا دی۔ پھر فریڈرک نے ہنری ثالث شاہِ انگلستان سے معاہدے کی درخواست کی لیکن بے سود۔

اسے منگولوں کا عتاب نامہ موصول ہوا اس میں مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ تم اپنی رعایا سمیت صحرائے گوبی پہنچ کر خان اعظم کی اطاعت قبول کرو اور دربارِ قراقرم میں جو بھی منصب تمہیں ملے اسے اپنے لیے باعث فخر سمجھو۔ فریڈرک نے بڑی خوش اخلاقی سے اس خط کا جواب دیا اور لکھا کہ میں شکاری پرندوں سے خوب واقف ہوں اور خان اعظم کے بازبردار کا عہدہ میرے لیے مناسب رہے گا"

وہ حتی بہ تقدیر اس خوفناک طوفان کی آمد کا منتظر تھا۔ اس نے شاہ ہنری کو فلسفیانہ انداز میں لکھا "دنیائے مسیحیت کے گناہوں کی پاداش کے طور پر خدا نے تاتاری بھیجے ہیں"۔

پادری راجر بیکن نے لکھا واقعی وہ دجال کے سپاہی تھے اور وہ عرصہ قیامت کی طرف رواں ہیں۔ میتھیو آف پیرس نے اپنے تذکرے میں بیان کیا کہ وہ مردم خور درندے تھے۔ وحشیانہ مباشرت سے عورتوں کو مار ڈالتے۔

لیکن خوش قسمتی سے مغربی یورپ اس ہلاکت و بربادی سے بچ گیا۔ صحرائے گوبی سے خبر آئی کہ وہ اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ خان اعظم مر چکا تھا۔ منگولوں کے غول دوبارہ روسی سٹیپ کے میدانوں کے اس پار غائب ہو گئے۔ مغربی دنیا کے افق پر ایک نئی ناقابل تسخیر، اور ناآشنا قوت نمودار ہوئی تھی جس کی خوفناک قوتوں کے سامنے سلطان قاہرہ، پوپ اور فریڈرک سبھی ہیچ تھے۔ سرزمین مقدس پر بھی اس قوت کا منحوس سایہ پڑ رہا تھا۔

۴۳

ہاسپٹل کا دسترخوان

سرزمین مقدس کا ساحل خوبصورت تھا۔ ۱۲۴۰ء سے پہلے ساحل کبھی اتنا رنگین اور خوب صورت نہیں تھا۔ بہار اور خزاں میں زائرین کے جہاز یورپ سے آتے تھے۔ یہاں امن کا دور دورہ تھا جو یورپ میں مفقود تھا۔ ان کے آباؤ اجداد سلطنتِ یروشلم کی باتیں کیا کرتے لیکن اب اِس سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ صلاح الدین نے اِس کی قوت کو پاش پاش کر دیا تھا اور یورپی شہنشاہوں نے یروشلم کے تاج کو اپنی شہنشاہی کی زینت بنالیا تھا۔ یہ سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جاگیروں میں منقسم ہو چکی تھی۔ ہر ریاست کا علیحدہ امیر تھا۔ قبرص کے خوبصورت جزیرے کا بادشاہ خود مختار تھا۔ انطاکیہ میں یونانی اور ارمنی امیروں کی ریاست قائم تھی۔ ساحل کا علاقہ ہاسپٹل اور ٹمپل کے طاقتور فرقوں کے ہاتھوں میں تھا، پرانے صلیبی خاندان بھی کئی جاگیروں کے مالک تھے۔ ان زائروں کے جہاز اکثر شاتو پیلیرین کی بندرگاہ کی سنگین دیواروں میں آکر کھڑے ہوتے۔ یہ ٹمپلروں کا قلعہ تھا اور عرب اسے غثلیث[1] کہتے تھے۔ سمندر کے کنارے سنگِ خارا کی سیاہ چٹان پر

---

[1] عرب اِسے حصن الاحمر بھی کہتے تھے صلیبی وقائع میں یہ پٹرارن سیزر کے نام سے مشہور ہے (مترجم)

یہ قلعہ بڑی محنت و مشقت سے تیار کیا گیا تھا۔ یہ قلعہ آدھا خشکی پر تھا اور آدھا سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اِس کی بھوری دیواریں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی تھیں۔ اِس کی بندرگاہ کے احاطے میں جنگی جہازوں کو کھینچ کر ریت تک لایا جا سکتا تھا۔ اِس کی بیرونی فصیل کے حلقے میں سنگترے اور انجیر کے جُھنڈ تھے۔ پیڑوں کی خوشگوار چھاؤں میں لوگ سستاتے۔

یہاں زائروں کو غیر معمولی آرام میسّر تھا۔ قلعے میں خانقاہ تھی۔ یہاں وہ اپنا سامان بہ حفاظت رکھتے۔ اور صاف گدّوں پر سوتے۔ وہ ایک کُشادہ طعام خانے میں کھانا کھاتے۔ اِس کمرے کی سنگین دیواریں بڑی دبیز تھیں۔ سمندر کی ہوَا سے یہ کمرا بڑا خُنک اور خُوشگوار رہتا۔ طعام خانے کے تنگ رَوزنے ایک غلام گردش پر کُھلتے تھے۔ جس سے مُلحق شہ نشین پر ایک ریشمی شامیانے تلے ٹمپل کے عُہدہ دار جمع ہوتے۔ وہ اپنے فرقے کے مخصوص سیاہ چُغے پہنے محوِ گفتگو ہوتے۔ حکومت کے گوناگوں فرائض ان کے ذمے تھے۔ قلعوں کا اِنتظام زمینوں کا بندوبست۔ فصلوں کی نگہداشت، نقل و حرکت اور جہازوں کی باربرداری کا کام اِن کے فرائض میں شامل تھا۔ اب ٹمپل والوں نے کئی مال بردار جہاز بھی بنا لیے تھے۔ ٹمپل بنک کی خدمات بھی انجام دیتا اور جب اطالوی تاجر زرِمبادلہ کی ہُنڈیاں لاتے تو ان کے بدلے انہیں نقدی ادا کی جاتی۔ زائر فرانس میں ٹمپل کے صدر مقام سے منی آرڈر لاتے اور ان کے عوض نقد سکّے وصول کرتے۔

صبح اور شام کی نماز کے وقت زائر منڈے سر سپاہیوں سے گھُل مِل کر باتیں کرتے۔ اِن بارِیش سپاہیوں کا رنگ دھوپ سے سنولا گیا تھا۔ ان کے باراں دیدہ چُغوں پر صلیب کا سُرخ نشان اب بھی نمایاں نظر آتا۔ گرجے میں زائر مرمر کے منقش بنچوں کے رُوبرو دو زانو ہو کر مراسمِ عبادت ادا کرتے۔ یہ گرجا یروشلم کے مزارِ مسیح کی طرز پر بنا ہُوا تھا۔

زائروں کے لیے شاتو پیلرین قیام گاہ، خیرات خانہ، بندرگاہ، خانقاہ، بنک۔

غرضیکہ سب کچھ تھا۔ انہوں نے پہلے کبھی کوئی ایسی جگہ نہیں دیکھی تھی۔ وہ اِس کے زمین دوز اصطبلوں کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ اِن اصطبلوں میں سینکڑوں گھوڑے بندھے رہتے۔ جنھیں نائٹ سواری اور گشت کے لیے استعمال کرتے۔ ساحل تک سفر کرنے کے لیے گھوڑے مہمانوں کو بھی مل جاتے ٭

کئی زائر شمال کا رُخ کرتے اور جبل کارمل کے تلے دُود آلود غار کی زیارت کرتے جہاں ایلیا اپنے پیروؤں کے سامنے وعظ کہا کرتے تھے۔ وہ ساحل کے ساتھ سفر کرتے کرتے عکّہ کے مضبوط قلعے تک پہنچ جاتے۔ عکّہ میں وسیع گودام تھے اور اس کے نشیبوں پر شاندار محلّات ۔ یہاں راتوں کو بڑے بوڑھے اور کئی موسیقار رچرڈ شیر دل اور سلطان صلاح الدین کے افسانے سناتے۔ گرد آلود سڑکوں پر گاہے گاہے انہیں صحرا سے آتے ہوئے مسلمان نظر آتے۔ وہ اگلے اونٹوں پر ایک طرف ٹانگیں لٹکائے بیٹھے ہوتے۔ ان کے پیچھے ہلکورے لیتی ہوئی اونٹوں کی قطار آہستہ آہستہ چلتی۔ اونٹوں پر بھاری گٹھڑوں میں گرم مسالہ، اُون اور سرسوں لدی ہوتی ٭

رات کو جب زائر لب سڑک مسافر خانوں میں لیٹتے تو ان کے کانوں میں سمندر کے مدّوجزر کی مدھم آواز آتی اور کبھی دُور سے اونٹوں کی گھنٹیوں کی گونج سنائی دے جاتی کئی زائر پوچھتے کہ عرب عیسائیوں کے راستے استعمال کرنے کے کیونکر مجاز ہیں۔ تو انہیں جواب ملتا کہ ٹمپل کی مسلمانوں سے صُلح ہے اور وہ سلطان دمشق کے دوست ہیں۔ شمال کی طرف جانے والے مسافر صور کے ریتلے جزیرہ نما سے گزر کر جاتے۔ صور میں اتنی خانقاہیں تھیں کہ بڑا گرجا ان کے ہجوم میں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ صور سے آگے بیروت کے دیودار پوش پہاڑ تھے۔ مسافروں کے قافلوں میں بھورے راہب بھی شامل ہوتے۔ وہ قریہ قریہ گھومتے ہوئے گرد سے اٹی ہوئی سڑکوں پر ننگے پاؤں سفر کرتے۔ رات کو وہ گاؤں میں پڑ رہتے۔ کبھی خانقاہوں میں اور کبھی پسّوؤں سے لدے ہوئے کتّوں کے

تازی خانوں میں۔ اِن قافلوں میں دراز قامت خوبرو شامی عیسائی بھی ہوتے جنھیں پادریوں سے بھی زیادہ انجیل اور تورات حفظ ہوتی۔ ٹٹوؤں پر سوار ترکوں کے پیچھے ان کی عورتیں چلی آتیں۔ سیاہ لبادوں میں لپٹی ہوئی نقاب پوش عورتیں کپڑوں کی متحرک گٹھڑیاں معلوم ہوتیں۔ ترک عورتیں بُقچے اور گٹھڑیاں اُٹھائے پیدل چلتیں کیونکہ تُرکوں کا شیوہ تھا کہ وُہ گھوڑوں پر سامان نہیں لادتے تھے۔ مغرور اطالوی تاجر سیاہ مخمل کا لباس پہنے گزرتے۔ غلام چھتریاں لیے ان کے سروں پر سایہ کرتے۔ ان کے پیچھے محافظ سواروں کے حلقے میں سامانِ تجارت سے لدے ہوئے خچر اور گاڑیاں نظر آتیں۔ یہودی بھی شریک سفر ہوتے، اِن کی چوڑی ٹوپیوں سے اِن کی زُلفیں جھولتیں۔ وُہ آپس میں خوب جھگڑتے اور جب عیسائی سواروں کا دستہ اِن کے قریب سے گزرتا تو وُہ بڑی شائستہ خاموشی اختیار کر لیتے۔

اِن ماہ و سال میں صلیبیوں کے کئی دستے سرزمین مقدس میں آئے اور گزر گئے۔ تھیبالٹ آف شمپیئن اور نوآرے کا بادشاہ ساحل فلسطین پر لنگر انداز ہوئے۔ وُہ بہادر کاؤنٹ آف بار کے ہمراہ سرحدی علاقوں کو تاخت و تاراج کر کے چلے گئے۔ ان کے بعد انگلستان سے رچرڈ ڈیوک آف کارنوال وارد ہوا۔ اِس نے مصریوں کو مار بھگایا اور عسقلان کی دوہری فصیلوں کی مرمّت کرائی۔

کئی صلیبی ہاسپٹل کے شمالی صدر مقام حصن المرقب میں مقیم تھے۔ المرقب یعنی پہرہ دار۔ اِس کی تعمیر حال ہی میں مکمّل ہوئی تھی۔ صلیبی اسے اپنی قوت کا شاندار مظہر سمجھتے۔ المرقب الگ تھلگ پہاڑ کی چوٹی پر ایستادہ تھا۔ اِس لیے کوسوں تک نظر آتا تھا۔ سطح سمندر سے اِس کی بلندی بارہ سو فٹ تھی۔ گہری بنیادوں پر سیاہ سنگ سماق کی فصیلیں بنائی گئی تھیں، جو عمودی گھاٹیوں کے کناروں پر کھڑی تھیں۔ لوگ بڑے فخر سے اس کے بڑے بُرج کی طرف اشارہ کرتے جو قلعے کے ایک کونے سے آگے نکلا ہوا تھا۔ اتنا طویل و عریض بُرج انسانی ہاتھوں نے کبھی نہیں بنایا تھا۔ یہ تمام بُرجوں اور میناروں سے عظیم تر تھا۔

بڑے بُرج کے نیچے بیرونی فصیل اور علیحدہ حصار بھی تھا کسی صلیبی نے ہاسپٹلروں کے اِس شاہکار کی تفصیل یوں بیان کی ہے:-

"ہم مرگاٹ پہنچے یہ ایک وسیع قلعہ ہے، نہایت مُستحکم اس کی دوہری فصیلوں میں بے شمار بُرج ہیں۔ یہ بُرج غالباً مدافعت کی بجائے آسمان چھونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ جب

لہ صلیبی اسے مرگاٹ (Margat) کہتے تھے۔ عربوں نے بھی اس کے لیے ہم آواز نام تجویز کر لیا۔ شام کے اِس حصّے میں پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کاشت کی جاتی ہے۔ تیرھویں صدی میں کھیت دامن کوہ تک محدود ہوں گے کیونکہ اس کی چوٹی بڑی سنگلاخ ہے۔ المرقب میں پانی کی کمی نہیں ہوگی کیونکہ آج کل بھی چوٹی پر کنواں موجود ہے اور اسی سے ذرا نیچے ڈھلان پر ایک حوض کا کھنڈر ملتا ہے۔ مصنّف نے اِس کا معائنہ کیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ قلعے سے ایک زمین دوز راستہ اِس حوض تک پہنچتا تھا۔ (مصنّف)

ہمیں مصنّف کے ذاتی مشاہدات میں کلام نہیں لیکن فاضل مصنّف نے المرقب کے نام کے متعلق جو تحقیق فرمائی ہے اس سے مترجم کو اختلاف ہے۔ المرقب کا نام اِس لیے نہیں دیا گیا تھا کہ وہ مرگاٹ کا ہم آہنگ تھا۔ یہ قلعہ مسلمانوں نے بنوایا تھا۔ اور بعد میں ہاسپٹلروں کے قبضے میں آیا جنھوں نے اس میں حسبِ ضرورت توسیع کی۔ مسلمان مورخ اور جغرافیہ نویس اِس کے نام اور تاریخ کے شاہد ہیں مرقب کے معنی پہرے کی چوکی یا بُرج کے ہیں۔ اِس کا نام (CASTRUM MERGHAUM) ہے۔ یہ ایک الگ تھلگ پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اِس قلعے کی مضبوطی مُسلّم ہے اور اسے مسلمانوں نے ۱۰۶۲ء میں بنوایا تھا۔ دمشقی کے بیان کے مطابق شیخ الجبل رشید الدین (فرقہ اسماعیلیہ کے سربراہ) نے کھنڈروں کے پتھروں سے تعمیر کرایا تھا اور اس کی شکل مثلث تھی۔ دیگر مؤرخوں نے بھی اس کی مضبوطی اور بلندی کا ذکر کیا ہے۔ اِس کا کچھ حصّہ سمندر میں نکلا ہوا تھا۔ یہ قلعہ ہاسپٹل فرقے کا صدر مقام تھا اور بالآخر سلطان قلاعون نے صلیبیوں سے فتح کر کے ہاسپٹلرز کی قوت کا خاتمہ کر دیا + (مترجم)

پہاڑ پر یہ قلعہ واقع ہے وُہ بذات خود بہت اُونچا ہے۔ اور یُونانی دیوتا اٹلس کی طرح ساری کائنات کو اپنے سر پر اُٹھائے معلوم ہوتا ہے۔ پہاڑ کی ڈھلوانوں پر خاصی کاشت کی جاتی ہے۔ اور قلعے کی اراضی کی سالانہ پیداوار پانچ سو گٹھوں سے زیادہ ہے۔ دشمن نے کئی دفعہ اِن فصیلوں پر چھاپہ مارنے کی کوشش کی، لیکن بے سُود۔

"یہ قلعہ شیخ الجبل اور سُلطانِ حلب کے راستے میں مزاحم ہے اور اِن کی طاقت کو روکتا ہے۔ باوجودیکہ وہ کئی قلعوں کے مالک ہیں۔ وہ قیام امن کی خاطر اِس قلعے کے حاکموں کو دو ہزار مارک سالانہ بطورِ خراج ادا کرتے ہیں۔ ہر رات ناگہانی حملوں اور غداری سے بچاؤ کے لیے چار نائٹ اور اٹھائیس سوار پہرے پر متعین رہتے ہیں۔ زمانہ امن میں مقامی باشندوں کے علاوہ وہاں ایک ہزار مسلح سپاہی بھی رہتے ہیں۔ قلعے میں پانچ سال کے لیے ضروریات زندگی کی رسد ہر وقت موجود رہتی ہے"۔

عرب حصن المرقب کو ناقابل تسخیر سمجھتے۔ وہ اِنسانی زد سے باہر تھا، اِسے فرشتے ہی زیر کر سکتے تھے۔ صلیبی جنگوں کے آخر تک یہ قلعہ کوئی بھی سَر نہ کر سکا۔

اِس قلعے میں ہاسپٹلرز کا کھلا لنگر تھا۔ شام کی نماز کے بعد یہاں کھانے کی میزوں کے گرد مختلف قسم کے لوگ جمع ہو جاتے نائٹ اپنے فرقے کے مخصوص سیاہ چغوں میں ملبوس نظر آتے۔ نوجوان ان کے سامنے گوشت، پھل اور شراب لا کر رکھ دیتے، سبھی نوجوان شریف زادے تھے۔ وہ امیروں اور نوابوں کے بیٹے تھے جو مختلف ممالک سے یہاں آئے تھے۔ وُہ مختلف گروہوں میں رہتے۔ اور اپنی اپنی زبان بولتے۔ یہاں مختلف زبانیں بولی جاتیں۔ مثلاً جرمن، اطالوی، فرانسیسی، پروونسل، کیٹسلانی اور ہسپانوی۔

نووارد صلیبی، ہاسپٹل کے افسروں سے باتیں کرتے تو حیران رہ جاتے۔ وہ مشرقی علوم و فنون کے متعلق بلا تکلف گفتگو کرتے۔ کئی ہاسپٹلروں نے عربی شاعروں کے علاوہ جغرافیہ دان ادریسی اور عرب فلاسفر ابن رشد کی تصانیف کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ جن کی

روم کی کلیسائی مجلس اعلےٰ نے ممانعت کر رکھی تھی۔ انہیں شہنشاہ فریڈرک کے عزائم کا علم اور اس سے ہمدردی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ٹیمپلر فریڈرک کے مخالف تھے ؎

ہاسپٹلروں اور ٹیمپلروں کی رقابت ان کا تاریخی ورثہ تھا۔ ٹیمپلر فرقہ کے بیشتر رُکن فرانسیسی تھے اور ان میں راہبوں کی اکثریت تھی۔ لیکن ہاسپٹل فرقے میں یورپی نوابوں اور امیروں کے چھوٹے لڑکے زیادہ تھے۔[1] واقعات نے اِن فرقوں کو حریف جاگیردار بنا دیا تھا۔ پچھلی نسل میں فسادات اور بدامنی زوروں پر تھی۔ کئی فلسطینی نواب اور نائٹ اپنے قلعوں اور جاگیروں کی مدافعت سے قاصر تھے۔ وہ اپنی املاک اور جاگیریں اِن فوجی فرقوں کے ہاتھ فروخت کر کے واپس یورپ چلے گئے۔ چنانچہ جو بھی ٹیمپلر المرقب سے متصل راستوں سے گزرتا، ہاسپٹلر اس سے محصول راہداری وصول کرتے۔ اِس کے بدلے ٹیمپلر اِن سفید صلیب والے ہاسپٹلروں سے نمک پر بھاری محصول وصول کرتے۔ نمک کی کانیں ٹیمپلروں کے قلعے عثلیث (شاتو پیلرین) کی حدود میں تھیں۔ ٹیمپلر زیادہ سخت گیر، درشت خُو اور تنگ نظر تھے، وہ روم کے تابع فرمان تھے ؎

ہاسپٹل کے سردار اور شامی نواب روم کے محاصل کی ادائی سے بیزار ہو چکے تھے۔ وہ روادار اور خُوش فکر لوگ تھے۔ عربوں کے علوم و فنون کے متعلّق ان کا رویہ دوستانہ تھا۔ وہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے عربی علوم کا مطالعہ کرتے۔ وہ علانیہ اِس نُقرئی نقشے کے متعلق تبادلۂ خیالات کرتے جسے پلرمو کے دربار میں الادریسی نے تیار کیا تھا۔ اِن کے پاس عربی کتابوں سے لب ریز کُتب خانے تھے جن کی کلیسائے روم کی طرف سے سخت

---

[1] یورپ کے مروجہ نظام جاگیرداری میں بڑا لڑکا تخت و تاج یا جاگیر و ریاست کا وارث ہوتا۔ چھوٹے لڑکوں کو جاگیروں سے حصّہ نہ ملتا تھا۔ چھوٹے لڑکوں کے لیے ترقی کی صرف دو راہیں ہوتیں یعنی فوج اور کلیسا۔ اگر قرونِ وسطیٰ کی یورپی تاریخ میں کلیسائی اور فوجی شخصیتوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا اکثر ان میں سے چھوٹے بیٹے تھے یہ دَور چھوٹے بیٹوں کا دَور تھا۔ جو زندگی کے محرک تھے (مترجم)

ممانعت تھی۔ وہ بڑی سادگی سے حضرت محمدؐ کا نام لیتے اور متعصب عیسائیوں کی طرح صلیب کا نشان نہ بناتے۔ وہ یورپ سے نوارد پادریوں کے ساتھ خوب حجت بازی کیا کرتے کیونکہ وہ پادری مسلمانوں کو ابھی تک گشتنی و گردن زدنی سمجھتے تھے۔ لیکن ہاسپٹل کے سرداروں کا تجربہ ان پادریوں سے مختلف تھا۔ وہ عربوں کو بڑا مہذب اور خوش اخلاق سمجھتے۔ وہ سیاست اور طب میں ان کی برتری کے معترف تھے۔ ہاسپٹل میں بیماروں کی ابتدائی مرہم پٹی کا کام بھی ہوتا تھا۔ اس لیے انہیں مسلمانوں کی طب میں پیشہ ورانہ دلچسپی بھی تھی۔ عربوں سے رفاقت نہایت خوشگوار اور بصیرت افروز ثابت ہوئی۔ پادریوں کے دماغوں پر تو ہر وقت لڑائی کا بھوت سوار رہتا۔ پادری جنگ کے سوا کسی کام کی بات کے اہل نہ تھے۔ گاہے گاہے اہل ہاسپٹل اور عرب امیر حالات سے مجبور ہو کر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا بھی ہوتے۔ لیکن انہیں جنگ کا خبط نہیں تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ان کے مراسم پھر اعتدال پر آجاتے۔

ہاسپٹل والوں کی محفلیں بڑی شوخ اور پُرمسرت ہوتیں۔ یہاں قبرصی سُرخ شراب کے رنگین دَور چلتے۔ اکثر نائٹ دسترخوان پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف رہتے۔ وہ اپنا وقت ہنسی خوشی گزارنے کے عادی تھے کیونکہ کسی لمحے بھی انہیں سرحدی علاقوں کے خلاف مہم لے جانے کے لیے بلایا جا سکتا تھا۔ وہ اپنی مختصر اور پُرخطر زندگی کے دامن میں مسرتوں کو سمیٹ لینا چاہتے۔ ان کا سردار سُلطان قاہرہ کا اسیر رہ چکا تھا اور کئی ہاسپٹلر جو کاؤنٹ آف شیمپئن کے ساتھ عازمِ جنوب ہوئے تھے، مارے گئے تھے اور ان کی لاشوں کو ڈھالوں سے ڈھانپ کر سرزمین مقدس میں دفن کرنے کے لیے لایا گیا تھا۔ داد عشرت دینے والے ہاسپٹلروں کو خوب معلوم تھا کہ زود یا بدیر ان کا بھی یہی حشر ہو گا اور سنگتراش ان کی لحدوں پر کتبے نصب کر دیں گے اس لیے زندگی کیوں تلخیوں میں برباد کی جائے۔

وہ سرحدی سیاست کے رموز سے خوب واقف تھے سُلطان دمشق سے ان کے دوستانہ مراسم تھے لیکن سُلطان دمشق نے ٹمپلروں کی اعانت حاصل کرنے کے لیے صفد اور بلفورٹ کے

قلعے انہیں واپس کر دیے تھے۔ حالانکہ سُلطان کو اپنے مفاد کی خاطر ہاسپٹلروں سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔ لیکن انہیں اس کی پروا نہ تھی۔ وہ اکثر قبرصی امیروں کی آرام طلبی اور عشرت پسندی کا مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ انہیں کیا غم ان کے اور دُشمن کے درمیان تو سمندر حائل تھے۔ اہلِ قبرص نے امن بحال کر کے جزیرے کی تجارت کو فروغ دیا تھا۔ قبرصی لوگ بال تو کیا اپنے ناخن بھی عورتوں کی طرح حنا سے سُرخ کر لیتے تھے۔ ان کے پاس دولت کی اِتنی فراوانی تھی کہ انہوں نے کوہ و وادی میں فرانسیسی طرز کے خوبصورت گرجے بنوائے اور خوبصورت وینیسی عورتوں سے شادیاں بھی کیں۔ وینیسی لوگ ان کے ٹکڑوں پر پل رہے تھے۔ اور انہیں نگل جانے کی فکر میں تھے۔ اِدھر ہاسپٹلر نائٹ حشیشین کے تعاقب میں لگے رہتے یا بیباک قسم کے زائروں کی حفاظت میں مصروف رہتے ۔

بیت اللحم کے گرجا میں زائرین بہت خوش رہتے انہوں نے اپنے وطن میں بھی کئی معجزنما تبرکات دیکھے ہوں گے، اور سونے چاندی میں ملفوف مقدس نشانیوں کی زیارت بھی کی ہو گی لیکن سرزمین قُدس کی بات ہی کچھ اور تھی۔ یہ وہ خاکِ پاک تھی، جہاں ہر جگہ اولیائے سلف کے نقشِ قدم ثبت تھے۔ وفورِ عقیدت سے وہ بیت اللحم کی دہلیزوں کو چُومتے اور احساسِ عبودیت سے لرزاں ہاتھ مرمریں ستونوں کو چھوتے۔ جن کے سُنہری نچلے حصّے اَن گنت ہاتھوں کے لمس سے گھس چکے تھے ۔

یہ مقام نہایت پُرسکون اور شاندار تھا۔ ستونوں کے منقّش سروں کے اُوپر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اِن بلند مرمریں ستونوں کے اُوپر اولیاءِ کرام کی بوقلموں تصویریں آسمان کی پہنائیوں کی طرف محوِ پرواز نظر آتیں، روشنی رنگین شیشوں سے چھن چھن کر آتی اور کونہ کونہ جگمگا اُٹھتا۔ حُسن و تقدیس کے اِس منظر کو دیکھ کر زائروں کی آنکھیں نم آلود ہو جاتیں۔ واقعی یہ جگہ نہایت مسرت آفریں اور رُوح پرور تھی۔ اِن کے لبوں پر خود بخود حمد کے گیت جاری ہو جاتے ۔

"مقدس ہے تُو مریمؑ ـــــ تیری رحمت فراواں رہے ـــــ"

وہ حیرت سے بلند محرابوں کو دیکھتے جن کی پراں وسعت میں ان کے الفاظ کی بازگشت رفعت آسمان کو چھو کر واپس آتی ہوئی سُنائی دیتی۔ زیارت سے پہلے وہ کئی دِن روزے رکھتے، نفس کا کڑا محاسبہ کرتے، اور اِس دربارِ مقدس میں برہنہ پا داخل ہوتے۔ مریمؑ مقدس کے گرجے میں پہنچ کر انہیں اپنے گناہوں کا اِس شدت سے احساس ہوتا کہ ان کے دِل ندامت سے گرانبار اور آنکھیں تاسف سے اشکبار ہو جاتیں۔ کئی تو سرخ دروازوں کے پاس مرمریں کٹہرے کے ساتھ دوزانو ہو جاتے۔ اِن کے دِلوں پر تقدیس و عظمت کا احساس اِس قدر غالب آجاتا کہ اِنہیں آگے جانے کی جُراَت نہ ہوتی۔ لیکن جنہیں اِس کٹہرے سے آگے جانے کا حوصلہ ہوتا وہ دورویہ نازک مُڑے ہوئے ستونوں سے گزرتے ہوئے ایک سیڑھی سے نیچے اُترتے۔ اِس سیڑھی کے پتھر اَن گنت قدموں کی مسلسل رگڑ سے، درمیان سے گھس چکے تھے۔ بالآخر وُہ ایک زمین دوز حُجرے میں جا پہنچتے جہاں مومی شمعیں فروزاں ہوتیں۔ حجرے کے مرمریں فرش پر ایک سُنہری ستارہ نظر آتا۔ اِس ستارے کے قریب ایک زرہ پوش شخص ایستادہ ہوتا، اِس کے ہاتھ تلوار سے خالی ہوتے۔

اِس مقدس بارگاہ میں زائرین زمین بوس ہوتے، سجدے کرتے لیکن وُہ زرہ پوش مُحافظ بے حس و حرکت کھڑا رہتا۔ اِس مقام پر کبھی دانشمند موبد زمین بوس ہوئے تھے۔ لیکن اِس وقت یہاں مرمریں فرش کے بجائے ایک اصطبل کی مٹی بچھی ہوئی تھی اور زرہ پوش نائٹ کے بجائے ایک فرشتہ مریمؑ کی حفاظت کے لیے ایستادہ تھا۔ یہاں حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے تھے۔

حُجرے سے نِکل کر وُہ گرجا کی سُنہری روشنی میں واپس آجاتے۔ وہ خوشی سے سرشار مریم مقدس کی تعریف میں نغمے گاتے، اِن کے دِل مسرتوں سے معمور ہوتے۔ جو بھی یہاں

آتا وہ کیف سرمدی سے بہرہ مند ہوتا۔ اِس مقام کی تقدیس سے کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ گرجے کے طویل وسطی رستے میں رُکتے ہوئے چلتے، دیواروں اور ستونوں کو چھُوتے ہوئے گزُرتے۔ وہ واپس ہونے کے لیے مُڑتے لیکن اِن مقدّس دہلیزوں سے باہر جانے کو اِن کا جی نہ چاہتا۔ رفتہ رفتہ روشنیاں مدھم ہوجاتیں اور محرابوں کے سکوت میں صدائے بازگشت تیز تر ہوجاتی۔ وہ بادلِ ناخواستہ غُروبِ آفتاب کے بعد باہر نکلتے۔

یہ زائر آخری لوگ تھے۔ جنہوں نے بیت اللحم کے نئے گرجے کی زیارت کی تھی۔ جسے صلیبیوں کے ہاتھوں نے بنایا تھا۔

۴۴

بوسیوں کی یلغار

یہ حادثہ گرماگرم طوفان کی طرح تُند رو اور خوفناک تھا۔ اس حادثے کی خبر سمندر پار نہیں پہنچی ہوگی کہ اس کی طوفانی یلغار ختم بھی ہوگئی۔

صلیبیوں کو خطرے کی کچھ اطلاع تھی۔ گزشتہ تین سال سے مسلمانانِ دمشق ——— صلاح الدین کے ہم قبیلہ لوگ ——— ہاسپٹلروں کو نئے خطرے سے متنبہ کر رہے تھے، جو مشرقِ اقصٰے سے اُبھر رہا تھا۔ گاہے گاہے منگولوں کے گھوڑوں کی ٹاپ حلب کے قریب سُنائی دے جاتی اور ان کے عقب میں تباہی و بربادی کے نشان بکھر جاتے۔ ۱۲۲۴ء میں ترکمانوں نے منگول سواروں کو پسپا کرنے کی کوشش کی اور سخت خونریزی ہوئی۔ البتہ منگول فلسطین پر حملہ آور نہ ہوئے۔

منگولوں کے بجائے ایک چھوٹا سا لشکر تیزی سے بھاگتا ہوا بڑھا۔ انہوں نے فرات کو پار کیا اور سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے غزہ کے جنوبی صحرا کو عبور کر لیا۔ یہ نووارد خوارزمی تھے ——— تُرک نسل کے خون خوار جنگجو۔ ان کے مقابلے میں کوئی

نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ صرف منگول ان سے بہتر تھے۔ ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ وُہ وسط ایشیا کے خانہ بدوشوں کی طرح جفاکش، بہادر اور چالاک تھے۔ وُہ بحیرہ اَرال کے نواحی علاقے کے رہنے والے تھے لیکن منگولوں نے انہیں مغرب کی طرف سمندر تک دھکیل دیا تھا[لہ] انہیں نئی زمینوں اور مال غنیمت کی جُستجو تھی۔ وُہ نئی کمین گاہوں کی تلاش میں تھے جیسے کہ جنگل کی آگ سے بھیڑیوں کا گروہ۔ نئی شکارگاہوں کے لیے سرگرداں ہو۔ یروشلم ان کے راستے میں تھا۔ یروشلم کی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں[ٹہ]۔ خوارزمی لشکر کے لیے یروشلم دُوسرے شہروں سے مُختلف نہ تھا۔ یہاں مالِ غنیمت کی افراط تھی۔

وسط ایشیا کے یہ سبک رَو سوار یروشلم کی بُردبار فصیلوں پر کمزور عیسائی مدافعین کو روندتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ وہ ایسے اچانک وارد ہوئے کہ ہاسپٹل اور ٹمپل کی فوجیں بھی یروشلم نہ پہنچ سکیں۔ فصیلوں کے بغیر یہ بہادر فوجیں بھی کیا مدافعت کرتیں۔

کسی وقائع نویس نے یروشلم کی تباہی کا حال نہیں لکھا البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ سات ہزار عیسائی مرد، عورتیں اور بچے مقتول ہوئے، گرجوں کے دروازے توڑ دیے گئے

لہ فاضل مصنف نے خوارزمیوں کو وحشی اور بے دین قرار دیا ہے حالانکہ اہل خوارزم مسلمان تھے۔ جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو چنگیز خاں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو وہ بھی ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ ترکِ وطن کے بعد ان پر کیا گزری اور مغربی ایشیا میں انھوں نے کیا کیا؟ یہ تاریخ کا گم شدہ باب ہے (مترجم)

ٹہ مصنف نے پہلے تحریر کیا ہے کہ فریڈرک نے ملک الکامل سے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یروشلم کی دیواریں ازسرِ نو تعمیر کرا دی تھیں۔ اگر فریڈرک نے دیواریں تعمیر کروائی تھیں تو اس وقت ان کے غائب ہونے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس دَوران میں کسی مسلمان فاتح نے یروشلم کی دیواریں منہدم نہیں کروائی تھیں۔ مصنف کے دونوں بیانات باہم متضاد ہیں غالباً اکیالیسویں باب میں فریڈرک کی عظمت اور اس جگہ اہل یروشلم کی کس مپرسی کے نقوش اُجاگر کرنے کے لیے یہ رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں بیانات میں سے صرف ایک درست ہے، دونوں نہیں۔ (مترجم)

اور قربان گاہوں کے قیمتی برتن لوٹ لیے گئے۔ مشعل بدست خوارزمی مزارِ مسیحؑ میں داخل ہوگئے انھوں نے سینے اور چاندی کے شمع دانوں سے اپنے توبڑے بھر لیے اور سونے اور جواہرات کی تلاش میں گاڈفرے اور بالڈون کے مقبرے اُکھاڑ پھینکے۔ مزارِ مسیحؑ صدیوں سے تاخت و تاراج سے محفوظ رہا تھا لیکن جب خوارزمی اس کے دروازوں سے نکلے تو مزارِ مقدس شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔

خوارزمی لشکر جس سرعت سے نازل ہوا تھا اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔ اس کے فوراً بعد قاہرہ کا لشکر یلغار کرتا ہوا آن پہنچا اور ویران و بے حرمت یروشلم عیسائیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ قاہرہ کا مملوک حکمران موقع کی تاک میں تھا۔ ان وحشیوں کی یلغار کے بعد اُسے موقع مل گیا۔ قاہرہ سے ایک فوج خانِ خوارزم سے اشتراکِ عمل کرنے کے لیے بھیجی گئی۔ متحدہ فوجیں سلطان دمشق اور صلیبی ریاستوں کی طرف بڑھیں۔ متحدہ فوج پندرہ ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ اس کا سپہ سالار یک چشم مملوک بیبارس نامی تھا، جو چیتے کے لقب سے مشہور تھا۔ خوارزمی بڑے خون خوار جنگ آزما تھے۔ وہ جنگ میں مملوکوں سے بھی بہتر تھے۔ وہ وسط ایشیا سے حال ہی میں آئے تھے اس لیے ان کا خون تازہ اور حوصلے بلند تھے۔

جب سلطان اسمٰعیل حاکمِ دمشق کو اس خطرے کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اپنی فوجیں جمع کیں اور ٹمپلروں سے متحدہ محاذ بنانے کی درخواست کی اس نے ٹمپلروں کو متنبہ کر دیا کہ اگر خوارزمی دمشق پر قابض ہو گئے، تو سرزمینِ مقدس بھی ان کی دست برد سے نہیں بچ سکے گی۔

ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں کی مختصر فوجیں ہمیشہ جنگ کے لیے کمربستہ رہتیں۔ وہ فوراً

لے معتبر تاریخی شہادت کے بغیر یروشلم میں قتلِ عام اور مزارِ مسیحؑ کی بربادی کا بیان محض افسانوی تخلیق معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

جنوب کی طرف چل پڑے۔ ان کے ہمراہ یروشلم کا بطریق اعظم اور صلیبی سردار بھی تھے۔ وہ رضاکاروں کی حیثیت سے گئے۔ اِن کا اپنا کوئی بادشاہ نہ تھا، جس کے عَلَم تلے وہ جمع ہوتے، انہیں خطرے کا پُورا احساس تھا۔ ان کی تعداد مختصر تھی۔ ٹمپل کے نائٹوں کی تعداد پانچ سَو تھی اور ہاسپٹل کے نائٹ صرف دو سَو تھے۔ اِن نائٹوں کے ماتحت غالباً دس گنا مسلح سپاہی تھے[1]۔ نوابوں اور نائٹوں کے ذاتی دستے اِن کے علاوہ تھے۔ دمشقی رسالہ ان کی آمد کا منتظر تھا۔ دمشقی رسالے کی قیادت المنصور حموی امیر کرک کے ہاتھوں میں تھی۔ پہلی مرتبہ بطریق اعظم کی صلیب اور ٹمپل کا سیاہ و سفید پرچم "بوسیوں" دمشق کے سیاہ جھنڈوں کے ساتھ تھا۔ صلیبیوں نے صلاح الدین کے پڑپوتوں کے ساتھ تعاون کر لیا تھا۔

اِنھوں نے متفقہ طور پر جنوب کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا تاکہ خوارزمی اور مملوک فوج کا فلسطین پر حملہ کرنے سے پہلے ہی سدّباب کر دیا جائے۔ وہ پہاڑوں سے اُتر کر خشک بھورے میدان میں پہنچے جو ایک بے آب و گیاہ ریگستان اور غزہ کی کھاری دلدلوں سے مُلحق تھا۔ یہاں اِن کے گشتی دستوں نے مملوکوں کے مورچوں کا فوراً کھوج نکال لیا آخری پڑاؤ پر پہنچ کر انھوں نے انتظامات درست کیے۔ تازی گھوڑوں پر زینیں کسیں اور دُعا مانگ کر صُبح کاذب کے دُھندلکے میں روانہ ہوئے۔ انہیں دشمن تک پہنچنے کے لیے فاصلہ گھوڑوں پر طے کرنا تھا۔

اِس فوج کی ترتیب اِس طریقے پر کی گئی تھی کہ صلیبی دستے متحدہ فوج کے میمنہ پر متعیّن تھے، ٹمپلر قلب میں اور ہاسپٹلر اور والٹر آف برین کے زیر کمان نائٹ دونوں بازوؤں پر تھے۔ وہ خاموشی کے ساتھ پیدل رفتار سے آگے بڑھے۔ اِن کے بائیں جانب المنصور کی نفیریوں اور نقاروں کی پُر زور آواز گونج رہی تھی۔

---

[1] ٹمپلر اور ہاسپٹلرز نائٹوں کی مجموعی تعداد سات سَو تھی۔ اِس حساب سے ان کے زیر کمان سات ہزار مسلح سپاہی تھے۔

لیکن یک چشم چیتے نے اچانک پہلے حملہ کردیا، جیسے کوئی بھیڑیا شگاف میں سے جست لگا کر نکل جائے وُہ اپنے دُشمنوں کے درمیان سے نکل گیا۔ متحدہ فوجوں کے قلب میں المنصور تھا۔ بیبارس نے خوارزمی سواروں کو قلب کے خلاف استعمال کیا جو بڑے قدر انداز تھے۔ تیروں کی بے پناہ بوچھاڑ کے ساتھ ہی وہ دمشقی صفوں میں گھس گئے اور اپنی خمیدہ تلواروں سے کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ دمشقی رسالہ ان کی خوفناک یورش کی تاب نہ لا سکا۔ دمشقی صفیں ٹُوٹ گئیں اور وُہ مُنتشر ہو گئے۔ امیر کرک جو انتہائی بازو پر متعین تھا، اپنی جمعیت سے کٹ گیا۔ اب وہ مدافعت نہیں کر سکتا تھا۔ خوارزمی بہادروں نے پہلے ہلّے ہی میں متحدہ فوج کے دو تہائی حصّے کا صفایا کر دیا اور اب خوارزمی اور مملوک ریل کر آگے بڑھے تو ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ایسی خوفناک گرج پیدا ہوئی کہ زمین دہل گئی۔ طبل دیوانہ وار گونج رہے تھے۔ اب وہ صلیبی دستوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ صلیبیوں کی تعداد تھوڑی تھی، وُہ اپنے حلیفوں سے علیحدہ ہو چکے تھے، پھر بھی وہ ڈٹے رہے۔ ٹمپل کے زرہ پوش سوار بگل بجنے کی آواز پر بڑھے۔ "بوسیوں" کو اُٹھائے انہوں نے ہلّہ بول دیا اور یکدم زور کا نعرہ بلند کیا:۔

"خداوندا ہمیں فتح عطا فرما! ـــــــ ہمیں نہیں اپنے مقدس نام کے لیے ـــــــ"

صلیبی فوجیں صف بستہ آگے بڑھیں۔ انہوں نے نیزے پھینک دیے اور تلواریں سونت کر دشمن پر جھپٹے۔ وہ سیاہ و سفید عَلَم کے پیچھے یورش کرتے ہوئے دُشمن کے طوفانی سواروں اور نعرہ زن بہادروں پر ٹوٹ پڑے۔ کئی گھنٹے تک وہ دُشمن سے مصروف پیکار رہے لیکن یہ لڑائی بے سُود تھی۔ وُہ چاروں طرف سے دُشمن کے نرغے میں پھنس چُکے تھے۔ بوسیوں کا عَلَم ایسا سرنگوں ہُوا کہ پھر کبھی بلند نہ ہو سکا۔ ٹمپل کا ماسٹر مقتول ہُوا، بہادر سواروں اور پیادوں نے صلیب کے اِرد گرد حلقہ باندھ لیا۔ اِن کی تلواریں خُون آلود تھیں، زرہیں شکستہ اور جسم زخموں سے چُور تھے۔ وُہ برابر لڑتے رہے حتیٰ کہ میدان

کارزار پر سکوت مرگ طاری ہو گیا۔ ایشیائی سوار گھوڑوں سے اُتر پڑے اور مُردوں کے مال و اسباب پر آپس میں چھینا جھپٹی ہونے لگی۔

ماسٹر آف برین اور ماسٹر آف ہاسپٹل اسیر ہو گئے۔ غزہ کے میدان سے اس رات صرف ۳۳ ٹمپلر، ۲۶ ہاسپٹلر اور تین جرمن نائٹ بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ امیروں میں سے صرف بطریق اعظم اور حاکم صور بچ سکے۔

یہ تھی غزہ کی جنگ جس کے بعد یروشلم اور فلسطین ہمیشہ کے لیے صلیبیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اِس علاقے پر وسط ایشیا کے نیم وحشی حکمرانوں کا تسلّط قائم ہو گیا۔ اسیروں کو ہانک کر قاہرہ لے گئے۔ اُن کے گلوں میں ان کے مقتول رفقاء کے سروں کے ہار لٹک رہے تھے۔ بیبارس یلغار کرتا ہُوا بڑھتا چلا گیا۔ وہ جبرون کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے بیت اللحم جا پہنچے۔ بازار خُون سے رنگین ہو گئے اور مقدس مریم کا گرجا برباد کر دیا گیا۔ سونے چاندی کے تبرکات لُوٹ لیے گئے۔ دمشق بھی ان کی یورش کی تاب نہ لا سکا۔ سُلطان قاہرہ نئی فتوحات پر تصرف کرنے کے لیے خود موقع پر آن پہنچا۔

جنگ کے بعد خوارزمیوں میں پھُوٹ پڑ گئی۔ وہ مسلمان امیروں میں منقسم ہو کر ان کے مملوک بن گئے۔ جنگجو غلاموں نے نئے آقاؤں کی خدمت اختیار کر لی۔ کئی مصر چلے گئے اور مملوک سالار بیبارس کی فوجوں میں شامل ہو گئے۔ اِس طرح منگولوں کے "سبزی غول" کے عناصر مملوک افواج میں مدغم ہو گئے۔ فتح کا نسخہ انہیں خوب معلوم تھا۔

یروشلم برباد ہو چکا تھا۔ اب یروشلم ان کی دسترس سے نکل چکا تھا۔ صلیبیوں کو جنوبی فلسطین سے نکال دیا گیا تھا لیکن بدقسمتی تو یہ تھی کہ اب صلیبی فوج کی از سرِ نو تنظیم مُشکل تھی۔ اِن کی قوت پاش پاش ہو چکی تھی۔ ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں کے قلعوں کے آدھے شمشیر بردار قتل ہو چکے تھے۔ عیسائی عورتیں پھر مقتولین کے لیے سوگوار تھیں۔ جیسے معرکۂ حطین نے مملکت یروشلم کی شجاعت پاش پاش کر دی تھی، ویسے ہی

معرکۂ غزہ نے صلیبیوں کی فوجی قوت کی کمر توڑ دی۔ شاتو پیلرین اور عکّہ کے نائٹ اپنے اپنے قلعوں کی مدافعت میں مصروف ہو گئے۔ شمال سے پھر ایک خبر آئی اور وہ پریشان ہو گئے ۔

حلب کا علاقہ فتح کر کے منگول شمال میں جا پہنچے تھے۔ بوہمنڈ پنجم حاکم انطاکیہ اور کاؤنٹ آف ٹریپولی کو معلوم تھا کہ مدافعت بیکار ہے اس لیے انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ انہوں نے خان اعظم کا باجگزار ہونا منظور کر لیا اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا اس کے بعد منگول قتل و غارت کے بغیر واپس چلے گئے ۔

عثلیث سے المرقب تک ساحل کے باقی ماندہ حصّے پر صلیبیوں کا تسلّط قائم رہا۔ وہ اپنے قلعوں کی مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے اہل یورپ سے امداد کی درخواست کی۔ ۱۲۴۴ء سے ۱۲۴۷ء تک کے تین سال میں فلسطین کا سیاسی نقشہ یوں تبدیل ہو گیا جس طرح ساٹھ سال پہلے صلاح الدین کے زمانے میں تغیر پذیر ہوا تھا۔ صلیبیوں کی فوجی طاقت برباد ہو چکی تھی اور اس کے برعکس مملوکوں کی طاقت میں بدرجہا اضافہ ہو گیا تھا۔ اب انہیں منگول حملہ آوروں سے بھی ہر دم خطرہ لاحق تھا جو فلسطین کے قریب آچکے تھے ۔

صلیبی بڑی تشویش سے اس کشمکش کے انجام کے منتظر تھے جو ان کی آنکھوں کے سامنے جاری تھی۔ فلسطین میں دو عظیم قوتوں کی فوجیں گشت کر رہی تھیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا وہ اس کے منتظر تھے۔ ان کی فوجی قوت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ انہیں یورپی کمک کے بغیر اپنے قلعوں سے باہر نکلنے کی جرأت نہ تھی ۔

۴۵

تاریک دَور

ساحلِ شام کے صلیبیوں کو یورپ سے جواب کا شدید انتظار تھا۔ جب بھی کوئی جہاز عکّہ یا شاتو پیلرین میں داخل ہوتا، وُہ یورپ سے تازہ ترین خبریں سُننے کے لیے بے تابانہ طور پر ساحل پر جمع ہو جاتے +

پہلے پہل خبریں حوصلہ افزا تھیں۔ بالآخر نیا پوپ مُنتخب ہو گیا۔ کارڈینل سنبالڈو فیسچی نے پوپ انوسنٹ چہارم کا لقب اختیار کر کے تختِ پاپائیت کو رونق بخشی۔ وہ خوش تھے کہ اب پوپ اور شہنشاہ کی طویل کشمکش بھی ختم ہو جائے گی اور یورپ میں امن بحال ہو جائے گا۔ منگولوں کے حملے سے اہلِ یورپ لرزاں و ترساں تھے اور یروشلم بھی وحشیوں کی یلغار کا نشانہ بن چُکا تھا۔ دریں حالات اِنہیں اُمید تھی۔ کہ دُنیائے مسیحیت کے دونوں سربراہ اپنے اختلافات ختم کر کے مُتحد ہو جائیں گے۔ اور ان کی مدد کریں گے۔ بلفورٹ کے جرمن نائٹ کی زبانی معلوم ہُوا کہ فریڈرک شہنشاہ جرمنی نے وحشیوں کے خلاف نئے کروسیڈ کی تیاری اور قیادت کی پیش کش کی ہے۔ لیکن عباپوش پادریوں نے انکار میں سر ہلا دیا

اور کہا کہ یہ بے دین اور گستاخ محض اپنی مقصد برآری کے لیے کوشاں ہے۔

پھر یہ لرزہ خیز خبر آئی کہ انوسنٹ چہارم روم چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ وہ نائٹ کے بھیس میں فریڈرک کی فوج کی صفوں سے گزر کر فرانس جا پہنچا ہے۔ اس نے فرانس میں پناہ لے لی ہے اور اب لائنز میں کلیسائے روم کی کونسل کا اجلاس طلب کیا ہے۔ صلیبی اس کونسل کے فیصلوں کے منتظر رہے۔

کچھ عرصے بعد یہ حوصلہ شکن خبر آئی کہ پوپ نے فریڈرک کے خلاف نئے کروسیڈ کا اعلان کر دیا ہے۔ عشر اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کو گناہوں کے معافی نامے عام تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ فریڈرک کو معزول کر دیا گیا ہے۔ پوپ نے جرمن امیروں کو حکم دیا کہ وہ فریڈرک کے بجائے نئے شہنشاہ کا انتخاب کریں۔ فریڈرک غصے سے چلّایا "دریائے اردن کے تمام پانی سے بھی ان پادریوں کی ہوس اقتدار نہیں دُھل سکتی"۔

مہینے گزر گئے لیکن نئے کروسیڈ کا کہیں نام و نشان نظر نہ آیا۔ کروسیڈ کے بغیر بھی عشر جمع کیا جاتا رہا۔ ٹیکسوں میں اضافہ ہوتا گیا اور یورپ کی سڑکوں پر مسلح سپاہی نظر آنے لگے۔ یورپ سے آنے والے مسافر کہتے کہ وہاں عجیب و غریب واقعات رُونما ہو رہے ہیں۔ پوپ اور شہنشاہ دوبارہ ایک دُوسرے سے مصروف پیکار ہو گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو ایک دُوسرے کے خلاف بھڑکانے میں مصروف ہیں۔ ان کے داعی دیہاتوں اور جھونپڑیوں تک پہنچ گئے ہیں۔ وہ ایک دُوسرے پر برس رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے شہروں اور مقبوضات پر فوج کشی میں مصروف ہیں۔ چاروں طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ چند صلیبی رضاکار جو شام جانا چاہتے تھے، انہیں جہاز نہ مل سکے کیونکہ کچھ اطالوی جہاز ران پوپ کے طرفدار تھے۔ اور کچھ شہنشاہ کے حامی۔ لوگ اِس طوائف الملوکی اور اندھیر گردی سے بیزار ہو چکے تھے۔ وہ جنگ کی مصیبتوں اور محاصل کے بارِ گراں سے بچنے کے لیے اپنے گھروں کو چھوڑ کر خانقاہوں اور راہب خانوں میں پناہ گزین ہونے لگے۔ پوپ اور شہنشاہ کے گماشتے

لوگوں کو نہ بوچ لیتے۔ وہ ان کے مال و اسباب چھین لیتے اور اگر کوئی بدنصیب اِس جنگ میں شامل ہونے سے انکار کرتا تو پوپ اسے عذاب آخرت سے ڈراتا اور شہنشاہ اسے جسمانی اذیت کی دھمکی دیتا۔ اِس جنگ کے شُعلے سارے یورپ میں پھیل گئے تھے۔ کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ کئی بدبختوں کو کافر قرار دے کر میلان کے کیتھیڈرل کے سامنے زندہ جلا دیا گیا۔ روم کے بازاروں سے گزرتے ہوئے صلیبی مُسافر پادریوں کے ہتّھے چڑھ جاتے۔ پادری اِن کے ہاتھوں مُعافی نامے فروخت کرتے اور انہیں مقدّس جنگ کے حلف سے آزاد کر دیتے۔

ہزاروں کی تعداد میں غریب لوگ بھورے راہبوں کے ساتھ کوہ و وادی میں سرگرداں تھے۔ وُہ اِس مسلسل جنگ کے عذاب سے نالاں تھے۔ وہ جانوروں کی طرح جنگلوں میں رہتے اور آسمان کے نیلے سائبان تلے زندگی بسر کرتے۔ وُہ دُکھ سہنے کے بجائے اپنے جھونپڑے اور کھیت چھوڑ کر ان جتھوں میں شامل ہو گئے۔ ایک آدمی نے بیان کیا۔ کہ میرے رُوبرو روم میں سینٹ میری کے گرجے کے سامنے تیس مردوں اور عورتوں کو کُفر کے الزام میں زندہ جلایا گیا۔ دُوسرے کہتے کہ ہاں ہم نے بھی سُنا ہے کہ خُداوندانِ کلیسا بے دینی اور کُفر کی عام افواہوں کی تحقیق کے لیے اپنے مُنصفوں کو دَورے پر بھیج رہے ہیں۔ یہ خاص مُنصف مُحتسب کہلاتے تھے۔ اِس مقصد کے لیے احتساب کی عدالتیں مقرر ہو گئیں جن میں امیر و غریب کے عقائد کا محاسبہ کیا جاتا۔

پھر یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ فریڈرک صُلح کا طلبگار ہے لیکن پوپ صُلح پر آمادہ نہیں، وُہ فریڈرک کی قوت کو ہمیشہ کے لیے کُچل دینا چاہتا ہے۔ وہ شہنشاہی کے کھنڈروں پر پاپائیت کا محل تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ سال گزرتے گئے اور ان کی کشمکش شدید تر ہوتی گئی۔ کسی نے یروشلم کی مدد نہ کی۔ دُنیائے مسیحیت نفاق اور جنگ کا شکار ہو چکی تھی۔ کسی کو صلیبیوں کی طرف متوجہ ہونے کی فُرصت نہ تھی۔ پھر بھی صلیبی بڑے حوصلے سے مُختصر ساحلی علاقے سے چمٹے رہے۔

انوسنٹ چہارم نے فریڈرک کے خلاف کلیسائی اقتدار کے سارے حربے استعمال کیے۔ سکنڈے نیویا کے دُور اُفتادہ دیہات کے صدقات اور رُومی امیروں کے واجبات پاپائی فوجوں کے استحکام کے لیے صرف ہوتے، منبروں اور قربان گاہوں سے، راہب خانوں اور گرجوں سے غرضیکہ ہر جگہ سے فریڈرک کی پُرزور مذمت کی جاتی۔ پوپ کے حامیوں کو کروسیڈ کی صلیبیں تقسیم کی جاتیں اور اِس کے مخالفوں پر کفر کے فتوے لگائے جاتے۔

انوسنٹ نے خفیہ طور پر جرمنی کے بشپوں کو لکھا کہ عام صلیبی جنگ کی تبلیغ روک دیں۔ اور لوگوں کو فریڈرک کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی ترغیب دیں۔ جرمنی میں فریزی فرقے کے صلیبی جمع ہو رہے تھے۔ پوپ نے انہیں عازمِ مشرق ہونے کی ممانعت کر دی۔ مئی ۱۲۴۹ء میں اِس نے ولیم خان آئیک کو حکم دیا کہ جو رقمیں القدس کے نام پر جمع کی گئی ہیں وُہ کلیسائے روم کے خزانوں میں جمع کروا دی جائیں۔ پوپ کہتا کہ عالمِ مسیحیت میں امن کی بحالی کے لیے اِس عفریت کا قلع قمع ضروری ہے۔ فریڈرک نے صُلح کی پیش کش کی تو پوپ نے وہ بھی ٹھکرا دی۔ پوپ کے گماشتوں نے فریڈرک کے بیٹے کو اس کا مخالف کر دیا۔

فریڈرک صرف کلیسا سے مصروفِ پیکار نہ تھا، اِس کے خلاف سارے یورپ کے وسائل اور قوتیں صف آرا تھیں۔ چُنانچہ اِسے نیچا دکھانے کے لیے خود جرمن سلطنت میں بھی عُشر جمع کیا جاتا تھا اور وُہ کلیسا کے واجبات کی ادائی روکنے سے قاصر تھے۔ جرمن لوگ بھی اِس طویل اطالوی جنگ سے بیزار ہو چکے تھے۔ چُنانچہ جرمن سلطنت کی وحدت بھی پارہ پارہ ہونے لگی۔ کئی فریق فریڈرک کا ساتھ چھوڑ کر اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اِس مخالفت سے زیادہ خوفناک کلیسا کی معاندانہ تبلیغ تھی۔ کلیسا نے مذہبی تعصّبات کو اس کے خلاف برافروختہ کر دیا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں فریڈرک کے خلاف نفرت اور خوف کے جذبات پرورش پانے لگے۔ جب وہ اپنے لشکر کا معائنہ

کرتا تو لوگ اِس بے دین کو متحیّر نظروں سے دیکھتے۔ جب وُہ کسی شہر میں داخل ہوتا تو رگرجوں کی گھنٹیاں بجنا بند ہو جاتیں۔ کلیسا کے اُٹھائے ہوئے طوفان نفرت کے خلاف اس کی غیر معمولی فراست بھی عاجز تھی۔ اندھے تعصب کا اِس کے پاس کوئی مداوا نہ تھا۔ لوگ اسے کافر اور ملعون سمجھنے پر مصر تھے ۔

اِس کے افسروں کے چہروں سے خوشی غائب ہو گئی تھی۔ اب تو پلرمو کے خوشنما محلات کے خوشگوار باغات میں بھی سکون نہ تھا۔ فریڈرک بُوڑھا ہو چکا تھا۔ وُہ افسردہ خاطر اور متفکر رہنے لگا تھا ۔

لیکن فریڈرک نے ہار نہیں مانی۔ اِس نے جُھکنے سے انکار کر دیا ۱۲۵۰ء کے کرسمس کے آغاز میں فریڈرک نے اپنے حرامی بیٹے کے بازوؤں میں وفات پائی۔ اس کے کمرے کے باہر مسلمان تیرانداز پہرہ دے رہے تھے ۔

"آسمان خوش ہے اور زمین بھی خوش ہے" یہ تھے پوپ کے الفاظ جب اُس نے فریڈرک کی مَوت کی خبر سُنی۔ اب پوپ کو اطمینان تھا کہ عظیم ترین ہانسٹوفن اس کے رستے میں حائل نہیں۔ آئندہ چند سال میں پوپ کے حامیوں نے فریڈرک کے بیٹے کونارڈ کو اس کی مملکت سے مار بھگایا۔ تلوار، آگ اور کفر کے فتووں سے ہانسٹوفن خاندان سے کلیسا کی گزشتہ اہانت و ذلّت کا انتقام لیا گیا۔ ہانسٹوفن خاندان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا ۔

کلیسا کے مقدّس باپ نے صلیبیوں کو تو ان کی قسمت پر چھوڑ دیا اور اپنے مخالف کی بربادی کے لیے تلوار سونت لی ۔

فتح کا ثمر نہایت تلخ ثابت ہُوا۔ انوسنٹ نے دُشمن کی پیش کشِ امن ٹھکرا دی تھی۔ اور تلوار اُٹھالی تھی۔ اِس سے کلیسائی اقتدار کو سخت صدمہ پہنچا۔ عام لوگ کلیسا سے برگشتہ ہونے لگے۔ وُہ بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے پسے جاتے تھے مسلسل جنگ

اور بدنظمی سے پُرانی وفاداریوں اور تعلقات کے بندھن ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ بیزاری اور بے اطمینانی اِتنی بڑھی کہ اعلانیہ بغاوت کی صُورت میں پھُوٹ پڑی۔ اطالیہ کے شہری اِس جنگ سے تنگ آ چُکے تھے۔ انہوں نے خود مُختار جمہوری ریاستیں قائم کر لیں اور روم کی سیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فلورنس نے پوپ کے نمائندوں پر اپنے دروازے بند کر دئیے۔ اِنگلستان اور فرانس کے بادشاہ بھی کلیسا سے دُور ہو گئے۔ لوگ اعلانیہ الزام دھرتے کہ پیچھے کروسیڈ کے نام پر جمع کی ہوئی رقمیں روم کے پادریوں نے اُڑا لی ہیں۔ لوگ حیرت اور حقارت سے پاپائی دربار کی شان و شوکت پر انگشت نمائی کرنے لگے۔ میتھیو آف پیرس لکھتا ہے کہ "رومن مذہبی کونسل نے خدا کے سادہ لوح بندوں کی املاک پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اِستعمال کیے۔ اِنہیں صرف لوگوں کے سونے چاندی سے دِلچسپی تھی"۔

والٹر فان ڈر ووگل وائڈ نامی ایک جرمن موسیقار نے کلیسا کی ہجو بھی تصنیف کر ڈالی: "میرا خیال ہے کہ یہ سونا چاندی راہ خدا میں ذرا کم ہی صرف ہوتا ہے۔ پادری بھلا خزانوں سے فراق کیونکر برداشت کر سکتے ہیں"۔

جب انوسنٹ کو یروشلم کی امداد کے لیے کروسیڈ کی تبلیغ کرنی چاہیے تھی۔ وہ سیاسی اقتدار کی جنگ میں پھنس کر رہ گیا۔ پوپ کی اِس حرکت پر کئی لوگ برہم تھے اور کئی بے تعلقی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اِنگلستان میں لوگوں نے کروسیڈ کے عُشر کی ادائی کے خلاف مِل کر احتجاج کیا۔ آخر کار جب انوسنٹ نے مقدس جنگ کا وعظ سُنانے کے لیے چالیس دِن کی عام مُعافی کا اعلان کیا تو لوگوں نے چنداں پروانہ کی۔ رٹیسی بان کے قصبے کے جرمن شہری پوپ اور شہنشاہ کی جنگ سے اِس قدر بیزار ہو چکے تھے کہ انہوں نے صاف اعلان کر دیا کہ جسے بھی صلیب پہنے دیکھا گیا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

لوگ کہتے کہ پوپ اربن اعظم نے تو یروشلم کی نجات کے لیے پہلے کروسیڈ کا پرچار

کیا تھا۔ لیکن اب انوسنٹ نے اپنے دشمنوں کے خلاف کروسیڈ کا اعلان کر دیا ہے۔ صدیوں پہلے پوپ ہلڈابرینڈ نے اِس شہنشاہ کی مذمت کی تھی جو اپنے امیروں کو پادری بنانا چاہتا تھا اور اب انوسنٹ سب پادریوں کو امیر بنانے پر تُلا ہُوا ہے۔ لوگ کہتے کہ پوپوں نے کروسیڈوں کا نعرہ بلند کر کے بے شُمار دَولت اور اقتدار حاصِل کر لیا ہے۔ اِنہوں نے اِس دَولت کا حساب کِسے دیا ہے؟ اور اِن پے در پے شکستوں کا کون ذمّہ دار ہے؟

مایُوسی کے ان تاریک برسوں میں لوگ پُرانی اقدار پر شک کرنے لگے۔ ان کے ایمان متزلزل ہو گئے۔ روم رُوحانی طاقت کا مظہر نہ تھا۔ بلکہ سیاسی اقتدار کا مجسّم کابوس۔ روم میں بھی وہی گھناؤنی جاگیرداری تھی، وہی درباری سازشیں، قتل، روحانی بیماری اور جنگ زرگری۔ عیسائیت کا یہ سرچشمہ اب مسموم ہو چکا تھا۔ اِس کے شفاف پانی میں مُہلک مرض کے جراثیم سرایت کر چکے تھے۔ کلیسا اندرونی کمزوری اور مرض کا شکار ہو چکا تھا۔ آخری ہانسٹوفن تاجدار کی مَوت کے بعد انہیں کسی غیر معمولی شہنشاہ سے خدشہ تو نہ تھا۔ لیکن ان کی اپنی قوت اِس قدر بدنام ہو چکی تھی کہ لوگ پاپائی سلطنت سے پناہ مانگنے لگے تھے۔

جیسے پہلے کروسیڈ سے پہلے طاعون اور قحط نے لوگوں میں ہیجان برپا کر دیا تھا، اِسی طرح اب اِن تاریک ماہ وسال کی بُرائیوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ مفروضہ کافروں کے قتل، خانہ بدوش راہبوں کے تعصّب اور مسیحی افلاس کی طلب، کلیسائی عدالتوں کی خُفیہ تحقیقات اور باز پُرس، منگول حملوں کے خوف، پاپائیت اور شہنشاہی جنگ کے بعد تھکن اور بیزاری سے لوگوں کے ذہن بدلنے لگے۔ چاروں طرف کسی دبے دبے ہنگامے کا شور تھا۔ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکل گئے۔ جیسا کہ نصف صدی پہلے بچّوں نے امن وسکون کی تلاش میں اپنے جھونپڑوں کو خیرباد کہا تھا۔

یخ بستہ جنگلوں میں خستہ حال اور افسردہ انسانوں کے گروہ آوارہ تھے۔ وہ جنگلوں میں بھیڑیوں کی طرح کراہتے اور بھیڑیوں کے غول ویران دیہات پر حملہ آور ہوتے گروہ در گروہ

لوگ سڑکوں اور راستوں پر بھٹکتے پھرتے۔ اِن کے چہروں پر کسی مبہم خوشی کے نشان نمایاں ہوتے۔ انھوں نے گرجوں کو چھوڑ کر آوارہ گرد راہبوں کی تقلید اختیار کر لی تھی۔ اِن سڑیوں میں وہ عجیب و غریب خبط کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ برف پوش جنگلوں اور یخ بستہ راستوں پر بکھر گئے اور دُنیا نے رقصِ موت کا منظر دوبارہ دیکھ لیا۔ ہزاروں لوگ شہروں سے اُٹھے اور گرجوں کے بند دروازوں پر دستک دینے لگے۔

"امن ——— امن ——— خُدایا ہمیں اپنی سلامتی عطا فرما"۔ وہ چلّائے، وہ خانقاہوں اور راہب خانوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ وہ رُوحانی اضطراب کی آگ کو جسمانی اذیّت سے ٹھنڈا کرنے لگے۔ وہ روزے رکھتے اور ننگے جسموں پر تازیانے لگواتے۔ یہ لوگ فلیجلانٹ (ایذا پسند) کہلائے۔

کئی بُوڑھے راہب تاریک حجروں سے نکلے اور کمزور ٹانگوں کے سہارے ان ایذا پسندوں کے گروہوں میں شامل ہو گئے۔ برف پوش سڑکوں پر یہ لوگ گروہ در گروہ ننگے پاؤں چلتے اور پادری مسیح مصلوب کا مجسمہ اُٹھائے ان کے آگے آگے ہوتے، پھر جنگلوں سے کئی لکڑہارے، کوئلہ بنانے والے، چرواہے آئے وہ کمر سے اُوپر تک ننگے رہتے۔ اِس فرقے کے لوگ پیسٹورل (دیہاتی) کہلائے۔ وہ اپنے سروں پر بوریاں لپیٹے ہوئے چلتے، عورتوں اور مردوں کے پژمردہ نیم برہنہ جسم مشعلوں کی روشنی میں چمکتے، وہ خود کو کوڑے لگاتے اور درد سے چیختے جاتے۔ بہت سے اشخاص تاریک آسمان کی طرف بازو اُٹھا کر کراہتے اور بہت سے یخ بستہ زمین پر لیٹ جاتے۔ کئی دفعہ یہ لوگ گرجوں کے گرد جمع ہو جاتے اور "نمازِ فریاد" ادا کرتے۔ وہ جیل خانوں کے دروازے توڑ کر مجرموں کو رہا کر دیتے، اِس کے بعد گرجوں کی طرف دوڑتے اور قربان گاہوں کے سامنے زانو ہو کر گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے۔

انھوں نے روم کا رُخ کیا۔ معلوم نہیں وہ روم کیوں گئے؟ اور وہ کرنا کیا چاہتے

تھے؟ وہ اس عظیم الشان شہر میں پہنچے تو اہلِ روم انھیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ سنگ دِل اور درشت خُو لوگ بھی جو مذہبی رسوم کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، سہم کے رہ گئے اور تازیانے برداشت کرنے اور مشعلیں اُٹھا کر جلوس میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئے +

اِس کے بعد پوپ روم چھوڑ کر فرانس کے شہر اوِگنوں میں پناہ گزین ہو گئے +

اِس نسل کے دُکھ اور مظلومیت سے، اصلاحِ کلیسا کی تحریک نے جنم لیا +

تقدیر کی چکّی بدستور چل رہی تھی اور آہستہ آہستہ پیس رہی تھی +

۴۶

شاہی جہاز

اِس تاریک دَور میں ایک شخص سرزمین قدس کی دست گیری کو پہنچا۔ وُہ فرانس کا بادشاہ لوئیس تھا۔ مُستقل مزاج اور خُوش اخلاق تاجدار جو تاریخ میں سینٹ لوئیس کے لقب سے مشہور ہے ؞

یکم جُون ۱۲۴۹ء کو جب فریڈرک پوپ کے خلاف مزاحمت کی تیاریوں میں مصروف تھا، "ایذا پسند" اور "دیہاتی" فرقوں کے لوگ اور راہب سیاہ صلیبیں اُٹھائے شہروں میں جلوس نکال رہے تھے۔ اِس وقت ایک عظیم الشان جہاز اپنے سفید بادبان پھیلائے پُرسکون نیلے سمندر پر رواں تھا۔ سفید بادبانوں کے اُوپر شاہِ فرانس کا قرمزی رنگ کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ جہاز قبرص سے جنوب کی طرف مصر کے چٹیل ساحلوں کی طرف رواں تھا۔

اِس عظیم جنگی جہاز پر مختلف لوگ سوار تھے۔ شاہ لوئیس اور اُس کی ملکہ مارگریٹ آف پروونس کا کمرہ فُہرۂ جہاز کے اُوپر تھا۔ کمرہ لکڑی کے صندوقوں سے پُر تھا۔ خالی جگہ بستر لگے ہوئے تھے۔ لوئیس اپنے سب درباریوں سے لمبا تھا۔ اِسے اپنی قیام گاہ کے

پست دروازے سے اندر داخل ہونے کے لیے جُھکنا پڑتا یا گھُٹنے دُوہرے کرنے پڑتے شاہی کمرے کے نیچے کوٹھڑیوں میں بادشاہ کا خزانہ اور سامان رکھا تھا۔ اِن میں مُحافظ سپاہی اور مار گریٹ کی کنیزیں بھی مقیم تھیں۔ عرشہ جہاز پر غالیچے اور قالین بچھے تھے اور خُوشنما چھتریاں لگی ہوئی تھیں۔ عرشہ جہاز پر لوگ آزادی سے چل پھر سکتے۔ اور تفریح کر سکتے تھے بڑے مستول کے نیچے قُربان گاہ تھی۔ ملّاحوں نے اِس مستول پر ملّاحوں کے سرپرست سینٹ نکولسس کی تصویر بنا رکھی تھی۔ جہاز کے نچلے حصّے سے دُھواں بلند ہو رہا تھا۔ اور عرشہ جہاز پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے کانوں میں ڈھکنوں اور چمچوں کے کھٹکنے، سُوروں اور مُرغیوں کے پکڑنے کی آواز آ رہی تھی۔

جہاز کے اگلے مستول کے نیچے کئی مُسافر خرید و فروخت کے لیے جمع تھے۔ ارمنی تاجروں کے ٹوکرے پھلوں، سخت بسکٹوں، نمک، اور ریوند چینی سے بھرے ہوئے تھے۔ مرتبانوں میں سرکہ اور روغن زیتون رکھا تھا۔ اِن کے پاس عُمدہ سوغاتیں بھی تھیں۔ عورتوں کی دِلچسپی کے لیے مشرقی صناعی کے نمونے مثلاً شیشے کا سامان، ریشم کے رنگین تھان اور مور کے پَر بھی سجا رکھے تھے۔

بڑے عرشہ جہاز کے تلے جنگی گھوڑوں کے اصطبل اور مویشیوں کے تھان تھے۔ مویشی دُودھ دیتے اور گوشت کے لیے استعمال کیے جاتے۔ سب سے نچلی منزل کی نیم تاریکی میں نیم برہنہ غُلام لکڑی کے بنچوں پر بیٹھے مسلسل چپّو چلاتے۔ ان کے ننگے بدن سمندر کے نمک سے پھٹے ہوئے تھے اور زخم کرم زدہ تھے۔ ملّاحوں نے بنچوں کے نیچے پوٹلیوں اور بوریوں میں سامانِ تجارت سنبھال کر رکھ چھوڑا تھا۔ وہ دمیاط پہنچ کر اِس سامان کو اچھّے داموں بیچنے کے منتظر تھے۔ وہ جہاز کے پیندے کے تعفّن اور پسینے کی بساند میں مشقّت کرتے اور سانس لیتے۔ وہ پیندے کے شہتیروں کے ساتھ پاؤں لٹکائے چپّو چلاتے۔ ان کی پنڈلیاں پیندے میں ریت کی بھرائی کو چھوتیں جہاز کا

پینداپانی سے خنک اور نمدار رہتا۔ اِس ٹھنڈی جگہ شراب کے مٹکے بھی رکھے تھے۔

موسم خوشگوار تھا، اور جہاز میں خیریت تھی۔ طوفان کیا شدید قسم کا مدوجزر بھی مسافروں اور مویشیوں کے لیے آفت ہو سکتا تھا۔ ایسے وقت میں جہاز کی منڈی سنسان ہوتی، باورچی خانے جہنم بن جاتے اور مسافر سینٹ نکولس کے مجسمے کے روبرو دوزانو ہو کر دعائیں مانگنے لگتے۔

لیکن اِس جہاز کا سفر نہایت پُرسکون تھا۔ اس کے چوکور بادبانوں پر قرمزی صلیبیں بنی ہوئی تھیں۔ نرم ہوا کے جھونکوں میں بادبان پھڑپھڑاتے، سمندری پرندے بادبانوں کے اوپر چکر لگاتے اور مچھلیاں سمندر کی چمکیلی سطح پر اچھلتیں اور غوطے لگاتیں یہ جنگی جہاز اپنے بادشاہ کو لیے رواں دواں تھا بالآخر مسافروں کی مشتاق نگاہیں دھند کی چلمن سے مصر کے ساحل کو ڈھونڈنے لگیں۔ اِس جہاز کے دونوں طرف حدِ نظر تک دوسرے جنگی جہاز سطحِ بحر پر پھیلے ہوئے تھے۔

"کیسا دلفریب منظر ہے۔ معلوم ہوتا ہے سارے سمندر پر کپڑے کے بادبان پھیلے ہوئے ہیں۔" جواں سال جان لارڈ آف ژانول نے جہازوں کو دیکھ کر کہا۔ لارڈ ژانول عالی نسب امیر اور شمپیئن کے علاقے کا قلعہ دار تھا۔ اسے بحری بیڑے کی کارروائیوں سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ برین خاندان کے ایک نائٹ کے ہمراہ ایک علیحدہ جہاز پر سوار تھا۔ اِس نے جان آف ابلین حاکم جافا کے لمبے جنگی جہاز کو بہت پسند کیا جس پر امتیازی نشانوں والی ڈھالیں نمایاں تھیں۔ ژانول خوش مزاج نوجوان تھا۔ وہ فیاض طبیعت تھا اس لیے اس کی جیب ہمیشہ خالی رہتی۔ وہ اپنے نو عدد نائٹوں کا کرایہ ادا کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن بادشاہ نے توان کا کرایہ اپنے ذمے لے لیا۔

فرانس کے دیگر امیروں کی طرح وہ بھی اِس مہم میں شریک تھا۔ فرانس کے سارے شجاع جہازوں پر موجود تھے۔ بادشاہ کی خصوصی فرمائش پر ژانول کروسیڈ میں شامل ہوا تھا۔ اِس نے بادشاہ لوئیس کی طرح زائروں کا لبادہ پہنا۔ اپنے پہلے قرضے بے باق کیے

اور اِس مقدس مہم کے لیے جو کچھ بھی اُدھار مل سکا لے کر عازمِ سفر ہُوا۔ اسے فرانس اور اپنی بیوی کو چھوڑنے کا بہت قلق تھا۔ وہ لوئیس کی طرح خاموش اور بُردبار نہ تھا۔ وُہ بے باک اور صاف گو انسان تھا۔ اِس کے مزاج میں طفلانہ سادگی اور گرم جوشی کی جھلک تھی لوئیس کو اِس کی صاف گوئی اور راست بازی بہت پسند تھی۔

ایک مرتبہ ژانول نے لوئیس سے کہا "گناہوں کا بوجھ اُٹھاکر بحری سفر کا خطرہ مول لینا واقعی سخت حماقت ہے۔ بحری سفر میں تو اتنا بھی یقین نہیں کہ صُبح کو جہاز پر اُٹھیں گے یا سمندر کے تلے سوئیں گے"۔

"گُناہ کبیرہ سے تو کوڑھی ہونا بہتر ہے" لوئیس نے کہا۔

"کوڑھی ہونے کے بجائے مَیں تیس۳۰ کبیرہ گناہوں کو ترجیح دوں گا" ژانول نے صاف کہا۔

لیکن لوئیس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ اسے اپنے امیروں کا اوچھا پن پسند نہ تھا۔ ذرا سی فحش بات سے وہ برہم ہو جاتا۔ اِس کا سفید چہرہ فرشتوں کی طرح پُر نُور تھا اور اس کی آنکھوں میں بچّوں کی سی معصومیت جھلکتی تھی۔ یہ دراز قامت اور خُوبرو بادشاہ خلعت شاہی کے بجائے صُوفیانہ قِسم کا معمولی لباس اور ادنیٰ چُغہ پہننے کا عادی تھا۔ کئی مرتبہ وُہ زائرین کا ساعصا اور تھیلا اُٹھائے پھرتا۔ اِس کی یہ حرکت درباریوں کو ناگوار گزرتی لیکن وہ خاموش رہتے۔ کھانے کی میز پر وہ نہایت خاموشی سے ماحضر تناول کرتا اور کھانے کے بعد بزرگوں کی تعلیمات اور اقوال پر بحث کرنے لگتا حالانکہ ژانول اور دیگر امیر اس وقت ہنسی مذاق اور تفریح چاہتے۔ وہ بارہ۱۲ سال کی عُمر میں تخت نشین ہُوا تھا اور اب وُہ چونتیس سال کا کڑیل جوان تھا۔ اِس کی شادی بھی لڑکپن میں ہوئی تھی۔ لوئیس اور مارگریٹ کی شادی دراصل بچپن کی شادی تھی۔ مارگریٹ اپنے شوہر کے مذہبی نظریات تلے دبی ہوئی تھی۔ پرونس کی ہٹیلی اور شوخ مزاج شہزادی اپنے بلند فکر شوہر کے لطیف ظُلم سے نالاں تھی۔ لوئیس کئی مرتبہ بڑی سنجیدگی سے تکرار کرنے لگتا کہ

میری بیوی کو شوخ رنگ کپڑے نہیں پہننے چاہئیں لیکن مارگریٹ کو کامدار ساٹن کے خوش رنگ لباس بہت مجوب تھے۔ بہرکیف اس نے جہاز پر وہ لباس نہ پہنے۔ ایک دفعہ لوئیس نے مارگریٹ سے کہا کہ میں درویش بن جاتا ہوں اور تم راہبہ بن جاؤ۔ تو اس نے لوئیس کو سمجھایا کہ ہم راہب خانے سے باہر رہ کر اس دُنیا میں زیادہ نیکی کر سکتے ہیں۔

بے چاری ملکہ مارگریٹ کو اپنی ساس ملکہ بلانشے سے نپٹنا پڑتا۔ بلانشے بڑی حاسد قسم کی ماں تھی اور اپنے بیٹے پر کڑی نگرانی رکھتی تھی۔ اِسے گوارا نہ تھا کہ اس کا بیٹا کسی اور کا ہو جائے۔ ژرانول رقمطراز ہے کہ ملکہ بلانشے اِس بات کی مخالف تھی کہ لوئیس اپنی بیوی کو ہمراہ لے جائے اس نے ہر حیلے سے اِسے روکنے کی کوشش کی جب لوئیس نے اپنی ملکہ کے ساتھ اپنی سلطنت کا دَورہ کیا تو بالآخر بلانشے نے لوئیس کو مارگریٹ سے جُدا کرا دیا۔ اِس کے بعد وہ میاں بیوی ایک جگہ اکٹھے نہ ہوئے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ شاہی دربار پانٹوز میں تھا، وہاں بادشاہ کے کمرے کے عین نیچے ملکہ کا کمرہ تھا۔ بادشاہ نے پہرے داروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی میں اپنی ملکہ کے کمرے میں ہوں اور والدہ محترمہ میرے کمرے کی طرف یا ملکہ کے کمرے کی طرف تشریف لائیں تو مجھے فوری اطلاع کے لیے کُتوں کو مارنا شروع کر دیا کرو۔ کُتوں کے چیخنے سے مجھے خبر مل جایا کرے گی۔ اتّفاق سے ایک دن ملکہ بلانشے اپنے بیٹے کے پیچھے پیچھے اپنی بہو کے کمرے میں جا پہنچی بے چاری مارگریٹ دردِ زہ میں مُبتلا تھی اور خراب زچگی سے اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ملکہ بلانشے نے لوئیس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "تم اِدھر آؤ تمہاری یہاں کیا ضرورت ہے"۔ اِس لمحہ مارگریٹ اپنے شوہر کی جُدائی برداشت نہ کر سکی اور چلائی "افسوس! نہ تم مجھے زندگی میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنے دو گی اور نہ موت کے وقت"۔

اِس سفر میں مارگریٹ لوئیس کے ساتھ تھی۔ اب اُسے یہ اطمینان ہُوا کہ لوئیس میرا ہے۔ وہ اِس سفر سے خوش تھی اگرچہ اسے کروسیڈ سے ہَول آتا تھا۔ لوئیس نے شدید علالت کے دَوران میں

صلیب اُٹھانے کا حلف اُٹھایا تھا۔ ان دنوں اِسے عجیب قسم کی کمزوری کے دورے پڑتے۔ وہ سخت نڈھال اور بے ہوش سا ہو جاتا۔ اس نے منت مانی کہ میں یروشلم کے لیے لڑوں گا۔ پھر عورتوں کی التجائیں اور آنسو بھی اسے اپنے ارادے سے نہ ہٹا سکے۔

وہ صاف باطن اور پرہیز گار شخص تھا۔ یروشلم کی نجات اُس کا فرض تھا۔[۱]

اِس نے لائنز کی کونسل میں پوپ اور شہنشاہ میں مصالحت کرانے کی مُخلصانہ کوشش کی لیکن اس کی مساعی بارآور نہ ہوئیں۔ بالآخر وہ پوپ انوسنٹ کی درپردہ سازش اور فریڈرک کے کھُلم کھُلا تمسخر کے باوجود عازم یروشلم ہُوا۔ اِدھر پوپ نے اٹلی کے صلیبیوں کو لوئیس کے ساتھ جانے سے روک دیا اور اُدھر فریڈرک نے سُلطانِ قاہرہ کو اس کی آمد کی اطلاع بھیج دی۔ فریڈرک نے جنیوا کے حاکم سے بحری بیڑا فراہم کرنے میں تاخیر کرنے کے لیے کہا۔ فریڈرک نے اِسی پر اکتفا نہ کی۔ اُس نے اِس کروسیڈ کی ناکامی کی اعلانیہ پیشگوئی بھی کر دی۔

لیکن لوئیس کا ارادہ متزلزل نہ ہُوا۔ اِس کے مزاج میں راہبانہ ثبات تھا اور اس کے گوشت پوست میں فرانسیسی شجاعت کا خُون گرم گردش کر رہا تھا۔ اِس عزم کا ثبوت یہ تھا کہ اٹھارہ سو بادبان نیلے سمندر پر رواں تھے۔ وہ بھی گاڈفرے ڈی بویوں کی طرح صاحبِ عزم و یقین تھا۔ ایسے یقین کا مالک جس سے اکثر معجزے رُونما ہوتے ہیں۔

پہلی مرتبہ ایک عظیم الشان کروسیڈ واحد قیادت کے ماتحت سرگرم عمل تھا۔ نہ شہنشاہ کے گماشتے اور نہ پوپ کے مُختار ہی لوئیس کو اِس راہ سے ہٹا سکتے تھے۔

---

[۱] اِس نے مصر کا رُخ اِس لیے کیا کہ اس کے فوجی مشیروں نے اِسے یہ یقین دلایا تھا کہ یروشلم کی فتح کے لیے قاہرہ کی تسخیر ضروری اور اوّلین شرط ہے۔ (مصنف)

۴۷

مُعجزہ

جب شاہی جہاز دمیاط کے ساحل پر لنگرانداز ہُوا تو آزمودہ کار ٹمپلروں اور شاہی امیروں کو محسوس ہُوا کہ مہربان مشیّت شاہ فرانس کی حفاظت کر رہی ہے۔ لوئیس نے ساحل کا جائزہ لیا اور پہلی مرتبہ بلادِ اسلامی پر نظر ڈالی۔ اس نے پوچھا "ساحل سے پرے ریت پر وہ سوار کون ہیں"؟

"بادشاہ سلامت، وہ مُسلمان ہیں"، اِسے جواب ملا۔

مشیروں نے مشورہ دیا کہ دُوسرے جہازوں کی آمد کا انتظار کیا جائے لیکن لوئیس نے ان کی رائے کی پروا نہ کی۔ اِس نے فرانس کے شاہی نشان کو فوراً ساحل پر اُتارنے کا حُکم دیا۔ نائٹوں نے سیڑھیاں اُتاریں اور چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل کا رُخ کیا۔ وہ کمر کمر گہرے پانی سے گزر کر ساحل پر جا پہنچے۔ بادشاہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے صفیں آراستہ کیں، ریت پر ڈھالیں گاڑ دیں اور نیزے تھام لیے۔ انہوں نے دشمن کے رسالے کے حملے کو پسپا کر دیا۔ نوابوں نے لوئیس کو دشمن کے خلاف اکیلے یورش کرنے سے

بمشکل بازرکھا۔ اِتنے میں گھوڑے بھی اُتار لیے گئے۔ نائٹ اور شجاع گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ فرانس کا شاہی پرچم بلند کیا گیا اور لوئیس آگے بڑھا۔ وُہ حیران رہ گئے کہ تمام ساحل سُنسان پڑا تھا اور دمیاط کے دروازے کُھلے تھے۔ منچلے نائٹ جو آگے بڑھنے کے بعد سوچنے کے عادی تھے حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہو نہ ہو اِس میں ضرور دُشمن کی کوئی چال ہے۔ چند گشتی دستے دمیاط میں داخل ہوئے۔ انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ مکان خالی ہیں، کُوچہ و بازار سامان سے اَٹے پڑے ہیں، گودام اور بازار جل رہے ہیں اور لوگ گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، مُسلمان فوج اور قلعہ دمیاط کا لشکر غائب ہے، نہروں پر کشتیوں کے پُل بھی سالم ہیں۔ اِن پُلوں کے ذریعے سے دمیاط کا اندرونی علاقے سے رابطہ قائم تھا[1]۔

لوئیس نے پادریوں کو حمد گانے کا حُکم دیا۔ پھر شاہی نشان فصیل شہر پر نصب کر دیا گیا۔ چشم زدن میں لوئیس کا اِس شہر پر قبضہ ہو گیا۔ جس کی فصیلوں سے، پہلے صلیبی ایک سال تک سر ٹکرا رہے تھے۔ لوئیس خوش ہُوا کہ یہ تائید ایزدی کی نشانی تھی لیکن جب نائٹوں نے لُوٹ مار شرُوع کر دی اور محلّات میں ڈیرے ڈال لیے تو لوئیس بہت برہم ہُوا۔ لوگ بدکاری اور عیّاشی میں مصروف ہو گئے۔ ژانول لکھتا ہے کہ میرے گھر سے جس طرف بھی

---

[1] مسلمانوں میں اچانک خوف و ہراس کی لہر پھیل گئی اور انہیں محض حماقت اور خوف کی وجہ سے دمیاط سے ہاتھ دھونے پڑے۔ امیر فخرالدین امدادی فوجوں کا سالار تھا۔ اِس نے ساحل سے قاہرہ کی طرف پسپا ہونے کا فیصلہ کیا۔ اِس کی غیر ضروری اور اچانک پسپائی سے دمیاط کی فوج جو بنو کنانہ پر مشتمل تھی خوفزدہ ہو گئی۔ بنو کنانہ نے دارالاسلحہ کو جلا دیا اور اس کے پیچھے پیچھے قاہرہ کی طرف بھاگے۔ اِس کے بعد شہر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ سپاہی اور شہری فصیلیں چھوڑ کر بھاگے۔ وہ شہر کے دروازے کھُلے چھوڑ گئے اور انہیں پُل برباد کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ سُلطان نے فخرالدین کو سخت سرزنش کی اور دمیاط کی سپاہ کے ۵۱ امیروں کو بطور سزا گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ (مصنّف)

پتھر پھینکا جاتا وہ ضرور چلّے میں جا کر گرتا۔

دمیاط کی معجزنما فتح کے بعد لوئیس نے اپنی سپاہ کی بدقماشی کا سدِّباب کرنے کی کوشش کی اور سیلاب کا موسم گزرنے کا منتظر رہا۔ پھر اس نے آئندہ اقدام طے کرنے کے لیے مجلس مشاورت طلب کی۔ لوئیس ہمیشہ راضی برضا رہتا۔ اِس نے کئی سال قتال و جدال میں گزارے تھے۔ اِس لیے وہ اپنے سالاروں کی رائے پر بھروسا کرتا۔

مجلس مشاورت میں اس کے تینوں نامور بھائی شامل تھے۔ یعنی الفانسی آف پوشیرز، منجلا رابرٹ اور کاؤنٹ آف اوتائس۔ اِن کے علاوہ خاموش اور متین چارلس آف آنجو بھی وہاں تھا۔ وُہ دیوہیکل بہادر بڑا طاقتور اور اولوالعزم تھا۔ وُہ ہر وقت اپنے عزائم میں کھویا رہتا اور رات کو اسے نیند بھی کم آتی تھی۔ اِس مشاورت میں کئی مشہور بہادر بھی شریک تھے۔ مثلاً ڈی بوجو کانسٹیبل آف فرانس، ٹمپلروں کا ماسٹر ڈی سناک، ولیم لانگ ووڈ اور انگریزی لشکر کا سردار ارل آف سالسبری۔ یہ لوگ آزمودہ کار سالار، فرنا منٹوں کے ہیرو اور جنگوں کے فاتح تھے۔ غرضیکہ فرانسیسی شجاعت کے عمائدین وہاں جمع تھے۔

کاؤنٹ آف ارتائس فی الفور قاہرہ پر چڑھائی کر کے مسلمان فوج کو تباہ کرنے کے حق میں تھا۔ "سانپ مارنے کے لیے پہلے اِس کا سر کچلنا چاہیے"۔

لیکن محتاط قسم کے سرداروں کی رائے اِس سے مختلف تھی۔ وہ ساحل مصر اور سکندریہ کی بندرگاہ پر قبضہ کرنے کے حق میں تھے۔ ڈی سناک اور لانگ ووڈ کو مشرق کی لڑائی کا تجربہ تھا اِس لیے وُہ خاموش رہے۔ اِس وقت حالات سازگار تھے۔ عیسائی فوج ۲۰ ہزار اعلےٰ سواروں اور چالیس ہزار مسلح پیادوں پر مشتمل تھی۔ فرانسیسی فوج حملے کی شیر تھی۔ اِس کے علاوہ اِنہیں یہ افواہیں بھی پہنچی تھیں کہ سلطان فوت ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی فوج میں بدنظمی پھیل گئی ہے۔

قسمت نے یاوری کی۔ ان کی صورت حال پہلے مصری کروسیڈ کے صلیبیوں سے مشابہ

تھی جب ۳۳ سال پہلے جان آف برین اور پلیجیس نے دمیاط پر قبضہ کیا تھا۔ وہ زیادہ محتاط تھے اِس لیے دریائے نیل کی طغیانی کا موسم گزرنے کے منتظر رہے۔ لوئیس نے مجلس مشاورت میں مختلف لوگوں کی آراء سُنیں اور اپنے بھائی کاؤنٹ آف اوتائس سے اتفاق کیا۔

دمیاط میں ایک زبردست لشکر متعین کیا گیا۔ ملکہ مارگریٹ اور فرانسیسی امراء کی بیگمات کو دریا میں لنگر انداز جہازوں پر منتقل کر دیا گیا تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ اِن انتظامات کے بعد شاہی پرچم کھولا گیا اور فرانسیسی فوج دریائے نیل کے بہاؤ کے مخالف سمت بڑھی۔ وہ اپنے صلیبی پیش روؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منصورہ جا پہنچے، یہاں نیل کی ایک شاخ پر مسلمانوں کی فوج ان کی منتظر تھی۔ خاکستری پانی کے کنارے دوبارہ صلیبی خیمے نصب کیے گئے۔ یہ آبنائے منصورہ کے درمیان حائل تھی اور منصورہ پر پہنچنے کے لیے اِس پر پُل بنانا ضروری تھا اِس کے عین مقابل مملوکوں کی بارکیں تھیں لیکن اب حالات مُختلف تھے۔ لوئیس کی جمعیت زیادہ تھی۔ اسلحہ فراواں تھا۔ راستے میں کئی جھڑپوں میں انہیں کامیابی ہوئی تھی۔ جس سے اِن کے حوصلے بلند تھے۔ لوئیس کو یقین تھا کہ اب اگر وہ پُل بنا کر اپنی فوج کو منظم طریقے سے پار اُتارنے میں کامیاب ہو جائے تو نفاق زدہ مملوک فوج اِس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکے گی۔ اِس منصوبے کی کامیابی میں صرف تین مُشکلات تھیں مملوکوں کا بَرتر دریائی بیڑا، اِن کے جنگی انجن اور دریا کا پاٹ۔ کئی ہفتوں تک فرانس کے قرمزی جھنڈے کی یلغار اِن مُشکلات کی وجہ سے رُکی رہی۔ فرانسیسی فوج دریا عبور کرنے کے لیے گودی بنانے میں مصروف ہو گئی۔ انہوں نے گودی پر کام کرنے والے سپاہیوں کو دُشمن کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے لکڑی کے چھپّر بنائے اور ان کے ساتھ ہی بھاری سنگبار آلات نصب کر دیے۔

وُہ دریا کا کنارا کھود کر گودی بنانے میں مصروف تھے کہ مخالف سمت سے مُسلمانوں نے شعلہ بار اور آتش ریز مشینوں سے فرانسیسی منجنیقوں کو تہس نہس کر دیا۔ ژانول نے

آتشِ نفت پہلی مرتبہ دیکھی تھی، وہ سخت خوفزدہ ہُوا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"یُونانی آگ ایک بڑے پیپے کی طرح تھی جس کی روشن دم ایک نیزہ لمبی تھی۔ وہ رعد کی طرح کڑکتی اور پرّاں اژدہے کے مُشابہ تھی۔ رات کو اس کی روشنی اس قدر تیز ہوتی کہ ہم اپنے کیمپ میں ساری چیزوں کو یُوں صاف طور پر دیکھ سکتے تھے۔ جیسے کہ دن کی روشنی میں"۔

واقعی اِس آتشِ پرّاں سے ڈرنے کی معقول وجہ تھی۔ جب یہ زمین پر گرتی تو بڑے اژدہے کی طرح پھنکارنے لگتی اور اسے بُجھانا ممکن نہ ہوتا۔ اِس رات ژانول منجنیقوں پر متعیّن تھا۔ اِنہیں چھوڑ کر بھاگنا باعثِ شرم تھا اور ان میں ٹھہرنا جتا میں جل مرنے کے مترادف فرانسیسی فوج نے اپنی منجنیقوں کے اِردگرد مٹّی کے پُشتے بنا دیے اور مُسلمانوں کو دِق کرنے کے لیے گودی کے سرے پر مورچہ بنا کر گرزانداز مقرّر کر دیے، لیکن مملوک انجینئروں نے ان کی تمام تدابیر ناکام بنا دیں۔ اِنہوں نے بیک وقت گولوں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ فرانسیسی منجنیقیں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ اس دن ژانول پہرے پر متعیّن نہ تھا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اس دن کاؤنٹ آف آنجو منجنیقوں کی حفاظت پر متعیّن تھا۔ یہ آتشباری دیکھ کر وہ فرطِ غضب سے دیوانہ سا ہو گیا۔ مَیں نے اور میرے نائٹوں نے خُدا کا شکر ادا کیا کہ اس رات ہم منجنیقوں میں نہ تھے۔ ورنہ ہم سب جل مَرتے"۔

لوئیس نے جہازوں کے شہتیر اُکھڑوا کر منگوائے۔ اِس طرح کئی جہاز نکمّے ہو گئے۔ منجنیقیں دوبارہ بنائی گئیں۔ اپنے بھائی کاؤنٹ آف آنجو کی جُرأت ظاہر کرنے کے لیے لوئیس نے منجنیقوں کو دوبارہ اِس کے سپرد کر دیا اور مسلمانوں نے دوبارہ اِن منجنیقوں کو تباہ کر دیا۔ پہلے انہوں نے فرانسیسی سپاہیوں کو آتش باری اور تیروں کی بوچھاڑ سے پیچھے دھکیل دیا اور پھر منجنیقوں کو جلا دیا۔ کاؤنٹ آف آنجو کے بے سُود

غیظ و غضب کا حال تو کسی نے بیان نہیں کیا البتہ ژانول اور اس کے نائٹ خوش تھے کہ ان کی جان پھر بچ گئی ۔

لوئیس نے مشاورتی کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ اس کے بعد منجنیقیں کبھی دیکھنے میں نہ آئیں۔ فرانسیسی انجینئر مسلمانوں کے حریف نہیں ہو سکتے تھے۔ اس اثنا میں ڈی یبجو اور ٹمپلروں نے دریا پار کرنے کی ایک اور تدبیر سوچ لی۔ انہوں نے ایک بدو کی خدمات حاصل کر لیں۔ اس نے قسم کھائی اور انہیں منصورہ سے نچلی طرف ایک گھاٹ سے پار لے جانے کا وعدہ کیا۔ اس گھاٹ سے سوار آسانی سے دریا عبور کر سکتے ہیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس تدبیر کو آزمایا جائے ۔

اس وقت قاہرہ میں پریشانی کا عالم تھا۔ لوگ طرح طرح کی سرگوشیاں کر رہے تھے۔ عزلت پسند معمر سلطان ایوب کئی دن سے نظر نہیں آیا تھا۔ وہ شہنشاہ فریڈرک کا دوست تھا، اس نے خوارزمی ترکوں کو زیر کیا تھا۔ اور سفید فام بحری مملوکوں کو قابو میں رکھا ہوا تھا۔ کچھ عرصے سے وہ علیل تھا اور اب اس کا وقت آن پہنچا تھا۔ کئی دن سے وہ نہ دیوان میں نظر آیا تھا نہ گلستان میں۔ یہ افواہ مشہور تھی کہ وہ مر چکا ہے لیکن اس کی موت کا کوئی ثبوت نہیں تھا کیونکہ مملوک سردار بدستور ایوانِ شاہی کے سامنے گھوڑوں سے اترتے اور شرف باریابی حاصل کرتے۔ عرضداشتیں بدستور اس کے نام روانہ کی جاتی تھیں اور ضروری کاغذات پر باقاعدہ اس کے دستخط موجود ہوتے تھے۔ فرامین اسی کے نام سے صادر ہوتے۔ محل پر اخفا کا دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس نازک مرحلے پر محل نے انتہائی رازداری سے کام لیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ راز مملوک سرداروں کو معلوم تھا، حبشی خواجہ سراؤں کو معلوم تھا، داروغہ محل کو معلوم تھا لیکن قاہرہ کے عوام کو یہ معلوم نہ تھا کہ سلطان اپنی لحد میں سو چکا ہے۔ اور ایک جوان کنیز تخت پر بیٹھی کاروبارِ حکومت چلا رہی ہے۔ اس خوبصورت کنیز کا نام شجرۃ الدرّ تھا۔ وہ بوڑھے

اور جرّی مملوک سرداروں کو حکم دیتی۔ علی بیگ کرد اور ریگٹ چشم بیبارس بھی اس کے احکام کے پابند تھے۔ وہ سرکاری فرامین پر دستخط کرتی اور انہیں سلطان ایوب کی مہر سے بند کرتی۔ وہ افواہیں سن کر ہنس دیتی، وہ مملوک سرداروں سے خوش مذاقی سے کام نکالتی اور محل کے غلاموں اور کنیزوں کو اپنے عتاب سے لرزاں و ترساں رکھتی ۔

اصلی حکمران وہ تھی۔ قاہرہ کے بازاروں میں پھیلی ہوئی ہر افواہ پر توجہ دیتی اور ہر سازش کی ٹوہ رکھتی۔ اس نے اپنی فراست اور حوصلہ مندی سے محل میں امن و امان قائم رکھا اور مروجہ دستورِ سلطانی میں کوئی خلل واقع نہ ہونے دیا۔ اس نے فرانک حملہ آوروں کے خلاف بڑی دلیری سے جنگ جاری رکھی۔ علی بیگ کرد اس پر شیدا تھا، اس نے اُس سے شادی کا وعدہ کر لیا۔ اِدھر بیبارس پلنگ کی سالم آنکھ میں بھی شوق کی جھلک نمایاں تھی۔ وہ بھی ایک ہی کائیاں تھی۔ اس نے بیبارس سے ان عدوں کو چھپائے رکھا جو وہ کرد سردار سے کر چکی تھی۔ وہ محاصل جمع اور خفیہ طور پر خزانے سے ہیرے اور جواہرات بیچ بیچ کر مملوک فوجوں کے لیے غلّہ اور سامانِ رسد فراہم کرتی رہی۔ مملوک سرداروں کی ریشہ دوانیوں کا تدارک وہ اپنی گہری فراست اور حاضر دماغی سے کر لیتی۔ تھوڑی مدت کے بعد لوگ اسے ملکۃ المسلمین کہہ کر خطاب کرنے لگے ۔

شجرۃ الدر بڑی کامیاب حکمران تھی۔ وہ لوگوں کے سامنے بے نقاب ہو کر نہیں جا سکتی تھی۔ جب منصورہ میں فرانسیسی نائٹوں کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو ان کا یہ خیال تھا کہ ہم کسی معمولی لڑکی کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ لیکن سراپردۂ حرم کے پیچھے خوبصورت شجرۃ الدر کی حنا آلود سرخ انگلیاں سرکاری دستاویزوں سے کھیلتیں۔ اس کی بھوری آنکھیں فکر میں ڈوب جاتیں اور وہ سوچنے لگتی اگر مملوک سردار ان نصرانیوں پر فتح حاصل کر لیں تو شاید میں واقعی مصر کی ملکہ

بن سکوں اور اگر مملوکوں کو زک پہنچی تو مجھے بھی اس کنیز کی طرح نکال دیا جائے گا جس کے حسن کی قندیل بجھ چکی ہو ۔

وہ منتظر رہی۔ ایک دن فروری میں باب النصر کے اوپر قاصد کبوتر پکڑا گیا۔ پیغام میں درج تھا "اہلِ اسلام حیف کہ فرانک دریا پار کر کے آ گئے ہیں انہوں نے فخرالدین کو قتل کر دیا ہے اور مسلمانوں کے کیمپ پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں" ۔

۴۸

سہ شنبہ کی جنگ[۱]

اس دن فجر سے پہلے ہی سینٹ لوئیس اور فرانسیسی نواب مسلح ہو کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ کیمپ میں ابھی اندھیرا تھا۔ فوج ڈیوک آف برگنڈی کی سرکردگی میں روانہ ہوئی۔ شامی نائٹ بھی ہمراہ تھے۔ مقدمۃ الجیش میں ٹمپلروں کے ساتھ ڈی بیجو تھا۔ بدوی رہبران کے آگے آگے تھا۔ ابھی تک دھند پھیلی ہوئی تھی۔ وہ گھاٹ کی تلاش میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے جا رہے تھے ٹمپلروں کے پیچھے پیچھے رسالے کی جمعیت کاؤنٹ آف ارٹائس کے ماتحت رواں تھی۔ تیراندازوں کی رجمنٹ ان کے بعد میں تھی۔ بادشاہ نے

لہ یہ لڑائی عیسائیوں کے روزے شروع ہونے سے ایک دن پہلے منگل کے دن ہوئی تھی۔ عیسائیوں کے چالیس دن کے روزے لینٹ کہلاتے ہیں اور بدھ کے دن سے شروع ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے منگل کے دن لوگ گرجوں میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اس لیے یہ منگل کا دن خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اسے (SHROVE TUESDAY) کہتے ہیں۔ چونکہ اردو میں اس مذہبی رسم کے لیے جامع اصطلاح موجود نہیں مترجم نے اس کے لیے "سہ شنبہ" کے نام پر اکتفا کیا ہے۔ (مترجم)

حملہ آور دستوں کی کمان خود سنبھال لی تھی۔ وہ دریا کے گیلے کناروں کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے ٭

یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ٹمپلر اور کاؤنٹ آف ارتائس گھاٹ کے پار جا کر مسلمانوں کی مزاحمت کو منتشر کر دیں گے۔ پھر وہ اتنی دیر تک اپنی جگہ ڈٹے رہیں گے جتنی دیر تک بادشاہ کا رسالہ پار اُتر کر دوبارہ منظم نہیں ہو جاتا۔ اس کے بعد منصورہ کی طرف پیش قدمی شروع کی جائے گی، پیادہ فوج کیمپ میں رہے گی اور گودی مکمل کر کے رسالے سے رابطہ قائم کرے گی ٭

یہ تھا منصوبہ۔ قسمت نے یہاں بھی یاوری کی جیسے دمیاط میں کی تھی۔ بدوی نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ دریا کی سطح پر ابھی تک دھند پھیلی ہوئی تھی کہ مقدمۃ الجیش کے گھوڑے منجدھار کے گدلے پانی سے پار دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ یہ گھاٹ گدلے پانی کی وجہ سے ابھی تک ان سے پنہاں رہا تھا ٭

جب ٹمپلر بھی دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تو مسلمان پہرہ داروں کو خبر ہوئی۔ ان کی تعداد چند سو تھی۔ وہ نائٹوں کے حملے سے پیشتر ہی اپنی چوکی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ٹمپلر دریا کے کنارے پر ڈٹے رہے اور ارتائس کی فوج جلدی سے دریا کے پار پہنچ گئی۔ لانگزوڈ کی سرکردگی میں انگریز دستے بھی ان کے ساتھ تھے۔ تقریباً چودہ سو سوار مقابل کے کنارے پر اُتر چکے تھے ٭

اب رابرٹ آف ارتائس نے من مانی کی۔ جب اس نے مسلمان محافظوں کو منصورہ کے باغات کی طرف بھاگتے دیکھا تو اپنے دستوں کو حکم دیا کہ ٹمپلروں کے پاس سے گزرتے ہوئے دشمن کا تعاقب کرو ٭

"آگے بڑھو ——— آگے ———" اس نے حکم دیا۔

اس کے نائٹوں نے نعرہ بلند کیا اور باگیں اُٹھائی ہی تھیں کہ ٹمپلروں کا سردار

سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آپہنچا۔ اِس نے ارتائس کے گھوڑے کی لگامیں تھامتے ہوئے کہا:۔ "میرے آقا۔ بادشاہ کے حُکم کا خیال کیجیے۔ ہمیں یہاں متحد رہنا چاہیے۔" "تو پھر آپ تعمیل کریں مَیں تو دشمن کو نہیں چھوڑ سکتا۔" ارتائس نے جواب دیا۔ انگریزی سپاہ کے سردار ارل آف لانگز وڈ نے کہا" میرے آقا دشمن کی فوج بہت دُور ہے۔ اگر ہم یہاں سے آگے بڑھے تو کبھی واپس نہیں آئیں گے۔" اِس پر کاؤنٹ آف ارتائس کی آتشیں طبیعت بھڑک اُٹھی "تم دُم کٹے انگریز واقعی بڑے بہادر پھسڈی ہو" ؛

ارل آف سالسبری یہ گالی برداشت نہ کرسکا اِس نے خشمناک لہجے میں کہا۔ "کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ جہاں تم گئے وہاں ہم نہ تھے" یہ کہہ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو پکارا اب ڈی رُسناک نے بھی ٹمپلروں کو بڑھنے کا حُکم دیا۔ گرم مزاج اور کم نظر ارتائس فرانسیسی نائٹوں کی قیادت میں سب سے آگے تھا۔ وُہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے مسلمانوں کے خیموں سے گزر کر منصورہ کے بازاروں میں گھس گئے۔ جونہی کوئی دستہ دریا کے کنارے پر نمودار ہوتا وُہ اپنے پیشروؤں کی طرح سرپٹ بھاگتا ہُوا خیموں کا رُخ کرتا۔ اِس طرح سارے میدان میں غیر منظّم فوجی دستے پھیل گئے۔ فرانسیسی، ٹمپلر اور انگریز۔ سب ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں تھے، یہ واقعی نہایت دلیرانہ لیکن نہایت مُہلک حملہ تھا ؛

ایک گھنٹے تک تو حملہ آور دشمن کو دھکیلتے چلے گئے۔ اور کوئی بھی اُن کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا۔ مملوک جلدی سے اپنی بارکوں سے نکلے۔ اور اپنی صف بندی بھی نہ کر سکے تھے کہ صلیبی ان پر ٹوٹ پڑے۔ کئی مملوک گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگے اور کئی نے مُختلف عمارتوں میں پناہ لی اُس وقت امیر فخرالدین حمام میں تھا اور حجام اس کی داڑھی کو مہندی لگا رہا تھا۔ وُہ ویسے ہی ننگ دھڑنگ گھوڑے پر بیٹھ کر بھاگا۔ ادھر سے چند صلیبیوں نے اِسے آلیا اور مار گرایا ؛

بالآخر صلیبیوں کا حملہ مسلمانوں کے خیموں میں پُہنچ کر سُست پڑ گیا۔ گھوڑے خیموں کی طنابوں میں اُلجھنے لگے اور ادھر سے مُسلمان تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ صلیبیوں کے چند دستے بھاگتے ہوئے مملوکوں کے تعاقب میں منصورہ کی گلیوں اور بازاروں میں گھُس گئے۔ اور وہاں سے چند ایک سرپٹ گھوڑے دَوڑاتے ہوئے قاہرہ کی سڑک پر نکل گئے لیکن صلیبی رسالے کی غالب جمعیّت شہر کی گلیوں اور بازاروں میں پھنس کر رہ گئی۔ ان کے راستے مسدُود کر دیے گئے۔ وُہ پُر پیچ گلیوں میں اپنے زرہ پوش تازی گھوڑوں کو مہمیز لگاتے ہوئے بڑھتے تو بند گلیوں میں جا رُکتے یا کسی کھُلے صحن میں مُشتعل مسلمانوں کے ہجوم میں گھر کر رہ جاتے۔ اُدھر سیاہ فام مملوک مکانوں کی چھتوں پر نمودار ہونے لگے۔ وہ صلیبیوں کے نیزوں کی مار سے دُور تھے۔ مملوک اُن پر خوفناک گرز اور تیر برسانے لگے چھتوں سے لوگ بھاری پتّھر اور مرتبان گرانے لگے جن سے صلیبیوں کی ڈھالیں اور خود پھٹ جاتے اور وُہ گر جاتے۔ اُدھر تیر انداز گھوڑوں کو نشانہ بنانے لگے۔ صلیبی سوار پیادوں کی حمایت سے محروم تھے۔ انہیں گھوڑوں سے اُتر کر مزاحمت کرنے کی جُرأت نہ تھی۔

بالآخر مُختلف بازاروں اور گلیوں میں صلیبیوں کے گروہ متحد ہو کر لڑنے لگے اور لڑائی نے دست بدست جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ مملوکوں کو شہر کے کونے کونے کا پتا تھا۔ صلیبی سوار ان کے مقابلے میں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔

ولیم آف لانگزوڈ، ارل آف سالسبری اپنے قول کا پکّا تھا۔ وُہ ننگی شمشیر سے دُشمن کی صفوں میں سے راستہ بناتا ہُوا اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ ٹمپلر اپنی جگہ ڈٹے رہے ان کے ذہن میں پسپائی کا خیال نہ تھا۔ تین سو ٹمپلر اور سارے سوار تیر انداز منصورہ کے بازاروں میں مقتول ہوئے۔

اس اثنا میں جنگ شہر اور کیمپ سے پرے میدان میں پھیل چکی تھی کاؤنٹ آف پوشیرز

معرکے میں شامل تھا۔ یہ جنگ دست بدست جنگ کی گوناگوں شکل اختیار کر گئی۔ چھوٹے چھوٹے گروہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھے۔ صلیبی دستے منتشر ہو چکے تھے اور اپنے اپنے علم چھوڑ کر سارے میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس افراتفری کے عالم میں "یک چشم پلنگ" بحری مملوکوں کے ساتھ عرصہ کارزار میں کود پڑا۔ اس کے بروقت جوابی حملے سے ان فرانسیسی نائٹوں کی راہ مراجعت مسدود ہو گئی جو قاہرہ کی سڑک پر نکل گئے تھے۔ چند ایک منصورہ پہنچے لیکن پھر شہر سے نہ نکل سکے۔ کاؤنٹ آف آرٹائس اور لارڈ آف کوسی مسلمانوں کے نرغے میں پھنس کر ہلاک ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ژانویل حملہ آوروں کی پہلی لہر میں تھا۔ بادشاہ کے ساتھ جو کچھ گزری اب اُس کے الفاظ میں سنیے:[1]

"اتفاق سے میں اپنے نائٹوں سمیت عربوں کی صفوں میں آرام سے گزر گیا۔ ان کی تعداد غالباً چھ ہزار تھی۔ وہ اپنے ٹھکانے چھوڑ کر میدان میں بڑھ آئے تھے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ہم اپنی جمعیت سے علیحدہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے بڑی بے جگری سے حملہ کر کے میری کمپنی کے علمبردار سر ہیوڈی ٹرشیٹل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے سر راؤل ڈی وانن کو گھوڑے سے گرا دیا اور اسیر کر لیا۔ وہ اسے لیے جا رہے تھے تو ہم نے دیکھ لیا۔ ہم گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کی مدد کو جا پہنچے۔ انہوں نے میرے سر پر ایسی خوفناک ضربیں لگائیں کہ میرا گھوڑا بیٹھ گیا اور میں چکرا کر سر کے بل گر پڑا۔ میں نے

---

[1] جب مصنف روم میں یہ کتاب لکھنے میں معروف تھا اسے ژانویل کا اصل کیس دستیاب نہ ہو سکا۔ اور اسے اُس کے ترجمے پر اکتفا کرنی پڑی جو بوہن نے کیا تھا۔ اس ترجمے کا نام تذکرہ محاربات صلیبی (CHRONICLES OF THE CRUSADES) ہے۔

بوہن کا ترجمہ ڈی ویلی کے ژانویل کے پرانے ایڈیشن پر مبنی ہے۔ بوہن نے اس ترجمے میں تلخیص و تالیف سے کام لیا ہے۔ (مصنف)

اپنا سینہ ڈھال سے ڈھانپ لیا اور اپنی تلوار سنبھال لی۔ اِتنے میں لارڈ ایرات ڈی سیری جسے خُدا غریقِ رحمت کرے ___ میری طرف آیا۔ دُشمن نے اُسے بھی گھوڑے سے گرا دیا تھا۔ ہم دونوں ایک مکان کے کھنڈر میں چھُپ کر بادشاہ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اِسی اثنا مجھے اپنا گھوڑا بھی مِل گیا۔

ہم اس مکان کی طرف جا ہی رہے تھے کہ چند تُرک سوار سرپٹ گھوڑے دَوڑاتے ہوئے لپکے لیکن ہمارے ساتھیوں کے ایک گروہ کی طرف مُڑ گئے۔ پاس سے گزرتے ہوئے اُنہوں نے مجھے دوبارہ مار گرایا اور میری گردن سے ڈھال چھین کر لے گئے۔ وہ مجھے مُردہ سمجھ کر میرے اُوپر سے گھوڑے دَوڑاتے ہوئے گزُرے۔ مَیں نیم مُردہ ہو چکا تھا۔

اُن کے جانے کے بعد میرے ساتھی سر ایرات نے مجھے اُٹھایا اور ایک شکستہ مکان میں لے گیا۔ وہاں سر ہیو ڈی اسکاس، سر فریز ڈی لوُپی، سر ریجنالٹ ڈی مینن کورٹ اور کئی نائٹ ملے۔ ترکوں نے ہمیں یہاں بھی نہ چھوڑا۔ وُہ شکستہ دیواروں سے اندر گھُس آئے اور ہمیں نیزوں سے چھید ڈالا۔ میرے نائٹوں نے مجھے میرا گھوڑا لا دیا۔ میں اس کی لگامیں پکڑ لیں کہ کہیں وہ پھر نہ بھاگ جائے۔

سر ہیو ڈی اسکاس کے چہرے اور جسم پر نیزوں کے تین زخم تھے۔ سر راؤل اور سر فیریز کے کندھے بُری طرح سے مجروح تھے۔ جن سے خُون یُوں اُبل رہا تھا جیسے شراب کے مشکوں سے شراب بہہ رہی ہو۔ تلوار کی ضرب سے سر ایرات کی ناک کٹ کر مُنہ پر لٹک آئی تھی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"جناب شاید آپ سمجھیں کہ مَیں نے خود کو بچانے کے لیے یہ کیا ہے۔ اِسی لیے تو مَیں اپنے آقا کاؤنٹ آف آنجو کے پاس جا رہا ہوں تا کہ آپ کے لیے فوراً کمک آ جائے"۔

"مجھے خوشی اور فخر ہو گا سر ایرات اگر آپ ہمارے لیے امداد لا سکیں۔ آپ کی زندگی بھی خطرے میں ہے"۔ مَیں نے اِس کی تسکین خاطر کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مر گیا۔

سب متفق تھے کہ اُسے جاکر امداد طلب کرنی چاہیے۔ وہ کاؤنٹ آف آنجو کی طرف بھاگا۔ آنجو کے ساتھ ایک معزز لارڈ تھا جو اسے روکنا چاہتا تھا لیکن نیک دل کاؤنٹ چارلس آف آنجو نے اِس کی کوئی پروانہ کی۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ سرپٹ ہماری طرف بڑھا، اسے آتا دیکھ کر مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔

تھوڑی دیر بعد مَیں نے بادشاہ کو دیکھا۔ بگلوں کے شور میں وہ اپنے مصاحبوں سمیت میدان میں نمودار ہُوا۔

اس نے ٹیلے پر کھڑے ہوکر کوئی حُکم دیا۔ یقین جانیے مَیں نے کبھی اتنے خُوبرو آدمی کو میدانِ جنگ میں نہیں دیکھا۔ بلند قامت بادشاہ سارے لشکر میں نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کے طلائی خود پر سوسن کے دو سفید پھُول[1] جھلملا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں لمبی جرمن تلوار تھی۔ اسے دیکھ کر میرا اور میرے نائٹوں کا حوصلہ بلند ہوگیا۔ زخموں سے چُور ہونے کے باوجود ہم اس کے ساتھ میدان کارزار میں کُود پڑنے کے لیے تیار تھے۔ ایک اسکوائر میرا فلیمش گھوڑا لے آیا۔ مَیں سوار ہو کر بادشاہ کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ سرجان ڈی ویری جیسا تجربہ کار امیر بادشاہ کے ہمرکاب تھا۔ اِس نے دیکھا کہ بادشاہ لڑائی میں شریک ہونا چاہتا ہے تو اس نے مشورہ دیا کہ آپ دائیں طرف سے بڑھیے۔ ڈیوک آف برگنڈی کا لشکر اور کیمپ کی باقی ماندہ فوج بھی بطور امدادی فوج کے آپ کے ساتھ ہونی چاہیے۔

اب[2] سخت گرمی ہے دریا پر فوج کو پیاس بجھانے کے لیے پانی میسّر ہوگا۔

ہم اِن انتظامات میں مصروف تھے کہ سر ہمبرٹ ڈی بیجو کانسٹیبل آف فرانس آن پہنچا۔

---

[1] سفید سوسن کے پھُول فرانسیسی بادشاہوں کا نشان خاص تھا۔ (مترجم)

[2] اب سارا فرانسیسی رسالہ گھاٹ سے دریا کے پار اُتر چکا تھا۔ اِس نے منصورہ پہنچنے کے لیے نیم دائرے میں چکر کاٹا۔ اِس طرح وہ اپنے کیمپ اور اس گوندی کے مقابل پہنچ گئے جو پیادہ فوج دریا کے پاٹ کے آخری حصّے میں بنا رہی تھی۔ اِنہیں گوندی سے گزر کر رسالے کی مدد کو پہنچنا تھا۔ (مصنّف)

اس نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کا بھائی کاؤنٹ آف ارتائس منصورہ کے ایک مکان میں گھِر گیا ہے اور بادشاہ سے فوری اعانت کا طلبگار ہے "کانسٹیبل گھوڑے کو مہمیز لگاؤ اور بڑھو۔ مَیں تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں"۔

ہم سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے منصورہ کی طرف بڑھے اور سیدھے تُرکی فوج میں گھُس گئے۔ ہم تُرکی فوج کی کثیر جمعیت میں ایک دُوسرے سے علیحدہ ہو گئے مَیں کانسٹیبل کے ہمراہ تھا کہ اتنے میں ایک سارجنٹ آیا اور کہا کہ بادشاہ تُرکوں کے نرغے میں پھنس گیا ہے اور اسے سخت خطرہ درپیش ہے۔ ہم نے حیرت اور خوف سے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اُسے گھِرا ہُوا پایا۔ ہمارے اور بادشاہ کے درمیان سینکڑوں تُرک حائل تھے اور ہماری تعداد صرف چھ تھی۔ مَیں نے کانسٹیبل سے کہا کہ ہم ان سے گزر کر کبھی نہیں جا سکتے ہمیں ان کے گرد چکر کاٹ کر جانا چاہیے۔ ہم نے یہی کیا اور سڑک کے کنارے ایک گہری کھائی سے ہوتے ہوئے پہنچ گئے۔ تُرک بادشاہ کے محافظ دستوں سے برسرِ پیکار تھے۔ اِس لیے غالباً انہوں نے ہمیں نہ دیکھا، یا دُور سے ہمیں بھی تُرک سمجھا۔ دریا کے قریب پہنچ کر ہم اِس گہری کھائی سے نکلے۔ بادشاہ بھی پسپا ہو کر وہاں پہنچ چکا تھا اور تُرک اِس پر یُورش کر رہے تھے۔ دُشمن کی تلواروں اور گُرزوں کی کاری ضربوں سے ہماری حالت نہایت خستہ ہو گئی —— چند آدمیوں نے گھوڑوں پر دریا پار کر کے ڈیوک آف برگنڈی تک پہنچنے کی ناکام کوشش کی۔ خستہ گھوڑے منجدھار میں بہہ گئے اور ہم نے ڈھالیں گھوڑے اور آدمی دریا میں ڈوبتے دیکھے۔

آپ کو میری بات پر یقین کرنا چاہیے کہ ہمارے اچھے بادشاہ نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے جو مَیں نے کبھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھے۔ جہاں بھی اسے اپنے آدمی خطرے میں نظر آتے، وہ بے خطر کود پڑتا اور تیر و تلوار سے ایسے زبردست وار کرتا کہ لوگ عش عش کر اُٹھتے۔

ایک چھوٹا سا پُل قریب تھا میں نے کانسٹیبل سے کہا کہ ہمیں اس کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ اس جانب سے بادشاہ پر حملہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔

تھوڑی دیر بعد پیٹر کاؤنٹ آف برٹینی بھی آ گیا۔ وہ پست قد مگر مضبوط گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کی لگامیں کٹ چکی تھیں۔ تُرک اس کے سر پر آن پہنچے تھے۔ اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے بمشکل زین کے گدّے کو دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔ اِس کے مُنہ پر گہرا زخم تھا جس سے خُون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ لیکن وہ خائف نہ تھا۔ وہ کئی مرتبہ تُرکوں کی طرف مُڑا اور ان پر پھبتیاں کسیں۔ وہ ہمیں دیکھ کر چلّایا:

"بخدا! ذرا میرے خدمتگار تو دیکھو۔"

کانسٹیبل نے مجھے حُکم دیا کہ پُل کی حفاظت کرو، میں کمک لانے جا رہا ہوں، یہاں سے ہرگز نہ ٹلنا۔ میں خاموشی سے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ میرے دائیں پہلو میں میرا عم زاد بھائی سر ژاں ڈی سوزوں اور بائیں جانب سر پیرے ڈی نوئمی تھا۔ ہم یُوں کھڑے تھے کہ بادشاہ کی سمت سے ایک تُرک سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہُوا آیا۔ اس نے اپنے تبر سے سر پیرے کی پُشت پر ایسا زوردار ہاتھ مارا کہ وہ گھوڑے کی ایال پر گر پڑا۔ وہ تُرک دریا پار کر کے اپنی فوج میں جا ملا۔ درحصل اِس کا خیال تھا کہ ہم اس کے تعاقب میں اپنا ٹھکانہ چھوڑ دیں گے اور اس کے ساتھی پُل پر قبضہ کر لیں گے لیکن ہم اپنے ٹھکانے سے نہ ہٹے۔ ہمارے سامنے کچھ فاصلے پر بادشاہ کے نقیب گلیم ڈی بران اور ژاں ڈی گیمانسز تھے۔ تُرک پیادے اِن کے گرد جمع تھے اور اُنہیں بھاری پتھروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔

بالآخر وہ ایک باجی تُرک کو لے آئے۔ اُس نے ان پر تین بار آتش نفت[1] برسائی

---

[1] عیسائی نائٹ آتش نفت اور گولوں کے اِستعمال کو غیر شریفانہ سمجھتے تھے۔ سینٹ لوئیس کے ہم عصر فرانسیسی شولیئر تو گزدار کمان اور لمبی کمان کا استعمال بھی خلاف شان اور معیوب جانتے۔ وہ صرف تلوار اور نیزے کو شجاعانہ اور شریفانہ ہتھیار مانتے۔ ژائول کے دسلسلہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۵۲۱)

جس سے گلوم ڈی بران کے جامے کو آگ لگ گئی جو اس نے زرہ کے اُوپر پہن رکھا تھا۔ ایک مرتبہ تو گلوم نے آتشیں گھڑے کو اپنی ڈھال پر روک لیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے کپڑوں کو آگ لگ جاتی اور وہ جل جاتا ؀

تُرکوں کے جو تیر اور پتھر سار جنٹوں کو نہ لگتے وہ ہمیں آ لگتے۔ خوش قسمتی سے مجھے کسی تُرک کا لحاف نما چُغہ مل گیا جو کسی کھُردرے کپڑے کا بنا ہُوا تھا۔ مَیں نے اِس چُغے کا گریبان اندر کی طرف کر کے اس کی ڈھال سی بنالی جس نے مجھے بڑا کام دیا۔ میرے جسم پہ پانچ زخم آئے تھے اور میرے گھوڑے کو پندرہ زخم لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میرے کسی لگان دار نے مجھے پرچم لا دیا۔ جس پر میرے ٹرانول خاندان کا نشان بنا ہُوا تھا۔ اس نے مجھے نیزہ بھی دیا جس کی مجھے زیادہ ضرورت تھی۔ پاجی تُرکوں نے اِن دو نقیبوں پر دوبارہ یُورش کی تو ہم نے عَلَم اُٹھایا اور ان پر حملہ کر کے انہیں بھگا دیا ؀

جب ہم پُل پر اپنے ٹھکانے کی طرف واپس آئے تو نیک کاؤنٹ ڈی سازوں ان گنواروں کو منتشر کر کے میرے ساتھ آملا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جناب لوگ جو مرضی ہے بکواس کریں اور بھونکیں ان کی پروا نہیں۔ خداوندِ مصلوب کی قسم یہ دن یادگار رہے گا۔ ہم اِس دن کے کارناموں کو زنان خانوں میں فخریہ دہرایا کریں گے" ؀

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۵۲۰) تذکرے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب مسلمان فرانس کے زرہ پوش رسالے کی یُورش کی تاب نہ لا سکے تو انہوں نے کیسے صلیبیوں کو اپنی چالوں سے نیچا دکھانے کی کوشش کی کیسے مسلمانوں نے آتش باری اور گولوں سے انہیں بے دست و پا کر دیا اور کیسے انہوں نے صلیبی سواروں کو گھوڑوں سے مار گرایا مسلمانوں نے تلوار اور تبر کے استعمال سے بھی پورا فائدہ اُٹھایا اور تبر کی ضربوں سے نائٹوں کی زرہوں اور خودوں کو پاش پاش کر دیا۔ دراصل اِس لڑائی میں بہادر شُرفا کو پیشہ ور سپاہیوں کا سامنا تھا۔ (مصنّف)

شام کے قریب کانسٹیبل واپس آیا۔ اِس کے ہمراہ بادشاہ کے چند پیادہ گرو انداز تھے۔ انہوں نے ہمارے سامنے کمانیں گاڑ دیں اور ان کی صف کے پیچھے سوار گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ جب ترکوں نے گز دار کمانیں نصب دیکھیں تو وہ چلے گئے۔ پھر کانسٹیبل نے مجھ سے کہا "قلعہ دار صاحب! یہاں سب ٹھیک ہے، آپ بادشاہ کے پاس جائیے۔ اور اُس وقت تک اس کے ہمرکاب رہیے۔ جب تک وُہ اپنے شامیانے میں واپس نہ آجائے"۔

چُنانچہ میں بادشاہ کی خدمت میں گیا۔ اسی وقت سر ژاں ڈی ولیری بھی آن پہنچا اور بادشاہ اپنے شامیانے کی طرف جانے کے لیے مُڑا[1]۔ بادشاہ نے اپنے سر سے خود اُٹھایا اور میں نے بادشاہ کو اپنی آہنی ٹوپی پیش کی جو خود کے مقابلے میں بہت ہلکی اور ٹھنڈی تھی۔ ہم پل سے دریا کے پار جا رہے تھے کہ بادشاہ کا پرووسٹ[2] ہنری آیا، اس نے بادشاہ کے زرہ پوش ہاتھ کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے پوچھا "کیا میرے بھائی کاؤنٹ آف ارتائس کی کوئی خبر ملی ہے"؟

"جی ہاں! پرووسٹ نے جواب دیا "میں نے سُنا ہے کہ اب وہ جنّت میں ہیں"۔ پرووسٹ نے بادشاہ کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا "آقا! فرانس کے کسی بادشاہ کو ایسی عزّت نصیب نہیں ہوئی جو آج آپ نے اِس میدان جنگ میں حاصل کی ہے"۔

"ہمیں خُدا کی مہربانی کا شکر گزار ہونا چاہیئے" بادشاہ نے جواب دیا اور آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کے رُخساروں سے پھسلتے ہوئے نیچے گرے۔ کئی آدمیوں نے بادشاہ کو اشکبار دیکھا۔ جب ہم اپنے خیموں میں پہنچے ان میں سے آدھے خیمے گرے ہوئے

---

[1] اِس رات کو سینٹ لوئیس نے اپنا خیمہ دریا کی اس جانب نصب کرایا جدھر مسلمان تھے۔ اِس طرح سے فوج دو صفوں میں منقسم ہو گئی۔ (مصنف)

[2] فوجی کوتوال کا عہدہ قرونِ وسطیٰ میں نہایت اہم ہوتا تھا۔ اور یہ عہدے دار عموماً پرووسٹ مارشل کہلاتے تھے۔ (مترجم)

تھے کئی پیادہ تُرک وہاں گُھس آئے تھے۔ وہ خیموں کو طنابوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہے تھے اور اِدھر سے ہمارے خدمتگار کھینچ رہے تھے۔ٹمپلروں کے ماسٹر ڈی سناک اور مَیں نے اِن گنواروں کو مار بھگایا۔ اِس طرح اِس جنگ کا خاتمہ ہُوا۔

کئی بلند اخلاق اور عالی حوصلہ مرد دریا پار کر کے اِس طرف جا چکے تھے اور ہمیں جنگ جاری رکھنے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اب مَیں ان کے نام نہیں گنواؤں گا کیونکہ وُہ سب مر چکے ہیں۔

ایک طاقتور قبیلہ جسے بدوی کہتے ہیں تُرکوں کے متروکہ کیمپ میں مصروف غارتگری تھا، اِنہیں جو کُچھ مِلتا، اُٹھا لے جاتے۔ یہ بدوی لوگ تُرکوں کی رعایا تھے۔ لیکن وُہ ہمیشہ اُس فریق کو لُوٹ لیتے جسے جنگ میں ہزیمت ہوتی۔ یہ بدوی شہروں میں نہیں رہتے بلکہ صحراؤں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، وُہ کھلے میدانوں میں رہتے ہیں، زمین میں لکڑیاں گاڑ دیتے ہیں اور انہیں اُوپر سے خمیدہ لکڑیوں سے جوڑ لیتے ہیں۔ یہ خمیدہ لکڑیاں اُن چھلوں کی طرح ہوتی ہیں جن پر عورتیں کپڑے سُکھاتی ہیں۔ ان خمیدہ لکڑیوں کی چھت پر وہ کمائی ہوئی کھالیں منڈھ کر اپنے گھر تیار کر لیتے ہیں۔ وُہ نمدے کے چُغے پہنتے ہیں، سردیوں میں وہ اِن چُغوں کو لپیٹ کر سو جاتے ہیں۔ صُبح کے وقت وہ چُغوں کو سُکھانے کے لیئے دھوپ میں پھیلا دیتے ہیں، کئی بدو لڑائیوں کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ وُہ رات کے وقت اپنے گھوڑے میدانِ جنگ کے قریب لے آتے ہیں، اور لُوٹ کر بھاگ جاتے ہیں۔

اِن کے ہتھیار دیگر مسلمانوں سے مُختلف نہیں ہوتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مَوت کا دِن معیّن ہے اور کوئی اِنسان اِس سے پہلے نہیں مَر سکتا۔ لڑائی میں وہ تُرکوں کی طرح خمیدہ تلواریں اِستعمال کرتے ہیں اور سفید کتان کے کُھلے چُغے پہنتے ہیں۔ وہ بڑے کریہہ المنظر ہوتے ہیں۔ اِن کے سیاہ بال اور سیاہ ڈاڑھیاں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ وہ اپنے مویشیوں کے دُودھ پر

گزارا کرتے ہیں۔ ان کی تعداد حاطۂ شمار سے باہر ہے کیونکہ وُہ مسلمانوں کے مُلکوں میں ہر جگہ رہتے ہیں ÷

اس شام میرے خدمتگار میرے لیے ایک خیمہ لائے جو ٹمپلروں کے ماسٹر نے بھجوایا تھا۔ مَیں نے خیمے کو ان انجنوں کے سامنے نصب کرایا جو ہم دُشمن سے چھین کر لائے تھے، بادشاہ نے ان انجنوں کے قریب سارجنٹوں کو پہرے پر متعین کر رکھا تھا۔ یہ جگہ آرام کے لیے نہایت موزوں تھی اور ہمیں زخموں اور تکان کی وجہ سے آرام کی سخت ضرورت بھی تھی ÷

فجر کا وقت تھا کہ شور ہُوا "مسلح ہو جاؤ ـــــ مسلح ہو جاؤ ـــــ" مَیں نے اپنے حاجب سے، جو میرے قریب لیٹا ہُوا تھا کہا کہ جاؤ جا کر دیکھو کیا معاملہ ہے؟" وہ خوفزدہ بھاگا ہُوا واپس آیا اور چلّایا "میرے آقا ـــــ فوراً اُٹھیئے ـــــ مُسلمان پہرہ داروں کو شکست دے کر کیمپ میں گھُس آئے ہیں" ÷

"سینٹ نکولس کی قسم وُہ زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہریں گے" مَیں فوراً اُٹھا اور صدری پہنی، سر پر لوہے کی ٹوپی رکھی اور اپنے سپاہیوں کو اُٹھایا۔ سپاہی اگرچہ بہت زخمی تھے وُہ ہمّت کر کے اُٹھے اور ترکوں کو مار بھگایا۔ وُہ در اصل اپنے انجن واپس لینے آئے تھے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ہماری زرہیں خاطر خواہ نہیں تو اس نے والٹر آف چٹلوں کو بھیجا۔ جو ہمارے اور ترکوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ سر تا پا مسلح آٹھ ترک گھوڑوں سے اُترے اور ہمارے گزاندازوں کی زد سے بچنے کے لیے بڑے بڑے پتّھر اکٹھے کر کے مورچہ بنالیا۔ انہوں نے اس مورچے سے تیراندازی شروع کر دی اور ہمارے کئی سپاہیوں کو زخمی کر دیا۔ مَیں نے اپنے آدمیوں سے مشورہ کیا کہ اس مورچے کو کس طرح تباہ کیا جائے۔ میرا پادری ژاں ڈی ویزی بھی سُن رہا تھا۔ اس نے ہمیں کارروائی کا موقع نہ دیا، وہ رُوئی دار صدری اور لوہے کی ٹوپی پہنے تھا، وہ اپنی بغل میں تلوار چھپائے ترکوں کی طرف گیا۔ ترکوں نے اس اکیلے شخص کی پروا نہ کی۔ قریب پہنچ کر وہ ان پر لپکا۔ اس نے اُن آٹھ ترکوں پہ ایسے پے در پے

وار کیے کہ وہ تاب نہ لا سکے اور بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر سارے تُرک حیران رہ گئے۔ اِس کے بعد پادری کی شہرت ساری فوج میں پھیل گئی اور جب لوگ اسے دیکھتے تو کہتے "یہ وُہ پادری ہے جس نے اکیلے تُرکوں کو بھگایا تھا"۔

یہ لینٹ کے پہلے دِن کا واقعہ ہے، اسی دن تُرکوں نے اپنے متوفّی امیر کی جگہ نیا امیر مُنتخب کیا۔ نئے امیر نے لاشوں کے ڈھیر میں کاؤنٹ آف آرتائس کی لاش دیکھی تو کاؤنٹ کے ذاتی نشان کو نیزے پر اُٹھا کر اپنی فوج میں تشہیر کرا دی کہ دُشمن کا بادشاہ مقتول ہو گیا ہے۔ مُخبروں نے بادشاہ کو صورتِ حال کی خبر دی اور کہا کہ دُشمن بادشاہ کو مقتول سمجھ کر اب حملہ کرنے کی فکر میں ہے"۔

اِس لڑائی میں فرانس کے شولیئروں نے بڑی بہادری دکھائی اور شدید مُشکلات کے باوجود ڈٹے رہے۔ سینٹ لوئیس نے بڑی بے جگری سے خود کو کئی مرتبہ خطرے میں ڈالا۔ اِنہوں نے دریا کے پار مورچہ قائم کر لیا تھا۔ اور منصورہ کے کھنڈر تک پہنچ گئے تھے۔ اِنہوں نے دریا میں خُشک گودی تیار کر لی تھی۔ بادشاہ کا شامیانہ دُوسرے کنارے پر نصب تھا۔ اب وُہ دوبارہ پیش قدمی کے لیے آمادہ تھا۔ لیکن وُہ شکست خوردہ تھے۔ کاؤنٹ آف ارتائس کے بے تحاشا حملے سے فائدے کے بجائے نقصان ہُوا تھا۔ نامور شُجاع اور سوار تیر انداز منصورہ[1] کے بازاروں میں کھیت رہے تھے۔ آدھا فرانسیسی رسالہ،

---

[1] مُسلمان تذکرہ نویسوں نے اِس جنگ کے بحران کا بڑا واضح بیان کیا ہے:

"تمام فرانسیسی رسالہ منصورہ کی طرف بڑھا، وُہ شہر کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ مسلمان اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، شاہ فرانس سُلطان کے محل تک پہنچ چکا تھا، اِس کی فتح یقینی معلوم ہوتی تھی۔ کہ بیبارس کی سرکردگی میں بحری مملوک دُشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اور فتح اِس کے ہاتھوں سے چھین لی۔ مملوکوں کا حملہ اِس قدر پُرزور تھا کہ فرانسیسی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اِس اثنا میں فرانسیسی پیادہ فوج پل تک پہنچ چکی تھی اگر فرانسیسی پیادہ فوج اور رسالے کا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۶ پر دیکھیے)

مقتول، مجروح اور مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ رسالے کی تباہی سے فوج کی جارحانہ قوت ختم ہو چکی تھی۔ مملوک منصورہ کے گرد یوں چکر لگا رہے تھے۔ جیسے کسی نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو۔ قاصد کبوتر اُڑتے ہوئے قاہرہ پہنچے جہاں شجرۃ الدر اپنے محل میں فتح کی منتظر تھی۔ شہر میں مسرت کی لہر دَوڑ گئی اور مایوسی کافور ہو گئی۔ بازاروں میں چراغاں کیا گیا، موسیقار فتح و نصرت کے ترانے گاتے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے۔ شام کو مملوک سواروں کے جلوس بازاروں سے گزرے تو تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہوا، کل تک لوگ بھاگنے پر آمادہ تھے لیکن آج وہ خوش تھے۔ ان کے گھروں میں اُجالا اور چہروں پر رونق تھی۔

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۵۲۵) رابطہ قائم ہو جاتا تو مصری فوج کی شکست اور منصورہ کا سقوط ناگزیر ہو جاتا۔ شام کے وقت فرانسیسی فوج اپنے ڈیڑھ ہزار سواروں کی لاشیں میدان میں چھوڑ کر بڑے غیر منظم طریقے سے پسپا ہوئی۔ اُنہوں نے اپنے کیمپ کے گرد حفاظتی دیوار کھڑی کر رکھی تھی لیکن وہ بھی بیکار ثابت ہوئی۔ ان کی فوج دو حصّوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ کچھ فوج دریائے اشموں پر خیمہ زن تھی لیکن فوج کا بیشتر حصّہ دریائے نیل کی اِس شاخ پر مقیم تھا۔" (مصنّف)

خلافِ معمول مصنّف نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ اقتباس کس مسلمان مورخ سے لیا ہے۔ (مترجم)

۴۹

سینٹ لوئیس کا آخری مقابلہ

اِس لڑائی سے ایک دِن پہلے شام کے وقت مرحوم سُلطان کا بیٹا توران شاہ منصورہ پہنچا تھا۔ وہ صلیبیوں کے خلاف مسلمانوں کی کمان سنبھالنے کے لیے شام سے آیا تھا۔ توران شاہ مملوکوں سے بھی زیادہ ظالم تھا اور پچیس ۲۵ سال کی عُمر ہی میں کئی بُرائیوں کا خُوگر ہو چکا تھا۔ اِن عیوب کے باوجود وہ اعلےٰ عسکری قابلیّت کا مالک تھا اور فنونِ حرب کا ماہر۔ وُہ مملوکوں کے لیے اجنبی تھا لیکن پھر بھی اس کے احکام کی تعمیل ہوتی۔

جب صلیبیوں نے منصورہ پر یورش کی تو وُہ محل میں تھا اور بمشکل اسیر ہونے سے بچا تھا۔ لیکن جونہی امن بحال ہُوا اِک نئے امیر نے جس کا ژانول نے ذِکر کیا ہے صلیبیوں کے خلاف پیش قدمی کی تیاریاں شرُوع کر دیں۔ اِس نے مملوک رسالہ جمع کیا۔ پھر اِس نے قاہرہ میں متعیّن جنگی جہازوں کے شہتیروں کو اُکھڑوایا۔ اِن شہتیروں اور لکڑیوں کو اُونٹوں پر لدوا کر دریا کے اس مقام پر پہنچایا گیا جو صلیبیوں کے دونوں کیمپوں سے نیچے اور ان کے اور دمیاط کے درمیان واقع تھا۔ اِس نے جنگی جہازوں کی تعمیر کا انتظار نہ کیا۔

اور سینٹ لوئیس کو منصورہ والے کنارے سے پیچھے دھکیلنے کے لیے اقدام کیا۔ اِس اقدام کے لیے آزمودہ کار مملوک سپاہی پہلے ہی بیبارس کی سرکردگی میں تیار تھے۔

ژانول کو مملوکوں سے واقفیت کے کئی مواقع ملے۔ اس نے ان غلام سپاہیوں کے کردار اور نوعیت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ غلام دُنیا کے ہر مُلک اور نسل سے بھرتی کیے جاتے تھے اور انہیں فنونِ سپہ گری کی تربیت دے کر پیشہ ور سپاہی بنا دیا جاتا تھا۔ یہ ایک قسم کی فارن لیجین[1] تھی جو منگول فوج سے بھی منسلک تھی:

"اب یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بتایا جائے کہ سُلطان اپنے سپاہی کیسے بھرتی کرتا تھا اور اس کی فوج کیسے منظم کی جاتی تھی"

یہ سچ ہے کہ بیشتر امیر اور شجاع غیر ملکی ہوتے ہیں[2]۔ بحری تاجر نوخیز لڑکوں کو پکڑ کر لاتے ہیں اور مصر کی منڈیوں میں بیچ دیتے ہیں۔ اِن کی بیشتر تعداد مشرقی ممالک سے آتی ہے۔ سُلطان ان کی اولاد کی کفالت اور تربیت کرتا ہے۔ انہیں تیراندازی اور شمشیر بازی کی تربیت دی جاتی ہے۔ کئی مرتبہ وُہ سُلطان کے رُوبرو اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جب وُہ

---

[1] فرانس کی ایک فوج فارن لیجین (غیر ملکی لشکر) کہلاتی ہے۔ اِس میں مختلف قوموں کے طالع آزما شامل ہوتے ہیں۔ یہ لشکر اپنی بہادری اور پیشہ ورانہ مہارت کی وجہ سے فرانس کی کئی نوآبادیاتی جنگوں میں شوکت حاصل کر چکا ہے۔ (مترجم)

[2] اِس زمانے میں مملوکوں کی بیشتر تعداد، بلغارہ، خوارزمی، تُرک، منگول سنہری غول کے تاتاریوں کے علاوہ ترکمانوں سے بھرتی کی جاتی تھی۔ سرکیشیا اور جارجیا سے بھی کئی لڑکے قاہرہ لائے جاتے تھے۔ مملوکوں کی اکثریت سفید فام تھی۔ تُرک سفید نسل کے لوگ ہیں۔ اِن کی دینِ اسلام میں تربیت کی جاتی تھی، اقصائے ایشیا سے کئی رضاکار بھی اِن میں شامل ہوتے۔ اگرچہ مملوک شورش پسند تھے۔ وُہ مصر پر حکمران رہے۔ تُرکانِ عثمانی کی سیادت کے باوجود وُہ خود مُختار تھے اور ان کی خود مُختاری نپولین کی آمد تک قائم رہی۔ (مصنّف)

سن بلوغ کو پہنچتے ہیں تو چھوٹے چھوٹے ہتھیاروں کے بجائے انہیں اصلی ہتھیار دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ ڈاڑھیاں رکھنے لگتے ہیں تو انہیں فارس (نائیٹ) کا درجہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ یہ نوجوان فارس سُلطان کے حلقہ بگوش ہوتے ہیں اور بحری کہلاتے ہیں۔ اِن کے ہتھیاروں پر سُلطان کا نشان ہوتا ہے۔ سُلطان کے نشان کی طرح ان کے نشان بھی خالص سونے کے ہوتے ہیں۔ ہر لشکر کا خاص امتیازی نشان علیحدہ ہوتا ہے۔ ان لشکری نشانوں میں سُنہری لکیریں گُلاب کے پھُول، پرندے اور عقاب نما جانور شامل ہیں۔ خاص مملوک دستے حلقہ کہلاتے ہیں اور سُلطان کے مُحافظ دستوں کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

جب سُلطان کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو امیرِ حلقہ کو بُلاتا ہے جو نفیریاں، طبل اور ترم بجا کر مُحافظ دستے کو فوراً جمع کر لیتا ہے اور امیر فرمانِ سُلطان کا اعلان کرتا ہے اور جس کی فوری تعمیل ہوتی ہے۔ ایّامِ جنگ میں سُلطان اراکینِ حلقہ سے مُختلف اشخاص کو دیگر دستوں کا امیر مقرر کرتا ہے۔ انہیں بہادری کے کارناموں کے صِلے میں انعامات و اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ چُنانچہ امیر ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی ہفتے میں جمعہ کے دِن بیبارس نے سفید فام بحری مملوکوں، حلقہ، قاہرہ کی رجمنٹوں اور عرب قبائل کے ساتھ دریا کے پار صلیبی پڑاؤ پر یورش کی۔ ان کے طبلوں کی دف دف اور اللہ اکبر کے پُرزور نعروں کی گونج میں صلیبیوں کے جنگی نعرے "مانٹ جائے! اور سینٹ ڈینس!" ڈُوب کر رہ گئے۔

جنگ کے ہنگامے میں دراز قد فرانسیسی بادشاہ صاف نظر آ رہا تھا۔ سوسن کا نُقرئی نشان اس کے خود پر چمک رہا تھا۔ وہ پُرسکون اور پُراعتماد تھا۔ اس نے اپنے صف بستہ نائٹوں کی قطاروں کا معائنہ کیا۔ اس کی آنکھیں بڑی بے تابی سے آثارِ فتح کی جُستجو میں تھیں، جس سے قاہرہ کا راستہ کھُل جائے۔ مملوک لشکر علیحدہ علیحدہ مربعوں کی صورت میں بڑھا۔ ان مربعوں کے سامنے پیادہ فوج تھی۔ جو آتش ریز اسلحہ سے لیس تھی۔ لوئیس نے کاؤنٹ آف آنجو کی

بٹالین کو تباہی سے بچالیا، اگرچہ اس کوشش میں اس کے گھوڑے کی جلد اور دُم شعلوں سے جُھلس گئی۔ مُسلمان نفت اندازوں نے ماسٹر آف ٹمپل کے سامنے بنے ہوئے چوبی جنگلے کو آگ لگادی۔ جلتے ہوئے جنگلے سے مسلمان سوار ٹمپلروں پر ٹوٹ پڑے۔

سہ شنبہ کی لڑائی میں ڈی سُناک کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی، آج وہ مارا گیا۔

ڈی میلوزین آتش باری سے بچ نکلا اور اس نے جوابی حملہ کرکے چند مُسلمانوں کو مار بھگایا کاؤنٹ آف فلانڈرز اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اِس کا بھائی کاؤنٹ آف پوشیرز اسیر ہوگیا تھا لیکن عیسائی عورتوں، قصابوں اور خیمہ برداروں نے کلہاڑوں، چھریوں اور لاٹھیوں سے مُسلمان سواروں پر ایسا اچانک حملہ کیا کہ وہ اسیر کاؤنٹ کو چھوڑ کر چلے گئے......

غرُوبِ آفتاب تک فرانسیسی فوج کی صفیں بدستور قائم تھیں۔ سینٹ لوئیس فوج کی صفوں سے گزُرا۔ وُہ تکان سے چوُر تھا لیکن اسے ان کے نقصانات اور قُربانیوں کا گہرا احساس تھا اس دن کئی شوالیئر مارے گئے تھے ــــــ اِس نے اُن کی دلجوئی کی۔

"میرے امیرو! اور دوستو! آج خُدا نے بڑا کرم کیا ہے ہم مدافعت میں کامیاب رہے ہیں اگرچہ ہم لوگوں میں سے بیشتر کے پاس ہتھیار نہ تھے۔ اور دُشمن پُوری طرح لیس تھا اور اپنی سرزمین پر لڑ رہا تھا"۔

ژانول بڑے غمناک انداز میں لکھتا ہے کہ "جُمعہ کے دِن کا معرکہ نہایت شدید اور حیرت ناک تھا" بادشاہ کو عیاں ہو گیا تھا کہ قاہرہ کی طرف پیش قدمی ممکن نہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مقام سے ہٹنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ اگر وہ اس وقت حرکت کرتا تو اسے مُہلت مِل جاتی کیونکہ مسلمان عیسائی فوج کو نرغے میں لینے کے لیے اپنی صفوں کو پھیلانے میں مصروف تھے اور اپنے بیڑے کی کارروائی کے منتظر تھے جو دریا کے بالائی حصّے میں تھا۔

تین ہفتے گزُر گئے۔ دمیاط اور صلیبی کیمپ کے درمیان جہازوں کی آمدورفت معطّل ہوگئی تھی۔ خوراک کی قلت ہوگئی اور ڈیلٹا کی گرمی اور نمی سے زخم سڑنے لگے۔ صلیبی اپنے پڑاؤ میں

محبوس ہو کر رہ گئے۔ انہیں اپنی صفوں سے باہر نکلنے کی جرأت نہ تھی۔ اِس لیے وُہ یہ دریافت کرنے سے بھی قاصر تھے کہ جہازوں کی آمد کیوں بند ہو گئی ہے +

اِس عرصے میں ایسا واقعہ رونما ہُوا جو نائیٹوں کے صبر اور حوصلے کا امتحان تھا۔ انہوں نے مملوکوں کے طعنوں اور پھبتیوں کی پروا نہ کی تھی لیکن اب وُہ لاچار ہو گئے۔

ژانول اِن افسوسناک واقعات کا عینی شاہد تھا۔ اِس نے اُن کی تفصیل یُوں بیان کی ہے۔

"مقتولوں کی لاشوں کو دریائے نیل میں پھینکا گیا تھا، آٹھ دِن دن کے بعد لاشیں سطحِ آب پر تیرنے لگیں۔ لوگ کہتے کہ جب پتہ پھٹ جاتا ہے تو لاشیں پانی کے اُوپر آ جاتی ہیں۔ لاشیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیرتی ہوئیں ایک چھوٹے سے پُل پر آ کر رُک گئیں، جہاں ہماری فوج کے دونوں حصّے ملتے تھے۔ اِس پُل کی محراب اِس قدر پست تھی کہ پانی کو چھُوتی تھیں۔ لاشیں اِس محراب سے ٹکرا کر رُک جاتیں۔ رفتہ رفتہ دریا کی سطح لاشوں سے پُر ہو گئی۔ پُل سے اُوپر خاصے فاصلے تک پانی نظر نہیں آتا تھا۔

بادشاہ نے کرائے کے آدمی منگوائے جو آٹھ دِن تک عیسائیوں کی لاشوں کو مُسلمانوں کی لاشوں سے علیحدہ کرتے رہے۔ مسلمانوں کی لاشوں کو زور سے پانی میں ڈبو کر پُل کے نیچے سے بہا دیا گیا۔ عیسائیوں کی لاشوں کو نکال کر اور ایک دُوسرے کے اُوپر ڈال کر گہری قبروں میں دفن کر دیا گیا۔ خُدا ہی جانتا ہے کہ وہاں کِس قدر ناقابلِ برداشت تعفّن تھا۔ یہ انتہائی دِل دوز منظر تھا۔ اُن اِن شریف اور اچھّے آدمیوں کی لاشوں کو یُوں برہنہ اور بے حُرمت دیکھنا کِس قدر دِل خراش تھا۔ مَیں نے لوگوں کو اپنے دوستوں کی لاشیں تلاش کرتے دیکھا۔ انہیں ان کی لاشیں تو نہ ملیں لیکن وہ عفونت سے بیماری کا شکار ہو گئے۔

یہ لینٹ کا زمانہ تھا۔ مذہبی دستور کے مطابق ہمیں مچھلی کھانی چاہیے تھی۔ لیکن مچھلی دستیاب نہ تھی یہاں بام مچھلی کے سوا کچھ میسّر نہ تھا۔ یہ پیٹو مچھلی گلی سڑی لاشیں کھاتی ہے۔ اِس مچھلی کے کھانے سے اور متعفّن ہوا کی وجہ سے ساری فوج میں وبا پھیل گئی۔ اِس سے ہمارے

جسم سُوکھ گئے اور ہمارے رنگ وہاں کی مٹی کی طرح سیاہ ہوگئے۔ اِس مچھلی کے کھانے سے مسوڑے بھی گلنے لگے۔ یہ بیماری اِتنی پھیلی کہ لوگوں کے سڑے ہوئے مسوڑوں کو کاٹنے کے لیئے جرّاحوں کو بُلانا پڑتا تاکہ اس کے بعد وُہ کھانے پینے کے قابل ہوسکیں۔ جن مریضوں کے مسوڑے کاٹے جاتے اُن کی چیخیں اِتنی دِل خراش ہوتیں، جیسے عورت دردِ زہ میں مُبتلا ہو۔ جن آفت زدہ لوگوں کی ناک سے خُون بہنا شرُوع ہوجاتا وُہ فوراً مر جاتے۔

تُرکوں کو ہمارا حال معلوم تھا۔ انہوں نے ہمیں فاقہ کشی پر مجبور کر کے ہماری مَوت کی تدبیر کردی۔ اب میَں عرض کرتا ہوں کہ انہوں نے کیا حرکت کی۔ انہوں نے اپنے جنگی جہازوں کو خُشکی پر چڑھا لیا اور انہیں کھینچ کرلے گئے۔ پھر انہوں نے اِن جہازوں کو ہمارے پڑاؤ سے ایک کوس اُوپر لے جاکر دوبارہ دریا میں ڈال دیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہُوا کہ ہمارے جو جہاز دمیاط سے رسد لانے گئے، وُہ واپس نہ آسکے اور ہم حیرت و تشویش سے ان کے منتظر رہے۔ ہمیں اِس صورتِ حال کا اُس وقت عِلم ہُوا جب ارل آف فلانڈرز کا ایک چھوٹا سا جنگی جہاز دُشمن کی ناکہ بندی توڑ کر واپس پُہنچا۔ انہوں نے بتایا کہ تُرک کیسے اپنے جنگی جہاز ہماری نچلی طرف لے گئے تھے۔ تُرکوں نے ہمارے اَسّی جہازوں پر قبضہ کر کے ان کے ملّاحوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اِسی وجہ سے فوج میں سامان رسد انتہائی گراں ہوگیا۔ اِیسٹر کے تہوار کے موقع پر گائے کا گوشت اَسّی لِورؔ[1] میں، شراب کا مٹکا دس لِور میں اور ایک انڈا بارہ پینی[2] میں مِلتا تھا۔

اِن دِنوں مَیں بستر پر پڑا ہُوا تھا۔ سہ شنبہ کی لڑائی میں میرے جسم پر گہرے زخم آئے تھے۔ مجھے کیمپ کی وبا نے آن دبوچا تھا، اور میری ٹانگیں سخت متاثر تھیں۔ مجھے ایسا

---

[1] قرونِ وسطیٰ کے فرانس کا ایک سکہ جس کے بعد فرانک رائج ہُوا۔

[2] پینی کا سکّہ عام رائج تھا اور اب تک اِنگلستان میں اِستعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کے پیسے کی طرح اِس کی قیمت بہت کم تھی۔ (مترجم)

شدید زکام تھا کہ میرے مُنہ اور نتھنوں سے بلغم جاری تھی۔ اِس کے علاوہ مجھے تیز بُخار تھا جسے چوتھیا بُخار کہتے ہیں۔ خدا اِس بُخار سے بچائے۔ میرا پادری بھی وبا کا شکار ہو گیا۔ ایک دِن وُہ عشائے ربّانی میں مصروف تھا۔ تلاوت کرتے کرتے وہ یک دم اِس قدر کمزور ہو گیا۔ کہ مَیں اُسے اُٹھانے کے لیے برجس کے بغیر ہی اپنے بستر سے لپکا۔ اِس نے تلاوت ختم کر لی لیکن یہ اس کی آخری عشائے ربّانی تھی ؛

جب بادشاہ اور امیروں کو یقین ہو گیا کہ اِن مصیبتوں کا کوئی مداوا نہیں تو انہوں نے دریا کے اِس کنارے سے جس طرف قاہرہ تھا، اپنی فوجیں ہٹا لیں اور انہیں ڈیوک آف برگنڈی کے کیمپ میں لے آئے یہ درست ہے کہ انہوں نے سُلطان کی کونسل سے شرائط صُلح کے متعلّق مراسلت کی لیکن تُرک ہمارے بادشاہ کے سوا کسی اَور کو بطور یرغمال رکھنے کے لیئے آمادہ نہ تھے۔ اپنے بادشاہ کو یرغمال بنانے سے تو بہتر تھا کہ ہم سب مارے جاتے ؛

نیک دِل سینٹ لوئیس نے فوج کی تباہ حالی دیکھی تو اسے یقین ہو گیا کہ اب اِس مقام پر مزید قیام محال ہے تو اس نے ایسٹر کے بعد سہ شنبہ کی شام کو دمیاط کی طرف کُوچ کا اعلان کر دیا۔ اِس نے جہازوں کے امیروں کو حُکم دیا کہ مریضوں اور زخمیوں کو پہنچانے کے لیے اپنے جہاز تیار رکھیں۔ اِسی طرح اس نے جوزلین ڈی کارونٹ اور دُوسرے انجنیروں کو حکم دیا کہ تُرکوں کے درمیانی پُلوں کے رسّے کاٹ دیں لیکن انہوں نے کوتاہی کی جس کی وجہ سے ہمیں سخت آفت کا سامنا کرنا پڑا ؛

جب مَیں نے دیکھا کہ سب دمیاط واپس جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو سہ پہر کے وقت مَیں اپنے باقی ماندہ دو نائیٹوں کے ہمراہ اپنے جہاز پر چلا گیا۔ تاریکی چھا گئی تو مَیں نے ملّاحوں کو لنگر اُٹھانے کا حُکم دیا تا کہ ہم دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتے چلے جائیں لیکن انہوں نے کہا یہ ہرگز ممکن نہیں کیونکہ ہمارے اور دمیاط کے درمیان سُلطان کے جہاز حائل ہیں ؛

بادشاہ کے ملّاحوں نے زخمیوں اور بیماروں کی نگہداشت کے لیے عرشہ جہاز پر بڑے بڑے الاؤ روشن کر دیے۔ کنارے پر کئی معذور اور زخمی جہازوں پر چڑھنے کے منتظر تھے، مَیں اپنے ملّاحوں کو ہدایتیں دے رہا تھا کہ مَیں نے شاہی جہازوں پر جلتے ہوئے الاؤں کی روشنی میں دیکھا کہ تُرک ہمارے کیمپ میں داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے بے چارے بیماروں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ جو جہازوں کے منتظر تھے۔ پھر وہ اپنے بڑے جنگی جہازوں میں واپس چلے گئے۔ انہوں نے رسّے کاٹ دیئے اور پانی کے بہاؤ پر تیرتے ہوئے میرے چھوٹے سے جہاز کا رُخ کیا۔ میرے ملّاحوں نے جلدی سے لنگر اُٹھا دیا اور ہم بھی پانی کی رَو کے ساتھ بہنے لگے۔ مجھے خدشہ تھا کہ دُشمن کے جنگی جہاز میرے جہاز کو غرق کر دیں گے لیکن ہم بچ گئے اور دریا کے رُخ پر بہتے چلے گئے۔

مجھے ساحلِ دریا پر بادشاہ نظر آیا، وُہ بھی ہماری طرح وَبائی مرض کا شکار تھا، جس کے ساتھ اسے اسہال کی بھی سخت شکایت تھی۔ اگر بادشاہ اپنے بڑے جنگی جہاز پر رہنا منظور کر لیتا تو اِس مصیبت سے محفوظ رہتا۔ اسہال کی زیادتی کی وجہ سے اِس شام اُس پر ایک دو مرتبہ غشی بھی طاری ہو گئی۔ اِسے رفعِ حاجت کے لیے اِتنی مرتبہ جانا پڑتا کہ اِس کے پاجامے کا نچلا حصّہ کاٹ دیا گیا۔ اِس اِنتہائی نقاہت کے عالم میں بھی وُہ کہتا رہا کہ خُدا کو منظور رہا تو مَیں اپنے لوگوں کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ جب بادشاہ کے مُحافظوں نے ہمیں جاتے ہوئے دیکھا تو وُہ چلّانے لگے "رُک جاؤ۔" ہم نہ رُکے تو اُنہوں نے ہمیں روکنے کے لیے گُرزوں کی بوچھاڑ شروع کر دی"۔

اب مَیں وُہ حالات بیان کروں گا جن میں بادشاہ اسیر ہُوا۔ یہ حالات بادشاہ نے بعد میں مجھے سُنائے تھے۔ اس نے کہا کہ مَیں اور سَر جافرے ڈی سر جنز اپنی بٹالین سے نکلے اور ڈی چیسوس کی بٹالین میں شامل ہو گئے جس کے زیرِ کمان ساتھ تھا۔ بادشاہ ایک

---

۵۱ لوئیس کا منصوبہ تھا کہ عقب میں پُلوں کو تباہ کر دیا جائے، (بقیہ حاشیہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۵۳۵)

چھوٹے سے تازی گھوڑے پر سوار تھے جس پر ریشمی جھول تھی۔ ڈی سرجنز اس کے ہمراہ تھا، وہ ایک گاؤں تک پہنچے ہوں گے کہ ترکوں نے آلیا۔

ڈی چیسٹون نے تین مرتبہ ترکوں پر تلوار سے حملہ کیا اور انہیں گاؤں کی گلیوں سے کھیتوں تک پیچھے دھکیل دیا۔ اس کے بدن پر زرہ نہیں تھی اور ہاتھ میں صرف تلوار تھی، پسپا ہوتے ہوئے ترکوں نے اسے تیر مارنے شروع کر دیئے جب ترک چلے گئے تو اس نے اپنے اور اپنے گھوڑے کے جسم سے کئی تیر نکالے۔ پھر وہ بادشاہ کے پاس گیا جو اپنے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے اپنا بازوئے شمشیر زن اس کی طرف بڑھاتے ہوئے دردناک لہجے میں کہا:

"چیسٹون! —— میرے نائٹ —— میرے بہادر آدمی کہاں ہیں؟" اِدھر سے ترک دوبارہ آگئے اور چیسٹون ان کی طرف بھاگا۔ میں نے سنا کہ سَر جافرے نے اپنے آقا کی مدافعت کی۔ جب بھی ترک قریب آتے وہ بلّم بغل میں دبا کر ان پر کود پڑتا۔ گاؤں میں پہنچ کر وہ ایک مکان میں داخل ہوا اور بادشاہ کو پیرس کی ایک عورت کی گود میں لٹا دیا۔

بادشاہ کی حالت اتنی نازک تھی کہ وہ چند گھڑی کا مہمان معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سَر فلپ آف مانٹفورٹ آن پہنچا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں سلطان کے اُس امیر سے ملا ہوں جس سے پہلے شرائط صلح کے متعلق گفتگو ہوئی تھی اور اگر بادشاہ کی

(سلسلہ کے لئے دیکھیے بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۴) خیمیں اور سامان کو جلا دیا جائے۔ وہ نائٹوں کے محافظ دستے کی نگہداشت میں زخمیوں کو جہازوں پر سوار کرانا چاہتا تھا۔ تندرست اور صحیح سالم سپاہی کنارے کنارے جنگی جہازوں کے متوازی چلتے جائیں گے لیکن یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پُل تباہ نہ کیے گئے۔ پسپائی کی افراتفری میں مسلمان دستے کیمپ میں پہنچ گئے۔ آگ کی روشنی میں حملہ آوروں کو کیمپ کی ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ صرف گنتی کے چند نفوس زندہ بچے اور دمیاط پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ (مصنف)

مرضی ہو تو میں واپس جا کر اُس سے گفتگو کی ابتدا کروں۔ بادشاہ نے التجا کی کہ ضرور جاؤ جو بھی شرائط طے ہوں گی میں اُن کا پابند رہوں گا۔

سَر فلپ تُرکوں کی طرف واپس گیا ہی تھا کہ اس وقت مارس نامی ایک پاجی سارجنٹ نے یہ آوازہ بلند کیا، "امیرو! نائٹو! ہتھیار ڈال دو ـــ بادشاہ کا حکم ہے!"

اِس حکم سے لوگوں پر گویا بجلی گر گئی ـــ انہوں نے سمجھا واقعی بادشاہ نے یہ حکم دیا ہوگا۔ وہ اپنی تلواریں اور لاٹھیاں دشمن کے سپرد کرنے لگے ـــ عین اس وقت امیر نے اپنا عمامہ اُٹھایا اور اپنی اُنگلی سے مُہر اُتار کر بطور نشانی دکھائی۔ امیر نے صلح کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ اِس اثنا میں تُرک سپاہی ہمارے نائٹوں کو قیدی بنا کر اس کے رُو برو لے آئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر امیر نے سَر فلپ سے کہا کہ اب صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تمہاری فوج اسیر ہو چکی ہے"۔

۵۰

ژانول کی سرگزشت

ہم جہازوں پر سوار ہوئے اور دمیاط کا رُخ کیا۔ ہمارا بھی وہی حشر ہُوا جو پیدل جانے والوں کا تھا، یعنی ہم بھی دُشمن کے ہتّھے چڑھ گئے۔ یہ درست ہے کہ پیچھے سے ہوا چلنے لگی اور ہمارے جہازوں کو دھکیلتی ہوئی تُرکوں کی طرف لے گئی۔ بادشاہ نے جن نائٹوں کو بیماروں کی نگہداشت کے لیے ہلکے جہازوں پر متعین کیا تھا، وہ اپنے جہازوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صُبح کے وقت ہمارا جہاز ایسی جگہ پہنچا جہاں سامنے سُلطان کا جنگی جہاز کھڑا تھا۔ جب انھوں نے ہمیں دیکھا تو بہت شور مچایا۔ وہ ہمیں نفت کے جلتے ہوئے تیر مارنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے تارے ٹُوٹ ٹُوٹ کر گر رہے ہیں۔ ہوا تیز تر ہوگئی اور ہمیں کنارے کی طرف کھینے لگی۔ کنارے پر وُہ جہاز کھڑے تھے۔ جنھیں بادشاہ نے بیماروں کی حفاظت کے لیے متعیّن کیا تھا۔ دُوسرے کنارے پر بہت سے جہاز تھے جن پر تُرکوں نے قبضہ کر لیا تھا ——— ہمیں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وُہ ملاّحوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں پانی میں پھینک

رہے ہیں۔ وہ صندوق اور اسلحہ اُتار کرلے جا رہے ہیں ——— اُدھر سے دُشمن کے سوار تیرانداز کنارے سے ہمیں تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ مَیں نے تیروں سے بچنے کے لیے زرہ پہن لی۔ میرے چند ساتھیوں نے دنبالۂ جہاز سے مجھے آواز دی۔

"میرے آقا —— میرے آقا! آپ کے ملاح مُسلمانوں سے ڈر کر کنارے کا رُخ کر رہے ہیں ——"

اِس وقت مَیں سخت بیمار تھا۔ لیکن علالت کے باوجود اُٹھا اور تلوار سونتتے ہوئے قسم کھائی "جس نے بھی ہمیں تُرکوں کے ساحل پر اُتارنے کی کوشش کی مَیں اُس کی گردن مار دوں گا۔" لیکن ملاحوں نے جواب دیا کہ ہم آگے نہیں جا سکتے۔ آپ کو مخالف کنارے پر اُترنا ہوگا یا منجدھار میں لنگرانداز ہونا پڑے گا۔ مَیں نے حُکم دیا کہ دریا میں لنگر ڈال دو۔ مَیں ہرگز کنارے پر نہیں جاؤں گا۔ جہاں ہمارے آدمیوں کو تہ تیغ کیا جا رہا ہے۔ چُنانچہ ملاحوں نے لنگر ڈال دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دیکھا کہ سُلطان کے چار جنگی جہاز ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ مَیں نے اپنے نائٹوں کو بُلا کر ان سے مشورہ طلب کیا کہ سُلطانی جہازوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا بہتر رہے گا یا کنارے والے جہازوں کے سامنے؟ ہم نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ سامنے سے آتے ہوئے سُلطانی جہازوں کے سامنے سپر ڈالنا بہتر ہوگا۔ اِس طرح کم از کم ہم اکٹھے تو رہ سکیں گے۔ میرا سردار بچی جو ڈولواں کا رہنے والا تھا، بول اُٹھا "میرے آقا! مَیں اِس سے متفق نہیں ہوں۔"

مَیں نے اِس سے پُوچھا کہ تمہیں کیوں اختلاف ہے تو اُس نے جواب دیا —"میرے خیال میں ہمیں مقتُول ہو جانا چاہیے۔ اِس طرح ہم سب جنّت میں جائیں گے۔"

لیکن ہم نے اس کی رائے سے اتّفاق نہیں کیا۔

یہ سوچ کر کہ اب ہمیں ہتھیار ڈال دینے ہیں مَیں نے اپنی صندوقچی نکالی جس میں

میرے جواہرات اور تبرکات تھے۔ میں نے صندوقچی دریا میں پھینک دی۔ ایک ملّاح نے مجھے مخاطب کر کے کہا: ''میرے آقا! اگر آپ نے مجھے یہ اجازت نہ دی کہ میں آپ کو بادشاہ کا چچازاد بھائی کہوں تو وہ آپ کو یقیناً قتل کر دیں گے۔'' میں نے کہا ''جو تمہاری مرضی ہے کہو!''

دُشمن کے اگلے جہاز نے ہمارے نزدیک پہنچ کر ہمارا راستہ روک لیا۔ دُشمن کا جہاز ہمارے جہاز کی گولائی سے چھُو رہا تھا۔ انہوں نے لنگر ڈال دیا۔ اس وقت یہ الفاظ سُنائی دیئے۔ پھر خُدا نے میری مدد کے لیے شہنشاہ[1] کی عرب رعیّت سے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ صِرف پاجامہ پہنے تھا، وہ تیرتا ہُوا سیدھا میرے جہاز پر آن پُہنچا، اس نے میرے گھٹنوں سے لپٹتے ہوئے کہا:۔

''میرے آقا! اگر آپ نے میری باتوں پر عمل نہ کیا تو آپ کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید نہیں آپ سُلطانی جہاز کے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر اس طرف دریا میں چھلانگ لگا دیں۔ وہ صرف آپ کے جہاز کو لُوٹنا چاہتے ہیں۔''

پھر اس نے اپنے جہاز والوں کو پُکارا انہوں نے اس کی طرف رسّا پھینکا۔ میں رسّا پکڑ کر پانی میں کُود گیا۔ میرے پیچھے پیچھے وہ عرب تھا۔ مَیں اِس قدر کمزور تھا۔ کہ اگر وہ مجھے جہاز تک نہ پہنچاتا تو مَیں ڈُوب گیا ہوتا۔ انہوں نے مجھے اپنے عرشۂ جہاز کے اُوپر کھینچ لیا جس پر تقریباً دو سو اسّی[2] مُسلمان تھے۔ وُہ نیک شخص مجھے اپنے بازوؤں میں تھامے عرشۂ جہاز پر لے گیا۔ اُدھر سے کئی تُرک تلواریں سونتے مجھے قتل کرنے بڑھے ـــــ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ عیسائیوں کو قتل کرنا باعثِ فخر ہے۔

انہوں نے دوبارہ مجھے زمین پر گرایا اور ایک دفعہ مجھے گھٹنوں کے بَل بٹھا دیا۔ مَیں نے خنجر کی نوک اپنے حلق پر محسُوس کی۔

لیکن میرے نجات دہندہ نے مجھے نہ چھوڑا اور لگاتار چلّاتا رہا: ''یہ بادشاہ کا چچازاد

---

[1] ظاہر ہے کہ شہنشاہ فریڈرک ثانی سسلی کے مُسلمانوں کا حکمران تھا۔ (مصنف)

بھائی ہے ـــــ بادشاہ کا چچازاد ـــــ"! بالآخر وُہ مجھے پکڑ کر قلعۂ جہاز تک لے گیا جہاں تُرک سردار جمع تھے۔

انہوں نے مجھے دیکھا تو میری زرہ اُتروا دی اور میری کمزوری پر ترس کھا کر مجھے قرمزی چُغہ پہنا دیا جس کے اندر سفید سمور کا اَستر تھا۔ یہ چُغہ میری والدہ کا تحفہ تھا۔ ایک تُرک سردار نے مجھے چرمی کمر بند دیا جس سے مَیں نے چُغے کو باندھ لیا۔ دُوسرے نے مجھے چھوٹی سی ٹوپی دی جو مَیں نے پہن لی۔ مَیں بیماری کی نقاہت اور خوف سے کانپنے لگا۔ مجھے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ وُہ میرے لیے برتن میں پانی لائے۔ مَیں نے تھوڑا سا پانی پیا۔ لیکن پانی میرے نتھنوں سے بہہ گیا۔ میرے خدمتگاروں نے میری یہ حالت دیکھی تو وُہ رونے لگے۔ خُدا معلوم اُس وقت میری حالت کتنی خراب تھی۔ بیماری نے میرا حلق بند کر دیا تھا۔

نیک دِل سردار نے میرے ساتھیوں سے پُوچھا کہ تُم کیوں رو رہے ہو؟ میری بیماری کی وجہ اس کی سمجھ میں آ گئی تو اُس نے اپنے نائب کی وساطت سے مجھ سے کہا "گھبراؤ نہیں! ہم تمہیں ایسا شربت دیں گے۔ جس سے تم دو دِن میں اچھے ہو جاؤ گے۔" انہوں نے ایسا ہی کیا اور خدا کے فضل سے مَیں مسلمانوں کے دیئے ہوئے شربت سے جلد اچھا ہو گیا۔

صحت یابی کے بعد ایک دِن مجھے سُلطانی جہاز کے امیر البحر[1] نے بلوایا اور پُوچھا کیا یہ ٹھیک ہے کہ تم بادشاہ کے چچازاد بھائی ہو؟ مَیں نے نفی میں جواب دیا اور وضاحت کی کہ مسلمانوں کے خوف سے میرے ملّاحوں نے مجھے بادشاہ کا چچازاد بھائی بتایا تھا۔ امیرالبحر نے کہا انہوں نے ٹھیک مشورہ دیا تھا ورنہ ہم تمہیں بھی قتل کر کے تمہاری لاش دریا میں پھینک دیتے۔ پھر اس نے مجھ سے پُوچھا کیا تمہارا شہنشاہ فیری ڈفریڈرک، سے کوئی

---

[1] ژانول نے امیر یا الامیر کے بجائے میر البحر لکھا ہے امیرالبحر کا لفظ یُوں صلیبیوں میں رائج ہوا (مصنّف)

رشتہ ہے۔ میں نے کہا کہ یقیناً میری والدہ اس کی عم زاد بہن ہیں۔ امیر البحر نے کہا "خوب! میں تم سے محبت اور مروت سے پیش آؤں گا۔"

میرے قید ہونے کے بعد جو اگلا اتوار آیا، اُس دن ہمیں جہاز سے اُتار کر ساحل پر لایا گیا میں ساحل پر منتظر تھا۔ کہ میں نے اپنے پادری ژان کو دیکھا۔ وہ اسے جہاز کے گودام سے گھسیٹ کر باہر لائے۔ کھلی ہوا میں پہنچ کر وُہ بے ہوش ہو گیا۔ ترکوں نے اسے قتل کر کے اس کی لاش دریا میں پھینک دی۔ پادری کا نائب بھی وبائی بیماری میں مبتلا تھا۔ وُہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس کے سر پر بھاری پتھر مار کر اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور اسے بھی اپنے آقا کی طرح دریا بُرد کر دیا۔

تُرکوں نے باقی قیدیوں سے بھی یہی سلوک کیا۔ وُہ گودام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ قیدیوں کو وہاں سے نکالا جاتا اور جو کوئی کمزور یا بیمار ہوتا اُسے قتل کر کے پانی میں پھینک دیا جاتا۔

مَیں نے انہیں اپنے نجات دہندہ کے ذریعے کہلوایا کہ یہ کام غلط ہے۔ یہ صلاح الدین کے دستور کے خلاف ہے۔ جس کا قول تھا کہ جس نے میرا نمک کھایا اسے امان ہے۔ امیر البحر نے جواب دیا کہ ہم صرف اُن آدمیوں کو مار رہے ہیں۔ جو بیمار ہیں اور نکمے ہو چکے ہیں۔ پھر اُس نے میرے آدمیوں کو میرے رُوبرو بلوایا اور کہا کہ یہ لوگ اپنے مذہب سے تائب ہو چکے ہیں۔ مَیں نے جواب دیا کہ مجھے اِن کی باتوں پر اعتماد نہیں۔ اگر انہوں نے میرا مذہب اِتنی جلدی چھوڑ دیا ہے تو بوقت ضرورت وُہ تمہارا مذہب بھی ایسے ہی چھوڑ دیں گے۔

امیر البحر نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ اور کہا کہ صلاح الدین نے کہا کرتا تھا کہ عیسائی کبھی اچھا مسلمان نہیں بنتا اور نہ مسلمان ہی کبھی اچھا عیسائی بن سکتا ہے۔ اِس کے بعد اُس نے مجھے ایک ٹٹو پر سوار کرایا۔ ہمارے گھوڑے ساتھ تھے، پل پار کر کے منصورہ پہنچے جہاں سینٹ لوئیس اور اس کے ساتھی مقید تھے۔

وہاں بڑے شامیانے کے سامنے وزیر بیٹھا قیدیوں کے نام لکھ رہا تھا۔ مجھ سے نام پوچھا گیا۔ اب مجھے نام چھپانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میرا نام بھی دوسروں کے ساتھ درج کر لیا گیا۔ جب ہم شامیانے میں داخل ہونے لگے : تو اُس مسلمان نے جس نے ابھی تک میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر یہ کہا :۔

"جناب! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ کیونکہ یہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اس لڑکے کو جو آپ کے ہمراہ ہے کبھی نہ چھوڑیں اور اس کی حمایت سے کبھی دست کش نہ ہوں ورنہ ترک اسے اٹھا لے جائیں گے۔" اس لڑکے کا نام بارتھالمیو تھا اور وہ لارڈ مانٹ فوکن ڈی بارکی ناجائز اولاد تھا۔ امیر البحر مجھے اور اس لڑکے کو کٹہرے میں لے گیا۔ جہاں فرانس کے نواب اور ہمارے دس ہزار آدمی تھے۔ انہوں نے میرا خیر مقدم کیا اور چاروں طرف سے خوشی کے نعرے بلند ہوئے کیونکہ وہ مجھے مقتول سمجھ چکے تھے۔

یہاں ایک بڑا کشادہ صحن تھا۔ جس کی چار دیواری کچی تھی۔ اس کے اندر نائٹ اور دوسرے آدمی بند تھے۔ جیل کے محافظ ایک ایک آدمی کو نکالتے اور اس سے پوچھتے "کیا تم اپنا مذہب ترک کرنے پر آمادہ ہو؟" اگر وہ ہاں میں جواب دیتے تو انہیں کسی اور جگہ لے جاتے اور اگر انکار کر دیتے تو اُن کی گردن مار دی جاتی۔ میری آمد سے تھوڑی دیر بعد سلطان کی کونسل نے ہمارے امیروں اور نائٹوں کو طلب کیا اور پوچھا کہ پیغام سلطانی تم میں سے کسے دیا جائے؟ ہم سب نے یک زبان ہو کر مترجم کی وساطت سے کہا کہ یہ پیغام کاؤنٹ پیٹر آف برٹینی کو دیا جائے۔ پیغام یہ تھا :۔

"آقا و مولا سلطان نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم دریافت کریں کیا تم آزاد ہونا چاہتے ہو؟"

"ہاں —— ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں۔" کاؤنٹ نے جواب دیا۔

"تم اپنی آزادی کی کیا قیمت ادا کرو گے"؟

"جو بھی معقول معاوضہ ہم دے سکیں گے۔"

"کیا تم سرزمین مقدس کا کوئی قلعہ دینے کو تیار ہو"؟

"ہم اس کے مجاز نہیں کیونکہ وہاں کے قلعے شہنشاہ کے تصرف میں ہیں"۔

کونسل نے پھر پوچھا "تو کیا تم ٹمپلر یا ہاسپٹلر نائٹوں کے چند قلعے ہمارے حوالے نہیں کر سکتے"؟

کاؤنٹ نے جواب دیا کہ ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ ان قلعوں کے سپاہی مقدس تبرکات پر حلف اُٹھا چکے ہیں۔ کہ وُہ اِن قلعوں کو کسی کے حوالے نہیں کریں گے۔

پھر تُرک آپس میں باتیں کرنے لگے، وُہ دوبارہ ہم سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں آزادی کی چنداں خواہش نہیں ہے۔ اب تمہیں اُن لوگوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جو تلوار کے دھنی ہیں۔ اور تم لوگوں سے برتاؤ کرنا خوب جانتے ہیں لیکن اس کے بجائے تھوڑی دیر بعد ایک قاصد آیا جس نے ہمیں یقین دلایا کہ تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ تمہارے بادشاہ نے تمہارا زرِ فدیہ ادا کرنا منظور کر لیا ہے۔

بادشاہ کی آزمائش کے لیے سُلطان کی کونسل نے اس سے بھی یہی مطالبات کیئے تھے۔ اچھے سینٹ لوئیس نے وہی جواب دیے جو ہم نے دیے تھے۔ اگرچہ کونسل نے اسے عذاب دینے کی دھمکی بھی دی تھی۔ بادشاہ نے ان کی دھمکیوں کی پروانہ کی اور کہا میں تمہارے ہاتھوں اسیر ہوں، تم جو چاہو کر گزرو۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ دھمکیاں اس پر کارگر نہیں ہوں گی تو کونسل نے اس سے دریافت کیا کہ تم دمیاط کے علاوہ اپنی رہائی کے لیے کیا ادا کرو گے؟ بادشاہ نے بخوشی اپنی فوج کی رہائی کے لیے پانچ لاکھ لوور اور اپنے زرِ فدیہ کے طور پر دمیاط کا شہر دینا منظور کر لیا —— کیونکہ بادشاہ کی قیمت مال و دولت میں شمار نہیں کی جاسکتی۔

جب سُلطان کو بادشاہ کی نیک نیّتی کا علم ہُوا تو اُس نے کہا:۔

"بخدا۔ یہ فرانسیسی بہت فراخ دل ہے کہ اس نے اِتنی بڑی رقم کے لیے جھگڑا نہیں کیا اور ہمارا پہلا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ جاؤ اور اُس سے کہہ دو کہ ہم اسے ایک لاکھ بوربطور تحفہ پیش کرتے ہیں اور اب اسے صِرف چار لاکھ بور ادا کرنے ہوں گے۔"

فرانسیسی اسیروں کو معلوم نہ تھا کہ قاہرہ میں مسلمانوں کے محلّات اور کیمپ میں بغاوت کی آگ سلگ رہی ہے۔ توران شاہ جس نے نصرانیوں سے شرائط صُلح طے کی تھیں، دراصل نام نہاد سُلطان تھا۔ اِس نے کئی اعلےٰ مملوک سرداروں کو معزُول کر دیا تھا اور ان کی املاک ضبط کر کے اپنے محبوب افسروں کو دے دی تھیں۔ چُنانچہ امرائے ثلاثہ کی وُہ جماعت اس کی مخالف ہو گئی جس نے صلیبیوں کے خلاف جنگ جاری رکھی تھی —— امرائے ثلاثہ کے اِس عجیب اتحاد میں شجرۃ الدر، ترکمان اور بیبارس شامل تھے[1]۔

فاتح مملوکوں کے مُنہ آنا خطرناک کھیل تھا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اب مملوکوں کو یہ احساس ہو گیا تھا۔ کہ توران شاہ کے ساتھ حکومت میں اِشتراک ناممکن ہے۔ دونوں میں سے ایک کو جُھکنا پڑے گا۔ مملوکوں نے سُلطان کے قتل کا خُفیہ منصُوبہ بنایا اور خاندان ایوّبی کے آخری تاجدار کا خاتمہ کر دیا۔ اِس کے بعد جو کچھ ہُوا وہ ژانوِل نے کچھ دیکھا کچھ سُنا۔ اِس کا تذکرہ اِسی کی زبانی سُنیئے:۔

---

[1] مصری مؤرخ مقریزی لکھتا ہے کہ "سُلطان کو صرف چند مقربین پر اعتماد تھا۔ اس نے اپنے والد کے امیروں کو اور وزیروں کو برطرف کر کے انہیں مناصب جلیلہ پر فائز کر دیا۔ اِس پر مُستزاد یہ کہ وہ مملوکوں سے نفرت کرتا تھا۔ جنہوں نے ابھی ابھی اِتنی شاندار فتح حاصل کی تھی۔ اِس نے خزانے کو عیش و عشرت میں لُٹا دیا۔ اِس نے سُلطانہ شجرۃ الدر سے جبراً اپنے باپ کے مال و دولت کا حساب لیا۔ سلطانہ نے مملوکوں کی پناہ طلب کی۔ مملوک توران سے ناراض تھے۔ وہ شجرۃ الدر کی حمایت کرنے سے نہ گھبرائے اور توران شاہ کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔" (مصنّف)

سازشیوں نے متوفی سُلطان کے وزیر کو صلاح مشورے کے بعد اپنے ساتھ ملا لیا وہ موجودہ سُلطان کے خلاف تھا جس نے اسے معزول کر دیا تھا۔ انہوں نے سُلطان کے "حلقہ"، یعنی ذاتی محافظ دستے کی بھی حمائت حاصل کر لی اور سازشی امیروں نے اہلِ حلقہ سے کہا کہ دمیاط فتح ہو چکا ہے اور سُلطان دمیاط جا رہا ہے۔ سُلطان نے امیروں کو مسلّح ہو کر پہنچنے کا حُکم دیا ہے۔ چُنانچہ افسر گھوڑے دَوڑاتے فوراً دمیاط کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم نے انہیں یُوں جاتے دیکھا تو ڈر گئے اور سوچنے لگے کہ شاید مسلمانوں نے دمیاط پر بزورِ شمشیر قبضہ کر لیا ہے۔

اِس وقت ہم ایک جنگی جہاز میں مقیم تھے۔ جو سُلطان کے ایوان کے سامنے لنگر انداز تھا۔ ایوانِ سُلطانی ایک وسیع میدان میں تھا۔ جس کے چاروں طرف دیودار کے کھمبے لگے ہوئے تھے۔ اِن کھمبوں پر رنگین غلاف تھے۔ ایک جانب عالی شان شامیانہ نصب کیا گیا تھا جس کے خوبصورت دروازے سے متصّل بلند مینار تھا۔ اِس میدان کے اندر ایک خوش نما باغ تھا جس میں سُلطان کی قیام گاہ تھی۔ اِس کے ساتھ ہی ایک بلند مینار تھا جس سے اردگرد کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ باغ سے ایک راستہ دریا تک چلا گیا تھا۔ اِس راستے کے آخر میں ریت کے کنارے سُلطان کی گرمائی قیام گاہ تھی۔ یہ مکان جالی دار تھا۔ جالیوں کے گرد ہندی کتان کی پوشش تھی۔ گرمیوں میں سُلطان یہاں رہتا اور دریا میں غُسل کیا کرتا۔

اس دِن سُلطان نے امیرانِ حلقہ کو اپنے ایوان میں شام کے کھانے پر بُلایا تھا۔ ضیافت کے بعد وُہ امیروں سے رُخصت ہو کر اپنی خوابگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ کہ اس کے شمشیر بردار نے اس پر تلوار کا وار کیا جو اس کے ہاتھ پر پڑا اور اس کی چاروں اُنگلیوں کے درمیان شگاف ہو گیا۔

سُلطان نے چلّا کر امیروں کو بُلایا در اصل انہی امیروں نے حملہ آور کو اُکسایا تھا۔

"دیکھتے ہو میرے ہی حلقے کے آدمی مجھ پر حملہ کر رہے ہیں ـــــ یہ دیکھو میرا ہاتھ"۔
"جی ہاں! لیکن اس کے بدلے آپ ہمیں قتل کرائیں گے ـــــ بہتر ہے کہ تمہیں قتل کر دیا جائے۔"

زخمی سلطان سمجھ گیا کہ اِن لوگوں کا سازش میں ہاتھ ہے۔ وہ بھاگ کر اپنی قیام گاہ سے متصل پہرے کے بلند مینار پر چڑھ گیا۔ اِدھر اہلِ حلقہ نے اس کے ایوانوں اور ملحقہ کمروں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ اِس مینار میں تین عالم موجود تھے، جنہوں نے ابھی ابھی اس کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ انہوں نے سلطان کو نیچے جانے کا مشورہ دیا۔ سلطان نے کہا میں تیار ہوں بشرطیکہ آپ میری جان بخشی کی ضمانت دیں۔ اِدھر باہر سے آدمی چلائے کہ ہم اسے بزور باہر نکالیں گے۔ انہوں نے مینار میں آتش نفت پھینکی۔ مینار دیودار اور کپڑے کا بنا ہُوا تھا۔ اِس میں فوراً آگ بھڑکنے لگی۔ میں نے کبھی اتنی تیز اور روشن آگ نہیں دیکھی۔

جب سلطان نے خود کو شعلوں سے گھرا ہُوا پایا تو وہ جلدی سے اُتر کر باغ میں آیا اور وہاں سے دریا کا رُخ کیا۔ وہ تھوڑی دُور ہی گیا ہوگا کہ اہلِ حلقہ میں سے کسی نے بڑھ کر اس کی پسلیوں پر تلوار سے وار کیا۔ تلوار اس کے جسم میں پیوست ہوگئی مگر وہ پھر بھی بھاگ گیا اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔ چند آدمیوں نے کشتی میں اس کا تعاقب کیا۔ اور ہمارے جہاز کے قریب اُسے قتل کر دیا۔

قاتلوں میں سے ایک کا نام فرقطائی تھا۔ اس نے بڑھ کر سلطان کے جسدِ بے جان کے دو ٹکڑے کر دیے اور نوچ کر اس کا دل نکال لیا۔ وہ ہمارے جہاز پر آیا اور خون آلود ہاتھ لیے بادشاہ کے رُوبرو آن کھڑا ہُوا۔ "تم مجھے کیا انعام دو گے۔ میں نے تمہارے دشمن کو قتل کر دیا ہے۔ اگر وہ زندہ رہتا تو تمہیں مروا دیتا۔" لیکن نیک دل سینٹ لوئیس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس کے بعد تقریباً تیس[۳] آدمی ہمارے جہاز پر چڑھ آئے ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور تبر ان کی گردنوں میں لٹک رہے تھے۔ میں نے سر بالڈون ڈی ابلین سے جو عربی جانتا تھا سوال کیا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ ہماری گردن مارنے آئے ہیں۔ اس کے بعد ہم میں سے کئی لوگوں نے لاٹرنٹی کے ایک راہب کے رُوبرو اپنے گُناہوں کا اعتراف کیا۔ یہ راہب کاؤنٹ آف فلانڈرز کے ہمراہ تھا۔ میرے ذہن میں کسی گُناہ یا بُرائی کا خیال نہ آیا جس کا میں مرتکب ہُوا ہوں —— لیکن اب موت یقینی معلوم ہوتی تھی۔

میں نے دو زانو ہو کر خود پر صلیب کا نشان بنایا۔ قبرص کا کانسٹیبل سر گائی ڈی ابلین بھی میرے ساتھ دو زانو تھا۔ اِس نے میرے رُوبرو گناہوں کا اعتراف کیا۔ خدا کے فضل سے میں نے اسے کامل مُعافی دے دی۔ اس نے جو بھی باتیں کہیں میں اُٹھتے ہی بھُول گیا۔

وہ ہمیں جہاز کے تہہ خانے میں لے گئے انہوں نے ہمارے سر اور ٹانگیں باندھ دیں۔ ہم نے سوچا کہ اس طرح ہمیں باری باری قتل کیا جائے گا۔ ساری رات ہم اسی طرح بندھے رہے۔ میرے پاؤں کاؤنٹ آف برٹینی کے چہرے کو چھُو رہے تھے اور اس کے پاؤں میرے چہرے سے ملحق تھے۔ صُبح کو ہمیں تہہ خانے سے نکالا گیا۔ امیروں نے ہمیں بُلایا۔ اور مطالبہ کیا کہ ہم اِس معاہدے کا اعادہ کریں جو ہم نے سُلطان کے ساتھ کیا تھا۔ بادشاہ حلف اُٹھائے اور دریا سے رُخصت ہونے سے پیشتر دو لاکھ پورا دا کرے اور بقایا دو لاکھ وہ عکّہ میں جا کر ادا کرے[۱]۔

---

[۱] فرانسیسی امراء کی جان بچانے میں دو عورتوں نے نمایاں حصّہ لیا۔ باغی مملوک سردار سب حملے آور ں کو تہ تیغ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن قاہرہ سے شجرۃ الدر نے اعلیٰ امیروں کے ذریعے سے مداخلت کی اور انہیں توران شاہ کے معاہدے پر رضامند کر لیا۔ اِدھر ملکہ مارگریٹ (سلسلہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۵۴۷)

بادشاہ اور امیروں نے معاہدے کی پابندی کا حلف اُٹھانا منظور کر لیا۔ اِس حلف کی عبارت باقاعدہ طور پر تحریر کی گئی۔ امیروں نے حلف اُٹھایا کہ اگر ہم حلف شکنی کریں تو ایسے ذلیل و خوار سمجھے جائیں جیسے برہنہ سر حج کو جانے والے یا ایسے بے غیرت متصوّر ہوں جو اپنی بیویوں کو طلاق دے کر واپس لے لیں۔ یا خنزیر کھانے والوں کی طرح پلید سمجھے جائیں۔ شرع محمدی کا قانون ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی بیوی کو طلاق دے کر اُسے واپس نہیں لے سکتا اور اگر وہ ایسا چاہے، تو عورت کو پہلے کسی اور کے عقد میں جانا ضروری ہے۔ بادشاہ نے امیروں کی قسم منظور کر لی۔ کیونکہ نکول حاکم عکہ نے جوان کی رسوم سے بخوبی واقف تھا، بادشاہ کو یقین دلایا کہ اِن کے ہاں اِس سے بڑی قسم کوئی نہیں۔

امیروں نے قسم کھانے کے بعد بادشاہ سے حلف کا تحریری مطالبہ کیا۔ یہ قسم انہوں نے مرتد عیسائیوں کے مشورے سے تیار کی تھی۔ بادشاہ حلف اُٹھائے کہ اگر میں وعدہ شکنی کروں تو خود کو حضور خداوندی سے خارج سمجھوں۔ اگر میں اِس پیمان کی خلاف ورزی کروں تو عیسائیت سے مرتد اور منکر خدا ہو جاؤں اور انکار خدا کے علاوہ میں مقدّس صلیب پر تھوک دوں اور اسے پاؤں تلے روند دوں جب بادشاہ نے اِس قسم کی عبارت سُنی تو اس نے کہا میں ہرگز ایسا حلف نہ لوں گا۔

امیروں کو معلوم ہُوا کہ بادشاہ نے انکار کر دیا ہے تو وہ سخت برہم ہوئے۔ وہ قسم کھا چکے تھے اور بادشاہ نے انکار کر دیا تھا۔ ماسٹر نکول نے بادشاہ کو سمجھایا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے قسم نہ کھائی تو وہ آپ کو اور آپ کی ساری فوج کو تہ تیغ کر دیں گے۔

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۵۴۷) اپنی سپاہ سمیت دمیاط میں ثابت قدم رہی۔ اِس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ بادشاہ کے حکم کے بغیر شہر حوالے نہیں کیا جائے گا۔

تُوران شاہ کے قتل سے صلاح الدین کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جنگجو مملوک سرداروں کا اقتدار شروع ہُوا۔ فرانسیسی بادشاہ کی شکست مسلمانوں کی نصرت اور اقتدار کی تمہید تھی۔

بادشاہ نے جواب دیا ان کا جو جی چاہے کریں۔ اِس وقت یروشلم کا بطریقِ اعظم بادشاہ کے ساتھ تھا۔ اِس کی عمر تقریباً اسّی سال تھی۔ وُہ تُرکوں سے پروانہ راہداری لے کر بادشاہ کے پاس آیا تھا۔ امیروں کو شک ہُوا کہ بطریق نے بادشاہ کو ورغلایا ہے +

انہوں نے بُوڑھے بطریق کو پکڑ کر بادشاہ کے رُوبرو ایک لکڑی سے باندھ دیا، گردن کے پیچھے اس کے ہاتھ اس سختی سے باندھے گئے کہ وُہ سُوج کر اس کے سر کے برابر موٹے ہو گئے اور ان سے خُون بہنے لگا۔

"اُف ـــــ میرے آقا! وُہ سخت درد سے چلّایا۔ بہادری سے قسم کھائیے، اِس کا گُناہ مَیں اپنے ذمّے لیتا ہوں" +

مجھے معلوم نہیں کہ بالآخر بادشاہ نے یہ قسم کیسے کھائی۔ بہرکیف امیر، بادشاہ اور نائٹوں کے حلف سے مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے خوشی سے بادشاہ کے خیمے کے سامنے تُرم اور طبل بجوائے۔ یہ بھی سُنا ہے کہ کئی امیر اسے مصر کا سُلطان مُنتخب کرنے پر آمادہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے اِس سے زیادہ خود دار شخص کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بادشاہ نے مجھ سے مشورہ طلب کیا اور کہا کیا مَیں مصر کی بادشاہی کی پیش کش قبول کر لوں؟ مَیں نے جواب دیا "اِس سے بڑھ کر کیا حماقت ہو سکتی ہے۔ اِنہوں نے ابھی ابھی اپنے بادشاہ کا کیا حشر کیا ہے لیکن اِس نے جواب دیا کہ مَیں انکار نہیں کروں گا +

اب ملکہ کی داستانِ الم بھی سُن لیجئے۔ اِس بےچاری پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور اس کا جگر فگار ہو گیا۔

وُہ دمیاط میں تھی، اُسے بچّے کی پیدائش سے تین دن پہلے خبر ملی کہ اس کا خاوند اسیر ہو گیا ہے۔ اِس خبر سے اِس کے دماغ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ اسے اپنے ایوان میں ہر وقت تلوار سونتے تُرک نظر آنے لگے، جو اس کے قتل کے در پے ہوتے۔ وہ مسلسل چلّاتی رہتی۔ "بچاؤ ـــــ بچاؤ" حالانکہ اس کے قریب کہیں بھی دُشمن کا شائبہ تک نہ

تھا۔ اِسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں خوف سے میرا حمل نہ ضائع ہو جائے۔ اِس لیے اُس نے اپنے پلنگ کی پائنتی کی طرف ایک نائٹ کو پہرے پر متعین کر دیا۔ اِس بوڑھے نائٹ کی عمر اسّی سال سے کم نہ ہوگی۔ وہ ساری رات جاگتا رہتا اور جب بھی وہ چیختی اس کے ہاتھ کو پکڑ کر کہتا ــــ "محترمہ اِس طرح نہ ڈریئے! میں آپ کے پاس ہوں۔ اِس خوف پر قابو پائیے!"

زچگی سے پہلے اِس نے بوڑھے نائٹ کے سوا سب خدمت گاروں کو اپنے کمرے سے برخاست کر دیا۔ اِس نے نائٹ سے کہا تم مجھ پر ایک مہربانی کرو۔ نائٹ نے حلف اُٹھایا اور کہا کہ میں تعمیل کروں گا۔ ملکہ نے کہا "اچھے نائٹ میں تمہیں قسم کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں کہ اگر ترک اِس شہر کو فتح کر لیں تو پیشتر اس کے کہ ان کا شہر پر قبضہ ہو، تم اپنی تلوار سے میرا سر تن سے جدا کر دینا۔"

نائٹ نے جواب دیا کہ میں بخوشی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ در اصل آپ کے ارشاد سے پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔

زچگی کے دِن ملکہ کو خبر ملی کہ پیزا اور جنیوا کے تاجر اور عام لوگ بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر شہر سے بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ اِس نے چند ایک کو بلوایا اور ان سے یوں مخاطب ہوئی۔ "معزّزین! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ شہر چھوڑ کر نہ جاؤ؟ اگر تم لوگوں نے ایسا کیا تو میرے سرتاج یعنی تمہارے بادشاہ اور عیسائی فوج کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ خدارا تم مجھ پر ترس کھاؤ۔ دیکھو میں کیسے درد سے تڑپ رہی ہوں۔ میں درد کی ماری تم سے التجا کرتی ہوں۔"

انہوں نے جواب دیا کہ اب اِس شہر میں رہنا ممکن نہیں، ہم فاقہ کشی سے مر رہے ہیں۔[1]

---

[1] جہازوں پر کافی تعداد میں سامانِ رسد موجود تھا۔ اہلِ جنیوا اور اہلِ پیزا فرانسیسی فوج کو اپنے جہازوں میں لائے تھے۔ در اصل وہ سینٹ لوئیس کی صلح کی پہلی (سلسلہ کے لئے دیکھیے صفحہ نمبر ۵۵۱)

اِس نے کہا "مَیں تمہیں بھُوک سے نہیں مرنے دُوں گی اور بادشاہ کے نام پر سارا سامان خرید لوں گی"۔ اِس بیچاری نے مجبوراً جو بھی سامانِ رسد مل سکا، تین لاکھ ساٹھ ہزار لیور کے عوض خرید لیا +

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہُوا۔ اِس کا نام جان اور لقب ٹرسٹن تجویز ہُوا۔ کیونکہ وہ مصیبت کے دِنوں میں پیدا ہُوا تھا۔ ملکہ کو پُوری طرح صحت یاب ہونے سے پہلے ہی بسترِ زچگی سے اُٹھنا پڑا کیونکہ دمیاط تُرکوں کے حوالے کر دیا گیا تھا اور اسے جہاز میں مُنتقل ہونا پڑا۔

صعودِ مسیح کے تہوار سے ایک دِن پہلے صُبح کے وقت سَر جافرے ڈی سَرجنز شہر میں داخل ہُوا اور شہر امیروں کے حوالے کر دیا۔ یکدم شہر کی فصیلوں پر سُلطان کے پرچم لہرانے لگے۔ تُرک شہر میں داخل ہوئے اور جہاں کہیں انہیں شراب ملی انہوں نے خوب پی۔ اکثر تُرک بدمست ہو گئے۔ ایک امیر جو ہمارا سخت مخالف تھا، ساحلِ دریا کی طرف بڑھا اور ملّاحوں کو حُکم دیا کہ انہیں قاہرہ واپس لے جاؤ۔

بادشاہ سمیت ہمیں علی الصبح رہا ہونا تھا لیکن انہوں نے ہمیں شام تک ٹھہرائے رکھا۔ ہمیں کھانے کے لیے کچھ نہ ملا۔ امیر بھی بھُوکے رہے۔ وہ ہمارے مُستقبل کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

ایک امیر نے کہا "ہم بادشاہ اور ان نائٹوں کو تہ تیغ کر دیں تو آئندہ چالیس سال تک

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۵۵۰) پیش کش سے غیر مطمئن تھے۔ بادشاہ نے دمیاط کے عوض یروشلم طلب کیا تھا۔ توران شاہ نے یہ پیش کش رد کر دی تھی۔ اب فرانسیسی فوج کو فیصلہ کُن شکست ہو چکی تھی۔ دریں حالات اطالوی جہاز رانوں کو فرانسیسی فوج سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وُہ انہیں مصر میں چھوڑ کر جانے پر آمادہ تھے۔ یہ مشکوک امر ہے کہ وہ ملکہ مارگریٹ کی التجا سے متاثر ہو کر ٹھہرے۔ ملکہ گراں قیمت دے کر ان سے سامانِ رسد خریدنے لگی در اصل وہ اِس نفع خوری کی توقع کی وجہ سے رُکے تھے۔ (مصنف)

کسی کو ہمارے خلاف تلوار اُٹھانے کی جُرأت نہ ہو گی۔ ان کے بیٹے ابھی کم سن ہیں اور دمیاط ہمارے قبضے سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

لیکن دُوسرے امیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "ہم سُلطان کو قتل کر چکے ہیں اگر ہم اس بادشاہ کو بھی قتل کر دیں گے تو ہماری بڑی رُسوائی ہو گی اور لوگ کہیں گے کہ مصریوں میں خوئے وفا نہیں۔"

پہلے امیر نے جواب دیا "لیکن سُلطان کو قتل کرنے میں ہم شرع محمدیؐ کی خلاف ورزی کے مُرتکب ہوئے۔ اب شرع کا دُوسرا حُکم سنو۔ اپنے دین کی سلامتی کی ضمانت کے لیے دُشمنانِ دین کو قتل کر دو۔ اب تم چاہتے ہو کہ ہم اس حُکم کی بھی خلاف ورزی کریں اور سب سے بڑے کافر کو چھوڑ دیں۔"

بہر کیف خُدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ امیروں نے آپس میں مشورہ کیا اور شام کے وقت ہماری رہائی کا فیصلہ کر دیا۔ ہمیں دمیاط لایا گیا اور ہمارے جہازوں کو ساحل کے قریب کھڑا کر دیا گیا۔ ہم نے ساحل پر اُترنے کی اجازت طلب کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ جانے سے پہلے آپ لوگ کھانا کھا کر تازہ دم ہو جائیں۔ امیروں کے لیئے یہ باعثِ شرم ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کو بھوکے رہا کریں۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے ہمیں کھانے پینے کا سامان بھیجا جس میں دھوپ میں پکی ہوئی پنیر کی روٹیاں اور سخت اُبلے ہوئے انڈے تھے ہمارے اعزاز میں انڈوں کے چھلکوں پر رنگ کیا گیا تھا۔ ہم تھوڑا بہت کھا کر فارغ ہوئے تو انہوں نے ہمیں ساحل پر اُتار دیا۔ دریا کے کنارے ایک شامیانے میں بادشاہ قید تھا۔ وہ بادشاہ کو لے کر آئے اور ہم اس کے استقبال کے لیے بڑھے۔ پیدل امیروں نے بادشاہ کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں۔

اتفاق سے اس وقت بادشاہ کے مقابل دریا میں ایک جنیوی جہاز کھڑا تھا۔

عرشۂ جہاز پر صرف ایک آدمی کھڑا نظر آتا تھا۔ اِس شخص نے بادشاہ کو دیکھا تو سیٹی بجائی اور چشم زدن میں اسّی گز انداز اپنی کمانوں میں گز چڑھائے چھلانگ لگا کر عرشۂ جہاز پر نمودار ہو گئے۔ جب تُرکوں نے انہیں دیکھا تو وُہ بھیڑوں کی طرح بھاگ گئے۔ صرف تین چار تُرک بادشاہ کے پاس رہ گئے۔ جنیوی ملّاحوں نے ساحل تک تختہ بچھایا۔ بادشاہ اور اُس کا بھائی کاؤنٹ آف آنجؤ سَر جافرے سَر جنز، مارشل آف فرانس اور راقم عرشۂ جہاز پر پہنچ گئے۔ کاؤنٹ آف پوشیرز تُرکوں کے پاس بطورِ یرغمال اسیر رہا۔ بادشاہ نے دریا سے روانہ ہونے سے پیشتر زرِ فدیہ کی رقم ادا کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔

کاؤنٹ آف فلانڈرز اور دیگر امیر کبیر بادشاہ سے رُخصت طلب کرنے آئے۔ اِس کے بعد انھوں نے اپنے جہازوں میں سوار ہو کر فرانس کی راہ لی۔ کاؤنٹ آف بریٹنی بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وُہ سخت بیمار تھا۔ وُہ اِس بیماری سے جانبر نہ ہو سکا اور تین ہفتے کے بعد چل بسا۔

ہفتہ اور اتوار کا سارا دِن زرِ فدیہ کی ادائی میں گزُر گیا۔ یہ رقم ترازو میں تول کر ادا کر دی گئی۔ ابھی پُوری رقم ادا نہ ہوئی تھی کہ چند لارڈوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اپنے بھائی کی خلاصی تک کچھ رقم روک لی جائے۔ لیکن بادشاہ نے انکار کر دیا۔ اِس نے کہا جب ہم دریا چھوڑنے سے پہلے ساری رقم ادا کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں تو ساری رقم ادا کی جائے۔ اس وقت سَر فلپ آف مانٹفورٹ نے بادشاہ کو بتایا کہ تُرکوں نے ایک تول کو شمار نہیں کیا اور اس طرح ہمیں دس ہزار لِور کا خسارہ ہُوا ہے۔ بادشاہ سخت برہم ہُوا اور سَر فلپ کو ایمان کا واسطہ دے کر کہا کہ جاؤ اور اس خسارے کو پُورا کرو۔

بادشاہ کو ناراض دیکھ کر لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے جہاز پر تشریف

لے جائیں جو سمندر میں آپ کا منتظر ہے۔ آپ کو ترکوں کی دسترس سے دُور نکل جانا چاہیے۔
اِن کی منت سماجت سے بادشاہ مان گیا۔

بالآخر ہم ساحل سے کوس بھر دُور نکل گئے اور جہاز سمندر کی سطح پہ پھیل گئے۔ اس وقت ہم سب خاموش تھے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کاؤنٹ آف پوشیرز کا خیال تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر فلپ جو دس ہزار پور کا خسارہ پورا کرنے کے لیے پیچھے رہ گیا تھا آن پہنچا۔ اِس نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آقا! آقا! آپ کا بھائی کاؤنٹ بھی دُوسرے جہاز میں آ رہا ہے۔"

بادشاہ نے اپنے مصاحبوں سے کہا "خوشی مناؤ ——— خوشی مناؤ ———" بادشاہ کے بھائی کی آمد سے ہم سب خوش ہوئے۔ ایک غریب مچھیرا بھاگا ہُوا کاؤنٹس آف پوشیرز کے پاس یہ مژدہ لے کر گیا۔ اِس نے اپنے خاوند کی رہائی کی خوشی میں اسے بیس پور پیرسی انعام دیے۔ پھر ہم اپنے اپنے جہازوں میں سوار ہوئے اور سرزمین مصر کو خیرباد کہا۔

بادشاہ کے پاس کپڑوں کے صرف دو جوڑے تھے اور یہ بھی اسے سلطان نے دیے تھے۔ یہ لباس سیاہ ریشم کے تھے اور ان کے اندر قاقم کا استر تھا۔

مَیں سفر عکّہ کے دَوران میں سخت علیل تھا۔ اور بیشتر وقت بادشاہ کے پاس بیٹھا رہتا۔ اِس وقت بادشاہ نے مجھے اپنی قید اور رہائی کی سرگزشت سُنائی۔ کبھی کبھی اپنے بھائی کاؤنٹ آف ارتائس کی یاد میں اشک بار ہو جاتا۔

ایک دِن بادشاہ نے پُوچھا کہ کاؤنٹ آنجو کیا کر رہا ہے؟ اگرچہ وُہ اِسی جہاز میں تھا لیکن اِس نے کبھی بادشاہ کے نیاز حاصِل نہ کیے۔ بادشاہ کو جواب مِلا کہ آپ کا بھائی اور سر والٹر آف نیمورز دونوں شطرنج پر داؤ لگا رہے ہیں۔ طویل علالت سے بادشاہ خاصا کمزور تھا اور چل پھر نہیں سکتا تھا۔ کمزوری کے باوجود ڈگمگاتا ہُوا اُس جگہ جا پہنچا جہاں وُہ شطرنج کھیلنے میں مصروف تھے۔ اِس نے بساط اور مُہرے

اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیے۔ اپنے بھائی کو یُوں لہو و لعب میں مشغول دیکھ کر اسے سخت طیش آیا اور اُس نے کہا "کیا تُم اپنے بھائی ارتا ئس کی مَوت بھُول گئے ہو؟ کیا تُم اُن مصیبتوں کو فراموش کر چکے ہو جن سے خُدا نے ہمیں نجات بخشی ہے؟" اس سے سَرو الٹر کے مزے ہو گئے۔ بادشاہ نے سکّوں کا سارا ڈھیر اس کی جھولی میں ڈالا اور چلا گیا۔"

۵۱

فلسطین کو الوداع

فرانسیسی شجاعت مصر میں بالکل ناکام رہی تھی۔ صلیبیوں کو منصورہ کی دُوسری لڑائی میں شکست فاش ہوئی تھی۔ اِس سے پہلے انہیں کبھی ایسی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ صلیبی مہم کی ناکامی کے بعد سینٹ لوئیس نے اپنے بھائیوں اور باقی ماندہ لارڈوں کو فرانس واپس جانے کی اجازت دے دی لیکن وُہ خود ان کے ہمراہ نہ گیا۔ اِسے شدید احساس تھا کہ میری وجہ سے فرانس کی عزّت اور مسیحیت کی جنگی قوت کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اِس شکست کا داغ دھونے کے لیے وُہ چار سال تک ساحلِ فلسطین پر مقیم رہا۔ وُہ یروشلم فتح کر کے نیک نامی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وُہ مملوکوں سے دس سالہ صُلح کر چکا تھا۔ اب وہ گفت و شنید سے وہ مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جسے وُہ تلوار سے حاصِل نہیں کر سکا تھا۔ لیکن فوج کے بغیر اِس مقصد میں کامیابی محال تھی۔ قبرص میں جمع ہونے والے اٹھائیس سَو نائٹوں میں سے صِرف ایک سَو نائٹ اِس کے ساتھ رہ گئے تھے باقی ماندہ نائٹ ساحل نیل سے وبائی بیماری ساتھ لائے تھے اور ابھی تک

کمزور اور علیل تھے۔

ژائول لکھتا ہے کہ میں عکہ کے ریکٹر[1] کے ہاں مقیم تھا اور سخت بیمار، سوائے ایک کے میرے سارے خدمت گار بھی علیل تھے۔ میرے دریچے کے سامنے سے ہر روز تقریباً بیس[20] جنازے گزرتے۔ پادری ان کے سامنے انجیل کی آیتیں تلاوت کرتے جاتے۔ اس منظر سے طبیعت اور زیادہ مضمحل اور پژمردہ ہو جاتی۔

اس پر ستم ظریفی یہ تھی کہ امیروں سے ہماری نہ مستقل صلح تھی اور نہ باقاعدہ جنگ۔ ہماری فوج اتنی مختصر تھی کہ ہم بمشکل چودہ سو[1400] سپاہی جمع کر پائے تھے۔

---

[1] کلیسائی عہدہ دار۔ (مترجم)

ایک دن بادشاہ کے توپچی جان ارمنی کو بازار میں ایک بوڑھا مل گیا۔ اس بوڑھے نے پوچھا کیا "تم عیسائی ہو؟" اس نے جواب دیا۔ "ہاں"۔ تو بوڑھے نے کہا:۔

"تم لوگوں میں سخت نفاق اور نفرت ہے۔ گناہوں نے تمہیں راستی کی راہ سے ہٹا دیا ہے۔ پرانے لوگ تم سے اچھے تھے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ یروشلم کے کوڑھی بادشاہ بالڈون نے صرف تین سو سواروں سے صلاح الدین کو شکست دی تھی لیکن تم لوگ میدانِ جنگ میں وحشی جانوروں سے بھی بدتر ہو"

رفتہ رفتہ وہ صحت یاب ہو گئے اور بادشاہ کے عزم کو بھی خاصی کامیابی نصیب ہوئی۔ اس نے ساحلی شہروں اور بالخصوص جافا کی دیواروں کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ اس نے بانیاس تک فوج کشی کی۔ مصیاف سے فدائیوں کے قاصد اس کے پاس آئے تو اس نے انہیں انعام دے کر رخصت کیا۔ ژانول ان عجیب قاصدوں کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس کے قول کے مطابق وہ اپنے ہاتھوں میں بادشاہوں کی موت کے پروانے لیے پھرتے انہوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ ہمیں ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں کو خراج دینا پڑتا ہے۔ فدائی لوگ ٹمپل اور ہاسپٹل کے جنگجو راہبوں کو اپنے خون آشام خنجروں سے خائف نہیں کر سکے تھے۔ ان فرقوں کا دستور مختلف تھا۔ اگر ایک سربراہ قتل ہو جاتا تو اس کی جگہ لینے کے لیے دوسرا تیار ہوتا۔ اس لیے فدائی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔

ژانول نے ایشیا کی تجارتی شاہراہوں کے قصے اور مشرق کی قدیم داستانیں سنیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ یاجوج اور ماجوج کی دیوار سے پرے ریگ زاروں میں پریسٹر[1] جان کی عظیم الشان

---

[1] پرانی انگریزی میں پریسٹر کے معنی ہیں پادری کے۔ بارھویں صدی کے عیسائیوں کا خیال تھا کہ ایشیا یا افریقہ میں ایک عظیم الشان عیسائی حکمران ہے جو عیسائیت کی حمایت کے لیے صف آرا ہوگا اور یروشلم کو مسلمانوں سے ہٹا کرائیگا۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ عیسائیت کا یہ نجات دہندہ زود یا بدیر نمودار ہوگا۔ اور عیسائیوں کی ابتلا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسلمانوں میں ظہورِ مہدی کے عقیدے کو پریسٹر جان کی عیسائی روایت کا مترادف سمجھا جا سکتا ہے۔ بظاہر دونوں روایات کا باہمی تعلق نہیں۔ (مترجم)

مسیحی سلطنت ہے جو تاتاریوں کے خان اعظم سے برسرِ پیکار ہے۔ لوئیس نے منگول خوانین کو مطلے انجلیں اور عبادت کے لیے قرمزی رنگ کا زر دوزی شامیانہ بطورِ تحفہ ارسال کیا۔ شیخ الجبل نے بادشاہ کو اس کے تحائف کے بدلے میں ایک گراں قدر تحفہ بھیجا جس میں بلور کا ہاتھی اور بلور کے آدمی عنبر کے ٹکڑے میں نصب تھے۔ عنبر کے گرد طلائی حاشیہ بنا ہوا تھا۔ جب صندوقچہ کھولا گیا تو سارا ایوان عنبر کی تیز خوشبو سے مہک اُٹھا۔

بادشاہ نے بڑی تندہی سے ساحلی علاقے کے مزاروں سے تبرکات اکٹھے کیے۔ وہ فرانس جا کر ان تبرکات کو اپنے نئے گرجے میں رکھنا چاہتا تھا، جو اس نے مسیحؑ کے "کانٹوں اور صلیب" کے احترام میں تعمیر کرایا تھا۔ بادشاہ اِن باتوں سے بہت خوش رہتا۔ ایک دن اس نے ژرانول سے کہا:-

"معزز قلعہ دار! میرا دل بڑا دُکھ محسوس کرتا ہے کہ مجھے نیک اور پاک طینت دوستوں کو خیر باد کہہ کر ایسے خبیثوں کے پاس جانا ہوگا۔ جیسے کہ دربارِ روم میں ہیں۔"

مسلمانوں نے اسے یروشلم کی زیارت کی اجازت دے دی اور سلامتی کی ضمانت بھی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اِسے رچرڈ شیر دِل کی مثال یاد تھی اس نے رچرڈ کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا:

"میں یروشلم کو نجات نہ دلا سکا۔ میری دُعا ہے کہ اب میری آنکھیں اِس مقدس شہر کو کبھی نہ دیکھیں۔"

ساحلِ شام کا قیام ملکہ مارگریٹ کے لیے بھی عافیت بخش ثابت ہوا۔ اس کی پرانی خوش باشی لوٹ آئی تھی۔ ژرانول جگہ جگہ بطورِ محافظ ملکہ کے ہم رکاب رہا۔ جافا میں ملکہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔

ایک دن میں نے بادشاہ سے مریم طرطوسی کے گرجا کی زیارت کی اجازت چاہی کئی لوگ اس گرجے کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مادرِ خدا وند مریم مقدس کے

اعزاز میں پہلی قربان گاہ یہاں تعمیر کی گئی تھی۔ لوگوں نے یہاں مریم مقدس کے کئی معجزے دیکھے تھے۔ بادشاہ نے بخوشی مجھے اجازت دے دی اور کہا "آتی دفعہ مختلف رنگوں کا ایک ہنڈرڈ ویٹ شتری کپڑا خرید لانا۔ بادشاہ یہ کپڑا فرانسسکن فرقے کے راہبوں کو دینا چاہتا تھا۔ میں نے اندازہ کر لیا کہ اب بادشاہ بھی جلد واپس آجائے گا۔

زیارت کے بعد میں نے طرطوسہ کی مریم مقدس کے حضور میں نذرانہ پیش کیا۔ پھر میں بازار سے شتری کپڑا خرید لایا۔ میرے نائٹوں نے پوچھا کہ اتنا کپڑا خرید کر آپ کیا کریں گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس کپڑے سے نفع کمانا چاہتا ہوں۔

جب اِس علاقے کے حاکم کو معلوم ہُوا کہ میرا تعلّق شاہی فوج سے ہے تو اُس نے میرا خیر مقدم کیا اور بڑی عزّت سے پیش آیا۔ اس نے مجھے چند تبرکات بھی دیے جو میں نے شتری کپڑے سمیت بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیے

ملکہ کو معلوم ہُوا کہ میں زیارت سے واپس آیا ہُوں اور تبرکات لایا ہوں۔ میں نے چار شتری کپڑے تولیے میں لپیٹ کر اپنے نائٹ کے ذریعے ملکہ کی خدمت میں بھیجے۔ جب نائٹ ملکہ کے کمرے میں داخل ہُوا تو ملکہ احتراماً فرش پر دوزانو ہو گئی۔ جب نائٹ نے ملکہ کو دوزانو ہوتے دیکھا تو وُہ بھی دوزانو ہو گیا۔

"نائٹ صاحب اُٹھیے —— آپ کو دوزانو ہونا زیب نہیں دیتا آپ تو تبرکات کے حامل ہیں"۔

نائٹ نے جواب دیا کہ یہ تبرکات نہیں بلکہ شتری کپڑے ہیں۔ جو میرے آقا نے تحفۃً بھیجے ہیں۔ ملکہ اور اُس کی سہیلیوں نے یہ بات سُنی تو وُہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

"نائٹ صاحب!" ملکہ نے کہا "آپ کے آقا سے خُدا سمجھے۔ اُس نے مجھے شتری کپڑوں کے گٹھڑ کے سامنے جُھکا دیا"۔

باول ناخواستہ بادشاہ نے ساحلِ شام کو خیرباد کہا جب اُسے اپنی والدہ ملکہ بلانشے کی موت کی خبر ملی تو وُہ واپسی پر مجبور ہو گیا۔ اِس کی غیر موجودگی میں ملکہ بلانشے چھ سال تک فرانس میں اس کی نیابت کے فرائض سرانجام دیتی رہی تھی۔ ماں کی موت کی خبر کے بعد بادشاہ نے تاخیر کی تو شام کے بطریقوں اور نوابوں کے ایک وفد نے اِس سے واپسی کی درخواست کی۔ اِس تاجدار کی آوارگی ان کے لیئے باعثِ خطر تھی، وُہ اس کی سخت گیری اور کٹر پن سے بیزار تھے۔

"جناب والا! ظاہر ہے کہ آپ کے مزید قیام سے سلطنت یروشلم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہماری گذارش ہے کہ آپ آئندہ لینٹ کے دنوں میں واپس چلے جائیں تاکہ آپ خیروخوبی سے فرانس پہنچ جائیں"۔

لیکن سفر بڑا پُرخطر ثابت ہُوا۔ ژائنول لکھتا ہے:۔

"ایسٹر کے بعد سینٹ مارک کی شب بیداری کی تقریب میں بادشاہ اور ملکہ جہاز پر سوار ہوئے اور بادِ مُراد کے ساتھ جہاز نے بادبان کھول دیے۔ اگلے ہفتے کے دِن ہم قبرص پہنچے۔ اِس جزیرے کے قریب سمندر میں ایک پہاڑ تھا۔ جسے جبل الصلیب کہتے ہیں۔ اِس روز عشا کے وقت خشکی کی طرف اِتنی دُھند چھا گئی کہ ملّاحوں نے خیال کیا کہ ہم خشکی سے بہت دُور نکل آئے ہیں۔ یہ پہاڑ ان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ وُہ جہاز چلاتے رہے اور ہمارا جہاز زیرِ آب ریت کے پُشتے سے ٹکرایا اور جہاز میں کُہرام مچ گیا۔ مَیں شور سُن کر اپنے بستر سے اُٹھا اور ملّاحوں کے پاس ٹھہرے جہاز پر جا پہنچا۔ ملّاحوں کا سردار ٹمپلر تھا۔ اِس نے ایک ملّاح سے کہا "سِکّہ ڈالو"۔ اِس نے تعمیل کی لیکن کہا "ہم ریت پر چڑھ گئے ہیں"۔ جب ریمنڈ نے یہ سُنا تو اس نے اپنا گریبان پھاڑ دیا اور رونے لگا "اُف میری قِسمت"۔ ملّاح نے دوبارہ سِکّہ ڈالا اور ریمنڈ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جہاز ریت میں نہیں پھنسا۔ صُبح ہوئی تو ہم نے سامنے چٹانیں دیکھیں۔ اگر ہم

اس زیرِ آب پُشتے سے نہ ٹکراتے تو ان چٹانوں سے ٹکرا کر ہمارا جہاز پاش پاش ہو جاتا۔
بادشاہ نے ملاّحوں کے سردار کو بُلا کر ہدایات دیں۔ اس نے چار غوطہ خور اکٹھے کیے۔ یہ لوگ برہنہ ہو کر مچھلیوں کی طرح غوطہ لگاتے ہیں۔ جہاز کے کپتانوں نے انہیں غوطہ لگانے کا حُکم دیا اور وُہ جہاز کے پیندے کے نیچے سے گزُر کر دُوسری طرف نکل آئے۔ جب وُہ اُوپر آئے تو ہم نے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا کہ تمہیں کیا نظر آیا۔ انہوں نے کہا" جہاز کا نچلا حصّہ ریت کے پُشتے سے ٹکرایا ہے اور وہاں سے چھ چھ گز پیندا ٹوُٹ گیا ہے۔" یہ سُن کر بادشاہ اور ہم سب بہت متفکّر ہوئے۔ بادشاہ نے جہاز رانوں سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے جواب دیا۔
"حضور ہماری بات مانیے اور آپ دُوسرے جہاز میں چلے جائیے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اگر جہاز کے پیندے کو اتنا نقُصان پہنچا ہے تو اس کے ڈھانچے کے شہتیر بھی شکستہ ہو گئے ہوں گے۔ اگر سمندر میں ذرا بھی طوُفان آ گیا تو یہ جہاز برداشت نہیں کر سکے گا۔"
بادشاہ نے جہاز رانوں کی گُفتگو کے بعد اپنی کونسل طلب کی اور پُوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ سب نے جہاز رانوں کی رائے سے اتفّاق کیا۔ لیکن بادشاہ نے جہاز رانوں کو دوبارہ بُلوایا اور انہیں ان کے حلف وفاداری کی قسم دلا کر پُوچھا "اگر یہ جہاز تمہارا ہوتا اور سامان تجارت سے پُر ہوتا تو کیا تُم اسے چھوڑ دیتے؟"
انہوں نے کہا "حضور اِس قسم کے سامان اور جہاز کو بچانے کے لیے ہمیں یقیناً اپنی زندگیاں خطرے میں ڈالنی پڑتیں۔"
تو پھر تم مجھے جہاز چھوڑنے کا مشورہ کیوں دیتے ہو؟
انہوں نے جواب دیا "حضور! آپ اور ہم برابر نہیں۔ مال و دَولت آپ اور ملکہ کی اور آپ کے تینوں بچّوں کی زندگی کا جواب نہیں ہو سکتا۔"
"اچھّا تو اب تمہیں مَیں اپنی رائے بتاتا ہوں میرے ساتھ پانچ چھ سَو آدمی ہیں۔

اگر مَیں جہاز چھوڑ دوں تو وہ بھی ڈر کے مارے جہاز سے اُتر جائیں گے اور جزیرہ قبرص میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ وہ وطن واپس نہیں جاسکیں گے۔ اِس لیے مَیں، میری ملکہ اور میرے بچّے خُدا کے بھروسے پر ان کا ساتھ دیں گے"۔

ہم اس خطرے سے بچے تو ہمیں ایک اَور آفت نے گھیر لیا۔ ہم جزیرے سے کافی دُور نکل چُکے تھے کہ سمندر میں ایسا زبردست طوفان اُٹھا کہ ہماری تمام ترسعی کے باوجود ہمیں دوبارہ جزیرے کی طرف دھکیل دیا۔ ملّاحوں نے چار لنگر پھینکے لیکن جہاز کے بہاؤ کو نہ روک سکے۔ بالآخر انہوں نے پانچواں لنگر پھینکا تو جہاز رُک گیا۔ بادشاہ کے کمرے کی ساری چوبی دیواریں اُکھاڑنی پڑیں۔ آندھی اِس قدر تند و تیز تھی کہ کوئی شخص اس میں کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ خطرہ تھا کہ کہیں آندھی ہمیں اُڑا کر سمندر میں نہ پھینک دے۔

ملکہ بادشاہ کو دیکھنے کمرے میں آئی تو وہاں صرف مَیں اور کانسٹیبل آف فرانس سرگلس ڈی براؤن فرش پر لیٹے تھے۔ ملکہ کو دیکھ کر مَیں نے پُوچھا کہ آپ کیسے آئی ہیں؟ اس نے کہا "مَیں بادشاہ سے یہ کہنے آئی تھی کہ وہ کوئی منت مانے تا کہ خُدا ہمیں اِس طُوفان سے نجات دے۔ مجھے ملّاحوں نے بتایا ہے کہ جہاز کے ڈُوبنے کا سخت خطرہ ہے"۔

"محترمہ!" مَیں نے کہا۔ "آپ منت مانیں کہ مَیں سلامتی سے فرانس پہنچ گئی تو وریرنجول جا کر سینٹ نکولس کے گرجے کی زیارت کروں گی"۔

"قلعہ دار صاحب! میرے خیال میں بادشاہ سلامت مجھے اِس زیارت کی اجازت نہ دیں گے"۔

"پھر محترمہ آپ یہ وعدہ تو کر لیجئے کہ اگر خُدا آپ کو سلامتی سے فرانس لے جائے تو آپ پانچ مارک کا نقرئی جہاز بطورِ نذرانہ پیش کریں گی اور مَیں وعدہ کرتا ہُوں کہ مَیں ننگے پاؤں زیارت کے لیے جاؤں گا"۔

چُنانچہ ملکہ نے چاندی کے جہاز کی نذر مان لی اور کہا کہ تم اِس نذر گزارنے کے

ذمہ دار ہوں گے۔ میں نے بخوشی یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آئی اور کہنے لگی کہ خدا نے سینٹ نکولس کے طفیل ہمیں خطرے سے بچا لیا ہے۔

دس ہفتے کے بعد، ہم ہیرز کی بندرگاہ پہنچے۔ ملکہ بہت خوش تھی، اس نے اپنی منت کے مطابق چاندی کا جہاز بنوایا جس میں بادشاہ، ملکہ اور ان کے تین بچوں کے مجسموں کے علاوہ ملاحوں کی تصویریں بھی تھیں۔ جہاز کے رسّے بھی نقرئی دھاگے کے بنائے گئے تھے۔ ملکہ نے یہ جہاز مجھے بھجوایا اور حکم دیا کہ اسے سینٹ نکولس کی خانقاہ پر پہنچا دیا جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔"

اس طرح دوسرا مصری کروسیڈ ختم ہوا۔ فرانس کے شجاع اور بہادر، مسلمانوں کے برتر اسلحہ اور اعلیٰ قیادت سے پنجہ آزمائی کے بعد اپنے گھروں کو ناکام واپس ہوئے۔ ۱۲۵۴ء میں سینٹ لوئیس واپس وطن پہنچا۔ وہ بیماری سے اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ کئی مرتبہ ژانول اسے اپنے بازوؤں کے سہارے گھوڑے سے اُٹھاتا اور کمرے تک لاتا۔ لیکن اس فرشتہ صفت بادشاہ نے یہ مصیبت بھی ویسے ہی صبر و سکون سے برداشت کی جیسے کہ اس نے چھ سال پہلے بڑے اعتماد سے عظیم الشان بحری بیڑے کی قیادت کی تھی۔ اس نے اپنی شکست کی کوئی توجیہہ نہ کی۔ بس یہ خدا کی مرضی تھی۔

فرانس کو اس کی حکمرانی کی سخت ضرورت تھی۔ اس نے چھ سال اصلاحات نافذ کرنے میں گزارے۔ جن کی لوگوں کو دیرینہ آرزو تھی۔ ثبوت جرم کے لیے شخصی مبارزت کے بجائے قانونی تحقیق رائج کی گئی۔ اس نے رعیت کو جاگیرداروں کے فیصلوں کے خلاف بادشاہ سے چارہ جوئی کا حق عطا کیا۔ ان اصلاحات سے وہ سلسلہ شروع ہو گیا جس سے بالآخر فرانسیسی کلیسا اور کلیسائے روم علیحدہ ہو گئے۔

لیکن اس کے جاہ طلب بھائی چارلس آف آنجو کے مشاغل مختلف تھے، اس کی نظریں مشرق کی طرف لگی ہوئی تھیں، وہ پوپوں کا دوست راست بن گیا اور اس نے ہانسٹوفن

خاندان کے آخری شہزادوں کی طاقت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا۔ اِن خدمات کے صلے میں کلیسائے روم نے دونوں سسلیوں (سسلی اور جنوبی اٹلی) کا تاج و تخت اِس کے حوالے کر دیا۔ اِس کے بعد وہ اپنی سلطنت کی توسیع کے خواب دیکھنے لگا۔ وہ یونان کی صلیبی جاگیریں اور بحری سیادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہایت دُرشت خُو اور ہوشیار طالع آزما تھا۔ اِسے اپنے کٹر مذہبی بھائی کی سیادت ناگوار گزرتی۔

قاہرہ میں شجرۃُ الدر "امرائے ثلاثہ" کی رُوح رواں تھی۔ فرانسیسی بادشاہ سے صُلح کے بعد مملوکوں نے سارے اسیرانِ جنگ رہا کر دیے جن میں ۱۲۱۰۰ مرد اور ۱۰ عورتیں شامل تھیں۔ الصاحب جمال الدین ابن مطروب نے فرانسیسی بادشاہ کی شکست کی خوشی میں یہ شعر کہے :-

فرانس کے بادشاہ کو یہ پیغام پہنچا دو۔ یہ ندائے حق ہے ———

تُم مصر کی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے ———

واقعی تُم ہوا سے بھرے ہوئے ڈھول کی طرح ہنکارتے تھے ———

لیکن خاکِ مصر پر اپنے سپاہیوں کی بے گور و کفن لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے ———

تمہارا استرہ ہزار کا لشکر کہاں ہے؟ ——— مُردہ، مجروح اور اسیر ———

اگر تمہیں دوبارہ مصر آنے کا خبط سوار ہو تو یہ مت فراموش کرنا کہ ابھی تک لُقمان کا زنداں اور اس کی زنجیریں موجود ہیں اور اس کے خواجہ سرا ہوشیار ہیں۔[1]

---

[1] یہاں اُس گھر کی طرف اشارہ ہے جہاں سینٹ لوئیس کو منصورہ میں خواجہ سرا اسمٰعیل کی زیرِ نگرانی قید رکھا گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ لکھتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے بھائی کو پہلے پابہ زنجیر کر دیا گیا تھا۔ (مصنّف)

حصّہ پنجم

جب ستارے ماند ہو گئے۔
بوڑھا چاند ڈوب گیا۔
اور پانی نشیب میں سو گئے——
اہلِ مغرب پھر عازمِ سفر ہوئے —
اب وہ سوئے وطن رواں تھے۔
وُہ دیارِ غیر میں بہت دُور نکل آئے تھے۔
وُہ اجنبی راہوں میں سرگرداں تھے۔
اِن کی حیران آنکھیں عجیب مناظر سے رُوشناس ہوئیں۔
جادُوگروں کے طِلسمی بُرج،
فرازِ کوہ پر روشنیوں کے مینار اور سیاہ عَلَم،
آتشِ پرّاں اور ہلاکت آفریں طوُفان،
لرزاں زمین اور گرتی ہوئی دیواریں،
انجانے ہاتھوں کے تراشیدہ پتھر۔
اِک شہرِ عجیب۔
جو انسان کی تخلیق نہ تھی۔

اہلِ مغرب! سوئے وطن رواں تھے۔
شکستہ تلواریں نیاموں میں چھپائے۔

۵۲

مدّ و جزر ختم ہُوا

۱۲۵۴ء میں سینٹ لوئیس عکّہ سے روانہ ہُوا اور اس کے ساتھ ہی آخری عظیم صلیبی محاربے کے آثار محو ہو گئے۔ ایک تغیّر رُونما ہو رہا تھا۔ ساحلِ شام کے صلیبیوں کی مدد کے لیے یورپ سے کوئی لشکر نہ آیا۔ اہلِ یورپ نے انہیں اپنی قسمت پر چھوڑ دیا۔ وُہ دُشمنوں میں اکیلے رہ گئے۔ اب سرزمینِ مقدس کی مدافعت تنہا ان کے ذمّے رہ گئی۔ اِس تغیّر کا نہ کوئی نقیب تھا اور نہ کوئی اعلان۔ یہ تغیّر لوگوں کے ذہن میں برپا ہُوا تھا۔ ڈیڑھ صدی پہلے یورپ سے جوش و خروش کا لاوا پُھوٹا تھا۔ اِس طُوفانی جذبے نے پہلے کروسیڈ کی شکل اختیار کی اور یروشلم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اِس کے بعد کئی موجیں یورپ سے اُٹھیں اور دُور تک سرزمین ایشیا میں نفوذ کرتی چلی گئیں۔ اِن صلیبی لہروں کے مدّ و جزر سے فتوحات وابستہ تھیں نصف صدی تک یہ نقطہ عروج پر رہا لیکن عین عرُوج کے زمانے میں بھی اس کی لہریں کچھ زیادہ آگے نہ بڑھنے پائیں۔ گاہے گاہے وُہ کسی نئی سرحد کو چُھو کر پلٹ جاتیں۔ پھر یک دم اس کا رُخ موڑ دیا گیا

صلاح الدین کی قیادت سے دُنیائے اِسلام میں جوش و خروش کی نئی لہر دوڑ گئی - یہ لہر بڑھ کر ایسا بے پناہ طوفان بنی کہ صلیبیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہاتی ہوئی دوبارہ ساحل تک لے گئی۔

اُدھر دُنیائے مسیحیت میں پھر غلغلۂ پیکار بلند ہُوا۔ یورپ سے ایک اِنسانی لہر نجات فلسطین کے لیئے اُٹھی - بربروصہ اور رچرڈ شیر دل کی سر کردگی میں یہ لہر دُنیائے اِسلام سے ٹکرائی اور ساحل پر چند شگاف چھوڑ کر پسپا ہوگئی - لیکن یورپ میں صلیبی جذبہ زندہ و سلامت رہا - یورپ کے سرچشمے سے نئی مَوجیں اُٹھیں لیکن پوپوں اور بادشاہوں نے ان کا رُخ قسطنطنیہ، لینگوڈوک اور ہسپانیہ کی طرف موڑ دیا - فریڈرک ثانی کی سر کردگی میں ایک عظیم لہر دوبارہ یروشلم سے ٹکرائی لیکن اِس لہر کا محرک صلیبی جذبے کے بجائے حوصلۂ ملک گیری تھا - دُوسری لہر نیل کی گدلی مَوجوں میں ڈوب کر رہ گئی اور سینٹ لوئیس کی پُرجوش فوجیں بھی نذرِ نیل ہو گئیں ÷

عالم اسلام میں ایک نئی مزاحمت جنم لے رہی تھی - مملوک طاقت صلیبیوں کے راستے میں حائل ہو گئی تھی - مملوکوں کی طاقت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا - وُہ صلاح الدین جیسے سُلطان کی قیادت کے بغیر بھی ترقّی پذیر تھے - جب قسمت نے انہیں بیبارس کے روپ میں دُوسرا صلاح الدین دیا تو یورپ کا جوش زوال پذیر ہو رہا تھا۔

ڈیڑھ صدی پیشتر ہر آدمی کا کروسیڈ میں کوئی نہ کوئی حصّہ تھا - یروشلم کی فتح سے یورپ کے جھونپڑوں پر بھی نئے اُفق طلُوع ہو گئے تھے - نجات کی اُمید روشن ہو گئی تھی اور تاریک صدیوں تلے دبے ہوئے جذبات اُبھرے تھے - لوگ نئی جدوجہد کے لیے کمربستہ تھے اور تائیدِ مسیح کے لیے اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے -

لیکن تیرھویں صدی کے وسط کے بعد یورپ کا ذہن مُختلف ہو چکا تھا - اقدار کے پیمانے تبدیل ہو گئے اور لوگوں کی توجّہ دیگر امور پر مرکوز ہو گئی - ترقّی پسند دماغ

صلیبی کشاکش سے ہٹ کر تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ اب صلیبی جنگوں کی ضرورت بھی کیا تھی۔ مشرق اور قسطنطنیہ سے مقدس ترین تبرکات حاصل کیے جا چکے تھے۔ یورپ کے کم و بیش ایک درجن گرجے صلیب الصلبوت کے ٹکڑوں کی تولیت سے بہرہ یاب تھے۔ یہ گرجے زیارت کا مرکز بن گئے تھے۔ لوگ مبلّغ راہبوں سے گہری دلچسپی لینے لگے تھے۔ پچھلی صدی کی خانقاہوں کے مکین ان کے تاریک دروازوں سے نکلے اور راہوں میں آوارہ و سرگرداں پھرنے لگے۔

ان ہنگاموں سے بے نیاز راہب راجر بیکن[۵۱] "اوپس میجس" یعنی مشاہدات کبیر لکھنے میں مصروف تھا۔ اس نے دنیا کے عجائب اور مختلف حقائق کا واضح الفاظ میں تذکرہ کیا اور ساتھ ہی شورے، گندھک اور کوئلے کے مرکب یعنی بارود کا بھی[۵۲]۔ گرجوں کے سائے تلے نئی نئی یونیورسٹیاں جنم لے رہی تھیں۔ جن کے سرد اور بے رنگ کمروں میں بوسیدہ لباس طالب علم سردی سے بچنے کے لیے ایک دوسرے سے جڑ کر بیٹھتے۔ وہ سوکھی روٹی اور پنیر کے ٹکڑوں پر گزارا کرتے، وہ اپنے استادوں کی طویل بحثوں کو سنتے۔ وہ نئی

---

۵۱ راجر بیکن (۱۲۱۴ء۔ ۱۲۹۴ء) مشہور انگریز عالم اور فلسفی تھا۔ وہ آکسفورڈ میں درس دیتا رہا۔ اس کا فرانسسکن فرقے کے راہبوں سے تعلق تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے ہم عصروں سے کئی بحثوں اور مناظروں میں الجھا رہا۔ اس کو علوم طبیعی سے گہری دلچسپی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ علوم طبیعی کا مطالعہ علوم دینی کے مخالف اور متضاد نہیں۔ وہ مشاہدہ و تجربہ کا حامی اور مبلغ تھا۔ اسے انگریزی سائنس کا مورث اعلےٰ سمجھا جاتا ہے۔

۵۲ راجر بیکن نے کیمیا کے متعلق بھی چند کتابیں لکھی ہیں۔ امتداد زمانہ سے کیمیا کے نسخے اور جادو کی کتابیں اس سے منسوب ہو گئی ہیں۔ بعض لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ اس نے بارود ایجاد کی تھی۔ یہ محض خام خیالی ہے اور اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ فاضل مصنف نے بھی یہی غلطی کی ہے۔ اس طرح خردبین اور دوربین کی ایجاد اور استعمال اسی سے منسوب کرنا وہ راز کا راز بر باد ہوا بات ہے۔ (مترجم)

سائنس، جغرافیے کا مطالعہ کرتے اور البرٹس میگنس[1] کے اصول اور طامس[2] ایکوینیس کے فلسفے پر تبادلۂ خیالات کرتے۔

ذخیرہ سائنسدان محدب شیشے کی طاقت کے امتحان میں مصروف تھے اور سوچ رہے تھے کہ اس سے سنگِ پارس کی تلاش کہاں تک ممکن ہے۔ حساب دان اب علانیہ عربی ہندسے

---

[1] میگنس کے لفظی معنی عظیم کے ہیں۔ البرٹ اعظم (۱۲۰۶ء تا ۱۲۸۰ء) اپنے دور کا مشہور فلسفی اور عالم تھا۔ وہ سوابیا میں پیدا ہوا اور جرمنی کے شہر کولون کے علاوہ پیرس میں بھی درس دیتا رہا۔ اس کا تعلق ڈومینیکی فرقے کے راہبوں سے تھا۔ اس نے اپنی کتاب "خلاصۂ دینیات" میں ارسطو کے فلسفے اور مسیحیت کی تعلیمات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور مشہور مسلمان مفکر ابن رشد کے انداز فکر کی مخالفت۔ اسے علوم طبیعی میں بھی خاصی دسترس تھی۔ اس نے دھاتوں اور علم نباتات کے متعلق بھی کئی رسالے لکھے۔ (مترجم)

[2] طامس ایکوینیس (۱۲۲۵ء۔ ۱۲۷۴ء) جنوبی اٹلی کے حکمران خاندان سے متعلق تھا۔ وہ ڈومینیکی فرقے سے وابستہ ہوگیا اور اس نے البرٹس میگنس سے پیرس اور کولون میں تعلیم حاصل کی وہ پیرس میں دینیات پر پروفیسر رہا۔ اس نے زندگی کے آخری دن نیپلز میں گزارے۔ ابن رشد کے فلسفے کی اشاعت و نفوذ کو کامیابی سے روکا اور مسیحی دنیا کی فکر کو منطق و فلسفہ کی یونانی راہوں پر ڈال دیا۔ اس نے مسیحی ذہن کو کلیسا کے فکری شکنجے سے آزاد کر دیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ سچائی ناقابل تقسیم حقیقت ہے اس لیے سائنس کا مطالعہ مذہب کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ وہ ہیئت اور مادے کے فرق کا پابند تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ فرق صرف خدا کی ذات میں نہیں۔ اس کا خیال تھا ہر وہ چیز جو تکمیل کے لیے دوسرے کی رہین منت ہے اپنے اندر قوت پذیرائی رکھتی ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ساری کائنات ایک ایسے سلسلے میں مربوط ہے جس کی معراج خدا ہے۔ ابتدا میں اس کا فلسفہ مقبول نہ ہوا انیسویں صدی میں رومن کیتھولک کلیسا نے اس کے فلسفے کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا۔ وہ تیرھویں صدی کے یورپ کا عظیم ترین فلسفی تھا۔ اسے ولی (سینٹ) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ (مترجم)

استعمال کرنے لگے تھے۔ بہت سے لوگ یہ گتھی سلجھانے میں مصروف تھے کہ عربوں کا قطب نما کہیں شیطانی ایجاد تو نہیں جو انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ شاہی درباروں میں موسیقاروں کے دوش بدوش حساب دان بھی نظر آنے لگے۔ موسیقار بدستور شاہ آرتھر[1] اور سکندر اعظم کی داستان سرائی میں مصروف تھے۔ وہ پریسٹر جان کے بھی گن گاتے جس کی سلطنت ایشیا کے سمندر سے پرے واقع تھی۔

اہلِ وینس قسطنطنیہ کی لوٹ سے امیر ہو گئے تھے۔ روزافزوں بحری تجارت نے انہیں خوشحال اور مالا مال کر دیا تھا۔ وینس کا شہر علم و فن کا گہوارہ بن گیا تھا۔ یہاں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی آزادانہ گھومتیں وہ اپنے بالوں کو حنا سے سرخ کر لیتیں۔ اہلِ وینس عیش و عشرت کے دلدادہ تھے انہوں نے اخلاقی گراوٹ کی کمی ثقافت کے فروغ سے پوری کر دی۔ رنگین شیشے کے گلدان ان کے مکانوں کی زینت تھے۔ ان کے دریچوں میں سیسے سے وابستہ شیشے کے ٹکڑوں کے بوقلموں مرقعے تھے۔ عورتوں کے ناخن حنا سے رنگین اور جسم عرب و چین کی خوشبوؤں سے معطر و معنبر تھے۔ خوبصورت یونانی اور سیاہ فام حبشی غلام رکھنے کا دستور عام تھا۔ غلاموں کی تجارت بڑی نفع بخش تھی۔ اب وینس کے مسلح تجارتی جہاز ان سمندروں میں رواں تھے جہاں دو صدی پہلے اہلِ شمال کے بحری اژدہاؤں نے دہشت پھیلا رکھی تھی۔ وینس کے جہاز سازی کے کارخانوں میں مقررہ پیمائش کے مطابق جہاز بنائے جاتے تاکہ انہیں فوری طور پر جنگی جہازوں میں تبدیل کیا جا سکے۔ جمہوریہ وینس کے باہر ان جہازوں کی فروخت ممنوع تھی۔ ہر سفر کے بعد جہازوں کو بحفاظت دارالاسلحہ میں پہنچا دیا جاتا۔ وینس اور جینوا کی رقابت ناگزیر تھی۔

---

[1] انگلستان کی روایت و داستان کا مشہور ہیرو۔ اِس کی شخصیت سے کئی کارنامے منسوب ہیں جن میں کاسۂ مسیح کی تلاش بھی ہے۔ اِس کے دربار میں راؤنڈ ٹیبل کے نائٹ بھی تھے جو شجاعت کے مثالی پیکر تھے۔ آرتھر کی روایت سے کئی ذیلی حکایتیں بھی وابستہ ہیں۔ (مترجم)

اب وُہ دونوں ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔

یُورپی تاجدار بھی باہمی تنازعوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ بادشاہ اپنی فوجوں میں مسلح سپاہی بھرتی کرتے جنہیں اچھی تنخواہ کے علاوہ لُوٹ مار کے بے شمار مواقع میسّر تھے۔ بخلاف اِس کے صلیبی فوجوں میں شامل ہونا بہت پُرخطر اور کم نفع بخش تھا۔

دراصل اب کروسیڈ زمانے کا تقاضا نہ تھے۔ اِس امر کے کئی ثبوت ملتے ہیں کہ سینٹ لوئیس کے کروسیڈ کو یورپ ہی میں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ شہنشاہ فریڈرک اِس کا مذاق اُڑاتا رہا۔ جب اُسے سینٹ لوئیس کے منصورہ میں قید ہونے کی خبر ملی تو اس نے سُلطانِ قاہرہ کو خط لکھا جس میں بظاہر اس کے زرِ فدیہ کی ادائی کی پیش کش کی گئی تھی لیکن دراصل معلوم یہ کرنا تھا کہ سینٹ لوئیس اور اس کے نائٹ کتنی دیر تک مسلمانوں کے قبضے میں رہیں گے۔ اِدھر صلیبی رضا کاروں کو روکنے کے لیے انگلستان کی بندرگاہوں پر پہرے بٹھا دیے گئے تھے۔ وسیاط میں اطالوی بیڑا سینٹ لوئیس کا ساتھ چھوڑ گیا، عکّہ میں اہلِ وینس اور اہلِ جنیوا نے اس کی پروا نہ کی اور جنگ جاری رکھنے میں اِس کا کوئی ساتھ نہ دیا۔ سینٹ لوئیس تو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما تھا لیکن اطالوی اپنے گوداموں کی مورچہ بندی کر کے ایک دُوسروں کے جہازوں پر چھاپے مارنے میں مصروف تھے۔ بے چارے سینٹ لوئیس نے یورپ سے کمک طلب کی لیکن بے سُود۔ اور جب وُہ واپس آیا تو لوگوں نے اِس کا نام اور بے سُود کروسیڈ کے خلاف احتجاج کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

ژانوِل کا بیان ہے کہ "میں نے لوگوں کو یہ کہتے بھی سُنا ہے کہ جنہوں نے بادشاہ کو کروسیڈ کا مشورہ دیا تھا، وُہ سنگین جُرم اور گُناہ کے مُرتکب ہوئے۔ جب تک وُہ فرانس میں رہ کر اپنی سلطنت کی نگہداشت کرتا رہا لوگوں کو امن اور خوش حالی حاصل تھی لیکن اِس کی غیر حاضری سے حالات خراب ہو گئے۔"

ژانول کو سینٹ لوئیس سے بڑی محبت تھی لیکن اس کے باوجود وہ ۱۲۷۰ء میں دوبارہ صلیبی جنگ پر جانے کے لیے تیار نہ تھا۔

"شاہِ فرانس اور شاہِ نوارے نے بہت اصرار کیا کہ مَیں صلیب اُٹھا کر ان کے ہمراہ زیارت کے لیئے چلوں۔ لیکن مَیں نے جواب دیا کہ مَیں پچھلی مرتبہ خدمتِ خداوندی کے لیے سمندر پار گیا تو میری غیر موجودگی میں فرانس کے افسروں نے میری رعایا پر بڑے ظلم ڈھائے۔ مَیں نے بمشکل ان کے افلاس اور ادبار کو قدرے دُور کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مَیں دوبارہ چلا گیا تو میری رعایا تباہ و برباد ہو جائے گی۔"

اس دَور میں جاگیرداروں اور نوابوں کی طاقت رُو بہ تنزل تھی اور شاہی اقتدار ان پر حاوی ہو رہا تھا۔ دو صدی پہلے بادشاہوں کی حیثیت جاگیرداروں اور نوابوں کے نام نہاد سربراہوں سے زیادہ نہ تھی۔ انہیں پوپ اور شہنشاہ کی سیادت کے رُوبرو بھی سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ بادشاہوں کی شمعِ اقتدار ان دونوں کے رُوبرو ماند تھی۔ اب متحدہ شہنشاہی کا خواب پریشان ہو چکا تھا اور پاپائی اقتدار کمزور۔ اِس لیے یورپ کی سیاسی قیادت بادشاہوں کے ہاتھ میں آنے لگی۔ اب جاگیروں، ریاستوں، معافیوں اور تعلقہ داریوں کے پریشان کُن مجموعوں سے سلطنتیں معرضِ وجود میں آ رہی تھیں۔ اُلجھی ہوئی سرحدیں اور غیر متعین حدود اب واضح اور مستحکم ہو رہی تھیں۔ فرانس، ہنگری، انگلستان، اراگون اور کیسٹائل میں قومی نقشے کے خطوط متعین ہو رہے تھے۔ اِسی طرح اِٹلی کی بلدیاتی جمہوریتیں خود کفیل و خود مختار ہو رہی تھیں۔ صلیبیوں کے قافلے جنوبی جرمنی سے گزرتے رہتے اور ان کی گزرگاہوں پر کئی تجارتی شہر معرضِ وجود میں آ گئے۔ اب چارٹر اور دستاویزیں محض کاغذ کے پُرزے نہ رہے تھے۔ ان کی اہمیت مسلّم ہو رہی تھی۔ یورپ کی سیاست میں تو خیر پارلیمنٹوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔ سیاست میں سونے چاندی کی قوت کی کار فرمائی نمایاں ہو رہی تھی۔ اگرچہ اسے باقاعدہ طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا، تاہم

فلورنس کے بنک کاروں کو شہزادوں کے ایوان میں باریابی حاصل ہو گئی تھی +

اب یورپ کے پادریوں، تاجداروں اور بنک کاروں کو ایک عام کروسیڈ میں منسلک کرنا ممکن نہ تھا۔ اگر کوئی بادشاہ صلیب اُٹھانے کی جرأت کرتا اور سمندر پار مہم پر جانے کے لیے تیار ہوتا تو اس کی سلطنت معرضِ خطر میں پڑ جاتی۔ ہمسایہ مُلکوں کے بادشاہ اس کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اُٹھانے سے دریغ نہ کرتے۔ نئے کروسیڈ کا مطلب فیصلہ کُن قُربانی تھا۔ وُہ بادشاہ جنہوں نے صلیبی جنگ کے حلف اُٹھائے تھے اب ان سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر تھے۔ وہ اپنے ارادوں میں تاخیر کرنے لگے یا کلیسا سے انہوں نے اپنے پیمان تبدیل کرا لیے۔

صرف کلیسائے روم نئے کروسیڈ کی تبلیغ میں مصروف اور لوگوں کے جانی و مالی نقصانات سے بے پروا اور پے در پے شکستوں سے بے نیاز رہا۔ پوپ کے دربار کا جوش سرد نہ ہوا اور وہ اہلِ یورپ کو بھڑکاتا رہا۔ انوسنٹ ثالث کے زمانے سے کلیسا کے وقار کو صدمہ پہنچا تھا۔ اربابِ کلیسا نئی فوجیں بھرتی کر کے کلیسا کا کھویا ہُوا وقار بحال کرنا چاہتے تھے۔ اِس مقصد کے لیے انہوں نے مبلّغ راہبوں کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا۔ اور شہر شہر اور قریہ قریہ کروسیڈ کی تبلیغ کے لیے واعظوں کے جتھے منظم کیے +

جنگ کے اِن واعیوں کے لیے مثالی وعظ لکھے گئے، دلائل وضع کیے گئے۔ لوگوں کو کاہلی اور بے عملی کے جمود سے جھنجوڑنے کے لیے شُعلہ فشاں تقریریں تیار کی گئیں۔

وُہ سینٹ کانسٹنٹائن کا ذکر کرتے جس نے مسیحیت کی حمایت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ وُہ سینٹ ہلینا کا حوالہ دیتے جس نے اصلی صلیب دریافت کی تھی۔ وُہ شہنشاہ جسٹینین اور اس کی ملکہ کے حالات بیان کرتے جنہیں مرمر کی صلیب دار تختی کے نیچے سے خزانہ ملا تھا۔ وہ آرچ بشپ ٹرپن کی شجاعت کے قصّے دہراتے جو مسلمانوں کے خلاف بڑی دلیری سے لڑا تھا۔ وہ پہلے کروسیڈ کے سرداروں یعنی گاڈفرے آف بولوں، ریمنڈ اور

ٹینکرڈ کی بہادری و دلیری کی داستانوں سے خُون کو گرماتے۔ امتدادِ زمانہ سے پہلے کروسیڈ کے سردار بھی بزرگانِ دین میں شمار ہونے لگے تھے۔ پوپ اربن نے پہلے کروسیڈ کے لیے کلیر مونٹ کے مقام پر جو تاریخی خطبہ دیا تھا، اِس کے اثر آفرین حصّے اور جوش پرور فقرے وعظوں میں شامل کر لیے گئے۔

اِس کے علاوہ ہر مذاق اور ہر طبیعت کے لیے شخصی دلائل تراشے گئے۔ مثلاً یہ جسم دراصل خُدا کی جاگیر ہے اور اسے خُدا کی راہ ہی میں خرچ کرنا چاہیے، سرزمینِ قدس کو کافروں سے جو نقصان پہنچا ہے، اِس کی تلافی ضروری ہے، یروشلم کی نجات میں نجاتِ اُخروی مضمر ہے۔ یروشلم اِس قدر محترم و متبرک ہے کہ مسلمان بھی اِس کی زیارت کرتے ہیں۔ صلیبی جنگ سے جذبۂ شہادت کو تقویت ملتی اور صلیب برداروں کے لیے راہ نجات اُستوار ہوتی ہے۔ شکستوں کی توجیہہ یُوں پیش کی جاتی ہے:۔ "کیا خُدا نے ابتدائے آفرینش سے صحت بخش پودوں میں زہریلی جھاڑیاں نہیں اُگائیں؟"

کلیسائے روم نے کبھی ان مسلسل ہزیمتوں اور ناکامیوں کی ذمّہ داری قبول نہ کی۔ وُہ کہتے کہ جنگی کمان تو بادشاہوں اور نوابوں کے ہاتھ میں تھی۔ جنگی معاملات سے عُہدہ دارانِ کلیسا کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔

اب تو واعظ کروسیڈ کے مادّی فوائد پر زور دینے لگے۔ وُہ مال و دولت اور منافع کے لالچ سے لوگوں کے دِلوں کو لبھاتے —— انہیں طرح طرح کی مراعات دی جاتیں۔ طویل المدّت بریّت نامے، گناہوں کی مُعافی —— املاک و جائداد کی حفاظت کی ضمانت —— سود و عشر کی ادائی سے نجات۔ غرضیکہ ہر طرح کے فوائد پیش کیے جاتے۔ مبلّغین کو اعتراضوں کے جواب دینے کی بھی تعلیم دی گئی۔ اگر کوئی آدمی بیوی کی محبّت میں گرفتار ہو کر کروسیڈ سے گریزاں ہے تو اس سے یہ کہنا چاہیئے کہ کیا آدمؑ کو جنّت سے نکلوانے کی ذمّہ دار حوّاؑ نہ تھی؟ اگر کوئی گھر کی آسودگی نہیں چھوڑنا چاہتا تو اس سے کہا جائے کہ کیا یہ

حرص اور ہیٹو پن نہیں ، جو شخص بحری سفر کے خطرے یا بیماری سے خائف ہو، اسے سمجھایا جائے کہ تم ٹٹو کی طرح دیہات کی پگڈنڈیوں پر چلتے ہو اور تازی گھوڑے میدان جنگ میں دوڑتے ہیں! اگر وہ پھر بھی آمادہ نہ ہو تو طعن و تشنیع کی جائے اور کہا جائے کہ تم گھریلو مرغی ہو۔ تم اصیل گائے کی طرح گھر کے کھونٹے سے بندھے رہتے ہو، تم تازہ پانی کی مچھلی کی طرح آبِ شور کی بُو سے ہی دُم موڑ کر بھاگ جاتے ہو۔

مبلّغوں کی جماعتیں قربان گاہوں، گرجوں اور خانقاہوں میں وعظ کہتی پھرتیں۔ ہر واعظ اپنا خطبہ دیتا اور لوگوں کے جذبات بھڑکاتا ــــ "آؤ ــــ سب صلیب تھام لو ــــ صلیب مقدس کا سہارا لو ــــ صلیب جو سلطنت اُخروی کی کلید ہے ــــ جو ہر نیک انسان کا مقدر ہے ــــ"

اِس کے بعد سرود خواں حمد کے گیت گاتے ــــ "رحمت الٰہی کا کون طلب گار ہے؟ فرشتوں کی مصاحبت کسے پسند ہے؟ کسے تاجِ زرّیں کی آرزو ہے؟ آؤ قریب آؤ ــــ صلیب تھام لو ــــ تمہیں سب کچھ مل جائے گا۔"

اس کے بعد چندہ اکٹھا کیا جاتا اور اربابِ کلیسا کو بھیج دیا جاتا۔ سفر کے لیے وقت اور بندرگاہ کا اعلان کر دیا جاتا اور سالار نامزد کر دیے جاتے۔ مبلّغ اور واعظ صلیبیوں کے ہمراہ سمندر پار جانے کا وعدہ کر لیتے۔

سیاہ پوش راہب اِس طرح لوگوں سے حجت بازی کرتے، انہیں وعظ سُناتے اور ان کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتے۔ سادہ لوح دہقان ان کی دھواں دھار تقریریں سُن کر پریشان ہو جاتے لیکن اِن کی ہٹ دھرمی میں فرق نہ آتا۔ پُرانے صلیبی مجمعوں میں کھڑے رہتے اور ان کارروائیوں میں کوئی حصّہ نہ لیتے گاہے گاہے کوئی نوجوان رضاکار آگے بڑھ کر صلیب تھام لیتا۔ یا کوئی گناہ گار اپنے ضمیر کو سبک بار کرنے کے لیے صلیبیوں کی صف میں شامل ہو جاتا، لیکن عام پر واعظوں اور مبلّغوں کی تقریروں کا جادو کارگر نہ ہوتا۔

لوگ اِن کے پُرجوش دلائل کی پروانہ کرتے اور بے حس و حرکت تماشا دیکھتے رہتے۔ عورتیں گرجوں میں دُعائیں مانگتیں کہ ان کے شوہر اور عزیز اس جنگ پر نہ جائیں۔ اِن کے ذہن میں وہ سوگوار جلوس گھوم جاتے جن میں لوگ سیاہ ماتمی صلیبیں اُٹھائے برسوں سے گامزن تھے۔ انہیں کروسیڈ سے واپس آنے والے لاغر، مفلس اور خستہ حال، بیماریوں کے مارے ہوئے صلیبی یاد آجاتے تو وہ گھبرا جاتیں۔

یروشلم ــــــ ہاں وہ بھی یروشلم کی زیارت کے خواہاں تھے لیکن مجبور تھے۔ صلاح الدین نے ایک ہی فاتحانہ یلغار میں فلسطین کی صلیبی ریاستوں کا صفایا کر دیا تھا۔ عظیم الشان فریڈرک بربروصہ، رچرڈ شیر دل اور نیک سینٹ لوئیس یروشلم حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے۔ جہاں وہ ناکام رہے وہاں کوئی اور کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

لوگ پوچھتے کہ وہ خزانے کہاں گئے؟ وہ رقمیں کیا ہوئیں جو گرجوں کے صندوقچوں میں سالہا سال سے جمع ہو رہی تھیں۔ اُن صلیبیوں کا کیا حشر ہوا جو یروشلم کی زیارت سے محروم رہے؟ اُن بچّوں پر کیا گزری جو اطالوی جہازوں پر یروشلم گئے تھے؟

مُسلمان شیطان کے بندے تو نہیں۔ اِنہیں پادریوں کی فرسودہ باتوں سے اتفاق نہ تھا۔ وہ شیطان نہیں تو اُن پر کیوں حملہ کیا جائے۔ اُن کے بجائے کیوں نہ یہودیوں اور راہلِ پرشیا کی گوشمالی کی جائے۔ اب مُسلمان سمندر پار کر کے عیسائی ممالک پر فوج کشی نہیں کرتے۔ اب اُن کے مُلکوں پر حملے کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ بس جو کچھ ہو چکا وہی کافی ہے۔

یہ تھے عوام کے جذبات۔ لوگ روم کے مبلّغوں اور واعظوں کی باتیں سُنتے اور مُنہ موڑ کر چلے جاتے۔

نئے اقدام کی ابتدا مشرق سے ہوئی۔ مغرب کی باری ختم ہو چکی تھی۔ یہ کوئی منظّم کروسیڈ نہ تھا بلکہ یہ چین خطائی کے خطۂ اعراف سے عجیب و غریب مخلوق کی یلغار تھی۔ اب منگول یروشلم پر چڑھ دوڑے۔

۵۳

ہلاکو اور خلیفہ

منگول یروشلم سے آگے نکل گئے۔ ان کی آمد سے سارا نقشہ ہی بدل گیا۔ وُہ ایک مرتبہ پہلے بھی آئے تھے۔ لیکن اپنے صحراؤں میں واپس چلے گئے تھے۔ وُہ دوبارہ آئے تو ٹھہر گئے۔ الفاظ ان کی آمد کی داستان بیان کرنے سے قاصر ہیں

آندھی اور زلزلے کی طرح یہ اختلال عناصر کا ہلاکت آفرین طُوفان تھا، جو وسطِ ایشیا کے دُشوار کوہستانی سلسلوں اور بے آب و گیاہ میدانوں کو روندتا ہُوا مطلع کائنات پر چھا گیا ــــــ ایک کائناتی طوفان ــــــ حیوانی قوت کا سیلاب اور بربریت کا ریلا، انسانی مظلومیت سے بے پروا عذاب، قہرمانی طاقت کی اندھی یلغار، حرص و ہوس کا جنون ــــــ طفلانہ تلوّن اور قدیم چینی تدبّر کا عجیب مُرکّب۔ خُون آشام جنگجوؤں نے دریاؤں کے رُخ بدل دیے۔ وُہ فصیلوں کو مسمار اور شہروں کو برباد کرتے ہوئے بڑھتے چلے گئے اور ان کے عقب میں کاہن اور عامل ابتری و انتشار سے نظم و نسق کی تشکیل میں مصروف رہے۔

یہ طوفانی غول پے در پے اُٹھے اور چین کی ٹائل والی چھتوں سے لے کر رُوس کے برفستانوں تک پھیل گئے۔ اِن خونخوار غولوں کی عنان خاقانِ اعظم کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کی مسندِ حکومت دُور اُفتادہ قراقرم میں تھی مگر ونیس سے لے کر کوریا تک اس کا سِکّہ چلتا تھا۔ وُہ روئے زمین کا سب سے طاقتور حُکمران تھا۔ مال و دَولت سے لدے ہوئے تیس [30] کارواں روزانہ آتے۔ انہیں وافر مال و دَولت کو شُمار کرنے کی بھی زحمت گوارا نہ تھی۔ قیدی شہزادے اور تاجدار خاقانِ اعظم کے سامنے زمین بوس ہوتے۔ خاقانِ اعظم کے نامہ بردار کالے کوسوں کی مُسافت طے کر کے دُنیا کے چاروں کونوں میں پہنچ جاتے۔ وُہ تیز رفتار گھوڑوں پر دِن میں دو سَو میل سفر کرتے اور رات کو بھی اتنا ہی فاصلہ طے کرتے۔ خاقان کا دربار مرجع خاص و عام تھا۔ ہر وقت جادُوگر، شعبدہ باز، مسخرے، طوائفیں، پادری اور راہب خاقانِ اعظم کے دیدار کے لیے پہرہ داروں کے گرد جمع رہتے دس لاکھ جنگجو اِس کے تابع فرمان تھے۔

خاقانِ اعظم نے اپنے بھائی ہلاکو کو جنوب مشرق کی طرف پیش قدمی کر کے بلادِ اسلام فتح کرنے کا حُکم دیا۔

سینٹ لوئیس کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہلاکو کے غول نے وسط ایشیا کے سلسلۂ کوہ پار کیے، چُوں چُوں کرتی ہوئی بَیل گاڑیاں اور اُونٹوں کی لامتناہی قطاریں پیچ و خم کھاتی ہوئی وادیوں اور پہاڑیوں سے گذرتی ہوئی بڑھیں۔ ہلاکو کا غول آہستہ آہستہ بغداد کی طرف رواں تھا۔ منگول سوار پوستینیں پہنے تھے۔ اِن کے گھوڑوں کی زینیں اطلس سے آراستہ تھیں۔ منگول سرداروں کا لباس قاقم و سمور کا تھا۔ اِن کے شانوں پر بھیڑیوں کی بھوری کھالیں تھیں۔ گھوڑوں کی لگامیں چاندی کے زیوروں سے وزنی تھیں۔ اِن کے ہتھیاروں کے دستوں پر ہیروں اور جواہرات کی شُعلہ فشاں چمک تھی۔ گھوڑوں اور بَیلوں کی دُموں کے جھنڈوں اور نیلے پرچموں کے پیچھے، تنومند تُرک، سانولے کرغی اور پیلے ایغور

سوار رواں تھے۔ آوارہ عیسائی بھی غول کے ساتھ تھے۔ اِس غول کے پیچھے پیچھے لمبی ڈاڑھیوں والے افغان اور عقاب کی چونچ کی طرح مُڑی ہوئی ناک والے ترکمان چلتے تھے۔ وہ غول کے عقب میں رہتے جیسے کہ شیر کے پیچھے گیدڑ۔ چینی انجنیئروں کی جماعت بھی لشکر کے ہمراہ تھی۔ جو پاؤڈر، یعنی توپ خانہ کا کام کرتی تھی۔[1]

یہ غول جگن ناتھ کے کوہ پیکر رتھ کی طرح رواں تھا۔ پیش قدمی آہستہ اور یقینی تھی۔ اِس لشکر نے سوادِ خراسان اور ایران کے کوہستانی علاقوں میں پڑاؤ ڈال دیے۔ وہاں منگول گشتی دستوں نے حشیشین کے قلعوں کا کھوج لگایا۔ کیونکہ انہوں نے ایک منگول جرنیل کو قتل کر دیا تھا۔ ہلاکو کے سرداروں نے بلاتاخیر کوہستانی قلعوں کا جائزہ لیا۔ ہلاکو نے شیخ الجبل سے گفت وشنید کی لیکن شیخ الجبل نے دوبارہ غلطی کی اور انہیں عیّاری سے مات دینے کی کوشش کی۔ اِس خطرناک کھیل کا انجام یہ ہُوا کہ اسے پا بہ جولاں خاقان اعظم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ اِس کے بعد اس کا نام کبھی نہ سُنا گیا۔ الموت کے علاوہ فدائیوں کے سارے کوہستانی قلعوں کو پے در پے محاصرے کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

شیخ الجبل اور اس کے فدائیوں کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ ہو گیا اور سرزمین فارس اِن قلعوں سے پاک ہو گئی۔

منگولوں کا غول بغداد کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔ خلیفہ نے شہر کے دروازے بند کر

[1] منگولوں نے بارود کا استعمال چینیوں سے سیکھا تھا جنہیں اہل یورپ سے صدیوں پہلے اس کی ترکیب معلوم تھی۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ چینیوں کو صرف بارود کے ترکیبی اثرات معلوم تھے لیکن وہ اس کی دھماکہ خیز صلاحیتوں سے باخبر نہ تھے۔ یہ نظریہ درست نہیں بھدّے اور بھاری بموں کی صورت میں وہ بارود کو دھماکے سے اُڑانا جانتے تھے۔ وہ رسالے کے گھوڑوں کو ڈرانے کے لیئے بارود کو کونڈیوں میں رکھ کر جلاتے اور بارود کو سُرنگوں میں بھی استعمال کرتے۔ لیکن وہ توپ کی ساخت سے واقف نہ تھے۔ توپ کا استعمال انہوں نے تین یا چار صدی بعد اہلِ یورپ سے سیکھا۔ (مصنف)

کر دیے اور شہر پناہ کے اندر پناہ گزین ہو گیا۔ بغداد پر یورش کی گئی اور اس بے رحمی سے اُسے برباد کیا گیا کہ اس کی تباہی کی خبر سے عالم اسلام میں دہشت پھیل گئی

خلیفہ ـــــ آخری عبّاسی فرمانروا کو قالینوں میں لپیٹ کر مروا دیا گیا۔ بغداد کی عظمت کا نام و نشان مٹ گیا۔ اس کے بعد مغول نے مختلف لشکروں میں منقسم ہو کر نواحی علاقوں میں مزاحمت کا صفایا کر دیا۔ امیرِ موصل نے اطاعت قبول کر لی۔ انہوں نے سلجوق سلاطین کو ایشیائے کوچک سے شمال کی طرف دھکیل دیا۔ اس کے بعد سلاجقہ کا اقتدار یادِ ماضی بن کر رہ گیا۔ دمشق نے ہتھیار ڈال دیے۔ حلب کے قلعے کو بزورِ شمشیر فتح کر کے برباد کر دیا گیا۔

اِن حملوں سے قبل شاہِ آرمینیا ہیشون نے خاقانِ اعظم منگو خان کے دربار میں حاضر ہُوا تھا۔ اِس نے منگولوں سے صرف صُلح ہی نہیں بلکہ مُسلمانوں کے خلاف معاہدہ بھی کر لیا تھا شاہِ انطاکیہ بوہمنڈ ششم نے خاقان کو معمولی خراج دینا منظور کر لیا اور اسے بھی اِس معاہدے میں شریک کر لیا گیا۔

منگو خان نے ہیشون کی درخواست کو ہمدردی سے سُنا اور اعلان کیا کہ ہم شام اور آرمینیا میں مُسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مدد کریں گے۔ اِس نے کہا ہم اپنے بھائی ہلاکو خان کو خلیفہ کا قلع قمع کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں وُہ یروشلم تمہیں بحال کر دے گا۔ ہلاکو کے ایک پیرو نے سینٹ لوئیس کو مکتوب ارسال کیا۔

''بے شمار عیسائی ہمارے زیرِ نگین ہیں۔ ہم اپنی قوت اور اختیار سے اعلان کرتے ہیں کہ بلادِ اسلامی کے تمام عیسائی مُسلمانوں کی محکومی اور محاصل کی ادائی سے آزاد کر دیے جائیں گے اور اِن سے عزت و احترام کا سلوک کیا جائے گا۔ اِن کے مال و اسباب سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ اور جو گرجے برباد ہو چکے ہیں ان کی دوبارہ تعمیر کرائی جائے گی اور انہیں ناقوس بجانے کی اجازت ہو گی۔

جب وُہ دمشق میں داخل ہوئے تو انہوں نے کئی مسجدیں عیسائیوں کے حوالے کر دیں جو

پہلے گرجا تھیں[1] تسخیر بغداد کے ایک سال بعد جب وہ شمالی شام میں داخل ہوئے تو عیسائی آبادی نے جشن منایا ایک برافروختہ مسلمان رقمطراز ہے۔

"ہر فرقہ اپنے مذہب کا کھلم کھلا اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں کو اس کی مذمت کی جرأت نہیں۔ امیر و غریب عیسائی بہترین کپڑے پہن کر گانے کے لیئے جاتے ہیں۔"

ناگہاں یورپ میں اُمید کی لہر دوڑ گئی۔ ایک نسل پہلے منگولوں کے خونخوار غول دریائے ڈینیوب سے واپس چلے گئے تھے اور اب مہربان لشکر دریائے اردن کے قریب پہنچ چکے

---

[1] یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ تمام ممالکِ اسلامی میں مقامی عیسائی آباد تھے مثلاً قبطی، شامی، ارمنی اور جرجانی۔ یہ لوگ کم و بیش مسلمانوں سے نالاں تھے صلیبیوں کی تمام ترکوششوں کے مقابلے میں منگول حملہ آوروں کی مساعی کامیاب رہیں جنہوں نے عیسائی آبادیوں کو مسلمانوں کے ستم سے نجات دلائی۔ اس وقت بلادِ اسلامی میں صلیبی قیدی اور ان کی اولاد بھی موجود تھی۔ ان گم شدہ صلیبیوں کا تاریخ کے اوراق میں کہیں نشان نہیں ملتا چند ایک کو تو مذہبی فرقوں نے آزاد کروایا اور کچھ خشکی کے راستے یورپ پہنچ گئے۔۔۔۔ اب بھی قفقاز میں ایک راستہ موجود ہے جو "صلیبیوں کی سڑک" کہلاتا ہے کوئی ایک شرق ادنی کے تغیرات کے طوفانوں میں ڈوب کر رہ گئے اور ان کی یاد داستانوں اور قصوں میں باقی رہ گئی مصنف کو شام میں ایسی کئی داستانیں سننے کا اتفاق ہوا۔ (مصنف)

مترجم کو فاضل مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں کہ اسلامی ممالک میں عیسائی تعصب اور تعدی کا شکار تھے۔ اس کا بطلان شہرۂ آفاق مغربی مؤرخ گبن کے علاوہ کئی اور مؤرخوں نے بھی کیا ہے۔ یہ مسئلہ بذاتہ ایک علیحدہ موضوع ہے جس پر تفصیلی تبصرے کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ جہاں تک منگولوں کا عیسائیوں کو رہائی دلانے کا تعلق ہے یہ رائے نہ صرف محل نظر ہے بلکہ تاریخی جانبداری کا ثبوت ہے۔ عیسائیوں نے منگولوں سے سازباز کی اور ان کی فوجی طاقت سے مسلمانوں کا استیصال کرنا چاہا۔ منگول بھی راضی ہو گئے کیونکہ وسط ایشیا اور مغربی ایشیا میں صرف مسلمانوں کی طاقت ہی ان کی راہ میں حائل تھی۔ اس عارضی سیاسی اعتماد اور مصلحت پروری سے سلسلہ کے لیئے دیکھیئے صفحہ ۵۸۳

تھے۔ شاید یہ نیا معجزہ ہو۔

صحرائے گوبی سے پرے دُور اُفتادہ قراقرم میں پوپ انوسنٹ چہارم اور سینٹ لوئیس کے مبلغ راہب پہنچ گئے اور منگولوں نے حفاظت و احتیاط سے انہیں واپس کر دیا۔ راہب خاقانِ اعظم کو عیسائی نہ بنا سکے۔ لیکن وہ ان سے بڑی شفقت اور ہمدردی سے پیش آیا۔ انہیں نسطوری عیسائیوں کے کئی گروہ بھی ملے۔ نسطوری فرقے کے لوگ ابتدائی دور کے عیسائی تھے۔ انہیں مشرقِ بعید میں عیسائی دُنیا سے الگ تھلگ رہتے ایک ہزار سال گزر چکے تھے لیکن وہ بدستور اپنے مذہب پر قائم تھے۔ خاقانِ اعظم سب مذہبوں سے رواداری سے پیش آتا لیکن وہ مسلمانوں سے سخت برہم تھا۔ جن سے ان دنوں وہ برسرِ پیکار تھا۔ اِس لیے اِس کا رویہ عیسائیوں کی طرف دوستانہ تھا۔ اِس نے پوپ کو خط لکھے۔ اس نے پوپ سے سفیر اور اہلِ دانش طلب کیے جو اسے علم سکھا سکیں۔

اِس کا بھائی ہلاکو خان بلادِ اسلام کے مرکز کو روندتا ہُوا فلسطین کی طرف رواں تھا۔ اس نے فلسطین کے عیسائی حُکمرانوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ ارمنی خوش تھے کہ ان کے بادشاہ ہیشون نے منگول سالار سے بہت اچھا معاہدہ کیا ہے۔ رفتہ رفتہ کئی بے سروپا افواہیں پھیلنے لگیں۔ جھونپڑوں اور قلعوں میں یہی باتیں ہوتیں کہ بالآخر مشرقِ بعید میں روائتی پریسٹر جان کی سلطنت کا سُراغ مل گیا ہے ـــ اور چینی جادوگر آگ اور دھوئیں کے پیکروں کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اہلِ وینس کو فاتحین کی نوازش کی طلب تھی۔ چُنانچہ پولو خاندان کے اولوالعزم اشخاص نکولو میفیو سفرِ چین کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ سمرقند کے قریب سے ایک سڑک مشرقِ بعید کو جاتی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸۲) عیسائی مذہبی آزادی کا نتیجہ اخذ کرنا نامناسب ہے۔ مزید برآں منگول قتلِ عام کے خُوگر تھے۔ کسی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ ہلاکو خان نے بغداد اور حلب میں قتلِ عام شروع کرنے سے پہلے عیسائیوں کو علیحدہ کر لیا تھا۔ منگو خان کے مفروضہ فرمان کے حوالے سے حقائق کی تردید نہیں ہو سکتی (مترجم)

اِس تنگ سڑک پر مُسافروں کا ہجوم تھا۔ واقعی یہ مُعجزوں کا زمانہ تھا اور ہر چیز ممکن تھی۔ ٹمپلر حالات کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے یورپی تاجداروں کو سُلطانِ مصر سے فوراً صُلح کرنے کی درخواست کی۔ اِس نازک مرحلے پر تینوں فوجی فرقے باہمی اختلافات ختم کر کے ساحل کی مدافعت کے لیے متحد ہو گئے۔ پھر انہوں نے پوپ سے التجا کی کہ منگولوں سے پُختہ فوجی معاہدہ طے کیا جائے۔

اس وقت پوپ کی مشاورتی کونسل خانہ جنگی میں گرفتار اور پاپائیت بحران میں مُبتلا تھی۔ مُستقل پوپ کا انتخاب نہیں ہو سکا تھا پے در پے کئی عارضی نیابتیں قائم ہوئیں جو عمل کی صلاحیتوں سے محروم تھیں۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکے انہوں نے صرف دو راہبوں کو تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ اِن راہبوں نے یہ سُنہری موقع گنوا دیا۔ حالات دگرگوں ہو گئے۔ پوپوں نے منگولوں سے بے اعتنائی کی اور مصر کے مملوک سلاطین کے خلاف جنگ کا بگل بجا دیا۔ انہوں نے سلاطینِ مصر کی دشمنی مول لے لی اور فلسطین کی ساحلی ریاستوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

صرف منگول ہی یروشلم عیسائیوں کو واپس دلا سکتے تھے ۱۲۵۹ء میں ہلاکو خان فلسطین کے دروازے پر کھڑا تھا کہ اسے خاقانِ اعظم منگو خان کی مَوت کی خبر ملی۔ پڑانے منگول دستور کے مطابق وہ اپنی فوج سمیت واپس قراقرم لَوٹ گیا۔ روانگی سے پیشتر شاہِ آرمینیا ہشیوں نے اس سے درخواست کی کہ شام کی حفاظت کے لیے کتبغا کی سرکردگی میں دس ہزار سواروں کا ایک لشکر چھوڑ جائے۔ ہلاکو خان نے بخوشی یہ درخواست منظور کر لی۔ یہ لشکر آرمینیوں کی درخواست یا کتبغا کی خواہش پر چھوڑا گیا۔ کتبغا فلسطین میں فوج کشی جاری رکھنا چاہتا تھا۔ بہر کیف اِس لشکر نے فلسطین میں پیش قدمی جاری رکھی اور بیت المقدس کے قریب سے گُزرتا ہُوا آگے بڑھا مُسلمانوں کو حبرون اور بیت الجبرائیل کے درمیانی علاقے سے نکال دیا گیا۔ فلسطین کی سرحد پر منگولوں کو مملوکوں کی چوکیاں نظر آئیں اور ان کی یلغار سُست ہو گئی۔ قبل ازیں منگول سردار سُلطانِ قاہرہ کو تہدید آمیز پیغام ارسال کر چکا تھا۔

"یہ اس کا حکم ہے جس کی حکومت ساری دُنیا پر ہے ـــــ اپنے شہر کی فصیلیں مسمار کردو اور اطاعت قبول کرلو۔ اگر تم نے تعمیل کی تو تمہیں امان دی جائے گی اور اگر نافرمانی کی تو جو کچھ ہوگا، سو ہوگا۔ یہ کیا ہوگا؟ ہمیں بھی معلوم نہیں۔ بس اس کا حال خدا کو معلوم ہے ـــــ"

قاہرہ میں خوف و ناراضی کی لہر پھیل گئی۔ کئی مملوک سردار اطاعت کرنے کے حق میں تھے لیکن بیبارس اعلان جنگ کا خواہاں تھا ـــــ وہ "سنہری غول" کا بھاگا ہوا تاتاری سپاہی تھا۔ اس کی رگوں میں وہی خونِ گرم گردش کر رہا تھا۔ جب ہلاکو خان صحرائے گوبی کو لوٹ گیا تو بیبارس نے سلطان کو کتبغا کے خلاف پیش قدمی کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اور جنگ کو ناگزیر بنانے کے لیے اس نے منگول سفیروں کو قتل کرا دیا۔

۱۲۶۰ء میں غزہ کے قریب عین جالوت کا معرکہ برپا ہوا۔ مملوک فوج اور منگول لشکر میں سخت خونریز لڑائی ہوئی۔ کتبغا کے لشکر کے ساتھ کوئی امدادی فوج نہ تھی۔ گرمی سے ان کا برا حال تھا، مملوکوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی۔ منگولوں کو شکست فاش ہوئی اور انہیں فلسطین و شام سے نکال دیا گیا۔

فتح و کامرانی سے سرشار بیبارس نے بلاتوقف پیش قدمی جاری رکھی۔ کتبغا قتل ہو چکا تھا، منگول سردار منتشر ہو گئے۔ منگول سوار کانسی کے چار آئینے اور منقش خود پہنتے تھے۔ ان کے گھوڑوں پر بھاری چرمی جھول تھی۔ وہ گاؤدُم جھنڈے اڑاتے صحروں کی دلدلوں اور بیت اللحم کے ویران گرجا اور اُردن کی گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے غائب ہو گئے۔ گویا وہ آندھی کے طوفانی جھونکوں کے سامنے خس و خاشاک کی طرح اُڑ گئے۔ اور اُردن کے آس پاس بنجر میدانوں سے بگولوں کی طرح گزر گئے ـــــ انہوں نے دریائے فرات پار کیا اور مملوکوں کے سیاہ جھنڈوں کے سامنے فرار ہو گئے۔

بیبارس نے منگولوں کے تعاقب میں دمشق پر قبضہ کر لیا اور یلغار کرتا ہوا حلب تک جا پہنچا۔

چنگیز خان کے عہد سے لے کر اِس وقت تک منگول سوار پہلی مرتبہ اپنے مدِ مقابل سے دوچار ہوئے تھے اور گوبی کے خونخوار سواروں اور قاہرہ کے مملوک جنگجوؤں کا اصلی مقابلہ بعد میں ہونا تھا۔ بہر کیف ۱۲۶۰ء کے حالات میں برق رفتار تغیر رُونما ہو چکا تھا۔ ہلاکو خان فلسطین کے سٹیج سے غائب اور اس کی واپسی سے یروشلم کی فتح کا خواب بھی پریشان ہو چکا تھا۔ ہلاکو کے بجائے بیبارس کا ستارہ عُروج پر تھا۔ اب یروشلم پر مملوکوں کا پرچم لہرا رہا تھا۔

بیبارس نے اپنے مخصوص انداز میں اِس سال کا تتمہ رقم کیا۔ اِسے توقع تھی کہ اِن شاندار خدمات کے صلے میں سُلطان اسے حلب کی ولایت بخش دے گا لیکن اسے مایوسی ہوئی اِس نے بلا دریغ سُلطان کو قتل کر دیا اور خود سُلطان بن گیا۔ قاہرہ میں الملک الظاہر رُکن الدین کی حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔

اب ہمیں بیبارس، اِس پلنگ صفت جنگجو کے کردار و اخلاق کا جائزہ لینا چاہیئے۔ جو مخصوص ڈرامائی انداز میں اعلیٰ ترین اقتدار حاصل کر چکا تھا۔ اور حالات کا مالک و مُختار بن گیا تھا۔

۵۴

چیتے کی جست

یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ صلیبی ڈرامے کے آخری سین کا کردار ایک مسخرا تھا۔ ایک شاندار شر پر مسخرا ایک نٹ کھٹ اداکار، جو اپنی آمد کے ترانے گا کر خود ہی مذاق اُڑاتا ہے ایک پُر فن مسخرا جو خنجر تانے نمودار ہوتا ہے۔ تو کبھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے۔ وہ دیوانہ نظر آتا ہے۔ لیکن دیوانہ بکارِ خویش ہشیار۔ وہ خود کو بہلانے کے لیے مسخراپن کرتا ہے یہ اس کا شغل ہے ورنہ درحقیقت وہ نہ مسخرا ہے نہ اداکار۔ اس کی شرارت اور تفریح کے رنگین پردوں تلے عزم کی پختگی اور فراست کی بُراق تیزی بھی پنہاں ہے۔ وہ اِس لیے خوش ہے کہ اِس نے تاریخ کے سٹیج پر خونخوار منگولوں کو بُزدل گورخروں کی طرح بھگا دیا ہے۔ کئی بار وہ اسٹیج سے غائب اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ تماشائیوں کو حیران کرنے میں اِسے بڑا لُطف آتا ہے۔ وُہ سوانگ بھرنے کا ماہر ہے۔ کبھی وُہ گداگر کے بھیس یا آوارہ تیرانداز کے رُوپ میں نظر آتا اور کبھی مہمان بن کر دستر خوان پر اکیلے مزے اُڑاتا دکھائی دیتا ہے اور جو کوئی اِسے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے اُس کی شامت آجاتی ہے۔

وہ بلا کا حاضر دماغ اور بذلہ سنج۔ مختصر یہ کہ وہ مشرق کا سچا اداکار ہے ـــــ اس مشرق کا جسے ہم کبھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکے ـــــ ایک عظیم اداکار ـــــ

طرابلس کا راہب ولیم شاہد ہے کہ سپاہی کی حیثیت سے وہ جولیس سیزر[1] سے کم اور بدباطنی میں نیرو[2] سے فروتر نہ تھا۔

اب اس کا حلیہ ملاحظہ ہو۔ وہ دیو قامت شخص تھا۔ چھ فٹ سے اونچا۔ اس کے بال سرخ اور اس کا کشادہ چہرہ دھوپ سے سنولایا ہوا تھا۔ ایک آنکھ نیلی اور دوسری آنکھ زخم کے نشان سے بند۔ اس کا دراز جسم ریشمی پارچات میں ملبوس۔ مخمل کی صدری، چوڑا کمر بند۔ زریں زرہ بکتر اور چار آئینہ ـــــ سیاہ ریشم کی زرتار خلعت اور مملوک سلاطین کی طرح منقش خود پر دستار۔ بائیں ہاتھ میں تلوار کا قبضہ۔ وہ بائیں ہاتھ سے تلوار چلاتا تھا۔ اب اس کی داستان سنیئے۔ وہ منگولوں کے سنہری غول کا تاتاری سپاہی تھا۔ فطری طور پر جنگجو۔ اس کی عسکری صلاحیتیں دشت وصحرا میں پروان چڑھی تھیں۔ اسے دمشق میں تقریباً پانچ سو روپے میں فروخت کیا گیا تھا۔ لیکن اس غلام کو، آنکھ کے نقص کی وجہ سے واپس کر دیا گیا۔ وہ خود سر بحری مملوکوں کے جتھے میں بطور تیرانداز شامل ہوا۔ اور بالآخر ان شورش پسند مملوکوں کا سردار بن گیا۔ جنہیں کسی کی سیادت آسانی سے گوارا نہیں ہوتی۔

غالباً بیبارس کو بھی اپنے معرکوں کی طویل فہرست یاد نہ ہو۔ اس کا پہلا

---

[1] پہلی صدی قبل مسیح کا عظیم الشان رومن فاتح جس نے انگلستان سے لے کر مصر تک سلطنت روم کی حدود وسیع کی تھیں۔ اس کا شمار تاریخ کے بہترین جنگ آزماؤں میں ہوتا ہے۔ وہ بادشاہ بنا تو رومن سینیٹ کے چند ارکان کو ناگوار گزرا اس کے خلاف سازش کی گئی اور وہ اپنے دوست کے ہاتھوں قتل ہوا (مترجم)

[2] قدیم روم کا متلون مزاج اور غصیلا شہنشاہ جس نے روم کو جلوا دیا تھا۔ (مترجم)

نمایاں معرکۂ[1] غزہ کی جنگ تھی۔ اس نے ۱۲۴۴ء میں صلیبیوں کو شکست فاش دی تھی۔ وہ شجرۃ الدر کی امارت ثلاثہ کا سرگرم رکن تھا۔ اس کے جوابی حملے نے سینٹ لوئیس کا دل اور فرانسیسی بہادروں کی کمر توڑ دی تھی۔ وہ اکیلا خاقانِ اعظم کی یلغار کے راستے میں حائل ہوا۔ اور منگول حملہ آوروں کے منہ پھیر دیے۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے مصر کے ایک سلطان کو مجروح اور دوسرے کو قتل کیا تھا۔ سپاہی اور امیر اس غالب و کامران سلطان —— یعنی الملک الظاہر کے حلقہ بگوش تھے۔

وہ صرف فاتح سلطان ہی نہ تھا، بلکہ امیر المومنین بھی —— الف لیلہ کا نیک سیرت خلیفہ —— اگرچہ الف لیلہ میں ہارون الرشید کا نام ہے لیکن در اصل یہ بیبارس کے کارناموں کی داستان ہے[2]۔ الف لیلہ کا ہیرو دو صدی پہلے کا محتاط اور متقی ہارون الرشید نہیں۔ بلکہ بیبارس تھا۔ جو پر تکلف دعوتیں اڑانے اور بھیس بدل کر رعایا کے حالات معلوم کرنے کا شوقین تھا۔ وہ بڑا موجی بندہ تھا محض خوش طبعی کے لیئے قلی کو شہزادہ اور شہزادے کو قلی بنا دیتا۔ اس نے اپنے حرم کی رنگینی اور تنوع کے لیئے دنیا کے ہر ملک کی عورتیں جمع کر رکھی تھیں۔ بالآخر انطاکیہ کی عیسائی عورت کو اس کی محبوب بیوی بننے کا فخر حاصل ہوا۔

---

[1] موجودہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ غزہ کی جنگ میں صلیبیوں کو شکست دینے والا بیبارس الملک الظاہر کے بیبارس سے مختلف تھا۔ وہ خوارزمیوں کا سالار تھا اور تاریخ میں بیبارس کلاں کے نام سے مشہور رہے۔ وہ ۱۲۴۶ء میں قتل کرا دیا گیا تھا۔ فاضل مصنف نے الملک الظاہر اور بیبارس کلاں کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے۔ اس پر آشوب دور کی تاریخ میں ایسی فروگذاشت حیران کن نہیں۔ (بیبارسِ مصر۔ صفحہ ۳۲-۳۳) مترجم)

[2] ہارون الرشید کا عہدِ حکومت ۷۸۶ء سے ۸۰۹ء تک تھا۔ فاضل مصنف نے ہارون الرشید کو بیبارس سے دو صدی پہلے شمار کیا ہے۔ اس فاش غلطی کو فروگذاشت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

الف لیلہ کا پس منظر بغداد نہیں بلکہ قاہرہ تھا۔ [^۱] تفریحی بجرے دجلہ کی سطح پر نہیں بلکہ نیل کی سطح پر رواں تھے۔ اِس داستان کے خودسر غلام درا صل مملوک تھے۔

بیبارس کو بہروپ بھرنے کا بڑا شوق تھا۔ بھیس بدلنے والا سلطان لوگوں میں بہت مقبول تھا۔ وہ بھیس بدل کر اپنے مصاحبوں کے ساتھ حماموں پر دھاوا بولتا اور عورتیں منتخب کرکے غائب ہو جاتا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اکیلا نکل جاتا تو دُوسرے دِن فلسطین میں نمودار ہوتا اور چوتھے دن صحرائے عرب میں نظر آتا۔ وُہ تاتاریوں کی طرح بڑا حوصلہ مند سوار تھا۔ اور ایک ایک دن میں میلوں کی مسافت طے کر لیتا۔ ایک ہی ہفتے میں وُہ دمشق اور قاہرہ میں ٹینس کھیلتا حالانکہ دونوں شہروں میں آٹھ سَو میل کا فاصلہ ہے۔ لوگ سمجھتے کہ وہ نیل پر دادِ عیش دے رہا ہوگا۔ لیکن وُہ حلب کے قلعے کے تہرے دروازوں میں داخل ہوتا تھا۔

اِس کے مصاحبوں اور مشیروں کو بھی اس کے عزائم کا علم نہ ہوتا۔ یا وُہ جان بُوجھ کر ان کے قیافوں کو غلط راہوں پر ڈال دیتا۔ ہر شخص کو یہی خیال رہتا ممکن ہے سُلطان اس کے قریب بیٹھا اِس کی باتیں سُن رہا ہو۔ ممکن ہے شہر کے دروازے پر ایستادہ سوار ہی سُلطان ہو یا شاید مرغزاروں میں چیتوں سے ہرنوں کا شکار کرنے والا شکاری ہی دراصل سُلطان ہو۔ ممکن ہے کہ جامع مسجد میں قاضی کے دوش بدوش بیٹھا ہُوا ایرانی اجنبی جو

---

[^۱]: الف لیلہ کی داستانوں کی اصل، بیشتر ہندوستانی اور ایرانی ہے۔ خلیفہ بغداد ہارون الرشید کا نام اور کارنامے داستان گویوں کے تخیّل کے رہین منت ہیں۔ علماء اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان داستانوں کا مرکز قاہرہ ہے اور ہارون الرشید سے منسوب داستانیں دراصل بیبارس سے متعلق ہیں اور اچھا مذاق اور طربیہ عنصر عربی نہیں بلکہ مصری ہے صلیبی نائٹوں کے متعلق حوالے بیبارس کے عہد سے وابستہ ہیں۔ (مصنّف)
مترجم کو الف لیلہ کے اُردو تراجم میں صلیبی نائٹوں کا حوالہ کہیں نہیں ملا۔ مصنّف کی یہ تحقیق خاصی دلچسپ اور محل نظر ہے۔ (مترجم)

جھول جھول کر تلاوت کر رہا ہے، درحقیقت سلطان ہو۔ لوگ سلطان کو شناخت کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ اگر کوئی بیبارس کو بھروپ میں سلام کر دیتا تو اُس کی جان کی خیر نہ ہوتی۔ اگر کوئی بھولے سے بھی اِسے مخاطب کر بیٹھتا تو وہ اس کی گردن مار دیتا۔ لوگ اس کے کارناموں کی شہرت سن سن کر خوش ہوتے لیکن اِس کے تقرب سے گھبراتے تھے۔ اِس کی آمد سے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی۔

بیبارس لوگوں کا منظورِ نظر سلطان تھا۔ وہ اِن کا مزاج شناس تھا۔ اور ان کی اُفتادِ طبع سے ہم آہنگ۔ بازاروں کے نکڑوں پر کھڑے قصہ گو اور مسجدوں کے کشادہ صحنوں میں بیٹھے نابینا اِس کے داستان سرا اور مدح خواں تھے۔ اِس کی بہادری اور شجاعت کے سارے کارنامے بھلا کون بیان کر سکتا تھا؟ اِس کے اِسلامی جوش اور جذبۂ جہاد کا تذکرہ ممکن نہیں؟ اِس طرح اِس کے نام کے گرد الف لیلہ کی کہانیوں کے تانے بانے بُنے گئے لیکن یہ کہانیاں اس کے اصل کارنامے بیان نہیں کرتیں۔

وہ صلاح الدین کا مثیل تھا۔ اِس نے فتح و نصرت کا راز جہاد میں پایا تھا۔ وہ ابنِ ایوب کی طرح متشرع مسلمان بن گیا لیکن خانگی زندگی میں اِس کی آزادیوں میں چنداں فرق نہ آیا۔ اِس نے شراب خانے بند اور چنڈو خانے نذرِ آتش کرا دیئے۔ لیکن نجی زندگی میں وہ خچر کے دودھ سے تیار کی ہوئی شراب پیتا رہا، یہ شراب تاتاریوں کی قومی شراب تھی۔ جو کام صلاح الدین نے قوت ارادی اور رچرڈ شیر دِل نے جسمانی قوت سے سرانجام دیئے، وہ کام بیبارس نے اپنے جوشِ فراواں سے کر لیے۔

وہ تیراندازی کے مقابلوں میں شریک ہوا اور ملوکوں سے بازی لے گیا۔ اِس نے نیزہ بازی کے میدان میں اپنے ہمسروں کو نیچا دکھایا۔ چوگان بازی میں کوئی اِس کا ثانی نہ تھا۔ اِس کے سبک رفتار گھوڑے دوڑوں میں ہمیشہ اوّل رہتے، وہ چیتوں کے ساتھ شکار کرنے کا ماہر تھا۔ وہ فاتحانہ شان کا حامل تھا اور اس کا دربار شاہانہ شوکت کا

رنگین مُرقّع تھا شاہانِ مشرق کی طرح کئی وزیر، وزیر اور امیر اس کے تابع فرمان تھے داروغۂ اسپ، داروغۂ طبل، میرِ شکار، چوگان بردار، کفش بردار اور چھتر جلوس و تخت اس کے اشارۂ ابرو کے مُنتظر، محل اور دربار میں حبشی خواجہ سرا دست بدست ایستادہ رہتے۔ جب وہ تختِ شاہی پر جلوس کے لیے محل سے نکلتا تو نقارہ و طبل سے اجلالِ سُلطانی کا اعلان کیا جاتا۔ جو بہادر اس کی نظروں میں جچ جاتا اُس کی قسمت جاگ اُٹھتی، اُسے زر و جواہر سے مالا مال کر دیا جاتا۔ اُسے خوبصورت عیسائی دوشیزائیں عطا کر دیتیں یا اسے دمشق میں زرخیز جاگیریں بخش دی جاتیں۔ بغاوت و سازش کا ہلکا سا شائبہ بھی ہلاکت آفریں تھا۔ اِس نے بغاوت کے شبہے پر قاہرہ کے ایک سَو اسّی امیروں کو قتل کرا دیا۔

وہ سخی تھا لیکن مالی معاملات کا بھی ماہر تھا۔ اِسے مالیات پر پُوری قُدرت حاصل تھی۔ اِس نے اپنے عہدِ سلطنت کی ابتدا میں سارے محاصل اور ٹیکس کم کر دیے اور اپنے کثیر اخراجات مفتُوحہ علاقوں پر ٹیکس عائد کر کے پُورے کیے۔ قحبہ خانوں کے محصولات سے اِس نے شفاخانے بنوائے[1]۔ وہ اپنی تفریح کے لیے لڑکوں سے مصاحبت رکھتا تھا۔ اِس نے تجارتی جہازوں کو لُوٹ کر اپنے بحری بیڑے کے لیے روپیہ فراہم کر لیا اور وینس اور جنیوا کے تاجروں کو مصری بندرگاہوں کے استعمال کے عوض بھاری محصول ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔ اِس نے اُن کے باہمی اختلافات سے خوب فائدہ اُٹھایا اور ایک فریق کو دُوسرے کے خلاف اُکسا کر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

وہ بہترین مُنتظم اور کارپرداز تھا۔ جس دِن خط موصول ہوتا اسی دن اُس کا جواب

---

[1] سُلطان بیبارس جیسے حُکمران کے لیے قحبہ خانوں کے محصولات سے شفاخانے بنانا مصنّف کی رنگ آمیزی ہے۔ اِسلام نے بہر صورت زناکاری اور اس کی آمدنی کو حرام قرار دیا ہے۔ دراصل سُلطان نے شراب خوری اور زناکاری کا مکمل سدباب کرنے کی کوشش کی۔ اِس نے فوجی اور شہری آبادیوں میں یہ قوانین سختی سے نافذ کرا دیے۔ (مُلاحظہ ہو بیبارس مصر صفحہ ۷۳) مترجم

لکھ دیا جاتا۔ وہ اپنے دبیروں سے جواب لکھواتا۔ خطوط سربمہر کر کے قاصد کبوتروں، ڈاک کے ہرکاروں یا تیز رفتار بجروں کے ذریعے بھیجے جاتے۔ زبان کی مشکلات اس کی راہ میں حائل نہ تھیں۔ وہ جہاں دیدہ اور جہاں گرد سلطان تھا۔ دبیر سلطان کی طویل غیر حاضری سے پریشان ہونے لگتے تو ایک دن وہ اچانک واپس آ جاتا، گھوڑے سے اترتا اور سیدھا دیوانِ وزارت میں گھس جاتا۔ پھر وہ رات گئے تک یونانی، عربی، اور ترکی زبان کے مراسلات میں مصروف رہتا۔ اس کے چارلس آف آنجو، دربارِ وینس، ہسپانوی بادشاہوں اور آخری ہانسٹوفن حکمران کو فارڈینن سے تعلقات تھے۔ ان سے سلطان کی باقاعدہ مراسلت اور سفارتی تعلقات تھے۔

مخبر، تاجر اور یورپی دوست اسے یورپ کے حالات سے متعلق تازہ ترین معلومات بہم پہنچاتے رہتے۔ اس کی انگلیاں حالات کی نبض پر ہوتیں۔ اسے معلوم تھا کہ جرمنی خانہ جنگی کا شکار ہے۔ شہنشاہ اور پوپ کی طویل جنگ کے بعد اٹلی کمزور ہو چکا ہے۔ فرانسیسی صلیبیوں کو قسطنطنیہ سے نکال دیا گیا ہے۔ وہ شام کے صلیبیوں کو یورپی مملکتوں سے علیحدہ کرنے کے لیے کوشاں رہا اور اس کی مساعی خاصی کامیاب ثابت ہوئیں۔

بیبارس کے پیشِ نظر دو مقصد تھے۔ منگول خانوں کو شکست دینا اور صلیبیوں کو سرزمین قدس سے نکالنا۔ اس نے بھی صلاح الدین کی طرح نعرۂ جہاد بلند کیا۔

بیبارس بڑا معاملہ فہم اور ہوشیار جرنیل تھا۔ اس نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق جنگ کی تیاری کی۔ یورپی کروسیڈ کا خدشہ دور کرنے کے لیے دمیاط کے قریب دوبار کو پتھروں سے مسدود کرا دیا۔ اور شہر کو دریا کے چڑھاؤ کی طرف منتقل کر دیا۔ اچانک حملے کی روک تھام کے لیے ساحل پر مناسب فاصلوں پر پہرے کے برج بنوائے۔ اس نے قاہرہ اور دمشق کے درمیان قاصد کبوتروں کے ذریعہ مواصلات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ اس نے عیّاری سے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ سلطان دمشق پر منگولوں کی امداد کا الزام لگایا

اور اچانک یلغار کر کے دمشق فتح کر لیا۔ اِس طرح اِس کی سرحدیں مضبوط اور محاصل میں اضافہ ہو گیا۔ اِس نے ارمنی شہزادوں کو بھی اِسی الزام میں لپیٹ لیا۔ اِس نے شمال کا رُخ کیا اور اِن کوہستانی قلعوں کو روند ڈالا جو صلاح الدین کے زمانے میں بھی محفوظ رہے تھے وُہ آرمینیا کے کوہستان میں ویران قلعوں کے کھنڈر اور دُھواں چھوڑ کر واپس آیا۔ وُہ مالِ غنیمت سے لدے ہوئے اُونٹوں کے علاوہ بے شُمار قیدی اور ایک ارمنی شہزادہ اسیر کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ عیسائی اور فدائی سفیروں کو مرعوب کرنے کے لیے اِس نے پانچ سو ارمنی قیدیوں کو قتل کرا دیا۔

اِس نے اعلانِ جہاد سے پہلے اپنے لشکر کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ یہ فرمان نپولین کے فرامین کی طرح پُر شکوہ اور اثر آفریں ہے:۔

"ہمارے خلاف شاہِ انگلستان، شہنشاہ جرمنی، شہنشاہِ روم کئی بار جنگ آزمائی کر کے شکست کھا چکے ہیں، وُہ ہماری فوج ظفر موج کے سامنے یوں منتشر ہوئے جیسے طوفان کے سامنے خس و خاشاک۔ ان میں ہمّت ہے تو پھر آئیں۔ شاہ چارلس اور اس کے یُونانی رفیقوں کو حوصلہ ہو تو وُہ بھی مقابلہ کریں ——— اور منگولوں کو جُرأت ہو تو وہ بھی آ جائیں ——— اِنشاء اللہ ہم سب کو تہ تیغ کر دیں گے۔ اِن کے خزانوں پر ہمارا قبضہ ہو گا۔ اِن کے قلعوں پر ہمارے عَلَم لہرائیں گے اور فتح و نُصرت مجاہدینِ اسلام کے قدم چُومے گی ———"

اِس اعلان کے باوجود سُلطان کو عام صلیبی جنگ مول لینا گوارا نہ تھا۔ چُنانچہ وہ یورپ کے سیاسی حالات کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ اِسے اہلِ وینس کے ذریعے سے پُوری معلومات حاصل ہو جاتیں۔ تجارتی مراعات کے عوض اہلِ وینس کے سُلطان سے کھُلم کھُلا دوستانہ مُعاہدے تھے۔ وُہ اپنے جاسُوسوں اور مُخبروں کے ذریعے ایران میں منگولوں کی سرگرمیوں سے آگاہ تھا۔ وُہ ساحلِ شام کو صلیبیوں سے پاک کرنے کا تہیّہ کر چکا تھا ——— وُہ

صلاح الدین کے ادھورے کام کی تکمیل کا خواہاں تھا۔ وہ صلیبی یورپ کو مشتعل کیے بغیر ہوشیاری سے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل تھا۔

صلیبی نائٹوں نے جافا اور انطاکیہ کے قلعوں کو مستحکم کر لیا تھا۔ ان کی مدافعت کا مضبوط سلسلہ سارے ساحل پر پھیلا ہوا تھا۔ ان کے خلاف فوج کشی میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت تھی۔ صلیبیوں کے خلاف جہاد باعثِ فخر و مباہات تھا۔ اُسے جہاد سے مال و دولت کی توقع نہیں تھی۔ جہاد میں خونریز معرکے درپیش تھے۔ بیبارس اپنے دشمنوں کو حقیر نہیں سمجھتا تھا۔ اِس نے اُن سے نپٹنے کی پوری تیاری کی۔ وُہ ساحلِ شام سے صلیبیوں کا صفایا کر کے اپنی سلطنت کی حدود وسیع کرنا چاہتا تھا۔ کشورکشائی کے بجائے وُہ اسے اپنا مقدس فرض سمجھتا۔ مسخرہ پن اور سوانگ بازی کے پس پردہ اس کا ضمیر زندہ اور رُوح تابندہ تھی۔

بیبارس اپنے سفروں میں کئی دفعہ صلیبی قلعوں کا جائزہ لے چکا تھا۔ وُہ اِس علاقے کے چپّے چپّے سے واقف تھا۔ انطاکیہ سے لے کر حصن الاکراد تک تیس صلیبی قلعے تھے۔ ان میں انطاکیہ جیسے وسیع شہر اور قلعے بھی تھے۔ جن کی آبادی ہزاروں سے متجاوز تھی۔ اِن میں حصنِ الاکراد جیسے سنگین حصار بھی تھے جن کی ناقابل تسخیر فصیلوں کے اندر جانباز صلیبیوں کی بستیاں تھیں۔ ان میں صور جیسے چھوٹے چھوٹے بحری قلعے بھی تھے۔ اِس کے علاوہ کوہ وادی میں حفاظتی بُرجوں کا سلسلہ بھی تھا۔ جن میں ٹمپلر اور ہاسپٹلر پہرہ دار متعین تھے۔

اِسے خوب معلوم تھا کہ دریں حالات صلیبی بڑی فوج میدان میں لانے سے قاصر ہیں۔ اِنہیں یورپی کروسیڈ سے امداد مِل جائے تو دُوسری بات ہے۔ چُنانچہ اِس نے صلیبی قلعوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اِس منصوبے کی کامیابی کا انحصار اچانک یلغار، تیز نقل و حرکت، کثیر لشکر اور آلاتِ محاصرہ پر تھا۔ ہنی بال کی طرح اس کے تابع فرمان بھی مختلف القوم لشکر تھے۔ جو اس کے جانثار اور وفادار تھے۔ تربیت یافتہ مملوک لشکر کے علاوہ بربر، عرب اور سوڈانی امدادی دستے بھی موجود تھے۔ اِس کی فوج صلاح الدین کی

فوج سے زیادہ تھی۔ بلاشُبہ یہ زبردست فوج فتح کی یقینی ضمانت تھی لیکن اِس کو تھوڑی دیر کے لیے بھی روکنا خطرناک تھا۔ اِس فوج کو لڑانے کے لیے بیبارس میں اخفائے راز سُرعتِ عمل اور جُرأتِ اقدام کی خُوبیاں بدرجہ اتم تھیں۔

۱۲۶۵ء میں وہ صلیبیوں پر پہلی ضرب لگانے کے لیے قاہرہ سے روانہ ہُوا تو صلیبیوں کو اِس کے عزائم کا علم ہوگیا۔ چُنانچہ یروشلم سے وُہ بسُرعت شمال کی طرف بڑھا۔ صلیبی لشکر سوادِ عکّہ میں اس کا منتظر تھا۔ لیکن اِس نے یکدم جنوب کی طرف رُخ بدل کر قیصریہ کے قلعہ بند شہر کے سامنے اپنے سیاہ عَلَم گاڑ دیے۔ مملوکوں نے بیرونی دیواروں پر دھاوا کیا۔ اور منجنیقیں فصیلوں کو گرانے میں مصروف ہوگئیں۔ وہ منجنیقوں اور آلاتِ محاصرہ کے پرزوں، کلوں اور شہتیروں کو علیحدہ علیحدہ کر کے اُونٹوں پر لاد کر ساتھ لایا تھا۔ قیصریہ نے سات دِن کی مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ سپاہ قلعے کو لُوٹنے اور سُلطان اپنے ہاتھوں سے اِس کی فصیلوں کو مسمار کرنے لگا۔ وُہ اِن ساحلی شہروں کو جو صلیبیوں کی آماجگاہ بن چُکے تھے، تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کر چُکا تھا۔

بیبارس کے رسالے کے ڈویژن حیفہ کو سَر کر کے (قیصریہ کے شمال میں) عثلیث (شاتو پیلرین) کے لیے خطرے کا باعث بن گئے۔ عثلیث کے صلیبی جانباز مدافعت پر مجبور ہوگئے۔ اِس طرح بیبارس کے لیے مَیدان صاف ہوگیا۔ اِس نے پیادہ فوج اور منجنیقوں کے ساتھ تیزی سے جنوب کا رُخ کیا اور برق رفتار یلغار کر کے ارسوف فتح کر لیا۔ مُسلمانوں نے ارسوف کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ صلیبی نائٹوں نے قلعے کی فصیلوں سے ایک دراز قد مملوک کو مسلمان فوج کی صفوں سے آہستہ آہستہ گزرتے دیکھا۔ اِس کے جسم پر زرہ تھی جو ٹخنوں کو چھُوتی تھی، اِس کے ایک ہاتھ میں ڈھال تھی۔ کسی سپاہی نے اِس آوارہ گرد کی طرف توجّہ نہ کی اور نہ اُس کی طرف اشارہ کیا۔ وُہ مزے سے اِن کی صفوں سے گزرا اور فصیل کے بُنیادی پتھروں اور دروازے کے بُرجوں کا خاموشی سے

معائنہ کرکے واپس چلا گیا۔ صلیبی نائٹوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اس شخص کی ایک آنکھ نیلی اور دُوسری سفید ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اِس شخص کو منجنیقوں کے پاس کھڑے دیکھا۔ وہ سنگباروں کو ہدائتیں دے رہا تھا۔ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد جب ارسوف نے ہتھیار ڈال دیے تو نائٹوں کو معلوم ہُوا کہ وُہ شخص دراصل سُلطان تھا۔ بیبارس نے قیدیوں سے قلعے کے پتھر اُکھڑوائے۔ اِس نے اُنہیں رہا کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اِس کے باوجود وُہ انہیں قیدی بنا کر قاہرہ لے گیا۔ قاہرہ کے بازاروں میں ان کا جلوس نکالا گیا۔ ان کے عَلَم سرنگوں تھے۔ اور شکستہ صلیبیں ان کے گلوں میں لٹک رہی تھیں۔ اِس طرح اِس نے اہلِ قاہرہ کو فتح کا مُژدہ سُنایا۔ اگلے سال قاہرہ میں اس سے بھی زیادہ خُونریز نمائش ہوئی صفد کے قلعے کا محاصرہ کیا گیا۔ بالآخر ٹمپلروں نے عاجز آکر ہتھیار ڈال دیے۔ اس نے سوائے دو کے باقی سب ٹمپلروں کو قتل کرا دیا۔ ایک ٹمپلر مُسلمان ہو گیا اور دوسرے کو اجازت دی گئی کہ جا کر دُوسرے صلیبی قلعوں کو یہ خبر پہنچا دے۔

مملوک فتح کی خوشی سے سرشار تھے۔ اِنہوں نے یکے بعد دیگرے تین صلیبی قلعوں کا صفایا کر دیا تھا۔ یہ نصرت کی دلیل اور کافروں کی تذلیل کی نشانی تھی۔ وُہ سمجھنے لگے کہ اب صلیبیوں کا انجام مقدر ہو چکا ہے اور کتابِ تقدیر کا نوشتہ اٹل ہے۔ اِنہیں یقین تھا کہ مشیّت نے ہمیں اِس کام کے لیے مُنتخب کیا ہے کہ ہم اپنی تلواروں سے مسیحی قلعوں اور مسیحی زندگیوں کی آخری فصل کاٹ کر تلافی مافات کر دیں۔

اِنہیں یہ احساس نہ تھا کہ بیبارس نے تین کمزور عیسائی قلعے فتح کرکے اِن کے مُنہ کو خُون لگا دیا ہے۔ بہرکیف اِن فتوحات سے دُوسرے مسیحی قلعوں میں خوف و ہراس کی لہر دَوڑ گئی۔ صلیبیوں نے ہشون، منگولوں اور یورپ سے فوجی امداد طلب کی۔ اِن کے قاصد اور ہرکارے مدد کے لیے چاروں طرف دَوڑے۔ صلیبی پریشانی اور

وحشت کے عالم میں سرگرداں تھے لیکن اس نے بوہمنڈ ششم شاہِ انطاکیہ سے پندرہ ہزار اشرفیاں وصول کر کے عارضی صُلح کر لی۔ جس سے اسے انطاکیہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ اِس کے بعد اُس نے ہیتھون کی گوشمالی کے لیے شمال کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ ہیتھون نے منگولوں کی مدد کی تھی اور وُہ ان کا حلیف تھا۔

یہ داستان مشہور ہے کہ وُہ بھیس بدل کر ایشیائے کوچک کے دُور اُفتادہ علاقے میں پہنچ گیا۔ ایک دِن وُہ سڑک کے کنارے حلوائی کی دُکان پر ستانے کے لیے اُترا۔ اِس نے کچھ مٹھائی اور پھل کھایا اور اپنی مُہر سُلطانی میز پر ہی بھول گیا۔ واپس آ کر اُس نے ایل خانی منگول حاکم کو قاصد روانہ کیا اور درخواست کی کہ تمہارے علاقے کے فلاں شہر میں فلاں دُکان پر مَیں اپنی انگوٹھی بھُول آیا ہوں مہربانی کر کے وُہ واپس کر دی جائے۔

جنگ میں بھی بیبارس کو مسخرہ پن اور ہنسی ٹھٹّھا نہ بھُولا۔ اگلے سال اس کی دلچسپی کا اور سامان پیدا ہو گیا۔ ساحل شام کے قریب جنیوا اور وینس والوں میں زبردست بحری جنگ ہوئی۔ اس نے اس جنگ میں گہری دلچسپی لی۔ البتّہ اُسے اِس وقت تھوڑی سی تشویش ہوئی جب اسے معلوم ہُوا کہ سینٹ لوئیس نے فلسطین کی صورت حال سے متاثر ہو کر دوبارہ صلیب اُٹھائی ہے اور دوبارہ عظیم الشان کروسیڈ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

۵۵

بوہیمند کے نام خط

سینٹ لوئیس کی تیّاریوں کی خبر نے بیبارس کے عزم پر تازیانے کا کام کر گیا۔ ۱۲۶۸ء کے موسمِ بہار میں اس نے اپنی تمام تر کوشش صلیبیوں کے خلاف صرف کی مارچ میں وُہ اچانک جافا جا پہنچا۔ جنوبی فلسطین میں جافا صلیبیوں کی آخری آماجگاہ تھی۔ اِس نے جافا پر زبردست یورش کی اِس کی دیواروں کو مسمار کرا دیا اور مرمری ستون اُکھڑوا کر مسجد الظاہرہ کی آرائش کے لیے قاہرہ بھجوا دیے۔ ان مرمریں ستونوں کو گمنام یونانی صناعوں نے تراشا تھا۔ مصری فلاحوں نے کھُردرے ہاتھوں سے اِن ستونوں کو اُٹھا کر مسجد کے پختہ اینٹوں کے صحن میں نصب کر دیا۔ کوچہ و بازار میں لوگ الملک الظاہر کے گُن گانے لگے۔ دریائے نیل سے پانی لانے والے سقّے بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

بیبارس کے مسلّح رسالے کے پیچھے سُست خرام گاڑیاں اور اونٹوں کی لمبی قطاریں تھیں۔ ریشمی کپڑوں میں ملبوس حبشی غُلام پابہ زنجیر صلیبی قیدیوں کو ہانکتے ہوئے

لا رہے تھے۔ جوشیلے درویش فتح و نصرت کے قصیدے پڑھ پڑھ کر سپاہیوں کو جوش دلا رہے تھے۔ بیبارس لبنان کی یخ بستہ چوٹیوں کو عبور کر کے بلفورٹ کے مقابل نمودار ہوا یہ قلعہ جس نے صلاح الدین کے دانت کھٹے کر دیے تھے، صرف دس دن میں مسخر ہو گیا۔ اس فتح کے بعد سلطان کے خواجہ سراؤں کو ہانکنے کے لیے اور قیدی مل گئے۔

بانیاس کے سرخ ٹیلوں کے قریب دریائے اردن کا زمین دوز پانی دوبارہ سطح زمین پر نمودار ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر فوج نے آرام کیا۔ سپاہیوں نے چرنے کے لیے گھوڑے کھلے چھوڑ دیے اور خود فصلیں کاٹنے میں مصروف ہو گئے لیکن بیبارس دوبارہ غائب ہو گیا۔[1]

---

[1] نقل و حرکت کی حیرت انگیز سرعت اور دشمن کو فریب دینے کی ماہرانہ صلاحیت سے بیبارس دشمن کی نظروں سے اوجھل رہتا۔ دشمن اس کی نقل و حرکت اور منصوبوں کا سراغ لگانے سے قاصر رہتے۔

اس سال موسم بہار میں مارچ کو وہ جافا میں تھا پھر وہ حبرون کی جامع مسجد کی تعمیر نو میں مصروف رہا۔ وہ ۱۵ر اپریل کو بلفورٹ میں تھا اور ۲۵ر اپریل کو اس نے بانیاس پہنچ کر ڈاک چوکی اور گشتی دستوں کا نیا نظام رائج کیا۔ جو دراصل مسلح پولیس اور تیز رفتار ڈاک کا امتزاج تھا۔ اس نے یہ فرض سبک رفتار خانہ بدوش ترکمانوں کے سپرد کر دیا۔ ان انتظامات سے فارغ ہوا تو بھیس بدل کر اچانک یکم مئی کو ٹریپولی جا پہنچا اور ۱۵ مئی کو انطاکیہ پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا۔

انطاکیہ اور جافا میں سڑک کے رستے، تقریباً پانچ سو میل کا فاصلہ ہے۔ بیبارس نے جافا ۱۲ گھنٹے اور انطاکیہ تین گھنٹے میں فتح کر لیا۔ اس کی تیز فوجی نقل و حرکت کے سامنے صلاح الدین کی بہترین ساعی ہیچ تھیں۔ صلاح الدین کو بلفورٹ فتح کرنے میں مہینے لگ گئے اور جافا کی بیرونی فصیل پر قبضہ کرنے میں تین دن صرف کرنے پڑے۔ صلاح الدین نے انطاکیہ کے محاصرے کی جرأت نہ کی۔ بیبارس کی تیز نقل و حرکت چنگیز خان اور امیر تیمور کی (سلسلہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۰۱)

ایک دو دن بعد سُلطان کے سفیر ٹرپولی کے قلعے کے دوہرے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور بوہمنڈ ششم سے باریابی طلب کی۔ وہ بوہمنڈ کو شاہ کے بجائے کاؤنٹ کے لقب سے خطاب کرنے پر مصر تھے۔

انہیں محل کے بالاخانے میں لے گئے۔ نائٹوں اور مسلّح بہادروں نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بُرج کی سیڑھیوں سے بوہمنڈ اُترا اور ایوان میں داخل ہُوا۔ وہ اپنے آبائی شہر انطاکیہ سے یہاں آیا تھا۔ انطاکیہ کو اس کے جدّ اعلےٰ نے دو صدی پہلے تُرکوں سے فتح کیا تھا۔ دو صدی کے عیش و عشرت سے وُہ آرام طلب ہو گئے تھے۔ یُونانی اور شامی خدام ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اِس زندگی سے نارمن جنگجو بھی آسودگی پسند ہو گئے تھے۔ شاہ انطاکیہ نے بیبارس کو تاوان دے کر صُلح کر لی تھی لیکن اس کے باوجود وُہ خائف تھا۔ وہ خطرے سے بچنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے جنوبی شہر ٹرپولی میں مقیم تھا۔

مصری سفیروں کے قائد نے بڑی بے باکی سے گفتگو کی۔ وہ اسے کاؤنٹ بوہمنڈ کہہ کر مخاطب کرتا رہا اور اس پر صُلح کی خلاف ورزی کا الزام لگایا۔ بوہمنڈ کی نارمن فطرت جوش میں آگئی۔ اِس نے اپنے حاجب سے سرگوشی کی۔ حاجب نے سفیروں کو سرزنش کی:۔

"تہذیب سے بات کرو ورنہ خاموش ہو جاؤ۔ ساری دُنیا کو معلوم ہے کہ میرے آقا شاہِ انطاکیہ ہیں۔ خبردار تُمھیں بھی پرنس کو اِسی لقب سے خطاب کرنا چاہیے ۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۰ دیکھیے) چند برق رفتار یلغاروں کے ہم پلّہ تھی۔ یہ نہیں بھُولنا چاہیے کہ بیبارس کے لشکر میں بھی تاتاری اور وسط ایشیا کے تُرک شامل تھے۔ وہ خود بھی وسط ایشیا سے وارد ہونے والے قبائل کا شاندار سردار تھا۔ اِن جنگجو لوگوں نے جانباز صلیبیوں کو فلسطین سے مار بھگایا اور اگلی صدی یورپ میں گھس گئے۔ (مصنّف)

مملوک سفیروں کے سردار نے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور توقف کیا، پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جناب کاؤنٹ! مجھے یہی پیغام دیا گیا ہے۔ جو کچھ مجھے بتایا گیا ہے مَیں اسے دُوسرے انداز میں ادا نہیں کر سکتا۔"

بوہمنڈ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے محافظوں کو اشارہ کیا کہ سفیروں کو حراست میں لے لیں۔ اتنے میں ایک سائیس جو گھوڑوں کی لگامیں تھامے ہوئے تھا، یونہی آگے بڑھا۔ اس نے مملوک سردار کے پاؤں کو چھو لیا۔ مملوک سردار بول اُٹھا:۔

"جناب پرنس آپ خاطر جمع رکھیے۔"

سفیروں نے تعمیل کر لی۔ ان کا پیغام وصول کر لیا گیا۔ گفتگو جاری رہی۔ اس دوران میں وہ لمبا تڑنگا سائیس ایوان کے باہر گھومتا رہا اور اپنی سالم آنکھ سے دیواروں اور سپاہیوں کے ہتھیاروں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے بوہمنڈ کو بھی بغور دیکھا۔ جب بوہمنڈ نے سفیروں کو رخصت کیا۔ تو سائیس سرداروں کی رکابیں تھامنا بھول گیا۔ وہ خود تازی گھوڑے پر سوار ہو کر مملوک امیروں کے ساتھ ہو لیا اور شہر کے دروازے سے باہر نکل کر وہ ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا +

"۔۔۔ لعنت ہو اس کی ساری شاہی اور امیری پر۔۔۔"

بیبارس نے سائیس کے روپ میں ایک نیا سوانگ رچایا تھا۔ وُہ اس شغل سے بہت خوش ہُوا۔ اس پُرفن تدبیر سے اس نے حالات کا جائزہ لے لیا تھا۔ بانیاس کے قریب پہنچ کر وہ پھر غائب ہو گیا۔ لیکن اس مرتبہ منتخب رسالہ اس کے ہمراہ تھا۔

دو ہفتے کے بعد مئی کے آخر میں بوہمنڈ کو طرابلس کے قلعے میں ایک خط ملا۔ نامہ بردار غیر مسلح مسلمان تھا۔ اس دفعہ سُلطان نے بھیس نہیں بدلا تھا۔ نامہ بردار خط دیتے ہی واپس چلا گیا۔

بوہمنڈ نے لفافہ کھولا تو اس کی نظر بیبارس کے جلی دستخط پر پڑی۔ اس نے خط پڑھا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ گئیں۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ جیسے کسی غیبی ضرب سے مفلوج ہو گیا ہو۔ جب اس کے مصاحبوں کو خط کا مطلب معلوم ہوا تو وہ بھی حیرت اور افسوس سے خاموش رہے۔ یہ خط اس جامع الفنون سلطان کا شاہکار تھا۔

"کاؤنٹ کو ہمارا سلام پہنچے، ہم اس کی بدبختی پر تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ کی مرضی جس نے اسے شاہی سے محروم کر دیا اور اشک شوئی کے لئے اسے صرف کاؤنٹ رہنے دیا۔ اے کاؤنٹ! جو خود کو شاہِ انطاکیہ سمجھتے ہو، یاد رکھو کہ شاہِ انطاکیہ ہم ہیں۔ تیرے زرخیز اور شاداب شہر کے مالک ہم ہیں۔

"رمضان کی چار تاریخ کو ہفتے کے دن، چوتھے پہر، ہم شمشیر بکف تیرے شہر میں گھس گئے۔ کاش کہ تم دیکھتے کہ کیسے تمہارے نائٹ گھوڑوں کے سُموں تلے روندے گئے، تمہارے محل کیسے لوٹے گئے، کیسے مالِ غنیمت سے سپاہیوں نے اپنے توبڑے بھرے۔ کاش کہ تم دیکھتے کہ تمہاری دولت کس کڑی ترازو پر تولی گئی! تمہاری خوبصورت عورتوں کو کیسے بازاروں میں چار چار دینار میں بیچا گیا اور تمہاری ہی دولت سے خریدا گیا۔

"کاش کہ تم ملاحظہ کرتے کہ کیسے تمہارے گرجوں کو برباد کیا گیا، کیسے ان کی صلیبیں توڑی گئیں، کیسے ان کی جھوٹی کتابیں پھینک دی گئیں۔ تمہارے آبا و اجداد کی قبروں کو کیسے ملیا میٹ کیا گیا۔ کاش کہ تم مشاہدہ کرتے کہ کیسے تمہارے دُشمن مقدّس ترین گرجے کو روند رہے تھے۔ اور انہوں نے کیسے پادریوں اور راہبوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا۔ کاش کہ تم دیکھتے کہ امیر کیسے نادار اور تمہارے شاہی خاندان کے امیر و کبیر کیسے غلام ہوئے۔

"کاش کہ تم دیکھتے کہ کیسے تمہارے ایوانوں میں آگ کے غضبناک شعلے پھیلے ـــــ کیسے لاشوں کو مادی دُنیا کی آگ میں پھینکا گیا ـــــ اور اُدھر جہنّم کی اَبدی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ان کے منتظر تھے ـــــ تمہارے ولیوں کے بلند گرجے کیسے لرزے اور کیسے

زمین بوس ہوئے ـــــ یہ مناظر دیکھ کر تم چیخ اُٹھتے "ـــــ اے کاش کہ میں خاک ہوتا ـــــ" وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ؕ۔

"تمہارا کوئی آدمی زندہ نہیں بچا جو تمہیں یہ سرگذشت سُناتا۔ اس لیے ہم تمہیں یہ روئداد سُناتے ہیں"

یہ تھا بیبارس کا فیصلہ کہ بوہمنڈ کاؤنٹ ہے یا بادشاہ۔

بیبارس نے واقعی سچ لکھا تھا۔ سُلطانی رسالے نے دشمن کو اچانک حملہ کرکے ہراساں کر دیا۔ انطاکیہ والے افراتفری میں شہر کی بیرونی فصیل کی بھی اچھی طرح مدافعت نہ کرسکے۔ جس فصیل کو وہ ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے، دُشمن کے ریلے کے سامنے ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گئی، باغات لاشوں سے پٹ گئے اور قتلِ عام سے زمین لالہ زار ہوگئی۔ آٹھ ہزار نفوس نے انطاکیہ سے متصل ٹیلے پر بنے ہوئے قلعے میں پناہ لی۔ سُلطان نے ان کی جان بخشی کر دی۔

شہر کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ بے اندازہ دولت حملہ آوروں کے ہاتھ لگی۔ سونے اور چاندی کا شُمار گلدانوں اور پیمانوں میں بھر بھر کر کیا گیا۔ عیسائیوں کی جوان کنیزوں اور لونڈیوں کو پانچ پانچ درہم کے بدلے شُتربانوں کے حوالے کر دیا گیا۔

انطاکیہ اچانک برباد ہوگیا۔ اس شہر پر جیسے نیلے آسمان سے بجلی گری ہو۔ سات دن میں انطاکیہ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اس کی رونق یادِ ماضی بن چُکی تھی۔ اِس کے بازار تاجروں اور چوروں کی آماجگاہ بن چکے تھے۔ اِنہوں نے کھنڈروں میں ٹھکانے بنالیے تھے۔ منڈیوں میں مالِ غنیمت کے سودے ہوتے۔ تاجر اور چور آپس میں جھگڑتے رہتے۔

سقوطِ انطاکیہ کی خبر جنوب کے صلیبیوں کو پہنچی تو انہیں اس کی صداقت پر یقین نہ آیا ـــــ لیکن بدبخت بوہمنڈ کو اس خبر کے متعلق کوئی شُبہ نہ تھا۔ سقوطِ انطاکیہ سے جنوب کے صلیبی قلعوں میں کچھ فرق نہ پڑا کیونکہ کئی نسلوں سے انطاکیہ کا سرزمینِ مقدس سے رشتہ منقطع ہو چکا تھا۔ اور انطاکیہ ایک علیحدہ مملکت کی حیثیت سے پروان چڑھا تھا۔

صلیبیوں کو یہ فکر لاحق تھی کہ دیکھیے اب بیبارس کی ضرب کہاں پڑتی ہے۔ ایک سال میں صلیبی دفاعی سلسلے کے انتہائی شمالی اور جنوبی حصّے کٹ چکے تھے۔

۱۲۶۹ء کے موسم بہار میں بیبارس نے عجیب بھیانک کھیل کھیلا۔ وہ غائب ہو گیا اور اس کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ دراصل اُسے صلیبیوں سے وعدہ شکنی کے الزام میں ہدفِ ملامت بنایا گیا تھا۔ اِس نے صلیبیوں سے نپٹنے کے لیے یہ چال چلی۔ وہ اپنی موت کی خبر مشہور کر کے صلیبیوں کو حملے میں پہل کرنے کی ترغیب دینا چاہتا تھا۔

اِس نے دو مرتبہ المرقب پر اچانک چڑھائی کی لیکن ہاسپٹلروں کی مُستعدی سے وہ دونوں بار ناکام رہا۔ ایک دفعہ وہ حصن الاکراد کی چوٹی پر نمودار ہُوا۔ اِس کے ہمراہ صرف چالیس سوار تھے۔ اِس کے بدن پر زرہ بھی نہ تھی۔ اِس نے نائٹوں کو باہر نکلنے کے لیے للکارا اور انہیں دعوتِ مبارزت دی لیکن نائٹ چُپکے سے قلعے میں دبکے رہے۔ چُنانچہ بیبارس چلا گیا۔ اِس نے صلیبی نائٹوں کے قلعوں کے گردونواح میں فصلیں کٹوائیں اور صلیبیوں کے خلاف ایک معمولی معرکہ بھی جیتا۔ اُس نے دمشق میں مفتوحین کے سروں کا مینار بنوایا۔ وہ صلیبیوں کے خلاف صف آرا ہونے سے گریزاں رہا کیونکہ اسے سینٹ لوئیس کے کروسیڈ کا خطرہ تھا۔ وہ اپنی فوجی قوت کو فیصلہ کُن معرکے کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

اولوالعزم سُلطان نے کروسیڈ کا مُنتظر رہنے کے بجائے اِس کا رُخ بدلنے کی کامیاب کوشش کی۔ سُلطان کو معلوم ہو چکا تھا کہ کروسیڈ میں شاہِ فرانس کی فوج کے علاوہ چارلس آف آنجو کا لشکر اور ناوارے کے جانباز بھی شامل ہیں۔ انگلستان کے شہزادے ایڈورڈ کی سرکردگی میں انگریزی دستہ بھی ان کے ساتھ ہے۔ سُلطان نے اِس کروسیڈ کو مات دینے کے لیے گہری چال چلی۔

سُلطان کے ایماء پر والئ تیونس نے سینٹ لوئیس کو لکھا کہ مَیں سُلطان کے خلاف تمہاری اعانت کرنے پر آمادہ ہوں۔ اِس نے انہیں ساحلِ افریقہ پر اُترنے کی دعوت دی

اور اپنی نیک نیتی کے ثبوت کے طور پر گراں قدر رقم بطورِ نذرانہ ارسال کی۔ یہ سازش کیونکر کامیاب ہوئی اور سینٹ لوئیس کو کیسے تیونس پر فوج کشی کے لیے آمادہ کیا گیا، ایک ایسا پُراسرار تاریخی واقعہ ہے جس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں ہے[1]۔

قصّہ مختصر کہ بیبارس کی خواہش کے مطابق وہ جولائی ۱۲۷۰ء میں ساحلِ تیونس پر لنگر انداز ہُوا۔ وہاں سخت گرمی، ناقابلِ برداشت دھوپ اور گرد تھی۔ سارے علاقے میں قحط اور خشک سالی کا دَور دَورہ تھا۔ سامانِ رسد کی کمی تھی، اِس پر ستم یہ کہ امیر تیونس نے سینٹ لوئیس کو فریب دیا تھا مُسلمان اِس کا مقابلہ کرنے کے لیے کمر بستہ اور ہتھیار بند تھے۔ اِن حوصلہ شکن حالات کے باوجود سینٹ لوئیس نے متعفّن اور شور زدہ دلدل کے کنارے واقع سفید دیواروں والے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ آندھیوں کی شدّت، سُورج کی تمازت۔ پانی کی قلّت کے باوجود اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ جنوبی پہاڑیوں سے بَربَری دستے اُنھیں مسلسل پریشان کرتے رہے۔

اِن کی زبوں حالی دیکھ کر ایک تیونسی شاعر کو فتح کا وہ قصیدہ یاد آگیا۔ جو بیس[2] سال پہلے قاہرہ میں پڑھا گیا تھا۔ اس نے بھی اِسی طرز پر قصیدہ لکھا،

"اے شاہِ فرانس! یاد رکھ سرزمین تیونس مصر کی ہم سَر اور مثیل ہے اب۔ تُو اپنی قسمت کا فیصلہ سُننے کے لیے تیار ہو جا۔

---

[1] کہا جاتا ہے کہ سینٹ لوئیس کے بھائی چارلس آف آنجو نے جو دو سسلیوں کا بادشاہ تھا اُسے ساحلِ تیونس کو فتح کر کے سلطنت فرانس میں شامل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ تاکہ نواحی سمندر بھی مسلمان بحری قزاقوں کی یورش سے محفوظ رہ سکے۔ البتّہ چارلس بادل ناخواستہ اِس کروسیڈ میں شامل ہُوا کیونکہ اسے مشرقی فتوحات کے منصوبوں کو خیرباد کہنا پڑا۔ نائٹوں اور لارڈوں میں صلیبی جوش کا فقدان تھا۔ وہ محض اپنے دیندار بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے کروسیڈ میں شامل ہوئے تھے۔ یہ مہم سینٹ لوئیس کے ذاتی ذوق اور خلوص کا نتیجہ تھا اور اس کی موت کے بعد بالکل ختم ہوگئی۔ (مصنّف)

لقمان کے زنداں کے بجائے تمھیں یہاں قبر میں آرام کرنا ہوگا اور خواجہ سر کے بجائے فرشتۂ اجل تمھاری پیشوائی کرے گا۔"

تقدیر نے اِس شاعر کی نظم کو پیش گوئی کا درجہ بخش دیا۔ ایک مہینے بعد صلیبیوں کے کیمپ میں طاعون پھیل گیا۔ بادشاہ اور اُس کا جواں سال بیٹا ـــــ جو حملہ مصر کے پُر آشوب دِنوں میں پیدا ہُوا تھا ـــــ دونوں طاعون میں مُبتلا ہو گئے۔

سینٹ لوئیس سخت لاغر ہو گیا۔ وہ اُسے ساحلی پہاڑیوں کی طرف لے گئے جہاں کبھی قرطاجنہ کی عظیم الشان دیواریں کھڑی تھیں۔ انھوں نے سفیدے اور دیو دار کے چند درختوں تلے قیام کیا۔ خنک نسیم بحری سے یہاں موسم خوش گوار تھا۔ انھوں نے سُوکھی گھاس پر خیمے نصب کر دیے جن کے قریب اِکّا دُکّا لالۂ صحرائی نظر آتے تھے۔ بادشاہ اور اس کے بیٹے کو شامیانوں تلے کمبلوں پر لٹا دیا گیا۔ پادری ان کی تیمار داری کرتے رہے لیکن طاعون کا علاج نہ کر سکے۔ بادشاہ پہلے ہی پیچش سے نڈھال ہو چکا تھا۔ وہ طاعون کے حملے کی تاب نہ لا سکا۔ جواں مرگ بیٹے کی موت کے صدمے نے اِسے ختم ہی کر دیا۔ وہ سخت نحیف و کمزور ہو چکا تھا۔ اِس نے بمشکل پہلو بدلا اور اس کی مدھم آواز سُنائی دی۔

"اے خُدا! اپنے بندوں پر رحم کر ـــــ یہ تیرے بندے ہیں ـــــ انھیں بحفاظت اپنے وطن پہنچا دے ـــــ ہائے یروشلم ـــــ ہائے یروشلم ـــــ"

ایک ہفتے کے بعد سُرخ ٹیلے کی بلندی ویران ہو گئی۔ فرانسیسی واپس چلے گئے اور اپنے بادشاہ کی نعش بھی ساتھ لے گئے۔ حسب سابق گڈریے اور بھوری بھیڑیں دوبارہ ساحل پر نظر آنے لگیں۔ سفید دیواروں والے قصبوں کے میناروں سے پھر مؤذن کی اذان گونجنے لگی۔ صلیبیوں کے اُجڑے ہوئے کیمپ کا جائزہ لینے کے لیے جنگجو قبائلی لوگ ساحل پر منڈلانے لگے۔ دراز قد درویش اِس مقام کی نشان دہی کرتے جہاں سینٹ لوئیس نے دعوت اجل کو لبّیک کہا تھا۔

اس طرح آخری عظیم الشان کروسیڈ ناکام و نامُراد ہُوا۔ بیبارس نے یہ خبر سُن کر اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے سینٹ لوئیس کو منصورہ میں اسیر کیا تھا۔ اب وہ اس کے تیونس میں بچھائے ہوئے دامِ تزویر کا شکار ہو گیا تھا۔ صلیبیوں کا شاندار بادشاہ لحد میں سو چکا تھا۔ قاہرہ میں جہاد کا جوش پھیلنے لگا۔ بیبارس نے سرزمین قدس میں صلیبی نائٹوں کے مضبوط ترین قلعوں کا صفایا کرنے کی ٹھان لی۔

۱۲۷۱ء کے موسم بہار میں اس کے لشکر نے دوبارہ حرکت کی۔ اس نے ہاسپٹلروں کے صدر مقام حصن الاکراد کا محاصرہ کر لیا جو شیشین شام کی سرحد پر واقع تھا۔ گزشتہ ایک صدی سے یہ چوکور سفید قلعہ بنجر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا۔ یہ قلعہ صلاح الدین کی دست بُرد سے بھی محفوظ رہا تھا۔ یہ اہم جنگی راستوں کا نگہبان تھا اور ٹمپلروں کے شہر طرطوس اور ساحلی شہر ٹریپولی کا مُحافظ تھا۔

بیبارس نے اِس سطح مُرتفع پر آلاتِ محاصرہ نسب کرا دیے جہاں سے ایک سنگین نالی قلعے کے جنوبی بُرجوں تک چلی گئی تھی۔ دو ہفتے کے محاصرے کے بعد اِس عظیم الشان قلعے کے محافظوں نے عَلَم سرنگوں کر دیے اور سپر ڈال دی۔ باقی ماندہ نائٹوں کی جان بخشی کر دی گئی اور انھیں جانے کی اجازت دے دی گئی[۱]۔

---

[۱] بیبارس کی متواتر کامیابیوں کا راز منگول طرزِ جنگ اور فنِ محاصرہ میں مضمر تھا۔ اِس کے آلاتِ محاصرہ اور منجنیقیں بہترین تھیں۔ جوں ہی وہ مقامِ محاصرہ پر وارد ہوتا، محاصرہ شروع ہو جاتا۔ پُرجوش مسلمانوں کی یورشیں ہر وقت جاری رہتیں منجنیقیں اپنی خوفناک سنگ باری سے فصیلوں میں شگاف کر دیتیں۔ مدافعین کو ہر وقت مزاحمت کے لیے مُستعد رہنا پڑتا جس سے وہ تھکن اور اعصابی اضمحلال کا شکار ہو جاتے۔ دھوئیں والے بم اور شعلہ ریز آلات کے شعلے ہلاکت کا حشر آفریں سماں پیدا کر دیتے۔ اہلِ قلعہ کو باہر سے امداد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ سُلطان کے کثیر لشکر پر جوابی حملہ کرنا ناممکن ہوتا۔ ۱۲۷۰ء تک سُلطان نے اپنی فوج کی تنظیم منگول اصول (سلسلہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۰۹)

بیبارس نے دیواروں کی مرمّت اور ایک برُج کی پیشانی پر تاریخ فتح کی تختی نصب کرائی۔ وہ اِس قلعے کو ساحل کی فتح کے لیے اڈّے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۶۰۸) حرب کے مطابق کر لی تھی۔ اِس نے تنظیم میں مناسب تبدیلیاں ہی نہیں کی تھیں بلکہ اپنی اختراعات سے بھی کام لیا تھا۔ لشکرِ خاص، بحری مَمالیک اور حلقہ میں دس دس ہزار سپاہی ہوتے۔ یہ سُلطان کی باقاعدہ یعنی مُستقل فوج تھی۔ اِن ہی میں سے ہر جُند کی تقسیم یُوں کی گئی تھی۔

(۱) آزمودہ کار رسالہ (۲) پیدل شمشیر باز (۳) ریزرو (۴) زیر آزمائش رنگروٹ۔

اِس کے رضاکار جنگی دستوں میں بنو نمیر کے عرب، بدوی عراقی اور یمنی شامل تھے۔ اِن کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی۔ اِس کے علاوہ بالائی مصر یعنی جزیرہ کے بیس ہزار سپاہی بھی تھے۔ حلب کے ترکمانوں کا ایک ڈویژن اور دس ہزار کُردان پر مُستزاد تھے۔

ایک وقت میں باقاعدہ فوج اور رضاکار لشکروں کا کچھ حصّہ حرکت میں لایا جاتا ہے۔ سُلطان کی لڑاکا فوج کی تعداد دو ڈویژنوں سے زیادہ نہ ہوتی لیکن پھر بھی صلیبیوں کے مقابلے میں اِن کی تعداد دس گُنی ہوتی۔ حیرانی کی بات یہ نہیں کہ صلیبی قلعے اِتنی جلدی فتح ہو گئے، بلکہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ ان کی مدافعت کی گئی۔ صرف ٹمپلر، ہاسپٹلر اور چند ٹیوٹانک نائٹ شام میں باقی رہ گئے تھے۔ صلیبیوں کی عسکری قوت کا انحصار ان پر تھا۔ وہ سبھی قلعوں میں موجود تھے۔ ان کی مجموعی تعداد دس ہزار سے ہرگز زیادہ نہ تھی۔

بوقتِ ضرورت بیبارس ایک لاکھ سپاہی میدانِ جنگ میں لا سکتا تھا۔ اِس کے جانشین سُلطان قلاؤن نے ۱۲۸۰ء میں منگولوں اور عیسائیوں کی متحدہ فوجوں کا ۸۰ ہزار کے غالب لشکر سے مقابلہ کیا۔ بیبارس کے عہد میں یا اِس سے کچھ عرصہ پہلے فوجی برتری مغرب سے نکل کر مشرق میں مُنتقل ہو چکی تھی۔ جہاں منگول آباد ہو رہے تھے۔ آئندہ تین صدی تک فوجی برتری دوبارہ اہلِ مغرب کے ہاتھ نہ آ سکی۔ بالآخر اہلِ مغرب نے آتشیں اسلحہ میں فوقیت حاصل کر کے عسکری برتری حاصل کر لی۔ (مصنّف)

اِس نے ہاسپٹلروں کے سردار ہیو آف ریول کو اِس فتح کی خوش خبری یُوں سُنائی۔

"راہب ہیو کے نام۔ ہم نہایت مسرت سے تمھیں خُدا کے لُطف و کرم کی اِطلاع دیتے ہیں۔ تم نے اِس قلعے کو مُستحکم کر کے اِس کی حفاظت اپنے منتخب راہبوں کے سپرد کی تھی تمھاری کوششوں کا انجام ان کی ہلاکت کی صورت میں ہُوا اور ان کی ہلاکت سے تم ہی کو نقصان اُٹھانا پڑا۔"

اب سُلطان اپنے شکست خوردہ دُشمن کا ہمسایہ بن گیا تھا۔ سابق شاہِ انطاکیہ اور موجودہ کاؤنٹ بوہیمنڈ اس خطرناک قُرب سے گھبرا گیا۔ سُلطان کی فوجوں نے ٹریپولی کے نواحی علاقے کی فصلیں کٹوالیں۔ پھلوں اور نیشکر کی فصل اکٹھی کر لی۔ بوہیمنڈ بے چارہ ٹریپولی میں محصور ہو کر رہ گیا۔ اِسے باہر نکلنے کی جُرأت نہ تھی۔ اِس نے سُلطان سے احتجاج کیا اور اس پر وعدہ شکنی کا الزام لگایا۔ بوہیمنڈ کو اس احتجاج کا بڑا بھاری جُرمانہ ادا کرنا پڑا۔ بیبارس نے فوراً جواب دیا۔

"مَیں تو صرف ایک بار تمھاری فصلیں اکٹھی کرنے اور تمھارے باغات کے انگور لینے آیا تھا۔ خاطر جمع رکھو۔ اب انشاء اللہ ہر سال آیا کروں گا۔"

بوہیمنڈ مجبور تھا۔ وہ اپنے قلعے میں پڑا رہا۔ گرمیوں کے آخر میں بوہیمنڈ کو سُلطان کا دُوسرا پیغام موصول ہُوا۔ قاصد اپنے ساتھ شکار لایا جو سُلطان نے کاؤنٹ کو بطورِ تحفہ بھیجا تھا۔ یہ پیغام بھی پہلے خطوط کی طرح مختصر اور پُر معنی تھا۔

"ہم نے یہ افواہ سُنی ہے کہ تُم نے شکار ترک کر دیا ہے اور اپنے شہر سے باہر نکلنے کی جُرأت نہیں کرتے۔ ہم تمھاری دل جوئی کے لیے یہ شکار بھیج رہے ہیں۔"

بیبارس ٹریپولی کے قریب زیادہ دیر نہ ٹھہرا۔ وہ تیزی سے جنوب کی طرف بڑھا ٹیوٹانک نائٹوں کے مضبوط قلعے مانٹفورٹ کو فتح کر لیا، جو عکّہ کے سامنے پہاڑیوں پر واقع تھا۔ اہلِ عکّہ بے بس تھے۔ وہ جرمن نائٹوں کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اِس نے قلعہ مسمار

گرا دیا۔اس کی مضبوط فصیلیں توڑ دی گئیں اور پتھر گھاٹی میں پھینک دیے گئے۔

بیبارس کی فتوحات بظاہر بے ترتیب اور بے ہنگم معلوم ہوتی ہیں لیکن عمیق تجزیے سے اِن کی بُنیادی ترتیب اور باقاعدگی واضح ہو جاتی ہے۔ پہلے اِس نے ساحلِ فلسطین کو عثلیث کے مضبوط قلعے تک صاف کر دیا، پھر شمالی شام پر دھاوا بول کر انطاکیہ فتح کر لیا۔ اس طرح وہ زرخیز علاقے اور شمالی ساحل کے راستوں اور مرکزوں پر قابض ہو گیا۔ پھر اس نے صلیبیوں کے آخری مضبوط قلعوں کو مسخر کر کے دامنِ کوہ سے صلیبی قلعوں کے سلسلے کا خاتمہ کر دیا۔ بالآخر صلیبیوں کے پاس صرف ٹریپولی سے لے کر عکّہ تک کا تنگ ساحلی علاقہ رہ گیا۔ صلیبیوں کی پُشت پر سمندر تھا اور سامنے مُسلمان سلطنت۔ وہ ساحل سے اندرونی علاقوں میں گھُس نہیں سکتے تھے۔ اِن کی ریاست کا عرض اِتنا مختصر ہو چکا تھا کہ آدھے گھنٹے کی سواری کے بعد وہ خود کو مسلمانوں میں گھرا ہُوا پاتے[1]

---

[1] ساحلِ بحر سے متصل المرقب کا قلعہ ابھی تک صلیبیوں کے تصرف میں تھا۔ اس کے علاوہ طرطوس، سدون، صور اور عثلیث پر بھی ان کا قبضہ تھا۔ مؤخر الذکر تینوں قلعے در اصل ساحلِ بحر سے سمندر تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ قلعے ایک دُوسرے سے جُدا اور علیحدہ تھے۔ بیبارس بحری بیڑا تیار کر کے اِن قلعوں سے نپٹنا چاہتا تھا۔ لیکن اِس کے بحری بیڑے کو قبرص کے قریب طوفان نے آلیا اور وہ ڈُوب گیا۔

مفتوحہ قلعوں سے بیبارس کا سلوک سات صدیاں گزُر جانے کے بعد بھی ان کے باقیات سے عیاں ہے۔ اِس نے ساحلی قلعے جن پر صلیبیوں کی دست برد کا خدشہ تھا، برباد کر دیے اور دامنِ کوہ کے قلعے جو مسلمانوں کے لیے دفاعی طور پر مفید تھے، برقرار رکھے۔ اِس نے عسقلان، قیصرہ، ارسوف اور مانٹفورٹ کے قلعے منہدم کرا دیے۔ اِن مسمار شُدہ قلعوں میں صلیبی عمارتوں کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اِس نے حصن الاکراد کی مرمت کرائی۔ یہ قلعہ تقریباً صحیح و سالم ہے اور وہ تختی آج تک صاف نمایاں ہے، جو فتح کی یادگار کے طور پر لگائی گئی تھی۔ بلفورٹ کا قلعہ بھی نیم محفوظ حالت میں ہے۔

مصنّف نے انطاکیہ، حلب اور دمشق کے دورے میں بیشتر صلیبی قلعوں کے خرابات کا بغور مشاہدہ کیا۔ اِن کی موجودہ حالت علیحدہ نوٹ میں بیان کی گئی ہے۔ (مصنّف)

۵۶

ایشیا کے غول

صِرف ایک شخص نے صلیبیوں کی پکار سُنی اور ان کی مدد کے لیے پہنچا۔ یہ انگلستان کا شہزادہ ایڈورڈ تھا۔ اِس نے صلیب اُٹھائی اور چار سَو باحوصلہ نائٹوں اور مسلّح سپاہیوں سمیت سینٹ لوئیس کے کروسیڈ میں شامل ہونے کے لیے روانہ ہُوا۔ وہ سینٹ لوئیس کی مَوت کے بعد تیونس پہنچا۔ اُس وقت فرانسیسی امرا واپسی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ صلیب اُٹھانے کے بعد اس نے اپنا حلف پُورا کرنے کی ٹھان لی۔

"خداوند مسیحؑ کے خونِ مقدّس کی قسم۔ اگر میرے خدمت گار فاوری کے سوا سب لوگ مجھے چھوڑ جائیں تو بھی مَیں عکّہ جاؤں گا۔"

وہ اپنی بیوی شہزادی ایلینار اور مختصر سی فوج سمیت عکّہ میں اُترا تو اُسے حصن الاکراد پر دشمن کے قبضے کی خبر ملی۔ ایڈورڈ کو سُلطان کے خلاف فوج کشی کی جرأت نہ ہوئی اِس لیے اس نے اندرونِ ساحل پر معمولی جھڑپوں اور حملوں ہی پر اکتفا کیا۔ اِن حملوں سے بیبارس کو خاصی پریشانی ہوئی اور اسے ایڈورڈ کی طرف متوجّہ ہونا پڑا۔

بیبارس نے ایڈورڈ کے خاتمے کے لیے تلوار کے بجائے خنجر قاتل کا استعمال زیادہ مناسب سمجھا۔ اِس مقصد کے لیے اِس نے فدائیوں کی خدمات حاصل کیں یا جافا سے چند من چلے قاتلوں کو کرائے پر بُلوا لیا بہرکیف قاتل خود کو فدائی کہتے تھے۔ خیمہ برداروں اور خدمت گاروں کے ہمراہ قاتل بھی انگریزی کیمپ میں گھُس گئے۔ انھوں نے ایڈورڈ پر اچانک وار کیا لیکن اس نے بڑی جرأت سے مقابلہ کیا اس نے حملہ آوروں کو پکڑ لیا اور ان سے گتھم گتھا ہوگیا۔ اتنے میں چند نائٹ آن پہنچے پھر بھی ایڈورڈ کے پہلو اور بازو پر زخم آئے۔ قاتلوں کے خنجر غالباً سم آلود تھے[۵۱]

شہزادے کے زخم سم آلود ہوگئے۔ وہ اپنے خیمے میں بے ہوش پڑا رہا۔ رفتہ رفتہ زہر

۵۱ فاضل مصنف کے اِس مفروضے کے لیے کہ فدائی قاتلوں کو سُلطان بیبارس نے مقرر کیا تھا کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں۔ یہ محض قیاس آرائی اور غلط قسم کا تاریخی اِستدلال ہے اِس میں شک نہیں کہ توران شاہ اور سُلطان قتبز کے قتل میں سُلطان کا ہاتھ تھا لیکن اِس وقت اس کی حیثیت محض بحری مملوکوں کے سردار کی تھی ظالم توران شاہ اور تنگ دِل قتبز کو راستے سے ہٹانے کی ترکیب صرف قتل تھا لیکن بیبارس نے سُلطان بننے کے بعد اپنے سیاسی حریفوں کا اِس طریقے سے صفایا نہیں کیا۔ اِس نے سرکش اور سازشی امیروں کو سزائیں دیں اور ان کی سازش کا جواب سازش سے دیا لیکن قاتلوں کو مامور نہ کیا۔ مصنف نے صرف سُلطان کی شہرت سے غلط استدلال کیا ہے۔ جب وہ ۸۰ ہزار فوج بروئے کار لا سکتا تھا اور جب وہ منگول سرداروں اور صلیبی شہزادوں کو کھُلے میدان میں شکست دے چکا تھا، تو ایک معمولی انگریز شہزادے کی مختصر فوج کو منتشر کرنے کے لیے قاتلوں کا استعمال ناقابلِ فہم ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ مصنف نے فدائیوں کے خون ریز کارناموں کا خیال تک نہیں کیا کہ کیسے انھوں نے نظام الملک طوسی کو قتل کیا اور رچرڈ کا حریف مارکوئیس آف کونارڈ کیسے ان کے خنجر کا شکار ہُوا۔ (مترجم)

اِس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔ وہ جاں بلب تھا۔ اس کی وفادار بیوی بڑی تن دہی سے اِس کی تیمارداری کرتی رہی۔ اِس زمانے کے سرجن ایسے زخموں کے علاج سے قاصر تھے لیکن ایلنیا کی خدمت گزاری اور تیمارداری میں کوئی فرق نہ آیا۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ جب اس کا شوہر سو جاتا تو وہ پیکرِ ایثار اس کے پُرخلش زخموں کو زبان سے چاٹتی رہتی۔ مصاحبوں کو خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں وہ بھی بیمار نہ ہو جائے۔ لیکن اِس پر اثر نہ ہُوا اور آہستہ آہستہ شہزادے کے زخم مندمل ہو گئے۔

سال بھر کی سعی رائیگاں کے بعد وہ بادلِ ناخواستہ واپس وطن چلا گیا۔

اِس نے منگولوں سے رابطہ پیدا کرنے کی بھی کوشش کی جو دریائے فرات سے پرے موجود تھے۔ ۱۲۷۱ء میں منگولوں کے سفیر پوپ کے دربار میں آئے۔ وہ ایڈورڈ کے نام ایک خط بھی لائے جو اسے بھجوا دیا گیا۔ یہ خط ایران کے ایل خانی حکمران اباقا خان کی طرف سے تھا۔ اِس میں فلسطین کی فتح کے لیے انگریز شہزادے سے معاہدے کی پیش کش کی گئی تھی لیکن اس وقت ایڈورڈ انگلستان کے معاملات میں اِس قدر اُلجھ چکا تھا کہ وہ اِس دعوت سے فائدہ نہ اُٹھا سکا۔ یروشلم کی نجات کی آرزو اس کے دِل سے محو نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ اپنی سلطنت چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا لہٰذا اس نے اباقا خان کو جواب میں لکھا:۔

"یروشلم کو مسیحیت کے دُشمنوں سے نجات دلانے کا ارادہ بہت مُبارک ہے۔ ہم آپ کے شُکر گزار ہیں۔ اِس وقت ہم حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ ہم کب تک فلسطین آسکیں گے۔"

حالات کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ جب یورپ کے مسیحی حکمران اپنے اپنے ملکوں کے اندرونی جھگڑوں میں مصروف تھے اور انہیں کروسیڈ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اِس وقت منگول مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے آمادہ اور یروشلم کو مُسلمانوں سے رہا

کرانے کے لیے کمر بستہ تھے۔

کالی دیوی کے مہیب رتھ کی طرح منگول غولوں کی لاتعداد گاڑیوں کے پہیّوں کی خوفناک آواز فضا میں گونجنے لگی تھی۔ بیبارس کو اس کی لرزہ خیز گونج سُنائی دی تو وہ اِس آفت سے بچنے کا سامان کرنے لگا۔ اس وقت وہ حصن الاکراد کے شمال میں حشیشین کے قلعوں کا صفایا کرنے میں مصروف تھا۔ اِس نے دُشوار اور تنہا چوٹیوں پر ایستادہ قلعوں کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔ عرصۂ دراز سے یہ قلعے ایک دُوسرے سے کٹ چُکے تھے۔ اِس فرقے کا صدر مقام مَصیاف تھا۔ اب یہاں پُرامن قسم کے لوگ آباد تھے جن کے ذہن سیاسی عزائم سے خالی تھے۔ قدموس اور کہف عمودی چٹانوں پر غار نما قلعے تھے۔ انھوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ پھر سُلطان نے شمال میں آرمینیا کے کوہستانی علاقے کو سرنگوں کیا اور ایشیائے کوچک میں گھُس گیا لیکن ۱۲۷۵ء میں منگولوں کی پیش قدمی کا سدِباب کرنے کے لیے اسے واپس آنا پڑا۔

سُلطان نے اپنے لشکر اہم دفاعی مقامات پر متعین کر دیے اور مشرقی میدانوں میں دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے گشتی دستوں کو چوکس رہنے کا حُکم دیا۔ سُلطان ہر وقت کمربستہ اور ہوشیار رہتا۔ اس کے خیمے کے باہر دن رات تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیّار کھڑے رہتے۔ وُہ اپنی زرہ پہن کر سوتا اور پاؤں سے مہمیزیں بھی نہ اُتارتا۔ منگولوں اور مسلمانوں کی فیصلہ کُن طاقت آزمائی بیبارس کی زندگی میں نہ ہوئی۔ بہر کیف اِس نے بارہ ہزار منگولوں کو شکست فاش دی اور آرمینیا پر اپنا تصرف قائم رکھا۔ جب منگولوں کو معلوم ہُوا کہ صلیبی ان کی مدد کرنے سے قاصر ہیں تو وہ ایشیائے کوچک کی سلجوقی سلطنت کی طرف متوجہ ہوئے اور پیہم حملوں سے اِسے پاش پاش کر دیا۔ بیبارس خاموش رہا اور اس نے ایشیائے کوچک پر منگول یلغار کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ وہ بحری بیڑے سے جزیرہ قبرص پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن بیڑے کی

تباہی کے بعد اس نے اپنے منصوبے بدل دیے۔ اس نے باقی ماندہ صلیبی قلعوں سے تعرض نہ کیا اور واپس قاہرہ چلا گیا۔ قاہرہ جا کر وُہ نئی مسجد اور یونیورسٹی کی تعمیر کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اِن نئی عمارات کے دروازوں کے سامنے اِس نے برباد شدہ عیسائی گرجوں کے ستون نصب کرا دیے۔ وہ جنگ آزمائی چھوڑ کر اصلاح و امن کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اِس نے شمشیر چھوڑ کر قلم سنبھال لیا تھا۔ منگولوں کے خلاف آخری معرکے میں اِسے ایسا کاری زخم آیا تھا کہ وُہ اِس سے جان بر نہ ہو سکا۔

اِس نے اپنی حکومت کے آخری دَور میں سوڈان فتح کر کے اِسے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ شریف مکّہ اور شریف مدینہ نے اِس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اِس نے نہ صرف صلاح الدین کی سلطنت کی تجدید کی بلکہ اس کی سرحدوں کی توسیع بھی کی تھی۔ ۱۲۷۷ء میں جب وہ فوت ہُوا تو اس نے ایک عظیم الشان سلطنت چھوڑی۔

وُہ ایک رومانی اور طوفانی کردار تھا۔ صلیبیوں کا مثیل اور ان کا مُنتقم۔ صلیبیوں کی طرح دغاباز اور خُونخوار۔ اس کی بدولت قاہرہ کی غلاموں کی منڈی "خان خلیل" میں عیسائی غلام ارزاں ہو گئے۔ اس نے اپنی قوم کو یقین دلایا کہ صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اِن کا خاتمہ قریب ہے۔ صلیبیوں کا انجام حالات کا تقاضا تھا۔ زُود یا بدیر صلیبیوں کی طاقت کا خاتمہ ناگزیر تھا۔ وسط ایشیا پر منگول چھا گئے تھے۔

منگولوں نے وسط ایشیا کے میدانوں اور پہاڑوں سے خوارزمی، سرکیشین، تُرک اور تاتار قبائل کو مغرب کی طرف دھکیل دیا۔ یہ وحشی اور خُونخوار قبائل مغربی ایشیا میں آباد ہو گئے۔ مملوکوں کی ناقابلِ تسخیر فوجیں اِن کی رہینِ منت تھیں۔ ایک مُختصر سے تُرک قبیلے نے منگولوں کے خلاف سلاجقہ کی مدد کی۔ یہ قبیلہ عُثمانی تُرکوں کا تھا۔ ایک نسل کے بعد عثمانی تُرکوں نے ایشیائے کوچک پر اپنا اقتدار جما لیا اور پھر وہ مشرقی یورپ پر چھا گئے۔ قسطنطنیہ کی شاہی ان کے مقدر میں لکھی تھی۔

بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ یورپ میں صلیبی جذبہ سرد پڑنے سے فلسطین کی صلیبی ریاستوں کا خاتمہ ہوگیا۔ صلیبی ریاستوں کے خاتمے کا واحد سبب یورپ کی کم ذوقی اور بے مہری تھی۔ ہمیں اس نظریے کا جائزہ لینا چاہیے اور یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کے زوال میں ان نووارد وحشی قبائل کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ چنگیز خان کے حملوں سے ۱۲۲۰ء کے بعد وحشی قبائل مغربی ایشیا میں پھیل گئے۔ امتداد زمانہ سے انھوں نے ایران میں ال خانی، مصر میں مملوک اور ایشیائے کوچک میں عثمانی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ تیرھویں صدی کے آخر میں یہ تینوں سلطنتیں معرض وجود میں آچکی تھیں۔ بلادِ اسلام میں قائم ہونے والی ان پُرجوش نئی سلطنتوں کے خلاف صلیبیوں کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ خوارزمی قبائل بحیرۂ خضر کے نواحی میدانوں سے آئے تھے۔ یہ وہی خوارزمی تھے جنھوں نے یروشلم کو آخری بار صلیبیوں سے فتح کیا تھا۔ خوارزمیوں اور مملوکوں نے صلیبیوں کو معرکۂ غزہ میں شکست فاش دی اور بعد میں بنو ایوب کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ دراصل مملوک بھی ہنگریوں، سلافیوں، جُرجانیوں، تاتاریوں اور تُرکوں کی طرح منگول حملوں کے ملبے سے اُٹھے تھے۔ وسط ایشیا اور بحیرۂ اسود کے ان قبائل کو منگول طوفان نے خس خاشاک کی طرح مُنتشر کر دیا تھا۔ یہ لوگ بلادِ اسلام میں آباد ہو کر رفتہ رفتہ مُسلمان ہوگئے۔ یہ نہایت پُرخلوص اور پُرجوش مُسلمان ثابت ہوئے۔ اِن پر صلاح الدین کے دَور کی عربی ثقافت کا رنگ چڑھ گیا۔

صلیبیوں سے ان کی تعداد زیادہ تھی۔ وسائل بہتر تھے اور جذبۂ ایمان زندہ تر تھا۔ انھوں نے آسانی سے صلیبیوں کا خاتمہ کر دیا۔ سینٹ لوئیس اور ایڈورڈ دونوں عکّہ میں لنگر انداز ہوئے ان کی فوجیں کروسیڈوں کے اِبتدائی دَور کے مُسلمان لشکروں کو شکست دینے کے لیے کافی تھیں لیکن بیبارس کی فوجوں یا ایران کے ال خانی لشکروں کے مقابلے میں ہیچ اور بیکار تھیں۔

مسلمانوں کی جمعیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کا جذبۂ ایمان زندہ اور روشن تھا۔ انھیں فنونِ حرب میں برتری حاصل تھی۔ اِس لیے صلیبیوں کا خاتمہ ناگزیر تھا۔ صلیبی ریاستیں یورپ کی مادی اور اخلاقی امداد سے محروم ہو چکی تھیں۔ عیسائی ممالک اِن تغیّرات سے کماحقّہٗ آگاہ نہیں تھے جو عالمِ اسلام میں برپا تھے اور جن کی وجہ سے انھیں پھر مسلمانوں کی جارحیت کا سامنا تھا۔ عیسائی فوجوں کی کامیابی کے امکانات ناپید ہو چکے تھے اِس لیے مشرق پر کسی تازہ عیسائی حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صلیبی بہادر اکیلے رہ گئے اور دشمن نے انھیں سمندر تک دھکیل دیا۔ ان کی نجات کا واحد ذریعہ منگولوں سے اتحاد تھا جو گزشتہ نصف صدی میں کافی تہذیب یافتہ ہو چکے تھے۔ ال خانی منگولوں کا دربار قاہرہ کا حریف اور علم و ہنر کی سرپرستی میں دربارِ مامے فائق و برتر تھا۔ مصوّر، معمار، منجّم اور مؤرخ جوق جوق منگول دارالحکومت میں جمع ہو رہے تھے۔ عیسائیوں نے ایک سنہری موقع کھو دیا تھا۔ اب ال خانی تاج داروں کے دربار میں مفتی و قاضی نظر آنے لگے تھے۔ اِسلام کا اثر و نفوذ بڑھ رہا تھا۔ کئی منگول سردار مشرّف بہ اِسلام ہو گئے۔ ۱۳۰۵ء تک سارے منگول دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور رفتہ رفتہ منگول فاتح مفتوح مسلم اقوام میں گھل مِل کر رہ گئے۔

بیبارس نے باقی ماندہ صلیبیوں کو منگولوں سے متحد ہونے کا موقع نہ دیا۔ اِس نے بڑی پامردی سے منگولوں کا مقابلہ کیا۔ اور انھیں سرزمینِ قدس سے نکال دیا۔ جو بھی صلیبی حاکم منگولوں سے اتّحاد و تعاون کی کوشش کرتا وہ بیبارس کے عتاب کا شکار ہو جاتا۔ اِس طرح حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ، شہزادہ انگلستان ایڈورڈ اور شاہِ آرمینیا یکے بعد دیگرے بیبارس کے غضب کا نشانہ بنے۔

بیبارس نے حملہ آوروں کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ انھیں دوبارہ مملوک سلطنت کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اِس نے نہ صرف دشمنوں کو زیر کیا بلکہ اپنی

حکومت اور فوج کی ایسی عمدہ تنظیم کی کہ وہ اس کی موت کے بعد بھی قائم رہی۔ اس کے جانشین سلطان[1] قلاؤن کو ایک مضبوط ریاست ورثے میں ملی۔

جیسے قدیم تاریخ میں ہمیلکار نے ہنی بال کو رومنوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کی وصیت کی تھی ویسے ہی بیبارس نے باقی ماندہ صلیبی قلعوں کو تسخیر اور صلیبیوں کے اخراج کا فرض قلاؤن کے سپرد کیا۔ جہاد کی تکمیل فرض تھی۔

---

[1] مملوک قانونِ وراثت کے قائل نہ تھے جیسے بیبارس اپنے آقا سلطان قتوز کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ ویسے ہی قلاؤن نے اپنے آقا الملک الظاہر بیبارس کے کم سن بیٹے کو معزول کر کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ (مترجم)

۵۷

آخری مُقابلہ

قلاؤن بہ ہر گام اپنی کامیابی کے لیے سرگرم رہا۔ اس نے آخری معرکے کی بتدریج تیاری کی اور مُہلت حاصل کرنے کے لیے صلیبیوں سے بھی معاہدے کر لیے۔ سسلی کے اولوالعزم بادشاہ چارلس (جو خود کو شاہِ یروشلم بھی کہلواتا تھا) نے بخوشی مملوک سُلطان سے معاہدہ کر لیا۔ اہلِ جنیوا در پردہ قلاؤن کی مدد کر رہے تھے اور اہلِ وینس سرزمین فلسطین سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔

سُلطان کو یقین تھا کہ صلیبیوں کو یورپ سے امداد ملنے کا کوئی امکان نہیں اس نے صلیبیوں کی اعانت کے رستے مسدُود کر دیے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اب یورپی طاقتوں کو جہاد میں مزاحم ہونے کا حوصلہ نہیں۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس بار اہلِ یورپ کے بجائے منگول جہاد میں مزاحم ہوئے۔ ایک نسل پہلے ہلاکو خان مزاحم ہُوا تھا، اب ال خانی سردار اباقا خان نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی۔ جرجان (جارجیا) اور آرمینیا کے عیسائی منگول جھنڈوں تلے جمع ہو گئے۔ المرقب اور دیگر صلیبی قلعوں کے مسلح

نائٹ منگولوں کے غول میں شامل ہوئے۔ منگول لشکر کے ساتھ تین ۳ ہزار مسلح عیسائی تھے۔ ۱۲۸۰ء کے موسم خزاں میں یہ لشکرِ جرار حما کی وادی میں نمودار ہوا۔

حمص کے قریب جھیل کے کنارے، کھلے میدان میں دونوں فوجوں میں خون ریز معرکہ ہوا۔ مملوکوں کے مقابل ال خانی منگولوں اور ان کے حلیفوں کی پوری فوج صف آرا تھی۔ جنگ کی تفصیلات کسی کو معلوم نہیں، سوائے اس کے کہ لڑائی سخت ہولناک اور تباہ کن تھی۔ منگول اور مملوک سوار دستے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، وہ ایک دوسرے پر یورش کرتے ہوئے اپنے اپنے جنگی کیمپوں سے کوسوں دور نکل گئے۔ منگولوں کا میمنہ اپنی مقابل مملوک فوج کو کچلتا ہوا بڑھتا چلا گیا لیکن سلطان قلاؤن اپنے حلقے سمیت قلب میں ڈٹا رہا۔ منگول اسے شام تک نہ ہلا سکے۔ اس اثنا میں منگول رسالے کے بازو جدا ہو کر ایک دوسرے سے بالکل کٹ چکے تھے۔ پیادہ فوج جس میں ارمنی، جرجانی اور صلیبی سپاہیوں کی اکثریت تھی، ایک جگہ گھر کر رہ گئی۔ ایک ٹمپلر نے شہزادہ ایڈورڈ کو جواب انگلستان کا بادشاہ بن چکا تھا، جنگ کے چشم دید حالات لکھتے ہوئے بیان کیا کہ منگول سوار مسلمانوں کے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ وہ مسلمانوں کے گھوڑوں کو اپنے گھوڑوں پر ترجیح دیتے تھے۔ دوسرے دن منگول تیزی سے پسپا ہو گئے۔ ارمنی اور جرجانی ڈویژن شمالی پہاڑیوں کی طرف پیدل پسپائی میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔

بیبارس کی طرح قلاؤن نے بھی منگولوں کو مار بھگایا۔ منگولوں کی پسپائی کے بعد ان کے حلیف صلیبیوں کی شامت آ گئی۔ قلاؤن نے المرقب اور طرابلس کے نائٹوں سے خونیں انتقام لیا۔

سلطان ایک عظیم الشان فوج لے کر بڑھا۔ اس نے المرقب کے مواصلات منقطع کر دیے اور اسے محصور کر لیا۔ مملوک فوج بزور پہاڑ کی عمودی ڈھلوانوں پر چڑھ گئی اور اس کی مضبوط سپاہ نے دیواروں کے سامنے آلاتِ محاصرہ نصب کر دیے۔ اڑتیس دن تک منجنیقیں

سنگِ خارا کی فصیلوں پر متواتر سنگ باری کرتی رہیں۔ ایک دن نائٹ اپنے بلند قلعے کے برج میں جمع ہوئے۔ انھیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں یا مزاحمت جاری رکھی جائے۔ مزاحمت کا لازمی نتیجہ قلعے کی بربادی اور لشکر کی ہلاکت تھا۔ بلند برج کے شکستہ کنگوروں سے پہرہ داروں کو سمندر کا نیلا کنارہ نظر آرہا تھا۔ جس پر مسلمانوں کی کشتیوں کے مثلث نما بادبان پھیلے ہوئے تھے۔ دور چونے کی سفید پہاڑیوں سے قافلے گرد اُڑاتے گزر رہے تھے۔ المرقب چاروں طرف سے کٹ چکا تھا۔

بالآخر ہاسپٹلروں کے سردار نے قلعہ سلطان کے حوالے کیا تو کئی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ مملوکوں نے قلعے میں داخل ہو کر سنگین دیواروں اور بلند برجوں کا جائزہ لیا تو پکار اُٹھے "خدا تعالےٰ نے ہماری تائید کے لیے فرشتے نازل کیے۔ واقعی فرشتوں کی امداد کے بغیر اِس قلعے کا فتح ہونا ممکن نہ تھا۔"

چار سال بعد ٹریپولی (طرابلس) کے قلعے پر مملوکوں کا پرچم لہرانے لگا اور بوہیمنڈ ہفتم کی وفات کے بعد انطاکیہ کے نارمن بادشاہوں کی دو صد سالہ حکومت ختم ہوگئی۔ صلیبیوں کے قبضے میں قلعہ عکّہ اور چند چھوٹی چھوٹی ساحلی بندرگاہیں رہ گئی تھیں۔ قلاؤن نے آلاتِ محاصرہ بنوانے کے لیے شہتیر اور کڑیاں فراہم کرلی تھیں۔ چٹانیں کاٹ کاٹ کر پتھر گاڑیوں میں لدوائے جارہے تھے کہ قلاؤن بیمار پڑ گیا۔ اِس کے مسلح دستے پیش قدمی کر رہے تھے —— بادیہ سے بدوی قبائل آن پہنچے تھے۔ بحری مملوک سیاہ عَلَم لہراتے شانہ بہ شانہ گھوڑوں پر بڑھے چلے آرہے تھے کہ سلطان کی نعش کو سپردِ خاک کیا گیا۔

لیکن سلطان وصیّت کر گیا تھا کہ مجھے اُس وقت تک دفن نہ کیا جائے جب تک کافروں کو عکّہ سے نکال نہ دیا جائے۔ قاضیوں نے فتویٰ دیا کہ سلطان جہاد میں شہید ہوا ہے۔ قلاؤن کے بیٹے الملک الجلیل نے فوج کی کمان سنبھال لی اور دوبارہ حملے کا حکم دیا۔

مملوک لشکر غزہ کا ریگ زار عبور کر کے نکلا تو اہلِ بادیہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ جبرون کی بلندیوں سے مولویوں کی مُنتظر نگاہوں کو رات کے وقت دُور الاؤ جلتے نظر آنے لگے۔ دِن کے وقت گھوڑوں کی ٹاپوں سے اِتنی گرد اُڑتی کہ وادی میں غُبار کا شامیانہ سا تَن جاتا۔ جوشیلے درویش تازی گھوڑوں کے ساتھ دوڑتے اور عرب عورتوں کی رجز خوانی سے اِن کے خُون کی گردش تیز تر ہو جاتی، وہ سب مِل کر رزمیہ اشعار گانے لگتے۔ کوہستانی راستے سے آنے والے قافلے رُکتے اور انھیں سلام کرتے۔

یہ دِن کافروں کے اخراج کے لیے مقدر ہو چکا ہے، یہ دن آخری محاسبے اور فیصلے کا دِن ہے، یہ دن مومنوں کے لیے شہادت اور فتح و نصرت کا پیامبر ہے۔ قاری اِس مطلب کی آیات تلاوت کرتے جاتے، اُونٹ خاردار جھاڑیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے بلبلاتے اور تازی گھوڑے آگے بڑھنے کے لیے بے تابانہ زمین پر سُم مارتے۔

فوجوں کے رُوبرو قاری خوش الحانی سے قرآن کی آیات تلاوت کرتے جاتے

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ

بے شک فیصلے کا ایک وقت معین ہے جس دن صور پھونکا جائے گا پھر تم لوگ

أَفْوَاجًا ۝ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝ ....

گروہ در گروہ ہو کر آؤ گے اور آسمان کھُل جائیگا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔

.... إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝

خُدا سے ڈرنے والوں کے لیے کامیابی ہے (ان کے لیے) باغات اور انگور ہونگے اور نوخاستہ عورتیں

وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝ ....

اور لبریز جام شراب

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ

جس روز تمام ذی رُوح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہونگے کوئی نہ بول سکے گا بجز اسے کے

اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ ..... يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

جس کو رحمٰن اجازت بخشے اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔ یہ دن یقینی ہے جس دن ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لیگا

مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا ۝

جو اس نے اپنے ہاتھوں کیے ہونگے اور کافر پکار اُٹھے گا کہ کاش میں مٹی ہو جاتا[1]

(سورۃ النّبا۔ پارہ ۳۰)

جیسے کوہستانی نالے اپنے طوفانی دھاروں میں خس و خاشاک بہا کر میدانوں میں جمع کر دیتے ہیں، ویسے ہی باقی ماندہ صلیبی عکّہ میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ مارچ ۱۲۹۱ء میں تمام صلیبی عکّہ اور اس کے مضافاتی باغوں میں پناہ گزین تھے۔ بہت سے لوگ چھوٹے چھوٹے پہاڑی قلعوں سے آئے تھے۔ جو کچھ وہ اُٹھوا سکتے تھے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ سوادِ عکّہ کے کئی مال دار آدمی محلّات کے مالک تھے۔ محلّات کے گرد خوبصورت آہنی جنگلے نصب تھے اور دریچوں میں رنگین شیشے لگے ہوئے تھے۔ انھیں اپنے محلّات کو چھوڑنا پڑا۔ مضافات شہر میں پرانے ابلین خاندان کے محلّات تھے۔ یہاں لوسگنان گھرانے کے امرا بستے تھے۔ فلسطین کے پناہ گزین یہاں موجود تھے۔ حاکم طبریہ اور فلسطین کے کئی امیر بھی یہاں مقیم تھے۔ عکّہ کے بازاروں میں دو رویہ پیلے پتھر کی بلند عمارتیں تھیں۔ جب ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں کو ان کے قلعوں سے نکالا گیا تو وہ بھی یہاں آ گئے۔ پہلے یہ فرقے ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن اب وہ دوش بہ دوش گھوڑوں پر سوار بازاروں میں چلتے۔ ریشمی شامیانوں اور چھجّوں تلے شامی تاجروں نے دکانیں سجا رکھی تھیں۔ وہ قالینوں اور قیمتی پتھروں کی تجارت کرتے۔ ان دنوں ان کا کاروبار خوب زوروں پر تھا۔ پناہ گزین اپنے ساتھ مال و دولت لائے تھے۔ جنیوی اور وینسی تاجر پہرہ داروں کے

---

[1] مصنف نے نامکمل قرآنی آیات لکھی ہیں اور آیات کے درمیان وقفے چھوڑ دیے ہیں جہاد کے موقع پر سورہ انفال کی تلاوت سُنّت سمجھی جاتی ہے۔ (مترجم)

ہمراہ بازاروں میں نکلتے تو وہ ہر سودے پر خوب جھگڑتے اور تکرار کرتے۔ بندرگاہ، قبرص جانے اور وہاں سے آنے والے جہازوں سے پُر تھی۔ کئی امیروں نے اپنے اہل و عیال کو قبرص بھجوا دیا تھا لیکن بیشتر خاندان عکہ میں مقیم رہے۔ وہ خطرے کے وقت شہر کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔ عجیب ستم ظریفی ہے کہ بازاروں میں خوشی کا سماں تھا، شراب خانے پُر رونق تھے، رات بھر روشنیاں جگمگاتیں اور لوگ دادِ عشرت دیتے رہتے۔ ضیافتوں کے ہنگامے گرم رہتے، سیاہ فام پہرہ دار زرق برق طوائفوں کے لیے محلات کے دروازے کھولتے، شراب خانوں کی بالائی منزلوں میں یونانی اور شامی لڑکیاں آباد تھیں وہ کھڑکیوں سے جھانک کر عبا پوش راہبوں کو دیکھتیں اور کھلکھلا کر ہنس دیتیں۔

عکہ کا شہر بیدار اور زندہ تھا۔ غیر یقینی حالات کی وجہ سے چاروں طرف ایک پُر جوش ہنگامہ برپا تھا۔ کیتھیڈرل اور ہاسپٹلروں کے معسکر کے درمیانی علاقے میں سفیدے کے درختوں تلے رنگ رنگ کے شامیانے لگے ہوئے تھے۔ جن میں کانسٹیبل آف فرانس کا ذاتی نشان عیاں تھا۔ آٹو آف گرینسن حال ہی میں یورپ سے آیا تھا۔ اس کی سپر کی نشانی بھی شامیانوں میں دکھائی دے رہی تھی۔ طرح طرح کی افواہیں گرم تھیں۔ بازاروں اور گھروں میں چہ میگوئیاں ہوتی رہتیں۔ یورپ سے آنے والے جہاز نت نئی خبریں لاتے۔

لوگ کہتے کہ پوپ نکولس نے اہلِ عکہ کی امداد کے لیے ایک عظیم الشان بحری بیڑا روانہ کیا ہے لیکن کچھ لوگ اصرار کرتے کہ نہیں پوپ نے صِرف چند اطالوی سپاہی بھیجے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ یہ اطالوی بڑے فتنہ پرور ہیں ـــــ لوگ کہتے دیکھیے کیا ہو۔ مانٹ کروچے کا مقدس راہب ریکولڈو مسلمان کے پاس گیا ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی معجزہ کر دکھائے ممکن ہے سلطان قلاؤن کی موت اسی کی کرامت کا اثر ہو۔ ہاسپٹل کی منقش محرابوں تلے عیسائی سالار جمع ہو کر تازہ ترین خبروں پر بحث کرتے۔ اِن جلسوں میں

بطریق اعظم، ہاسپٹلروں اور ٹمپلروں کے سربراہ شامل ہوتے۔ اِنھیں قبرص کے بادشاہ ہنری اور اس کے بحری بیڑے کی آمد کا انتظار تھا۔ بندرگاہ میں جہاز اِتنے تھوڑے تھے کہ شہر کی چوتھائی آبادی کو قبرص نہیں لے جا سکتے تھے اگر مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تو کیا ہوگا۔ وہ خطرے میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کی نجات کا آخری سہارا یہ تھا کہ منگول ان کی امداد کریں۔ بوسیکرل نامی جنیوی باشندہ ال خان ارغون سے پوپ کے نام خط لایا تھا۔ ال خان نے لکھا تھا کہ: میں عنقریب فلسطین پر فوج کشی کرنے والا ہوں اور میرا ایک بیٹا عیسائی ہے ——— اِس نے یورپی فوج کے تعاون کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن یورپ میں کوئی صلیبی فوج تیار نہ تھی۔ چاگان نامی منگول سردار عیسائی ہو چکا تھا۔ وہ ال خان کا دُوسرا تاکیدی خط لایا۔ اِس خط کے جواب میں پوپ نکولس نے ال خان کو بپتسمہ لینے کی تلقین کی۔ اِس دَوران میں اہلِ یورپ کو منگولوں کے حالات معلوم نہیں تھے[1]۔ مُسلمان فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں۔

قبرص سے شاہ ہنری بھی آ گیا اور عکّہ کی صلیبی آبادی میں اضافہ ہو گیا۔ اب تمام صلیبی متحد تھے۔ عکّہ کے چھوٹے چھوٹے درباروں میں بڑی رونق تھی۔ کئی نسلوں سے لوگ آرام اور آسودگی کے خُوگر ہو چکے تھے۔ وہ اپنی بیویوں اور داشتاؤں کے ساتھ دادِ عشرت دینے میں مصروف تھے۔ وہ جُوئے بازی اور ضیافتوں میں وقت گزارتے۔ وہ نقرئی چاندنی سے منور شہ نشینوں پر بیٹھے اپنے دِلی اضطراب کو شراب و نغمہ میں ڈبو دیتے۔ نسیمِ بحری کے خُنک اور کیف پرور جھونکوں میں وہ کسی اور ہی دُنیا میں پہنچ جاتے۔ سارنگی کی حزیں تانوں، مسخروں کی پھبتیوں اور مغنیوں کے ترنم سے وہ فکرِ فردا اور اندیشۂ سُود و زیاں سے بے نیاز ہو جاتے۔ وُہ چوسر اور شراب میں مگن رہتے اور وقت کی

[1] دو سال انتظار کرنے کے بعد ارغون نے مصر پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن وہ مارچ ۱۲۹۱ء میں چل بسا۔ اِسی مہینے میں مسلمانوں نے عکّہ کا محاصرہ کر لیا۔ (مصنف)

پرواز سے بے پروا ہو جاتے۔

وہ تنک مزاج اور بے قرار تھے ——— ناکارہ اور ناخلف لیکن پھر بھی وہ اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے۔ وہ سبھی اکٹھے تھے۔ لارڈ اور نائٹ، حسین عورتیں، سنجیدہ راہب، نرم خو راہبات، مغرور گستاخ طوائفیں، باریش بطریق، لاابالی مغنی سبھی ایک ہنگامہ پرور زندگی میں جمع تھے۔ ایک ہیجانی خوشی سے سرشار اپنے انجام سے بے خبر اور اپنے انجام کے منتظر۔

اور ان کا انجام قریب تھا۔

وسط مئی میں محاصرہ شروع ہوا اور کئی ہفتے جاری رہا۔ اسّی منجنیقیں شب و روز سنگ باری کرتی رہیں۔ شکستہ دیواروں سے چٹانیں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہیں، نفت کی گرج اور دھماکوں کا شور جاری رہا، طبل اور نقارے کی پیہم دف دف حملہ آوروں کے خون گرماتی رہی۔ درجنوں نقارے اونٹوں پر لدے ہوئے تھے، جن کا شور فضا میں لگاتار گونجتا اور گرجتا رہا۔ عکّہ کے مضافات اور محلّوں کے سلگتے ہوئے کھنڈروں سے اسلامی فوج کی یورش دن بدن شدید تر ہوتی گئی۔ درویش، حاجی، مملوک اور حبشی پُرجوش نعرے لگاتے اور معرکۂ کارزار میں کود پڑتے۔ حملہ آوروں کے خیمے دامن کوہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ زمین گھوڑوں کی ٹاپوں سے نرم اور روغن نفت سے سیاہ ہو چکی تھی۔ حملہ آوروں کے مشاق ہاتھ روغن نفت انڈیل کر اسے آگ لگا دیتے اور فضا میں دھوئیں کے دبیز پردے تن جاتے۔ دھوئیں کے بادل عکّہ کی شکستہ فصیلوں کو لپیٹ لیتے اور مسلمان خندق تک جا پہنچتے۔ قطار اندر قطار مویشی سوکھی لکڑیاں لاتے، لکڑیاں خندق میں ڈال دی جاتیں اور رستے جانوروں کو بھی ذبح کر کے اس میں پھینک دیا جاتا۔ خندق پُر ہو چکی تھی۔ خندق کے پُرشدہ حصے کے سامنے فصیل میں ساٹھ گز چوڑا شگاف تھا۔ مضمحل صلیبی شمشیر زن اس شگاف کی مدافعت پر متعین تھے۔ دھوئیں کے بگولوں سے ان کی آنکھیں دھندلا جاتیں،

وہ ہر لمحہ دُشمن کی یلغار کے مُنتظر رہتے۔ دُشمن کے تیروں کی بوچھاڑ سائیں سائیں کرتی اِن کے اُوپر سے گزر جاتی۔

ٹُکڑیوں نے دھاوا کرکے دُشمن کو اِس شگاف سے ہٹا دیا لیکن ٹُکڑیوں کو کمک نہ پُہنچ سکی جوان کے ساتھ باری باری شگاف کی مدافعت کرتی۔ وہ اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے۔ دھوئیں کے بادلوں کے پیچھے سے طبل کی گُونج اور درویشوں کے نعرے بدستور ان کے کانوں میں گونجتے رہے۔

رات کو لشکرِ اسلام نے نئی ترتیب اختیار کی۔ حملہ کرنے کے لیے لشکر کے چار دستے بنائے گئے۔ پہلے دستے کے جوان بھاری چوبی ڈھالیں لے کر آگے بڑھے دُوسرے دستے کے پاس تیل کے دیگچے اور جلتی ہوئی مشعلیں تھیں، تیسرا گروہ قدر اندازوں پر مشتمل تھا اور چوتھے دستے میں بہادر شمشیر زن تھے۔ ان کے پیچھے رسالے کے دستے تھے۔ سفید پوش درویش خنجر لیے فوج کی رہنمائی کر رہے تھے۔ فجر کی نیم تاریکی میں یلغار شروع ہوئی۔ درویش بلند آواز سے گانے لگے "اللہ نے ہماری راہ ہموار کر دی ہے اور دُشمن کو اندھیرے کی چادر میں لپیٹ دیا ہے"۔ واقعی اُس وقت ساحل اور عکہ کی فصیلوں پر گہری دُھند چھائی ہوئی تھی سمندر بھی متلاطم اور موجزن تھا۔ کافروں کی راہ فرار مسدُود ہو چکی تھی سمندر کی طُوفانی موجوں نے صلیبی جہازوں کو مُنتشر کر دیا۔ اور کافر مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔

یک دم نقاروں پر چوٹ پڑی، طبل بج اُٹھے، جھانجیں لہرائیں ———— درویشوں نے فلک شگاف نعرۂ تکبیر بلند کیا اور گہری دُھند میں اک ہنگامۂ محشر برپا ہو گیا۔ درویش آگے بڑھے اور ان کے پیچھے حملہ آوروں کی پہلی لہر فصیل سے ٹکرائی۔ فصیل سے فتح کا نعرہ گونجا۔ روغن نفت کے تیز شعلوں سے دُھند میں کہیں کہیں روشنی پھیل گئی۔ شعلوں کی روشنی میں پہلے چند آدمی دَوڑتے ہوئے نظر آئے، پھر قطار اندر قطار

دستے شعلوں کی سمت بڑھے۔ تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ تلواروں کی خونی جھنکار۔ نقاروں کی مسلسل گونج میں ڈوب کر رہ گئی۔ حملہ آور مدافعین کو دھکیل کر شگاف میں داخل ہو گئے تو تلواروں کی مدھم جھنکار بھی ختم ہو گئی۔

جب گہری دُھند چھٹی اور سورج نظر آیا تو مسلمان شگاف میں داخل ہو چکے تھے۔ قتال و جدال کا ہنگامہ جو چند لمحے پہلے سرد ہو چکا تھا، دوبارہ گرم ہو گیا۔ ہاسپٹلروں کے سردار نے اپنے نائٹوں کے ساتھ ایسا پُرجوش حملہ کیا کہ حملہ آوروں کی لہروں کو پیچھے دھکیل دیا۔

اس وقت مسلح مملوک رجمنٹیں مارچ کرتی ہوئی نکلیں۔ وہ پُر شدہ خندق، کُشتوں کے پُشتوں اور تباہ شدہ منجنیقوں کو روندتی ہوئی بڑھیں۔ وہ زخمی نائٹوں کو پیچھے دھکیل کر قلعے میں گھس گئے۔ انہوں نے نوکِ شمشیر سے بازاروں میں راستہ بنا لیا۔ عیسائی دستے جوابی حملے میں اُن پر ٹوٹ پڑے لیکن وہ دشمن کے نرغے میں آ کر ہلاک ہو گئے۔ مملوک رجمنٹوں کے پیچھے سلطان کا رسالہ داخل ہوا۔ طبل اور نقارے خاموش ہو گئے۔ عکّہ فتح ہو چکا تھا۔ آخری صلیبی پرچم سرنگوں ہو چکا تھا۔

عکّہ فتح ہو چکا تھا ——— لیکن صلیبی کئی دنوں تک لڑے ——— جب ہاسپٹلروں کے سردار کو اُٹھایا گیا تو اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں لڑوں گا ——— بطریقِ اعظم بھاگ کر ایک جہاز پر سوار ہو گیا۔ افراتفری کے عالم میں اس جہاز پر اتنے آدمی چڑھ گئے کہ ان کے وزن سے جہاز ڈوب گیا۔

دو ——— راہب ——— "مقدس مریم نجات دے" ——— گاتے ہوئے نکلے اور دشمن سے لڑتے ہوئے کٹ مرے ——— آخری جہاز کے رخصت ہونے تک ٹمپلر اپنے ٹھکانوں پر ڈٹے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ کئی جہاز بچ نکلے اور کئی جہاز دشمن نے پکڑ لیے ——— غیر مسلح نائٹ فتح کے نشے میں سرشار حملوں اور

جشیوں کو حیرت سے تکتے رہے۔ بازاروں میں ہنگامہ برپا تھا۔ سپاہی جوان لڑکیوں کے لبادے کھینچ کر پھاڑتے اور ہنستے جاتے۔ وہ قربان گاہوں کی بے حرمتی کرتے ــــــ چند نائٹوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ ان غارت گروں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں ہاتھوں سے دبوچ کر مار دیا۔ انھوں نے ان کی لاشوں کو رندوں سے باہر پھینک کر گرجوں کے دروازے اندر سے بند کر لیے۔ وہ اپنے مرکز کی حفاظت کے لیے بڑی بے جگری اور پامردی سے ڈٹے رہے حتیٰ کہ آگ اور تلوار نے ان کی زندگی چھین لی اور آخری نائٹ بھی لڑتے لڑتے مارا گیا ــــــ

یہ تھا انجام!

قاصد کبوتروں اور رہر کاروں کے ذریعے اس فتح کی خبر بلادِ اسلام میں پھیل گئی۔ فتح عکّہ کے دن تین ہزار کافر مارے گئے۔ ٹمپلروں کی لاشوں سے برج اَٹے ہوئے تھے۔ ان کو وہیں جلا دیا گیا۔ فلسطین میں کہرام مچ گیا۔ چھوٹی بندرگاہوں پر صلیبیوں کا ہجوم ہو گیا اور صلیبی نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بھاگنے لگے ــــــ عکّہ ــــــ عظیم الشان عکّہ صلیبی قوت کا آخری نشان سرنگوں ہو چکا تھا۔ اب صلیبی خوف زدہ اور بے سہارا رہ گئے تھے۔

عثلیث (شاتو پیلرین) کے ایوان خالی اور ویران تھے مسلمان شمشیر زن بلا روک ٹوک اس کے سنگین دروازوں میں داخل ہو سکتے تھے۔ باقی ماندہ صلیبیوں کے گروہ طرطوسہ سے جہازوں میں سوار ہو کر جا رہے تھے۔ طرطوسہ کا عظیم الشان کیتھیڈرل سنسان تھا۔ نصرانیوں کے گیتوں کی آواز خاموش ہو چکی تھی۔ مکین رخصت ہو چکے تھے۔ اور مکانوں کی غم آفریں خاموشی ان کے لیے نوحہ کناں تھی۔

آخری جہاز چلے گئے۔ ان کے بادبان نیلے سمندر کے پانی سے پرے اوجھل ہو گئے۔ یہ تھی خبر جو مسلمان قاصد لائے۔ یہ تھی داستان جو بغداد کو جانے والے شتربان مسافروں کو

سُناتے، یہ تھا قاضیوں کا اعلان "مُبارک ہو ـــــ جہاد کامیاب ہُوا ـــــ"

ساحلِ فلسطین پر صلیبیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ خندقیں لاشوں سے پُر تھیں اور کئی جگہ جلے ہوئے انسانی پنجروں کے ڈھیر تھے۔ صلیبیوں کی لاشیں اور ہڈیاں دھوپ کی گرمی سے سڑ گئیں اور آندھیوں نے انھیں ریت سے ڈھانپ دیا۔ بقیتہ السیف صلیبی قیدی بنا لیے گئے۔ چیتھڑوں میں ملبوس صلیبیوں کو جنگی جہازوں کے چپّو چلانے پر مامور کر دیا گیا۔ کئی خستہ حال صلیبی بھاری بوجھ اُٹھائے قاہرہ کے بازاروں میں چلتے دکھائی دیے۔ بے یار و مددگار صلیبیوں کے کئی قافلے بحیرۂ مردار کے قریب سے گزرے۔ وہ تپتے ہوئے پتّھروں اور جُھلستی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے اجنبی راہوں میں کھو گئے۔ انھوں نے حسرت بھری آنکھیں اُٹھا کر دیکھا، انھیں دہکتے ہوئے آسمان تلے ..... افق کے کنارے یروشلم کی موہوم فصیلیں اور بُرج سراب کی طرح دکھائی دیے ـــــ وہ یروشلم جہاں وہ کبھی حُکمران تھے۔

تتمہ

صلیبی جنگیں ختم ہو گئیں۔ پناہ گزین قبرص میں جمع ہو گئے۔ صلیبیوں کی قوت پاش پاش ہو چکی تھی۔ اِن میں دوبارہ فلسطین جانے کا حوصلہ نہ تھا۔ یروشلم کی خلاصی کے لیے یورپ نے کوئی کروسیڈر نہ بھیجا۔

قسمت کی یہ عجیب ستم ظریفی تھی کہ صلیبیوں کی آخری شکست کے بعد منگول فوجیں تیسری بار فلسطین پر حملہ آور ہوئیں۔ ۱۲۹۹ء کے موسمِ بہار میں ال خان غزن نے دریائے فرات پار کیا۔ اِس کے زیرِ کمان نوّے ہزار کا لشکرِ جرّار تھا۔ اِس مرتبہ منگول فتح یاب ہوئے۔ اِس نے مملوکوں کو شکست دے کر جنوب کی طرف بھگا دیا۔ وہ ۱۳۰۰ء کے اوائل میں دمشق جا پہنچا۔ سردیوں کے موسم میں غزہ سے لے کر حلب تک منگول صلیبیوں کے منتظر رہے۔ لیکن انھیں صلیبی نائٹوں کا نام و نشان تک نظر نہ آیا۔ قبرص کے بادشاہ کو منگولوں کی فتح کی خبر ملی تو اُس نے ساحلِ مصر پر چھاپہ مارا۔ قبرص کا بحری بیڑا ٹمپلروں کو ساتھ لایا۔ ٹمپلروں نے طرطوسہ کے قریب اُترنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

غزن خان جنگجو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما رہا لیکن اسے مفتوحہ علاقوں پر قابض رہنے کے لیے شدید نقصان برداشت کرنا پڑا —— وہ پوپ کے جواب کا منتظر رہا۔ لیکن اِس کے خط کا کوئی جواب نہ آیا۔ بالآخر مایوس ہو کر فروری ۱۳۰۱ء میں وہ شام سے واپس چلا گیا۔ اِس کی واپسی سے صلیبیوں کی آخری اُمید بھی ٹوٹ گئی۔

۱۳۰۴ء میں غزن خان مر گیا۔ اِس کا شمار قابل ترین منگول حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے دَور کا روشن دماغ بادشاہ تھا۔ اُس کا میلان اسلام کی طرف تھا لیکن اِس کے باوجود وہ روایتی منگول حکمت عملی کا پابند رہا۔ اِس نے تمام مفتوحہ اقوام سے رواداری کا سلوک روا رکھا۔ وہ مصر کے مملوک سلاطین کی قوت کو روکنے کے لیے صلیبیوں کو دوبارہ فلسطین میں آباد کرنے کا خواہش مند تھا۔

اِس کا جانشین مُسلمان ہو گیا۔ یہ عجیب تاریخی واقعہ ہے کہ منگولوں کے قبول اِسلام کے بعد ایران میں منگول سلطنت زوال پذیر ہو گئی اور قبلائی خان کے بُدھ دھرم اختیار کرنے کے بعد چین میں منگول سلطنت کو گھُن لگ گیا۔[1]

اِس سے پہلے مارکوپولو چین کے سفر سے واپس آ چکا تھا۔ اِس نے خاقانِ اعظم کے دربار کی شان و شوکت کا حال بیان کیا تو اہل یورپ کو اس کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ وِنیس اور جنیوا کی جنگ میں مارکوپولو اسیر ہو گیا۔ اِس نے جیل خانے میں وقت گزارنے کے لیے اپنے سفر کے حالات اپنے کاتب کو لکھوائے۔

اِس اثناء میں منگول سلطنت کا شیرازہ مُنتشر ہونے لگا۔ مغربی ایشیا میں منگول اور تاتار حلقہ بگوشِ اِسلام ہو گئے۔ مصر میں مملوکوں کی طاقت ترقی پذیر تھی۔ کروسیڈوں سے پہلے اہل

---

[1] ایران کی ال خانی سلطنت اور قبلائی خان کی چینی سلطنت کے تنزل کا سبب اِسلام اور بُدھ مت نہ تھا۔ مصنّف کا تجزیہ محض سطحی ہے۔ در اصل منگولوں کا انحصار فوجی قوت پر تھا۔ جب خُون خوار منگولوں نے اِسلامی تہذیب یا چینی تمدّن اختیار کیا، تو ان کے وحشیانہ خصائل میں نرمی اور شائستگی پیدا ہو گئی۔ قبلائی خان کی موت کے بعد وسیع منگول سلطنت کئی حصّوں میں بَٹ گئی۔ یہ مسلّمہ تاریخی اصول ہے کہ جب وحشی اقوام متمدّن ہوتی ہیں تو ان کی عسکریت کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عسکری بُنیادوں پر اُستوار کی ہوئی سلطنت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ بقائے سلطنت کے لیے تمدّن اور عسکریت دونوں ضروری ہیں۔ (مترجم)

یورپ پر مشرق کی راہیں مسدود تھیں۔ اِن سیاسی انقلابات سے اہلِ یورپ پر مشرق کے دروازے دوبارہ بند ہو گئے۔ غیر جانب دار وینیسی اور جینیوی تاجر قسطنطنیہ اور قبرص سے پرے بلادِ مشرق سے تجارت کرتے رہے۔ گاہے گاہے کوئی راہب یا کوئی مبلّغ مشرق میں نظر آ جاتا۔

اِس اثناء میں یورپ میں ایک اور معرکہ برپا ہو چکا تھا —— اِس معرکے میں تلوار کے بجائے قلم استعمال کیا گیا۔ جُغرافیہ دان بلادِ مشرق کے متعلق معلومات فراہم کرنے لگے۔ یورپی مدرسوں میں مشرقی زبانوں کی تدریس شروع ہو گئی۔ تاریخ دان کروسیڈوں کے متعلق تذکرے اور وقائع مرتب کرنے لگے۔ اور ان میں کروسیڈوں کی ناکامی کے اسباب پر بحث چھڑ گئی۔

شاہی درباروں سے متعلق مؤرخ کلیسائے روم کو موردِ الزام سمجھتے۔ وہ کہتے کہ کلیسا نے کروسیڈوں کو اپنی مطلب برآری کے لیے استعمال کیا۔ کروسیڈ کے لیے لوگ ایک صدی تک اپنا مال و دولت کلیسا کی نذر کرتے رہے لیکن کلیسا نے خزانوں پر تصرّف کر لیا۔

جو مؤرخ کلیسا سے متعلق تھے وہ یورپی تاج داروں کی ہوسِ مُلک گیری اور باہمی تنازعات کو کروسیڈوں کی ناکامی کا سبب قرار دیتے۔

کئی مؤرخ اطالیہ کی بحری ریاستوں کی غدّاری اور دُنیا داری کو کوستے اور کہتے کہ صلیبیوں کے باہمی جھگڑے ہی دراصل صلیبی ریاستوں کے خاتمے کا باعث ہوئے۔

غزن خان کا خط

ال خان کے خط کا آخری حصّہ۔ یہ خط منگولی زبان میں تھا اور ایغور رسم الخط میں لکھا گیا تھا۔ ۱۳۰۲ء میں یہ خط دربارِ روم کو روانہ کیا گیا۔ قبولِ اسلام سے پہلے منگولوں کا

یہ آخری مکتوب تھا جس میں اہلِ یورپ سے معاہدے کی درخواست کی گئی تھی۔ اِس معاہدے سے فلسطین میں صلیبی اقتدار بحال ہو سکتا تھا لیکن پاپائی دربار اور یورپی تاج داروں نے منگول خوانین کی پیش کش کی پروا نہ کی۔ اِس مکتوب کی اصل حال ہی میں پادری ٹسراں نے ویٹیکن کے کتب خانے کے مشرقی مخطوطات سے دریافت کیا ہے۔

سقوطِ عکّہ (۱۲۹۱) اور ٹمپلروں کے ابتلا (۱۳۱۰) کے درمیانی زمانے میں کروسیڈوں کے متعلق لکھا بہت کچھ گیا لیکن عملاً کچھ نہیں کیا گیا۔ انگلستان کے بادشاہ ایڈورڈ ثانی اور فرانس کے بادشاہ فلپ دی فیئر نے صلیب اُٹھائی اور نئے کروسیڈ کے لیے روپیہ بھی جمع کیا۔ لیکن انھیں کروسیڈ کی فرصت نہ ملی اور یہ رقوم اہم خانگی معاملات سلجھانے میں صرف ہوگئیں۔

اصولیین اور فنِ حرب کے شوقین کروسیڈوں کی شکست کے اسباب پر غور کرنے اور آئندہ صلیبی مہمّوں کی کامیابی کے منصوبے بنانے لگے۔ انھوں نے بے شمار تجویزیں پیش کیں۔ فتح قسطنطنیہ کے منصوبے کی تجدید کی گئی اور اس موضوع پر کئی رسالے لکھے گئے۔ ساحلِ افریقہ پر فوجیں اُتار کر مصر کی طرف فوج کشی کرنے کی تائید کی گئی۔ مزید برآں یورپی قیادت کی از سرِ نو تنظیم پر زور دیا گیا —— کروسیڈ کی تنظیم کا کام اربابِ کلیسا کے ہاتھوں سے چھین کر کسی ایسے یورپی ادارے کے سپرد کیا جائے جس میں کسی نقص اور سازش کا اندیشہ نہ ہو۔ ٹمپل اور ہاسپٹل فرقوں کے باہمی تنازعات ختم کر کے انھیں متحد کر دیا جائے۔ صلیبی ضروریات کے لیے ایک مضبوط بحری بیڑا بنایا جائے اور اسلامی ممالک کے ساحلوں کی کڑی ناکہ بندی کی جائے۔

اصولیین کے نظری مباحث۔ اِنھیں یہ احساس نہ تھا کہ یورپ میں کروسیڈ کا جذبہ سرد ہو چکا ہے اور کروسیڈوں کا زمانہ گزر کر حقیقت پسندی اور تجارتی مسابقت کا

دَور شروع ہو چکا ہے جس میں صلیبی جنگوں کی ضرورت نہیں رہی۔ اب کوئی کروسیڈ اسلام کی جوان قوت کے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتا اب کوئی صلیبی مہم یروشلم کا رُخ نہیں کر سکتی۔

جنوبی رُوس میں دریائے والگا کے کنارے سنہری غول کی سلطنت سے لے کر ایشیائے کوچک کی عثمانی مملکت تک اور دریائے فرات کے کنارے ال خانی حکومت سے لے کر دریائے نیل پر مملوک سلطنت تک عالم اسلام میں زندگی اور جوش کی نئی لہر دَوڑ گئی تھی۔ سرزمین قُدس کے چاروں طرف تلواروں کا فولادی حلقہ قائم ہو چکا تھا اب یورپ کو کروسیڈ تیار کرنے کے بجائے اپنی بقا کی فکر لاحق ہو گئی۔ آئندہ صدیوں میں اہل یورپ کو عالمِ اسلام کے حملوں سے مدافعت کا مسئلہ درپیش تھا[1]۔ مسیحی یورپ کے لیے یہ موت و حیات کا نازک مرحلہ تھا۔ اسلام کی نئی فوجی طاقت کے خلاف یورپ کی چند مدافعانہ کوششوں کو کروسیڈ کے نام سے موسوم کیا گیا حالانکہ یہ حقیقی کروسیڈ نہ تھے۔

---

[1] آئندہ دو صدیوں میں کروسیڈوں کی صورت میں نمایاں تغیر واقع ہو گیا۔ پیٹر آف سائپرس اور لوکاٹ جیسے بلند ہمت سردار مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے حملے کرتے رہے۔ وارنا اور نائیکوپولس کے کروسیڈ دراصل مشرقی یورپ میں عثمانی تُرکوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا سدِباب کرنے کی کوشش تھی۔ اِن رُکاوٹوں کے باوجود ۱۴۵۳ء میں تُرکوں نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ اِس کے بعد عیسائی عرصۂ دراز تک عُثمانی تُرکوں کے خلاف مدافعانہ جنگ لڑتے رہے۔ یہ جنگ خُشکی اور سمندر میں برسوں جاری رہی۔ عُثمانی تُرکوں کو تاتاریوں اور مملوکوں کے علاوہ شمالی افریقہ کے بحری قزاقوں کی تائید حاصل تھی۔ بالآخر اِن لڑائیوں کا سلسلہ وینس کے دروازوں سے لیپانٹوں کی لڑائی تک ختم ہُوا۔ اِن لڑائیوں کو اکثر کروسیڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ یہ خالص فوجی اقدامات تھے جن کا مقصد بندرگاہوں، قلعوں اور علاقوں پر قبضہ کرنا تھا۔ اِن جنگوں میں ہاسپٹلر بھی شریک ہوئے لیکن اب ان کی تنظیم سیاسی رُوپ اختیار کر چکی تھی۔ اور ان کا نام "مالٹا کے نائٹ" ہو گیا تھا۔ (مصنّف)

اصلی کروسیڈ تو ۱۲۹۱ء میں سقوطِ عکّہ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے تھے۔ یروشلم پر مُسلمانوں کے قبضے اور عیسائیوں کی آخری شکست کے بعد صلیبی جنگوں کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ صلیبی جنگوں کی ناکامی سے یورپی دانشور متاثر ہوئے اور انھوں نے تلافی مافات کے لیے لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

دانشوروں میں بحث و تکرار کا دروازہ کھُل گیا۔ وہ دلیل بازی اور حُجّت سازی میں مصروف ہو گئے، وہ اپنی لاطائل بحثوں اور بے کار منصوبوں میں اُلجھے رہے اور اہلِ یورپ کی توجہ کروسیڈروں کے دو یادگار فرقوں یعنی ہاسپٹل اور ٹمپل کی طرف مبذول ہو گئی۔

دونوں فرقے فلسطین سے مُلک بدر ہو چکے تھے۔ قبرص سے پرے ان کے قلعے دُشمن کے تصرّف میں آ چکے تھے۔ ہاسپٹل کا فرقہ ـــــ جس کا نشان سُرخ صلیب تھا، بدستور بیماروں کی تیمارداری اور مُسافروں کی خدمت گزاری میں مصروف رہا۔ اِن مشاغل کے باوجود انھوں نے رھوڈس کے جزیرے پر تصرّف کر کے نئی سرحدی چوکیاں قائم کر دیں۔ اِس کے بعد یہ لوگ رھوڈس کے نائٹ کہلائے۔ جب رھوڈس پر مسلمانوں[۵۱] کا تصرّف ہو گیا تو اِنھوں نے اپنا صدر مقام جزیرۂ مالٹا میں مُنتقل کر لیا اور مالٹا کے نائٹ کہلائے۔

لیکن ٹمپلروں کی سرگزشت مختلف ہے۔ ٹمپلر دراصل صلیبیوں کے وسائل نقل و حرکت کے نگران اور سامانِ رسد کے مہتمم تھے۔ یعنی موجودہ زمانے کی ٹرانسپورٹ کور۔ ان کے ذمّے زائروں کی نگہداشت، فوجی دستوں کی ترسیل، زرِ نقد اور جہازوں کا اِنتظام تھا۔ وہ راہبر بھی تھے اور رابطہ افسر بھی۔ میدانِ جنگ میں وہ ہراول دستوں کی صورت میں لڑتے تھے۔ وہ ماہرِ جنگ جُو تھے۔ ٹمپلروں کا عَلَم بوسیوں ہمیشہ صلیبی فوجوں کے مقدمۃ الجیش میں ہوتا وہ پیش قدمی کرتے تو اِس اعتماد سے کہ اب پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اِنھیں علم تھا کہ

---

۵۱ سُلطان سلیمان اعظم نے رھوڈس کا جزیرہ فتح کر کے اِس مسیحی جنگجو فرقے کو نکال دیا۔ سُلطان نے اِنھیں جانے کے لیے اپنے جہاز تک مہیّا کیے۔ (مترجم)

اگر قید ہو گئے۔ تو مسلمان انھیں بے رحمی سے قتل کر دیں گے۔ صلیبی جنگوں میں بیس ہزار سے زیادہ ٹمپلر مقتول ہوئے۔

کروسیڈوں کی ناکامی کے بعد اس فرقے کے وجود کا جواز ختم ہو گیا تھا۔ یہ عظیم الشان ادارہ فلسطین سے یورپ میں منتقل ہونے پر مجبور ہو گیا، پھر بھی قبرص میں ان کی سرحدی چوکیاں قائم رہیں اور ٹمپلر دستے اُندلس میں مسلمانوں کے خلاف جنگ آزمائی میں مصروف رہے۔ ٹمپلروں کا بحری بیڑا ہر وقت تیار رہتا۔

ٹمپلر فرقہ بہت وسیع اور با اثر تھا۔ کئی یورپی امیروں اور نوابوں کے بیٹے اس کے رُکن تھے۔ کئی یورپی امرا اپنی جائدادیں ٹمپل کے نام وقف کر دیتے۔ میتھیو آف پیرس کا بیان ہے کہ مسیحی ممالک میں ٹمپل کے قبضے میں نو ہزار مکان تھے۔ آخری دور کی صلیبی مہموں کے لیے ٹمپلروں نے جاگیرداروں اور بنک کاروں کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ ٹمپلر، لوگوں کی بھاری رقوم بھی بطورِ امانت محفوظ رکھتے ——— پیرس میں شاہی خزانے کا انتظام اِن کے سپرد تھا۔ اور وہی اس کے حسابات رکھتے تھے۔ پوپ ہجرت کر کے فرانس کے شہر ایوگناں میں پناہ گزین تھا۔ پوپ کا خزانہ بھی ان کی تحویل میں تھا۔ ٹمپلر کسی بادشاہ یا امیر کے تابع فرمان نہ تھے۔ اِس فرقے کے ارکان منافع خوری کو حرام سمجھتے تھے۔ اِس لیے لوگ خزینے اور دفینے ان کے سپرد کر دیتے، ریاستوں اور جاگیروں کی حفاظت کے لیے مسلّح راہب متعین کیے جاتے۔ قزّاق امیروں اور ڈاکوؤں کو ٹمپلروں کی ریاستوں کو لوٹنے کی جُرأت نہ تھی۔ ٹمپلروں کی کونسل پوپ کے اثر سے بھی آزاد تھی۔ فرانس میں قلعوں کا ایک مربُوط سلسلہ ٹمپلروں کے تصرف میں تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار جاگیریں اراضی اور رہن شدہ جائدادیں ان کے قبضے میں تھیں۔ دراصل ٹمپلر حکومت در حکومت تھے۔ ایک مرتبہ فرانس کے بادشاہ فلپ دی فیئر کو شورش پسند ہجوم سے بھاگ کر ٹمپل میں پناہ لینی پڑی تھی۔ کئی بھلے شہری ٹمپل کی روز افزوں دولت کو

رشک وحسد کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ جب مشکل وقتوں میں بھی ٹمپل کے موٹے تازے سپاہی اعلیٰ کتان اور سمور کے لباس پہنے بازاروں میں گھومتے تو لوگ ان پر انگلیاں اٹھاتے۔ بلاشبہ سرزمین مقدس کی حفاظت میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ لیکن اب وہ مقبول عام نہیں رہے تھے۔ جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر گروشدہ دکانوں کا سودا اکٹھا کرنے یا وقف شدہ زمینوں کا کاشتکاروں سے قبضہ لینے جاتے تو لوگوں کے دلوں میں ان کے تحکمانہ رویے کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی۔

متیھیو آف پیرس لکھتا ہے۔ کہ "مزار مسیحؑ کی خدمت کے بجائے وہ اپنی جاگیروں کے انتظامات میں مصروف ہو گئے۔ کئی اضلاع پر وہ بادشاہوں کی طرح حکمرانی کرتے۔

کئی لوگ ٹمپلروں کو کروسیڈوں کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے۔ یہ افواہیں بھی عام ہو گئیں کہ دراصل ٹمپلروں کی مسلمانوں سے ساز باز تھی۔ ان افواہوں کی وجہ یہ تھی کہ ٹمپلر ہمیشہ اپنے اجلاس فجر سے پہلے خفیہ طور پر کرتے تھے۔ عام لوگ سوچنے لگے کہ آخر ان خفیہ اجلاسوں کی کوئی خاص غایت ہوئی۔ وہ اپنے مقاصد چھپانا چاہتے ہیں، تبھی اپنے اجلاس برملا منعقد نہیں کرتے۔ ممکن ہے ان خفیہ نشستوں میں ناپاک اور حرام رسوم ادا کی جاتی ہوں۔ لیکن کسی کو حتمی طور پر معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

یورپ نے ٹمپلروں کو سولی پر چڑھا دیا —— بلکہ اہل یورپ نے کروسیڈوں کی ناکامی کے لیے ٹمپلروں کو قربانی کا بکرا بنا دیا اور کئی ٹمپلروں کو زندہ جلا دیا۔

ٹمپلروں کا محاسبہ

۱۳ اکتوبر ۱۳۰۷ء کو فرانس کے حکام کو فلپ دی فیئر کی طرف سے سربمہر شاہی احکام موصول ہوئے۔ انھوں مہریں توڑ کر فرمان پڑھا تو اس میں سب ٹمپلروں کو

فوری طور پر حراست میں لے کر ان سے پوچھ گچھ کرنے کا حکم درج تھا۔ پیرس میں ٹمپلروں کے سربراہ ژاکس ڈی مولے کے گھر پر چھاپہ مار کر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اسے قبرص سے آئے ہوئے ایک سال بھی نہیں گزرا تھا۔ وہ پوپ کے ارشاد کے مطابق قبرص سے آیا تھا۔

فلپ اور اس کے مشیروں نے یہ قدم بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے اُٹھایا تھا۔ ٹمپلروں کی دولت اور روزافزوں سیاسی طاقت، شاہی اقتدار کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ فلپ کے متعلق مشہور تھا کہ اس کا چہرہ ملکوتی ہے، آنکھیں عقابی، جسم جناتی اور دل شیطانی، وہ عالموں کی طرح بیدار مغز اور مروجہ قانون کا ماہر تھا۔ واقعی وہ نہایت خوفناک شخص تھا۔ اس نے پوپ کلیمنٹ پنجم سے مشورہ کر لیا تھا۔ پوپ کمزور مزاج شخص تھا۔ وہ دائمی مریض تھا۔ اس نے روم سے بھاگ کر فرانس میں پناہ لی تھی۔ وہ شاہ فرانس کے رحم و کرم پر تھا۔ ٹمپل اپنی حدود سے تجاوز کر چکا ہے ——— اس کو قابو میں لانا ضروری ہے۔ ٹمپل کی املاک پر تصرّف کر کے انھیں شاہی اقتدار کا تابع بنانا چاہیے۔ ٹمپلروں کے سربراہ ڈی مولے نے ہاسپٹل فرقے میں شامل ہونے اور بادشاہ کے بیٹے کو متحدہ فرقوں کا سربراہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے ——— واقعی یہ درست ہے کہ ڈی مولے ان تجاویز پر رضامند نہ تھا۔ کلیمنٹ نے ٹمپل کی وسیع املاک کے متعلق غور کیا اور اس فرقے کی کارروائیوں کی تفتیش کی اجازت دے دی بادشاہ نے تجویز کیا کہ اس معاملے میں پوپ کو پہل کرنی چاہیے، پوپ مان گیا۔

فلپ اپنے چمبرلین (حاجب) نوگارٹ اور فرانس کے محتسب اعلیٰ ولیم آف پیرس کے تعاون سے دور رس منصوبہ بنا چکا تھا لیکن اس نے پوپ کو اپنے عزائم سے بے خبر رکھا۔ حکّام نے بادشاہ کے روبرو کئی مخبر پیش کیے ——— یہ مخبر ٹمپل کے نکالے ہوئے تھے۔ یا سزا یافتہ سابق رکن تھے۔ بادشاہ کو ان سے ٹمپلروں کے خلاف مواد مل گیا۔ ان کی شہادتیں کافی تھیں۔ فلپ نے اس فرقے پر بے دینی کا الزام لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

کلیمنٹ اپنے منصوبے بنانے میں مصروف تھا۔ اسے سربمہر شاہی فرمان کا

علم نہ تھا جس میں حکّام کو ٹمپلروں کو حراست میں لینے اور فوری طور پر تفتیش کرنے کا حکم درج تھا۔ تفتیش میں تعزیر کے استعمال کی بھی ہدایت کی گئی تھی۔ فلپ کے حکم نامے کے ساتھ ٹمپلروں پر عائد کردہ فردِ جرم بھی منسلک تھی جس میں ٹمپلروں کے جرائم کی پوری تفصیلات تھیں۔

"..... معتبر اشخاص کی جو شہادتیں ہمارے رُوبہ رُو پیش کی گئی ہیں اِن سے ہم پر یہ انکشاف ہُوا ہے کہ ٹمپل کے راہب اور سپاہی دراصل بھیڑوں کے بھیس میں بھیڑیے ہیں۔ وہ ہمارے مذہب کو داغ دار اور ہمارے خداوند یسُوع مسیحؑ کو دوبارہ مصلوب کر رہے ہیں۔ وُہ خداوند مسیحؑ کو تختۂ صلیب سے زیادہ اذیّت دے رہے ہیں۔ جب انھیں اس فرقے کا رُکن بنایا جاتا ہے تو ان کے رُوبہ رُو حضرت مسیحؑ کی شبیہِ مبارک پیش کی جاتی ہے —— ہم کیا کہیں —— زبان کو یارائے نطق نہیں —— نقلِ کُفر کُفر نہ باشد۔ وہ جناب مسیحؑ کا تین مرتبہ اِنکار کرتے ہیں اور تین مرتبہ خداوند کے چہرۂ منوّر پر تھُوکتے ہیں۔ اِس کے بعد وہ بالکل برہنہ ہو جاتے ہیں اور ان کا مُرشد ان کے ننگے جسم پر بوسے دیتا ہے۔ پہلے پُشت پر صُلب کی ہڈّی سے نیچے، پھر ناف پر اور پھر ہونٹوں پر —— ننگِ شرافت اور ننگِ اِنسانیت فعل —— پھر وہ اپنے حلف کے ایفا میں اِنسانی اور خدائی قوانین کی پروا نہیں کرتے اور خود کو دُوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ایک دُوسرے کو ہوس رانی کا شکار بنانا ان کا شعار ہے —— دیگر مکروہ افعال کے علاوہ یہ ہیں اِس ذلیل اور جھوٹے فرقے کی قبیل حرکات۔ جو دراصل بُت پرستوں کا ٹولا ہے۔"

سارے فرانس میں ٹمپلروں کی یک دم حراست سے حیرت اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ چاروں طرف شور مچ گیا۔ یہ خبر قریہ بہ قریہ پھیل گئی لیکن رائے عامہ کے واضح طور پر متعیّن ہونے سے پہلے شاہی حکّام ٹمپلروں کی تفتیش اور تعزیر میں مصروف

ہو چکے تھے۔ محکمۂ احتساب نے بھی اپنی کارروائی شروع کر دی تھی۔ ملزموں سے شاہی ہدایات کے مطابق سوال کیے جاتے۔

"کیا تم نے اپنی رکنیت کے وقت حضرت مسیح کا انکار کیا تھا؟ کیا تمھیں معلوم ہے دُوسروں نے انکار کیا تھا؟ سب نے؟ بیشتر نے؟ یا صرف چند اشخاص نے؟ کیا تم نے صلیب پر تھوکا تھا؟ کیا تم نے دُوسروں کو ایسا کرتے دیکھا تھا؟ سب کو؟ بیشتر کو؟ یا صرف چند اشخاص کو؟......"

مجرموں سے علیحدہ علیحدہ سوالات کیے جاتے تھے اور سوالات کی طویل فہرست پڑھ کر سُنا دی جاتی تھی۔ ہر مجرم کو لکڑی کے چوکھٹے میں رسّیوں سے کس دیا جاتا۔ آہستہ آہستہ رسّیوں کو کلائیوں اور ٹخنوں سے مروڑ مروڑ کر جسم سے جُدا کر دیا جاتا۔ جب ہڈّیاں اپنے قبضوں سے کھسک جاتیں تو سوالات دوبارہ پڑھ کر سُنائے جاتے......

بار بار دہرائے جاتے۔

بعض مجرموں کو کرُسی پر بٹھا کر ان کے جسم اور بازوؤں کو مضبوطی سے کرُسی کی پُشت سے باندھ دیا جاتا۔ پھر ان کی کنپٹیوں کے گرد لوہے کا کڑا ڈال کر اسے آہستہ آہستہ تنگ کیا جاتا۔ کڑا جلد میں گھُس کر ہڈّی میں چُبھنے لگتا تو سوالات بار بار دہرائے جاتے۔

چھتیس[36] ٹمپلر دورانِ تعزیر میں مر گئے ـــــــ جو ملزم اعتراف جُرم کر لیتے انھیں عذاب نھیں دیا جاتا تھا۔ کئی ٹمپلروں نے اپنے بدنصیب رفیقوں کی دردناک چیخیں سُن کر ہی مزید تکرار کے بغیر اقرار گُناہ کر لیا۔ ہر ٹمپلر کی تعزیر ضروری نہ تھی کیونکہ محتسبوں کے رُوبرو فرانس کے ہر ضلع کے ٹمپلر اعتراف جُرم کر چکے تھے۔ تین گم نام ٹمپلروں نے اقرار جرم سے انکار کیا۔ وہ سخت اذیت ناک عذاب کے باوجود اپنے انکار پر قائم رہے۔ عبرتناک سزا اور دردناک تعزیر کے خوف سے کئی ٹمپلروں نے علف اُٹھا کر صحتِ جرم کا پُورا پُورا اقرار کر لیا اور کئی نے جزوی طور پر اعتراف کیا۔

شاہی محتسبوں کی ہوشیاری اور کارکردگی سے فلپ کو خود ٹمپلروں سے ہی ٹمپلروں کے خلاف نہایت گھناؤنی شہادتیں میسّر ہو گئیں۔ ڈی میلے کی شہادت بڑی خطرناک تھی۔ یہ مشہور رہے کہ ڈی مولے نے خُفیہ طور پر اپنے سب افسروں کو اعتراف جُرم کرنے کی ہدایات ارسال کی تھیں۔

لوگ پہلے متحیّر ہوئے اور پھر متجسّس۔ دُنیائے مسیحیت کے تاریک ترین کرتُوت منظرِ عام پر آچکے تھے۔ ہر طرف اِس کا چرچا تھا۔ یہ راہب سپاہی واقعی شیطانی رسوم ادا کرتے تھے مزارِ مسیح کے نگہبان در اصل عیسائیت کے دُشمنوں کے آلۂ کار تھے۔ یہ تھا ان کی دولت اور ثروت کا راز۔ وہ شیطانی فنون کے بل بوتے پر فروغ پا رہے تھے۔

اِن باتوں کے باوجود رائے عامہ کو یہ یقین نہیں تھا کہ واقعی یہ الزامات درست ہیں۔ کئی لوگ ٹمپلروں کے دوست اور خیر خواہ بھی تھے۔ وہ سخت برہم ہوئے اور انھیں مایُوسی بھی ہوئی۔ دُوسرے ممالک کے سب ٹمپلروں نے اِن الزامات کی پُر زور تردید کی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ کافرانہ رسوم صِرف فرانس کے دائرے میں محدود ہوں۔

فلپ نے ہمسایہ مُلک کے بادشاہوں کو لِکھا کہ ٹمپلروں کو قید کرکے ان سے پوچھ گچھ کی جائے۔ ابتدا میں پوپ کلیمنٹ نے احتجاج کیا ——— لیکن نومبر میں اِس نے فرمانِ خاص جاری کر دیا اور یورپ کے تاج داروں کو حُکم دیا کہ تمام ٹمپلروں کو قید کر لیا جائے اور ان کی املاک بحق کلیسا ضبط کر لی جائیں پھر پوپ نے فلپ کو ٹمپلروں کی املاک پر تصرف کرنے سے باز رکھنے کے لیے اپنے کارڈینلوں کو پیرس بھیجا۔ ڈی مولے اور ہیو آف پیروڈ نے اقرار جُرم کی تردید کر دی۔ جب پوپ کو خبر ملی تو پوپ نے پہلی مرتبہ اپنا اختیار استعمال کیا۔ اب اِس کی ضرورت تھی کیونکہ شاہ فرانس کافی مدت سے کلیسائی اقتدار کی بُنیاد پر ضربیں لگا رہا تھا۔ پوپ نے کہا کہ ٹمپل ایک مذہبی فرقہ ہے۔ شاہی حُکام نے اِس فرقے کی تفتیش اور تعزیر کرکے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔

فلپ نے یہ معاملہ پیرس یونیورسٹی کے رُو بہ رُو پیش کر دیا لیکن عُلمائے شرع نے بادشاہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ کوئی دُنیوی طاقت مذہبی فرقے کے خلاف کُفر کے الزام کی تفتیش کرنے کی مجاز نہیں ہو سکتی۔ اِس کے فیصلے کا صِرف پوپ کو اختیار ہے۔ بادلِ ناخواستہ بادشاہ اور اس کے مشیروں کو، پاپائی نمائندوں کو ٹمپلروں کی املاک کے شمار میں شامل کرنا پڑا۔ چند مہینوں تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ اِس دَوران میں ٹمپلروں پر طرح طرح کے ظُلم ڈھائے گئے اور ستمگروں نے ستم رانی میں اپنی جدتِ طبع کے جوہر دکھائے ٹمپلروں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔ ٹمپلروں کے اعترافات کی امیروں اور عوام میں تشہیر کرائی گئی۔ پاپائی دربار میں بھی چند نام نہاد "غیر جانب دار" ڈھنڈورچی پیدا ہو گئے جو اِس فرقے کی سیاہ کاریوں کے پول کھولنے لگے۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اگر ٹمپلر کا فر ثابت ہو گئے تو ان کے مقروضین کو قرضے کی ادائی سے نجات مل جائے گی۔ دومنیقی راہب محکمۂ احتساب کے سربراہ تھے۔ وہ عرصۂ دراز سے ان راہب جنگجوؤں سے حسد کرتے تھے۔ اِنھوں نے اپنا تمام تر اثر رسُوخ ٹمپلر قیدیوں کے خلاف استعمال کیا۔ یہ ضرب المثل بن چکی تھی کہ فلاں ٹمپلروں کی طرح شراب پیتا ہے۔ اِس میں ٹمپلروں کی بدمستی کی طرف اشارہ تھا۔ اِسی طرح جرمنی میں رنڈیوں کے کوٹھوں کو ٹمپل گھر کہا جاتا تھا۔ یہ بھی ٹمپلروں کی ہوس ناکی کا ثبوت تھا۔

ٹمپلروں کی املاک کی فہرستیں شائع کر دی گئیں اور متجسّس لوگ ان کے مال و دولت کی داستانوں سے دلچسپی لینے لگے —— مثلاً فلاں مقام سے چاندی کے اِتنے شمعدان برآمد ہوئے، فلاں افسر کے گھر سے عنبر کا منقّش صندوقچہ اور نُقرئی زین ملی ہے، فلاں افسر کو سینٹ مائیکل کے گرجے کا اِتنے من غلّہ ادا کرنا ہے۔ جو ابھی تک ادا نہیں کیا گیا ——

ایک شخص ولیم آف بلیسیاں، وزیر نوگارٹ کا آلۂ کار تھا۔ اِس نے پوپ کو کئی عرض داشتیں روانہ کیں اور لکھا کہ ٹمپلروں کے جرائم واضح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں

اب یہ پاپائی محکمۂ احتساب کا فرض ہے کہ مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔
پلیسیاں کے دلائل عوام میں مشتہر کر دیے گئے۔ اِس رسالے کے اجمالی حصّے کا جائزہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

"یہ فتح یقین ہے اور غیر مشتبہ طور پر یہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ کیونکہ فرد جرم کا اقرار کرتے ہوئے انھوں نے ان سنگین حقائق کو تسلیم کیا ہے۔ کہ ——

کیونکہ ان کے خلاف رائے عامہ مشتعل ہو چکی ہے اور لوگ سخت برہم ہیں ——

کیونکہ ان کے خلاف ایک عظیم الشان کیتھولک بادشاہ کی ناقابل تردید شہادت موجود ہے[15]۔

کیونکہ کیتھولک مذہب کے کئی ممتاز پادریوں نے اِن کے خلاف فتوے دیے ہیں۔

---

[15] اِس سے فلپ دی فیئر کی طرف اشارہ ہے۔ پلیسیاں کی یہ دلیل غلط ہے کہ ان کے خلاف عوام مشتعل ہیں ٹمپلروں کی حراست سے پہلے اِن کے خلاف عوام میں کوئی ناراضی نہیں تھی۔ پلیسیاں کی یہ دلیل بھی دُور از کار ہے کہ چونکہ ان کے اعتراضات سے ان کے متعلق سابقہ شبہات کی تصدیق ہوئی ہے اِس لیے پوپ کو لازماً اِنھیں گردن زدنی قرار دینا چاہیے۔ بہرکیف پلیسیاں کے دلائل سے مترشح ہے کہ ٹمپلروں کو عذاب دے کر اعتراف جُرم کرنے پر مجبور کیا گیا —— "سب نے یکساں طور پر اعتراف جُرم کر لیا ہے۔ اِس کے بعد سب نے از خود ان سیاہ کاریوں کو تسلیم کر لیا ہے ——"
دُوسری جگہ وہ لکھتا ہے "ہمیں خواہ مخواہ خود کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیسے اور کس کے رُوبرُو سچائی کا انکشاف ہُوا۔ اِس معاملے میں پاپائے روم کو تو بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جس کے اختیارات غیر محدود ہیں"۔ جب پلیسیاں نے ٹمپلروں کے خلاف اقدام کرنے پر اصرار کیا تو اس کے اصلی ارادے بے نقاب ہو گئے اِس نے کنایتہً پوپ کو خبردار کر دیا کہ اگر ٹمپلروں کے خلاف کارروائی نہ کی گئی تو جیسے ٹمپلروں کے جرائم کی پردہ دری کی گئی ہے ویسے ہی ایدگیناں کے دربار (پاپائی دربار) کا کچّا چٹھا شایع کر دیا جائے گا۔ (مصنّف)

"کیونکہ ان کے خلاف امیروں اور عوام نے آواز اُٹھائی ہے۔

"کیونکہ عرصہ دراز سے لوگوں کو معلوم ہے کہ خفیہ رسم رُکنیت کے دوران میں وہ بدکاریوں کے مُرتکب ہوتے ہیں۔ اِس لیے وہ جائز طور پر انھیں مشکوک سمجھتے رہے۔ واقعی وہ بدنام اور مُجرم ہیں۔

"کیونکہ وہ اپنے اجلاس رات کے وقت مُنعقد کرتے ہیں اور یہ کافرانہ شعار ہے اور ہمیشہ بدکار ہی روشنی سے گریز کرتے ہیں۔

"کیونکہ ہم ان کے اعمال کے نتائج سے ان کی نیتوں کا امتحان کر سکتے ہیں۔ اِن کی فروگزاشتوں اور غلطیوں سے ہی عیسائیوں کو سرزمین مقدس سے ہاتھ دھونے پڑے۔

"کیونکہ بیشتر ممالک میں انھوں نے کلیسا کے خلاف اپنے قلعوں کی مورچہ بندیاں کر رکھی ہیں۔ اِن دلائل سے لازماً ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ان کے افعال ذلیل ہیں۔ وہ بلاشُبہ رُسوا ہیں اور ان کے جرائم واضح اور ثابت ہیں ——— اِس لیے پاپائے روم کو ہمارے مذہب کا تحفّظ کرنا چاہیے وہ سب قوانین کا مُحافظ ہے اور اس کے اختیارات محدود نہیں۔"

پوپ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ٹوائز کے شہر میں ٹمپلروں کے خلاف عوامی مظاہرہ کرایا گیا۔ فلپ نے پوپ کو بدترین اعتراف نامے چھانٹ کر بھیجے ۱۳۰۸ء اور ۱۳۰۹ء میں شاہی کارندوں نے ٹمپلروں سے کئی اعتراف نامے لکھوا لیے تھے لیکن بادشاہ اور اس کے کارندے اِن کے خلاف مقدّمہ چلانے کے مجاز نہ تھے۔ اِس لیے وہ پاپائی کونسل کو مرعوب اور متاثر کرنے لگے۔ یہی کونسل کُفر کے الزامات کی تحقیق کرنے اور سزا دینے کی مجاز تھی۔ اور پوپ یہ ذمّہ داری لینے سے گریزاں تھا۔ فلپ نے پوپ سے خفیہ سمجھوتہ کر لیا۔ کلیمنٹ نے ٹمپلروں کے خلاف شہادتوں کا امتحان کرنے کے لیے کلیسائی کمشن کا تقرر منظور کر لیا۔ اِس کمشن کی تفتیش کے نتائج پاپائی کونسل کے رُوبرو پیش کیے جائیں اور اس کا اجلاس وائنا میں مُنعقد کیا جائے۔ بالآخر یہ کونسل ٹمپلروں کی قسمت کا فیصلہ کرے۔ کونسل کے آخری فیصلے تک

ٹمپلروں کی املاک کا انتظام شاہی اور کلیسائی افسر کریں۔ ٹمپلر بے چارے قید خانوں میں سڑتے رہے۔ تقریباً ایک درجن ٹمپلر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ قیدیوں کو اُمید کی ہلکی سی کرن نظر آنے لگی۔ بالآخر ان کے مقدمے کی کھلی عدالت میں سماعت کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ اِس فرقے کے نو سرداروں نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے عرض داشت تیار کی جو کمشن کو پڑھ کر سُنائی گئی۔

"۔۔۔ پاپائے اعظم کے مقرر کردہ معزز پادریوں اور کمشنروں کی خدمت میں مندرجہ ذیل سائلان اپنی صفائی اور بریت کے لیے یہ عرض داشت پیش کرتے ہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ ٹمپل کے کارکنوں نے جو رُسواکُن باتیں اِس فرقے کے متعلق کہیں وہ اِن سے قید میں بالجبر لکھوائی گئیں۔ اِن کی شہادتوں سے ہماری صفائی پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیے۔ جب وہ آزاد ہوں گے وہ خود ان کی تردید کر دیں گے۔

خوف اور دہشت انگیزی سے وہ جھوٹ کہنے پر مجبور رہے اور حق گوئی سے باز رہے۔ بیشتر ٹمپلر اس قدر خوف زدہ ہیں کہ اِن کے کذب و افترا سے آپ کو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ حیرت انگیز امر تو یہ ہے کہ روزمرہ کی سختیوں، اذیت ناک عذاب اور دھمکیوں کے باوجود چند لوگ سچائی اور حق پرستی پر قائم رہے۔ جھوٹے لوگوں کو ہر طرح کے آرام اور آسائشیں مہیا کی گئیں اور ان سے انعام و اکرام کے خوشنما وعدے کیے گئے۔ حیرت ہے کہ اِن جھوٹے لوگوں کی شہادتوں کو مُعتبر سمجھا جاتا ہے جنھوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے جھوٹی شہادتیں دیں لیکن ان بیچاروں کی شہادتیں تو رد کر دی گئیں جو عذاب کی اذیت سے مر گئے لیکن حق سے نہ ٹلے اور اُن لوگوں کے بیانات بھی ٹھکرا دیے گئے جو روزانہ جھیلوں میں مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ فرانس سے باہر کسی ٹمپلر نے اِن افترا پردازیوں اور تہمتوں کی تائید نہیں کی۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ صرف فرانس میں ہی اِن افترا پردازیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔۔۔۔۔

جو بھی ٹمپلر کارکُن بنتا ہے وُہ چار چیزوں کا حلف اُٹھاتا ہے۔ وُہ اطاعت، عصمت،

غربت اور یروشلم کی نجات کا سچے دل سے حلف اُٹھاتا ہے۔ اِسے مخلصانہ بوسہ دیا جاتا ہے۔ پُرانے کپڑے اُتروا کر اُسے ٹمپل کا لبادہ پہنا دیا جاتا ہے اور اس کے گلے میں صلیب لٹکا دی جاتی ہے۔ جو ہمیشہ اس کے سینہ پر آویزاں رہتی ہے ------ اور جو بھی ان حقائق کے خلاف بیان کرتا ہے جھوٹ کہتا ہے۔

ہمارے نکتہ چینیوں اور بدخواہوں نے چن چن کر ان اشخاص کو ڈھونڈ نکالا جو مرتد تھے یا جنھیں ٹمپل سے خارج کیا گیا تھا۔ جیسے بیمار مویشیوں کو گلّے سے نکال دیا جاتا ہے۔ ان مردودوں سے گٹھ جوڑ کر کے یہ افترا پردازیاں اور تہمت تراشیاں کی گئیں اور انھیں ٹمپل سے منسوب کر دیا گیا۔

اِن بدخواہوں نے بادشاہ سلامت کو فریب دے کر ٹمپلروں کو اقرارِ جرم کرنے پر مجبور کیا۔ انھوں نے مقدس پوپ کے کان بھرے اور اسے غلط مشورے سے فریب دیا۔"

وہ ٹمپلر جنھوں نے مفروضہ جرائم کا اقرار کیا ہے، اگر جسارت کریں تو اپنے بیانات کی تردید کر سکتے ہیں اِس لیے ہم آپ سے مودبانہ گزارش کرتے ہیں کہ اُن کی شنوائی کی جائے اور انھیں سلامتی کی ضمانت دی جائے کہ وہ بلا خوف سچ سچ بیان کر سکیں۔"

صفائی کی عرض داشتوں کا ردِّ عمل بڑا شدید اور خوف ناک تھا۔ سینز کے صوبے میں شاہ پرست آرچ بشپ فلپ آف میرینی نے ۵۴ ٹمپلروں کو جو اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہو گئے تھے، کفر کے الزام میں سزائے موت دی۔ انھیں زنجیروں میں جکڑ کر گاڑیوں میں لاد کر شہر سے باہر لے جا کر زندہ جلا دیا گیا۔

پوپ بادشاہ سے مرعوب تھا۔ شاہی محتسبوں کے راستے میں صرف ایک رکاوٹ تھی اور وہ تھی وائنا کی مجوزہ کونسل کا فیصلہ ------ اور اس فیصلے کا انحصار دیگر ممالک میں ٹمپلروں کی حراست پر تھا۔ بدقسمتی سے یہ فیصلہ ان کے لیے سازگار ثابت نہ ہوا۔ اٹلی میں معاملات تسلّی بخش تھے۔ پاپائی عدالت کی ہدایات کے ماتحت "دنیادار،

ٹمپلروں کی تفتیش کی گئی اور انھیں مجرم قرار دے دیا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور کئی ایک کو زندہ جلا دیا گیا۔

ٹمپلروں کی تحقیقات اور تعزیر کے متعلق شاہ فلپ اور پوپ کلیمنٹ کے مطالبات پر انگلستان میں پہلے تو چنداں توجہ نہ دی گئی لیکن بعد میں جب پوپ نے فرمان خاص جاری کر دیا۔ تو شاہ ایڈورڈ ٹمپلروں کو حراست میں لینے پر مجبور ہو گیا۔ پوپ نے مشورہ دیا کہ اذیت دے کر ان کے بیانات قلم بند کیے جائیں۔ ٹمپلروں کے خلاف فرد جرم تیار کی گئی۔ ان کے قلعوں پر جزوی طور پر تصرف کر لیا گیا لیکن ٹمپلروں کی عام گوشمالی سے اجتناب کیا گیا۔

سپین کے حکمران ٹمپلروں کے حامی اور ان کے متعلق دوستانہ جذبات کے حامل تھے۔ انھیں ٹمپلروں کی املاک کو پاپائی کارندوں کے سپرد کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا۔ ان کی دولت کو سپین کی حدود سے باہر جانے دینا قرین مصلحت نہ تھا۔ مزید برآں سپین کے ٹمپلر لڑنے مرنے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ انھوں نے تحقیق و تعزیر کے بجائے اپنے قلعوں کی مدافعت میں مر جانے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہسپانوی حکمرانوں نے ٹمپلروں کو بے گناہ قرار دیا۔

پرتگال میں بھی ٹمپل کے مخالفوں کی دال نہ گلی۔ تعذیب کے بغیر ٹمپلروں کی تحقیقات مکمل کی گئی اور انھیں بے قصور قرار دیا گیا۔

قبرص میں عجیب واقع ہوا۔ ٹمپلروں سے دو مرتبہ باز پرس کی گئی۔ پہلی مرتبہ صور کے بادشاہ ایمالرک نے تفتیش کی، وہ ٹمپلروں کا دوست تھا۔ چنانچہ ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہوا۔ ایمالرک کی موت کے بعد ہنری آف لوسگنان تخت نشین ہوا۔ وہ ٹمپلروں کا سخت دشمن تھا۔ پوپ نے ہنری کو ٹمپلروں سے دوبارہ باز پرس کرنے پر اکسایا۔ اس دفعہ ان پر کفر اور سازش کے جرم ثابت ہو گئے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور کئی ٹمپلر زندہ جلا دیے گئے۔

جرمنی میں ٹمپلروں سے کوئی باز پرس نہ کی گئی۔ جرمن شہزادے ٹمپلروں کی حمایت

کے لیے صف بستہ ہو گئے۔ انہوں نے پوپ کے نمائندوں کو بھگا دیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا جب ٹمپلروں کا محاسبہ کرنے کے لیے کونسل کا اجلاس منعقد ہُوا تو مسلح ٹمپلر کونسل کے ایوان میں گھس گئے اور اپنی بریت اور بے گناہی کی عرض داشت پیش کی۔ کونسل نے علانیہ طور پر انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

ان واقعات سے پاپائی کونسل کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ فرانس اور اٹلی میں ٹمپلروں کو مجرم قرار دیا گیا۔ انگلستان میں انھیں سرزنش کا سزاوار سمجھا گیا تھا، ہسپانیہ اور پرتگال میں انھیں بے قصور قرار دیا گیا تھا۔ قبرص میں ایک مرتبہ بے گناہ اور دوسری مرتبہ قصور وار ثابت کیا گیا تھا اور جرمنی میں ان کی علانیہ تعریف کی گئی تھی۔

چنانچہ فقیہان کلیسا کے لیے ٹمپلروں کا مقدمہ نہایت پیچیدہ اور مشکل بن گیا۔ فلپ نے پوپ پر دباؤ ڈالا اور پوپ نے ان کو کیفر کردار تک پہنچانے میں تعجیل کی۔ اس اقدام سے پوپ کی غیر جانب داری پر حرف آ گیا۔ عالم مسیحیت میں پوپ ہی وہ واحد شخص تھا جو اس فرقے کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا مجاز تھا۔ اس لیے پاپائی مفاد کا تقاضا تھا کہ وائنا کی کونسل سے پہلے ہی اس فرقے کو مردود قرار دیا جائے۔ اگر کلیمنٹ اس کونسل کا اجلاس طلب نہ کرتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو بھی تھا۔ پوپ اور فلپ نے ٹمپلروں کی وسیع املاک اور مقبوضات پر ہر ممکن طریقے سے تصرف کر لیا تھا۔ اس لیے پاپائی کونسل اور بادشاہ کو ٹمپلروں کی املاک اور مال و دولت پر مستقل قبضے کی فکر لاحق تھی۔ وہ اس سے دست بردار ہونے کے لیے ہرگز آمادہ نہ تھے۔ یہ تھی صورت حالات جبکہ ۱۳۱۱ء کے موسم گرما میں وائنا میں کونسل کا اجلاس منعقد ہُوا۔

کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے پوپ اپنے مشیروں سمیت وائنا گیا۔ فلپ مقام اجلاس سے قریب لائینز جا پہنچا۔ اس نے نوگارٹ، میرینی اور پلیسیان کو اپنے

نمائندے بنا کر روانہ کیا۔ شاہی نمائندے روزانہ پوپ اور کارڈینلوں سے مشورے کرتے رہتے۔ اگرچہ کئی ٹمپلروں کو زندہ جلا دیا گیا تھا اور وہ خوف وہراس کا شکار ہو چکے تھے پھر بھی کم وبیش دو ہزار ٹمپلر اپنے فرقے کی صفائی پیش کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔

رائے عامہ دو فریقوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ ایک فریق ٹمپلروں کو مردود قرار دینے کے حق میں تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ انھیں سخت سزائیں دی جائیں۔ اور جو قرضے ان پر واجب الادا ہیں وہ منسوخ کر دیے جائیں —— دوسرا فریق ٹمپلروں کا حامی تھا اور چاہتا تھا کہ پوپ بذاتِ خود ان کے مقدّمے کی سماعت کرے۔ یہ مطالبہ رد کر دیا گیا۔ کلیمنٹ ٹمپلروں کے نمائندوں کو شرفِ باریابی بخشنے کے لیے تیار نہ تھا۔ سات ٹمپلروں نے پوپ سے مُلاقات کرنے پر اصرار کیا تو انھیں پکڑ کر زندان میں ڈال دیا گیا۔

کونسل میں ٹمپلروں کے حامیوں کی اکثریت تھی۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ ملزموں کو جوابِ دعوےٰ دینے کے لیے اپنے وکیل نامزد کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ کلیمنٹ نے اِس اہم معاملے کو کونسل کے سپرد کر دیا۔ کونسل نے فیصلہ کیا کہ ٹمپلروں کو مقدّمے کی پیروی اور اپنے نقطۂ نظر کی ترجمانی کے لیے وکیل نامزد کرنے کے لیے اجازت ہونی چاہیے۔

اِس فیصلے سے ٹمپل کے مخالفوں اور ستم گروں کے لیے ایک اور اُلجھن پیدا ہو گئی جس کا حل آسان نہ تھا۔ اگر ٹمپل کے حامیوں کو ان کے حق میں علانیہ شہادتیں دینے کا موقع مل گیا تو استغاثے کا مقدّمہ کمزور ہو جائے گا جس کا انحصار ٹمپلروں کے اقرارِ جُرم پر تھا۔

فلپ کے نمائندے لائینز سے وائنا جا کر پوپ سے مشورے کرتے رہے۔ فلپ اِس فرقے کے قطعی انسداد اور املاک کی ضبطی پر بضد تھا۔ اِس نے پوپ کو دھمکی دی اگر یہ مطالبات منظور نہ کیے گئے تو پوپ کے خلاف بے دینی کے الزامات عائد کیے جائیں گے۔ اِس لیے پوپ اِس مسئلے کا حل تلاش کرنے پر مجبور تھا۔ بالآخر اِس نے حل نکال لیا۔ فلپ خود وائنا گیا اور پوپ سے گفتگو کی۔ دو دِن کے بعد کلیمنٹ نے اعلیٰ کمشن اور

کارڈینلوں کی کونسل کے رُو بہ رُو اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ اِس نے ٹمپلروں کے فرقے کو منسوخ قرار دیا۔ اور اس کے امتناع کا فتویٰ صادر کر دیا۔ "ٹمپلروں کا اِنسداد کسی خاص جُرم کی پاداش میں نہیں کیا گیا کیونکہ قانونی طور پر ان کا اِنسداد ممکن نہیں۔ اِس فرقے کو پوپ کے مُجتہدانہ اختیارات کے ماتحت منسُوخ کیا گیا ہے۔"

چُنانچہ ٹمپلروں کا مقدمہ ہمیشہ کے لیے مُلتوی کر دیا گیا۔ پوپ نے اِسے اپنے خصوصی اختیار سے منسُوخ کر دیا۔

عوام کی خاطر پوپ کے فیصلے کی یُوں توجیہہ کی گئی۔ کہ اس فرقے پر کڑی نُکتہ چینی کی گئی تھی، یہ فرقہ سرزمین مقدّس کے استخلاص سے قاصر تھا، ٹمپل کی املاک کو غفلت سے بچانے کے لیے بھی ضروری تھا کہ اِس فرقے کو ختم کر دیا جائے۔

ٹمپل کی املاک سے شاہ فرانس اور دیگر لوگوں کے اخراجات وضع کیے گئے اور باقی ماندہ املاک ہاسپٹل فرقے کے سپرد کر دی گئیں لیکن بیس[2] سال کے جھگڑوں اور مقدّمہ بازی کے بعد ہاسپٹل والوں کو اِس میراث کا صِرف عشر عشیر مل سکا۔

ٹمپل کی املاک کا بیشتر حصّہ اِن لوگوں کے پاس رہا جنھوں نے اِس پر سب سے پہلے ہاتھ صاف کیا تھا۔ رائے عامہ پوپ کے فیصلے کے خلاف تھی۔ چُنانچہ آئندہ موسم بہار میں پوپ نے ایک فرمانِ خاص جاری کر کے اپنے فیصلے کا جواز پیش کیا۔ اِس فرمان کے رُو سے ٹمپلروں کو انفرادی طور پر مقامی عدالتوں کے تابع کر دیا گیا۔

کلیمنٹ کا یہ اقدام نہایت ظالمانہ اور ناجائز تھا۔ کونسل کے رُو برو ٹمپلروں کی شنوائی روک دینے کے بعد انھیں دوبارہ اُن مُنصفوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا جنھوں نے عذاب دے دے کر اِن سے جبراً اقرار جُرم کرایا تھا۔ اِن کو مختلف طریقوں سے سزائیں دی گئیں۔ لوگوں کے دِلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ فرانس کے ٹمپلر واقعی مجرم ہوں گے اور یہ تاثر موجودہ زمانے تک قائم ہے۔ ٹمپل کے جن اعلیٰ عُہدے داروں کو

پیرس میں قید کیا گیا تھا، صرف ان کے متعلق فلپ نے حکم دیا کہ انھیں تین کارڈنیلوں کی عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔ اِس عدالت نے انھیں عمر قید کی سزا دی۔

ناٹرڈیم کے مشہور گرجے کے احاطے میں جمع شدہ ہجوم کے رُو برو ٹمپل کے چار سرداروں کو سزا کا فیصلہ سنایا گیا۔ دو ٹمپلر خاموش رہے لیکن ڈی چارنے اور ڈی مولے جوش سے آگے

لے صدیوں تک یورپ میں ٹمپلروں کے جرم اور بے گناہی پر بحث ہوتی رہی اس مسئلہ سے گہری دلچسپی لی گئی۔ کیونکہ اس سے پاپائی معصومیت کے بنیادی عقیدے پر زد پڑتی تھی۔ اس معاملے کے ساتھ شاہی حقوق، غیر ملکی مداخلت اور احتساب کی عدالتوں (انکوزشن) کا مسئلہ بھی متعلق تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی ٹمپل کے حامیوں کو دلائل فراہم کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ صدیوں سے لوگوں کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہے کہ واقعی یہ فرقہ قصور وار تھا۔ سکاٹ کے ناول آئی ون ہو میں بھی اس خیال کا عکس نظر آتا ہے۔ بہرکیف موجودہ عالموں کی اکثریت کی یہ رائے ہے۔ کہ ٹمپلروں کو دُوسروں کے گناہوں کے لیے قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ اور انھیں ان کی فروگزاشتوں کے مقابلے میں غیر منصفانہ سزا دی گئی۔ جب مصنّف نے ٹمپلروں کے مقدمے کی روئیداد کا مطالعہ شروع کیا تو اس کے ذہن میں ان کی حمایت یا مخالفت میں کوئی خیال نہ تھا۔ اِس روئیداد کے بغور مطالعہ کے بعد مصنّف اِس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ٹمپلر بے قصور تھے اور ان کے مخالفین دراصل مجرم تھے۔ مندرجہ ذیل واقعات سے مصنّف نے یہ رائے قائم کی ہے:۔

(۱) ٹمپلروں کے خلاف شہادت دینے والے وُہ لوگ تھے جنھیں بدچلنی کے الزام میں فرقے سے نکال دیا گیا تھا۔ (۲) شاہدوں نے رضاکارانہ طور پر بیان نہیں دیے بلکہ بادشاہ اور محتسبوں نے شہادتیں دلوانے کے لیے انھیں ڈھونڈ نکالا۔ ۱۳۰۵ء میں شاہی کارندے اِس کام میں مصروف تھے۔ (۳) فرانسیسی ٹمپلروں کے بدترین اقرار نامے اِس قدر مماثل اور یکساں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اِن کا متن پہلے سے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ غالباً یہ متن شاہی فرمان سے نقل کیا گیا تھا جس میں ٹمپلروں کو قید کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ٹمپلروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اِن اقرار ناموں کے مطابق حلف اُٹھائیں۔ (۴) اگرچہ علماء نے بڑی چھان بین کی ہے لیکن ٹمپلروں کا کوئی خفیہ رسالہ (کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۵۴)

بڑھے، انھوں نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا اور اپنے سابقہ بیانات سے قطعی طور پر منحرف ہوگئے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا گناہ صرف یہی ہے کہ ہم نے قطعی بے قصور اور بے گناہ فرقے کے خلاف بے سروپا الزامات کی تائید کرکے اسے نقصان پہنچایا۔

ان دونوں کو فوراً پکڑ کر پیرس کے پروسٹ (کوتوال) کے حوالے کر دیا گیا۔ پیشتر اس کے کہ کوئی مداخلت کرے فلپ نے کوتوال کو حکم بھجوایا۔ ڈی مولے اور چارنے کو راتوں رات دریا کے درمیانی جزیرے میں پہنچا دیا گیا۔ شاہی باغ اور اغسطنی راہبوں کی خانقاہ کے درمیان ان دونوں کو زندہ جلا دیا گیا۔

ٹمپلر بحیثیت فرقہ ان الزامات سے بری تھے۔ ان کو ذلیل کیا گیا، ان کو خوار و مفلس کر دیا گیا اور ان کو سازش کا شکار بنایا گیا۔ عیسائی بادشاہ کی ہوس، اور پدرِ کلیسا کی سیاست، پادریوں کے حسد اور عوام کی طمع کی خاطر سینکڑوں ٹمپلروں کو اذیت ناک عذاب دیے گئے۔ اور درجنوں کو زندہ جلا دیا گیا۔

فلورنس کا ایک جلاوطن شاعر جو شہروں اور راستوں میں آوارہ تھا، لوگوں نے اس کی پروانہ کی۔ وہ یورپی ممالک میں سرگرداں رہا۔ وہ بھی ٹمپلروں کے مقدمے سے متاثر ہوا تھا۔ وہ ایک عجیب کتاب نظم کرنے میں مصروف تھا۔ اس کتاب میں تاریخی شخصیتوں کو جہنم، جنت اور اعراف میں دکھایا گیا تھا۔ اس نے لکھا۔

"میں نے ایک نیا[۵۱] رومن پائیلٹ دیکھا
ظلم اور ہوس میں اس کا مثیل
جس کی ہوس کبھی سیر نہیں ہوتی

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۶۵۳) اور خلاف شرع قانون دریافت نہیں ہوسکا۔ (۵) استغاثے کی دستاویزوں کی داخلی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹمپلروں کے خلاف الزامات پیشگی تیار کرلیے گئے تھے۔ ان دستاویزوں سے جلد بازی اور پوپ کے خلاف دباؤ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ ہر گام پر صریحاً سازش اور دغابازی سے کام لیا گیا۔ (مصنّف)

۵۱ وہ رومن حکمران جس کے حکم کے مطابق حضرت یسوع مسیحؑ کو مصلوب کیا گیا۔ (مترجم)

جو بخیل ہے اور بدباطن بھی

وُہ طمع کے تو بڑے لے کر ٹمپل کے ایوان میں گھس گیا۔"

یہ تھے دانتے کے خیالات۔ دانتے انسانی کردار کا ماہر تھا۔ اِس نے فرانسیسی بادشاہ کی کرتوت اور ٹمپلروں کے خلاف مقدّمے کا خلاصہ پیش کر دیا۔

اِس مقدّمے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ٹمپلروں کے اِنسداد سے جنگجو صلیبی کا آدرش ختم ہو گیا اور یورپ کی مشرقی سرحدیں تُرکوں کے لیے کھُل گئیں۔ محتسبوں کی عدالتوں کے اختیارات میں خطرناک اضافہ ہو گیا اور تعذیب سے شہادت لینا قانونی طور پر جائز قرار دیا گیا۔ عام لوگ جادُو، ٹُونے اور شیطانی عملیات کے کھوج لگانے میں مصروف ہو گئے۔ عام لوگوں کی یہ خوف ناک اور خُونی تلاش صدیوں تک جاری رہی۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ یورپ نے کروسیڈ کے آخری سالاروں کو چتا میں زندہ جلا دیا۔

صلیبی جنگوں کے نتائج

صلیبی تحریک اِتنی وسیع تھی اور اِتنی صدیوں تک جاری رہی کہ آج کل اِس کے نتائج اور اثرات کا شمار اور احاطہ کرنا مُشکل ہے۔ ہمارے پاس وہ میزان نہیں جس میں اِس کے منافع اور نقصان کو تول سکیں۔ ہم تہذیب پر اس کے اثرات بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ قوموں کی قومیں الگ تھلگ مُلکوں سے نکلیں، اِن کی آنکھوں نے نئے نئے دیس دیکھے اور اِن کے کانوں نے عجیب وغریب آوازیں سُنیں۔ وہ واپس آئے تو ان کے دماغوں میں نئے نئے خیالات سمائے ہوئے تھے۔

ہمیں چند نتائج معلوم ہیں۔ ایشیا کی خوشہ چینی کر کے صلیبی فکر و نظر کے جواہر ریزے واپس لائے۔ یورپ کی سوسائٹی میں کئی تغیرات رُونما ہوئے اور بالآخر سوسائٹی کا دامن

کئی گراں قدر اضافوں سے بھر گیا۔

صلیبی کیا لائے؟

صلیب برداروں کی فتوحات کے علاوہ بھی یورپ اور ایشیا میں باہمی رابطے کے کئی ذرائع تھے یہ تھے اسپین، بازنطین اور سسلی۔ مشرق کے علم و ہنر ان راہوں سے یورپ میں داخل ہو چکے تھے لیکن ۱۰۹۵ء سے ۱۲۹۱ء تک صلیبی محاربات کے دوران میں یورپ اور ایشیا میں نقل و حرکت کی ایسی کشادہ شاہراہ قائم ہو گئی کہ کئی علوم و فنون مغرب میں منتقل ہو گئے۔ صلیبی محاربات کی تاریخ میں جنگ کے سال کم تھے اور صلح کا عرصہ زیادہ تھا۔ باہمی تجارت میں کبھی تعطل واقع نہ ہُوا۔

صلیبی مشرق کے نفیس کپڑے یعنی کتان، ململ اور دمشقی، مشجر پہننے لگے۔ وہ کاغذ سے متعارف ہوئے اور انہوں نے چینی کے برتنوں کا استعمال سیکھا۔ انھوں نے رنگین شیشے بنانے اور آئینہ سازی کا فن حاصل کیا۔ ریوند، گرم مسالہ، چاول، شکر، ہاتھی چوک اور لیموں بھی دُوسرے پھلوں اور اناجوں کے ہمراہ کروسیڈوں کے دور میں مشرق سے آئے۔

ہماری زبان میں کئی عربی الفاظ موجود ہیں۔ اِن کا وجود نئی چیزوں اور نئے خیالات کا ثبوت ہے جو ایشیا سے آئے تھے۔ یہ الفاظ ہمارے روزمرہ کے استعمال کا جزو بن چکے ہیں، مثلاً ایڈمرل (امیر البحر)، الکحل، القالفہ، القلی، الجبرا، ازیمت (السمت) یہ الفاظ ٹیرف (تعریف) سے لے کر زینتھ (سمت الراس) تک انگریزی لُغت کے سارے حروفِ تہجی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پہلے دور کے صلیبی پون چکیاں اپنے ساتھ لائے اور انھوں نے مشرق سے خاندانی نشانات نقل کیے۔

عیسائی عالموں نے سپین اور سسلی میں عربوں کی سائنس سے استفادہ کیا اور صلیبی اپنی ریاستوں میں عرب سائنس سے متعارف ہوئے۔

اہل یورپ نے ہندسہ اور الجبرا کا استعمال عربوں سے سیکھا۔ انھوں نے علمِ طب

عربوں سے پڑھا اور انھیں معلوم ہُوا کہ بیماری چند قُدرتی اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے، اور اس کا علاج غذا اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق کرنا چاہیے۔ فن جو تش میں بطلیموس کی "المجسطی" عام ہوئی۔ رفتہ رفتہ عیسائی عربوں کے نقطۂ نظر سے واقف ہو گئے کہ علم مشاہدے اور تجربے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ صرف مذہب کا مطالعہ علم کے لیے کافی نہیں۔ رفتارِ زمانہ سے عیسائی بھی از خود یہ نتائج اخذ کر لیتے لیکن اہلِ مشرق کی مثال نے ان کے دماغوں کو جلا بخشی۔ انھیں معلوم ہُوا کہ حساب دان اور طبیب کے لیے پادری ہونا ضروری نہیں۔ عرصۂ دراز سے عرب فلاسفہ ارسطو کے گرویدہ تھے، یورپی فلاسفروں نے ارسطو کا فلسفہ عربوں سے سیکھا۔ کیونکہ یورپ کے تاریک دَور میں وُہ اِس فلسفے کا نام و نشان تک کھو چکے تھے۔

قُطب نما سے جہاز رانی آسان ہو گئی۔ عربوں کا قُطب نما سادہ سا آلہ تھا۔ مقناطیسی سُوئی کو تنکے یا لکڑی کے ٹکڑے سے باندھ کر پانی کے لگن میں تیرا دیا جاتا تھا۔ یہ سادہ سی ایجاد بھی کئی نسلوں تک یورپ میں مقبولِ عام نہ ہوئی۔ عربوں کے اضطراب سے عیسائی جہاز رانوں نے عرض بَلد کا شمار کرنا سیکھا۔

صلیبیوں کے سفروں اور عرب جُغرافیہ کے مطالعے سے اہلِ یُورپ کارآمد نقشے بنانے لگے۔ وُہ بطلیموس اور الادریسی کی تصنیفات سے رُوشناس ہوئے۔ سرزمینِ قُدس سے واپس آنے والے زائروں سے کم و بیش مشرقِ وسطیٰ کے درست حالات معلوم ہوئے اور بلادِ اسلام سے اُدھر کے ممالک کے متعلق حیرت ناک افسانے پھیل گئے۔

لہ یہ ایجادات طویل مدّت تک یورپ میں مقبول نہ ہوئیں۔ کلیسا نئے علوم و فنون کا مخالف تھا۔ اربابِ کلیسا نے عربوں کی میکانکی ایجادات، روغن نفت اور آتشِ سیال کو شیطانی آلات سے تعبیر کیا۔ (Renaissance) احیاء العلوم کے دَور تک یہ ایجادات مروّج نہ ہو سکیں۔ اس زمانے میں اہلِ یورپ نے ان سادہ ایجادات میں مفید ترمیمیں اور اضافے کیے۔ (مصنّف)

تنہا سند باد جہازی ہی نے سفرنامہ نہیں لکھا تھا، کئی عرب جہاں گرد اپنے سفروں کی یادداشتیں قلم بند کر چکے تھے۔ عیسائی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ عیسائی جو روم کو آباد دُنیا کا مرکز سمجھتے تھے اب یروشلم کو دُنیا کا مرکز سمجھنے لگے۔ وہ دُور دراز ممالک اور غیر دریافت شُدہ علاقوں سے متعارف ہوئے۔

فنِ تعمیر میں بھی صلیبیوں نے بہت ترقی کی۔ پہلے ان کا فنِ تعمیر شمالی فرانس کے طرز پر کیتھیڈرول اور گرجے بنانے تک محدود تھا۔ بازنطینی قلعوں کے مشاہدے اور ذاتی تجربے سے انھوں نے بڑے بڑے قلعے بنانے سیکھے۔ اِن قلعوں میں ہزاروں انسان آباد ہوتے۔ اہلِ یورپ دوہری فصیلوں کے فوائد سے آگاہ ہوگئے۔ اندرونی فصیل بیرونی فصیل کے لیے حفاظتی مورچے کا کام دیتی تھی۔ انھوں نے فصیلوں میں حفاظتی مورچے، رندے، بغلی بُرج اور پہرے کے مینار بنانے سیکھے۔ صلیبی کاریگر فنِ تعمیر کے بڑے ماہر تھے۔ فریڈرک ثانی اپنے ہمراہ کئی معمار اور مصوّر لایا جنھوں نے پلرمو میں کئی خوبصورت گرجے اور عمارتیں بنائیں۔ اِس زمانے میں یورپ کی صلیبی سرحدوں پر واقع پلرمو، طلیطلہ اور قسطنطنیہ کے شہر مسیحی دُنیا کی ثقافت کے مرکز تھے۔

دو صدی تک یورپ میں صلیبیوں کا چرچا رہا۔ اِس عظیم الشان مہم کے تذکرے لکھنے میں اہلِ قلم میں گویا مقابلہ شروع ہوگیا۔ پہلے پادریوں نے کروسیڈوں کی تاریخ لکھی۔ سپاہیوں اور ذہین مبصروں نے بھی اپنی یادداشتیں مرتب کیں۔ جن میں معجزوں، شجاعت کے حیرت انگیز کارناموں کے علاوہ عجیب و غریب قصّے مذکور ہیں۔ مغنیوں نے گیت لکھے۔ اِن تذکروں اور نظموں سے ولیم آف ٹائر جیسے مورخوں نے سچّے اور جھوٹے واقعات کی چھان بین کرکے مربوط تاریخیں مرتب کیں۔ چند پُرجوش لوگوں نے عربی اور بازنطینی تاریخوں کا بھی مطالعہ کیا۔ تاریخ نویسی کا سلسلہ جو یورپ کے دَورِ جہالت میں مُنقطع ہوچکا تھا، صلیبی زمانے میں دوبارہ جاری ہوگیا۔

تغیّرات

عیسائی سوسایٹی کے تین طبقے تغیّر پذیر ہوئے۔ امتدادِ زمانہ سے بھی یہ طبقے تغیّر پذیر ہو جاتے البتہ صلیبی جنگوں کے ہنگاموں سے تغیّر کا عمل تیز تر ہو گیا اور سوسائٹی میں بُنیادی تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔

سب سے پہلے نظام جاگیرداری میں تبدیلی واقع ہوئی۔ جاگیرداروں، لارڈوں اور امیروں نے کروسیڈوں کا بارِ گراں برداشت کیا تھا۔ اور اپنے مقدور سے زیادہ قُربانیاں دی تھیں۔ جانی اور مالی نقصانات سے ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ نسل در نسل امیروں کے خاندان عازمِ مشرق ہوتے رہے۔ اِن میں فلانڈرز، بلائے اور شیمپین کے کاؤنٹ شامل تھے۔ ایونز اور کوسی کے لارڈ بھی ہمیشہ مشرقی سرحدوں پر سرگرم پیکار رہے۔ کئی خاندانوں کا نام و نشان مٹ گیا، کئی خاندان جوان بیٹوں سے محروم ہو گئے۔ اور ان کی نئی پود فروغ نہ پا سکی۔ بحیثیت مجموعی جاگیردار اور نواب کمزور ہو گئے۔ اور ان کی جگہ شاہی اقتدار اور تجارت پیشہ طبقے نے لے لی۔ فرانس میں یہ تغیّر بہت نمایاں تھا۔

عوام میں بہت تبدیلی ہوئی۔ کئی جاگیردار اور امیر کروسیڈوں میں شامل ہوئے انھوں نے اپنے غلام آزاد کر دیے۔ بورژوا یعنی نچلے طبقے کے لوگ جن کا پہلے کوئی سماجی وقار نہ تھا اب نوخیز متوسط طبقے میں شامل ہو گئے۔ فلسطین میں اِنھیں عزّت و دولت نصیب ہو گئی جو انھیں یورپ میں میسّر نہ تھی۔ اگرچہ انھیں خاندانی نوابوں سے فروتر سمجھا جاتا تھا، تاہم وہ خاصے اثر و رسُوخ کے مالک تھے۔ اور ان کا درجہ مقامی لوگوں سے بلند تھا۔ ان کے اپنے مکان اور اپنی اراضی تھی، وہ اپنی عدالتوں میں انصاف طلب کر سکتے تھے۔[1]

---

[1] یورپ کے جاگیرداری نظام کے تحت غریب کاشتکاروں اور غلاموں کی شاہی عدالتوں میں شنوائی نہ تھی، انھیں اپنے مالک و آقا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جاگیرداری سلسلے کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۶)

ملّاح و تاجر غیر مُلکی تجارت سے خوش حال ہو گئے۔ صنّاعوں اور کاری گروں کی مانگ بڑھ گئی۔ اِس طرح سے اِن کی اُجرتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ غلاموں اور کارندوں کی قسمت اراضی سے وابستہ تھی۔ وہ جاگیردار کی زمین چھوڑ کر جانے کے مجاز نہ تھے اب ان غلاموں کے لیے بھی آزادی کی راہیں کھُل گئیں اور وُہ زمین چھوڑ چھوڑ کر شہروں میں آ کر مزدوروں اور کاری گروں کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

کلیسا میں بھی کئی تغیّرات رُونما ہوئے۔ کلیسا کا ارادہ ہمہ گیر تھا۔ کروسیڈوں کے پہلے دَور میں کلیسا کے اقتدار میں گراں قدر اضافہ ہُوا۔ بارھویں صدی میں یروشلم کی فتح کے بعد پوپ یورپ کے سیاسی قائد بن گئے۔ پھر انوسنٹ سوم نے کروسیڈوں کو کلیسائی سلطنت کے لیے استعمال کیا۔ اِس نے اپنی مطلب برآری کے لیے صلیبی مہموں کا رُخ ہی بدل دیا۔ اِس نے فتحِ یروشلم کا ارادہ پس پُشت ڈال دیا اور کروسیڈوں کے نام پر اکٹھی کی ہوئی دَولت کو دیگر مصارف میں لگا دیا۔ اِس نے صلیبیوں کو سرزمینِ قُدس میں لڑنے کے بجائے یورپی کافروں کی سرکوبی پر مامور کر دیا۔ اِن اقدامات سے کلیسا نے سلطنتِ فلسطین کو خیرباد کہہ دیا۔ کلیسا اِس عوامی تائید سے محروم ہو گیا جو پہلے کروسیڈ کے وقت اسے حاصل ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے ہانسٹوفن اور لینگیڈرک کے خلاف صلیب اُٹھائی وُہ اِس جوش و خلوص سے عاری تھے جس سے یروشلم پر حملہ کرنے والے صلیبی سرشار تھے۔

صلیبی مہمّوں کے لیے روپے پیسے کی فراہمی کے تقاضے بڑھتے گئے اور یروشلم کی فتح کے لیے کچھ نہ ہو سکا۔ پاپائی دربار کی شان و شوکت اور عشرت پسندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ چُنانچہ عوام میں پاپائیت کے خلاف برگشتگی پھیلنے لگی۔ معافی ناموں کی فروخت بھی

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۶۵۹) عدالت میں اپنے غلاموں اور کارندوں کے مقدّمات کا فیصلہ کرنے کا مجاز تھا۔ ایسی عدالتوں سے انصاف کی توقع فضول تھی۔ متوسط طبقے کے عروج سے ایسی عدالتیں بن گئیں جن کے مُنصف جاگیرداروں کے بجائے متوسّط طبقے کے لوگوں یا شاہی افسروں میں سے مقرّر کیے جاتے تھے (مترجم)

پاپائیت کی بدنامی کا باعث بنی۔ درحصل مُعافی نامے پہلے ان لوگوں کو دیے جاتے تھے جو یروشلم جانے سے قاصر تھے۔ صلیب اُٹھانے کے عوض اُن سے زر و مال قبول کر لیا جاتا ــــــ لیکن رفتہ رفتہ ان معافی ناموں کی ماہیت بدل گئی۔ پہلے یہ معافی صرف صلیبیوں کے لیے مخصوص تھی، جنھیں گُناہوں کے کفارے سے آزاد کر دیا جاتا تھا، لیکن بعد میں اِس معافی سے غیر صلیبی بھی فائدہ اُٹھانے لگے ــــــ اور بالآخر ہر گُناہ کے لیے مُعافی نامے فروخت کیے جانے لگے۔ اور مُعافی ناموں کا رواج عام ہو گیا۔ بالآخر پوپ کو یہ گُنان چھوڑنا پڑا۔ ان حالات کا قُدرتی نتیجہ تحریک اصلاح مذہب (ریفرمیشن) کی صورت میں برآمد ہُوا۔[۱]

---

[۱] یورپی ممالک کی تقدیروں پر کروسیڈوں کا گہرا اثر پڑا۔ فرانس میں شاہی اقتدار کو تقویت پہنچی اور کئی فرانسیسی ریاستیں اور جاگیریں سلطنت فرانس میں مدغم ہو گئیں۔ اہل وینس خوش حال ہو گئے۔ جرمن سلطنت کی حدود مشرق کی طرف پھیل گئیں۔ پرتگال اور ہسپانیہ کی سلطنتوں میں گراں قدر اضافے ہوئے۔ ابتدائی دور میں بازنطینی سلطنت نے صلیبی تحریک سے خوب فائدہ اُٹھایا لیکن ۱۲۰۴ء میں صلیبیوں نے بازنطینی سلطنت کو کچل کر رکھ دیا۔

پاپائیت پر کروسیڈوں کے متعلق ڈاکٹر ارنسٹ بارکر یوں رقم طراز ہیں "کروسیڈوں سے پاپائیت کو بہت فروغ ہُوا۔ کروسیڈ کے ذریعے سے پوپوں نے مغربی شہنشاہوں کو عیسائی دُنیا کی قیادت سے معزول کر دیا۔ کیونکہ کروسیڈوں کے وسیلے سے پوپ یورپ کے تمام عیسائیوں کو ایک ہی راہ پر چلانے کے مُختار بن چکے تھے ــــــ انھیں شہنشاہوں کے مشیرے کی ضرورت نہ تھی۔ تیرھویں صدی میں پاپائیت نے کروسیڈ کا رُخ سلطنت کے خلاف موڑ دیا۔ کروسیڈ سے پاپائی اقتدار میں اضافہ ضرور ہُوا لیکن اِس سے پاپائیت بگڑ بھی گئی۔ پاپائیت نے کروسیڈوں کو اپنا آلہ کار بنایا۔ کروسیڈوں سے پاپائیت کے اقتدار میں اضافہ ہُوا لیکن بالآخر کروسیڈ ہی پاپائیت کی تباہی کا باعث بنے۔ (مصنّف)

خدمات

کروسیڈوں نے کئی اعتبار سے ہماری تہذیب کے مُستقبل کا رُخ متعیّن کیا۔

جنگی فرقوں نے جنگوں میں نمایاں حصّہ لیا۔ اس کے بعد ان کی صورت بدل گئی اور موجودہ زمانے کے کئی راہبانہ فرقے ان کی یادگار ہیں۔

صلیبی جنگ کی مالی ضروریات سے قومی محصول بندی معرض وجود میں آئی۔ جو لوگ صلیبی حملوں میں شریک نہ ہوئے، ان کی دولت پر ٹیکس عائد کر دیا گیا۔ پہلا کروسیڈ لوگوں کے خلوص اور آہنی عزم کا نتیجہ تھا۔ اس کے لیے لوگوں نے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ لیکن بعد کے کروسیڈوں کے لیے نئے مالی نظام کی تخلیق کی ضرورت تھی۔ اِس زمانے میں نقدی کی سخت قلّت تھی۔ اور طلائی سکّے تو تقریباً ناپید تھے۔ صلیبیوں کو ساتھ لے جانے کے لیے طلائی سکّوں کی ضرورت تھی۔

چاندی اور دیگر گھٹیا دھاتوں کے سکّوں کی مطلوبہ مقدار بہت وزنی ہو جاتی اس لیے صلیبیوں کے لیے سونے کے سکّے ضرب کیے گئے۔

رفتہ رفتہ زائروں کی تعداد بڑھنے لگی اور صلیب بردار فوج میں اضافہ ہونے لگا۔ اہل یورپ اپنی جائیدادیں، اپنے مویشی، اپنی اراضی اور اپنے جاگیردارانہ حقوق فروخت کرنے لگے۔ اِن چیزوں کی قیمت نقدی میں ادا کی جاتی جس سے سکّوں کی تعداد بڑھ گئی۔ زائر اور سپاہی، لوائر اور رائین[1] سے نِکل کر ارذن جا پہنچتے اور راستے میں اپنی نقدی خرچ کر جاتے۔ اِن راستوں پر کئی تجارتی شہر بن گئے اور یورپی تجارت کو فروغ حاصل ہُوا۔ اِن عظیم الشان مہمات سے نہ صرف انسانوں کی نقل و حرکت شروع ہوئی بلکہ نقدی اور جائیداد میں بھی حرکت پیدا ہو گئی۔

---

[1] لوائر فرانس کا اور رائن جرمنی کا دریا ہے۔ (مترجم)

ٹمپلروں نے بَین الاقوامی بنک کاری کی طرح ڈالی۔ وُہ لوگوں کے لیے سفر کا بند و بست کرتے۔ لوگ پیرس میں وہ نقد جمع کرا دیتے۔ انھیں ہُنڈی دے دی جاتی۔ جسے دکھا کر وہ عکّہ یا قسطنطنیہ میں اپنی رقم وصول کر لیتے۔ اطالویوں نے ان کی نقل کی چُنانچہ وینس اور فلورنس میں بھی بنک کاری کے کئی ادارے قائم ہو گئے۔

پہلے اِن کی تجارت یورپی زائروں کو بلادِ قُدس لے جانے اور واپسی پر جہازوں میں مالِ تجارت لانے تک محدود تھی۔ اب انھوں نے بنک کاری شروع کر دی۔

صلیب برداروں نے کئی تجارتی راستے کھول دیے۔ اور مشرق سے تجارتی روابط قائم ہو گئے۔ تاجر حلب اور بغداد سے ہوتے ہوئے ہندوستان اور چین تک پہنچ گئے۔

تجارت کی گرم بازاری سے اہلِ یورپ کی توجہ مشرق کی طرف مبذول ہو گئی اور یورپ کی صدیوں کی تاریکی اور علیحدگی ختم ہو گئی۔

کِسی زمانے میں صرف دلیر وائکنگ لوگوں کے اکّا دکّا جہاز بحیرہ روم میں نظر آتے تھے۔ اب سکینڈے نیویا اور انگلستان کے بحری بیڑے بھی بحیرۂ روم میں آنے جانے لگے یہ جہاز پُرتگال کی بندرگاہوں میں ٹھہرتے ہوئے سسلی جا پہنچتے۔ سسلی کے شہر مُسافروں کی آماجگاہ بن گئے۔ بحیرہ شمالی سے ڈین لوگ جہازوں میں یروشلم جانے اور اس مقدّس شہر کے بازاروں میں لومبارڈی اور ہنگری کے باشندوں سے جھگڑتے نظر آتے۔ اولوالعزم سکاٹ قسطنطنیہ کے ایوانوں میں ہوشیار یونانیوں سے تکرار میں مصروف ہوئے۔

دلیر وینسی اپنے جنگی جہازوں میں بحیرۂ اسود تک جا پہنچے اور شمالی برفستانوں کے سلاف لوگوں سے متعارف ہوئے۔

مُسافروں کی تعداد بڑھ گئی اِس لیے بڑے بڑے جہاز بنائے گئے حفاظت اور سلامتی کے لیے جہاز مل کر بیڑوں کی صورت میں سفر کرتے۔ وہ بحیرۂ روم کے ساحلوں سے مانوس ہو گئے۔ مُسافر گھر واپس آکر دُور دراز مُلکوں کی کہانیاں سُناتے اور عجائباتِ دُنیا کا حال

بیان کرتے یورپی شہروں کے درمیان نقل و حرکت بڑھ گئی اور پرانے دور کا تعطل اور جمود ختم ہو گیا۔ کروسیڈوں کے بعد مشرق کے تجارتی راستے دوبارہ مسدود ہو گئے[1]

صرف اولوالعزم اہل وینس کو ان تجارتی راستوں پر جانے کا حوصلہ تھا۔ بہر کیف بلاد اسلام کے راستے بند ہونے سے بحری سفر ختم نہ ہوئے۔ یورپی جہاز ران ہندوستان اور چین جانے کے لیے متبادل بحری راستوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ ۱۲۷۰ء میں جنیوا کے جہاز بحر اوقیانوس میں واقع جزائر کنیری تک پہنچ گئے۔ سقوط عکہ کے بعد یورپی ملاح افریقہ کے گرد چکر کاٹ کر ہندوستان جانے کی فکر میں تھے۔

آئندہ صدی میں پرتگالی جہاز رانوں نے ساحل افریقہ دریافت کر لیا۔ دراصل پرتگالیوں کی کوشش بھی صلیبی مہم کا حصہ تھی۔ دو صدی بعد کولمبس چین خطا کی طرف روانہ ہوا تو اس کے بادبانوں پر کروسیڈ کی صلیب کے نشان بنے ہوئے تھے۔ اسے توقع تھی کہ اس طرح فتح یروشلم کے لیے راہ نکل آئے گی لیکن وہ امریکہ جا پہنچا۔

شام میں صلیبی قلعے

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مشرق اوسط میں صلیبی دور کے بیشتر قلعے ابھی تک موجود ہیں۔ سیاحوں کو مغربی یورپ میں صلیبی قلعوں کے آثار نہیں ملیں گے کیونکہ وہاں قرون وسطیٰ کی عمارتوں کے بجائے کئی جدید عمارتیں بن چکی ہیں لیکن حوصلہ مند سیاحوں کو مشرق اوسط میں کئی ایسے اضلاع مل جائیں گے۔ جن میں قرون وسطیٰ سے آج تک بہت کم تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

---

[1] سلطان محمد ثانی نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ اور سلطان سلیم نے ۱۵۱۶ء میں مصر فتح کیا۔ ان دونوں فتوحات کے بعد عثمانی ترک مغربی ایشیا پر چھا گئے اور یورپ کا تجارتی راستہ مسدود ہو گیا۔ (مترجم)

نائٹوں کے جزیرے یعنی مالٹا اور رہوڈس سیاحوں کو معلوم ہیں۔ ہر سال کئی یورپی سیر و تفریح کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ اطالوی حکومت نے رہوڈس کے قلعے کی مرمت کرا دی ہے۔ چاندنی راتوں میں وہاں عجیب پُراسرار سماں ہوتا ہے، چھٹکی ہوئی چاندنی میں کُشادہ فصیلوں پر سیر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم چودھویں صدی میں پہنچ گئے ہیں۔ مختلف یورپی زبانیں فضا میں گونج رہی ہیں، اور نیم تاریک بُرجوں میں بدستور آہن پوش جنگجو ایستادہ ہیں۔ قلعے کے سامنے ہلال کی صورت میں خلیج سمرنا پھیلی ہوئی ہے اور اس کی موجیں قلعے کی سنگین دیواروں سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ اب وہاں تُرکی فوج کا وائرلیس سٹیشن ہے۔

لیکن شام میں جوان دنوں فرانسیسی انتداب[1] میں ہے، صلیبی قلعے صحیح و سالم نظر آتے ہیں۔ شام کی سرحد سے اُوپر صلیبی گرجوں کے آثار بھی موجود ہیں۔ جہاں طرطوس اور الرحہ کے کیتھڈرل مسجدوں میں تبدیل کر دیے گئے، انطاکیہ کا شہر حدودِ شام میں واقع ہے۔ یہ شہر زلزلوں سے تباہ ہو چکا ہے۔ پُرانا شہر دریا کے کنارے آباد تھا، اب اس کی جگہ نیا شہر آباد ہے۔ سنگ خارا کا ایک گرا ہُوا ستون اس جگہ کی نشان دہی کرتا ہے جہاں نارمنوں نے "پیغمبروں" کا کیتھڈرل تعمیر کیا تھا۔ اِس کیتھڈرل کی شکستہ بیرونی دیوار ابھی تک کھڑی ہے۔ آہنی دروازے کے قریب گھاٹی کے اُوپر پُرانے قلعے کی بُنیادوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ انطاکیہ کے جنوب میں بنجر پہاڑ ہیں صیہون کا قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہ ابھی تک نیم شکستہ صورت میں موجود ہے۔ اِس میں چاروں طرف خار دار جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں۔

صیہون سے نیچے ساحل پر المرقب کا سیاہ قلعہ ہے۔ اِس کی فصیلوں کا بالائی حصّہ قدرے ٹوٹ چکا ہے، اِس کی نچلی منزل ملبے اور پتھروں سے اَٹی پڑی ہے۔ اِس کا

---

[1] جس وقت یہ کتاب لکھی گئی تھی اُس وقت شام فرانس کے زیرِ انتداب تھا اب شام آزاد مُلک ہے اور کچھ عرصہ متحدہ عرب جمہوریہ کا جزو رہنے کے بعد پھر خود مختار ہو گیا ہے۔ (مترجم)

دو منزلہ بُرج ابھی تک سلامت ہے اور اس کے گرجے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بُرج کی دیواریں خطرناک شگاف پڑ چکے ہیں۔ اگر اس کی مرمت نہ کی گئی تو اس کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔ گرجے کی چھت کی مرمت کی جا چکی ہے تقریباً پچیس ۲۵ عرب کنبے اس قلعے کے اندر آباد ہیں۔ ان کے بچے اِدھر اُدھر کھیلتے پھرتے ہیں۔ وہاں سیاہ بکریاں چرتی نظر آتی ہیں۔ اور کتّے بھٹکے ہوئے مُسافروں پر بھونکتے ہیں، حوض پر ایک جنگل سا اُگ چکا ہے۔ جنوب کی طرف چلے جائیں تو پہاڑوں کی مشرقی ڈھلوان پر مصاف کا مشہور قلعہ نظر آتا ہے۔ یہ ایک گاؤں کے اُوپر کھڑا ہے۔ اب اس میں خوفناک حشیشین آباد نہیں یہاں شاہی پیدل فوج کی چوکی ہے۔ بیرونی بھدی

۱؎ شام میں صلیبیوں کے قلعے معاصر یورپی قلعوں سے بہت بڑے تھے۔ فرانس میں پیرفونڈز اور کُوسی کے قلعے سب سے بڑے تھے لیکن کئی صلیبی قلعے ان سے بھی دوگنے تھے۔ المرقب کی بیرونی فصیل کے اندر تین لاکھ بیس ہزار مربع فٹ رقبہ تھا۔ کرک کا محیط چھ سو گز تھا اس کے مثیل حصن الاکراد کا بیرونی محیط تین ہزار گز تھا۔ یہ قلعہ ابھی تک نیم محفوظ حالت میں ہے۔ بیبارس اور اس کے بعد مسلمان حکمران صدیوں تک اِس قلعے کو استعمال کرتے رہے۔

یہ قلعے بڑے مضبوط اور ٹھوس ہیں۔ اِن میں دو قسم کی طرزِ تعمیر اختیار کی گئی ہے۔ عام طور پر سنگ خارا کے ایک فٹ مربع ٹکڑوں کو مسالے سے اُوپر تلے لگا کر دیواریں کھڑی کی جاتی تھیں، یہ طرزِ تعمیر المرقب اور طبریہ کے قلعوں میں نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ چُونے کے پتھر کے بھاری ٹکڑوں کو مسالے کے بغیر چُن دیا جاتا تھا، یہ طریقہ طرطوسہ اور بانیاس کے قلعوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ بانیاس کے قلعے کے کئی پتھر سات فٹ مربع تھے۔ شام اور فلسطین میں عمدہ قسم کا پتھر دستیاب ہوتا ہے۔ صلیبیوں نے قلعوں کی تعمیر میں پتھر کا خوب استعمال کیا۔ صلاح الدین نے بھی قاہرہ کے قلعے کی تعمیر کے لیے پتھر یہاں سے منگوائے تھے ——— البتہ فاطمیوں کے دور میں خشتِ پُختہ استعمال کی جاتی تھی۔ جیسے کہ قاہرہ کی شہر پناہ سے ظاہر ہے۔

(مصنف)

دیواریں بدستور کھڑی ہیں دروازے کا بُرج ـــــ عرب قلعوں کا مضبوط ترین مقام ـــــ ابھی تک سالم اور واضح ہے۔ اندر سے قلعہ خاصا شکستہ اور برباد ہو چکا ہے۔ کیونکہ اُس زمانے کے عرب پتھروں کو جوڑنے کے لیے مسالے استعمال نہیں کرتے تھے۔

اس سے آگے قلعوں کی سرزمین شروع ہوتی ہے۔ یہاں ایک قلعے سے دوسرا قلعہ نظر آتا ہے۔ طرطوسہ ٹمپلروں کا قلعہ تھا۔ اِس کے خرابات پر ایک عرب گاؤں آباد ہے۔ اِس کی فصیل کے نچلے حصّے ابھی تک کھڑے ہیں۔ مُسلمانوں کے قبرستان کے قریب حضرت مریمؑ کا گرجا واقع ہے، یہ گرجا ویران ہے اور اس کے دونوں بُرج غائب ہو چکے ہیں۔

انفصمت کے بلند بُرج ابھی تک کھڑے ہیں لیکن شہر پناہ کی جگہ ایک گاؤں بس چکا ہے۔

حصن الاکراد سب سے علیحدہ ہے۔ یہ قلعہ ایک گول پہاڑی کی چوٹی پر ایستادہ ہے۔ اس نے آٹھ صدیوں کے تغیرات دیکھے ہیں، اب اِس پر چند عرب کُنبے قابض ہیں۔ اِس کے شکستہ صحنوں میں بھیڑوں کے ریوڑ اور اونٹوں کی قطاریں نظر آتی ہیں۔ چاروں طرف گندگی، گوبر اور ملبے کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ بہر کیف گرجا ابھی صاف ہے۔ صدر بُرج کا راستہ خاصا تاریک اور سُنسان ہے۔ اس کی دیواروں پر صلیبیوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں۔

ساحل سمندر پر ریمنڈ کا قلعہ طرابلس (ٹریپولی) واقع ہے، اِن دنوں بھی اس کا یہی نام ہے ـــــ شہر کے بازاروں اور بندرگاہ سے پرے بلندی پر یہ قلعہ دکھائی دیتا ہے[1]۔ اِس قلعہ کو مُختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ کبھی یہ اصطبل رہا، اور کبھی تُرکی

---

[1] صلیبیوں نے قلعہ بندیوں کے دو سلسلے قائم کیے۔ پہلا سلسلہ ساحل کے متوازی تھا یہ قلعے ٹمپلروں نے بنوائے تھے۔ اِن قلعوں کی بیرونی فصیلوں میں ٹھوس چوکور بُرج تھے۔ اِن بُرجوں کے نیچے گہری خندق ہوتی۔ اِن قلعوں کی سلامتی کا انحصار ان کی فصیلوں کی بلندی اور اندرونی بُرجوں کی مضبوطی پر تھا۔ عربوں کی طرزِ تعمیر اس سے مختلف نہ تھی۔ (سلسلے کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۶۸)

جیل خانہ، اِس کا نصف سے زیادہ حصّہ غفلت کا شکار ہو کر برباد ہو چکا ہے۔ اگر حصن الاکراد جیسا قلعہ فرانس یا جرمنی میں ہوتا تو سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہوتا۔

موجودہ بیروت کے جنوب میں صیدا اور صور کے قلعے ہیں۔ ترکوں نے ان قلعوں پر نئی عمارتیں کھڑی کر دیں، لیکن ان قلعوں کے خرابات سے بھی صلیبیوں کی صناعی عیاں ہے۔ صیدا کی ساحلی جانب بلندی پر سینٹ لوئیس کے قلعے کے کھنڈر بکھرے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک بُرج ابھی تک سلامت ہے۔

ساحل کے اندرونی علاقے میں بلفورٹ اور بانیاس کے قلعوں کی حالت خاصی اچھی ہے۔ بلفورٹ کا قلعہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ اس کی طویل غلام گردشیں پتھر تراش تراش کر چٹانوں کے اندر بنائی گئی ہیں۔ اِس کی بلند فصیل کے کنگوروں اور رَوزنوں سے گہری گھاٹی کی تہ نظر نہیں آتی۔

(بقیہ حاشیہ دیکھیے صفحہ ۶۶۷) مصیاف، طرابلس اور طرطوسہ کے قلعے اِسی طرزِ تعمیر کے نمونے تھے۔

قلعوں کا دُوسرا سلسلہ اندرونِ ساحل پہاڑوں میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ قلعے شہروں سے پرے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنائے گئے تھے۔ ان کی فصیلیں کوہستانی نشیب و فراز کے خطوط سے ہم آہنگ تھیں۔ پہاڑی کے جس رُخ سے حملہ آور چڑھ سکتے اس طرف قلعے کے مضبوط ترین بُرج بنائے جاتے۔ یہ قلعے بیشتر شاہراہوں پر واقع تھے۔ اِن قلعوں کی بدولت صلیبیوں کا ساحلی سڑکوں پر تسلّط تھا۔ یہ قلعے بالعموم ہاسپٹلروں نے بنائے تھے۔ جیسے کہ المرقب اور کرک۔ یہ قلعے عموماً مثلث شکل کے ہوتے ـــــــ پہاڑ کی چوٹی پر مثلث عمارت بخوبی بنائی جا سکتی تھی، اِس طرح سے فصیل کے کونوں کی تعداد بھی کم ہو جاتی۔ فصیل میں کئی چھوٹے چھوٹے گول بُرج بنائے جاتے۔ قلعے کے ڈھلان قاعدے۔ یعنی "طالوس" کے گرد ایک پست دیوار کھینچ دی جاتی۔ ۱۱۳۰ء سے ۱۲۰۰ء تک صلیبیوں نے کئی قلعے بنائے۔ صلیبی قلعوں کی تاریخ میں یہ دَور یادگار ہے۔ صلیبیوں کا آخری قلعہ عثلیث تھا جو ۱۲۱۷ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ (مصنّف)

سرحد کے پار فلسطین میں عکّہ کا علاقہ واقع ہے۔ یہاں ایک وسیع نیم دائرے کی شکل میں قلعوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس کے حفاظتی دامن میں ناصرہ کا شہر تھا۔ اس نیم دائرے میں ٹوروُن، مانٹفورٹ اور صفد کے قلعوں کے خرابات بکھرے ہوئے ہیں۔ گلیلی کے شہر کے خواب آلوُد بازاروں سے پرے قلعہ طبریہ کا سیاہ حصار ہے۔ عکّہ میں بھی صلیبی عمارتوں کے آثار ابھی تک نمایاں ہیں —— ان آثار میں ہاسپٹل کا صدر مقام بھی ہے۔ عکّہ کے جنوب میں کوکب الہوا اور عثلیث کے نیم برباد قلعوں میں اب بھی عظمت رفتہ کے شاندار نشان باقی ہیں۔

صلیبیوں کے گرجے اور کیتھڈرل باقی نہیں۔ کئی گرجے مسجدوں میں تبدیل کر دیے گئے۔ یا ان کے خرابات پر نئی عمارتیں بنا دی گئیں۔ بیبارس اور خوارزمیوں نے نصرانیوں کی عبادت گاہوں کو بڑی بے رحمی سے تاخت و تاراج کیا تھا۔

ناصرہ اور دیر السطورہ میں مورچہ بند خانقاہیں تھیں۔ یہ مقامات کئی بار فتح کیے گئے اور کھوئے گئے۔ بیبارس نے ان مورچوں کا ایک ایک پتھر اُکھاڑ دیا۔ یروشلم کے علاقے میں بھی مملوکوں نے بلا کی تباہی مچائی۔ البتہ ہر مسلمان فاتح نے بیت اللحم کے گرجے کا کماحقہ احترام کیا۔ صلاح الدین نے یروشلم کے سینٹ این کے گرجے کو محفوظ قرار دیا تھا۔ یروشلم میں صلیبیوں کی صناعی اور کاری گری ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ان کی ہُنرمندی کے نمونوں میں غارِ ارتاح کے مرمریں منبروں سے لے کر مزار مسیح کی خوب صورت نوک دار محراب تک شامل ہیں آج کل بھی یروشلم کے نواحی علاقے میں رملہ کے کیتھڈرل سے لے کر حبرون کی جامع مسجد تک میں صلیبیوں کی کاری گری کے نمونے ملتے ہیں۔ جافا اور عسقلان میں صلیبی تعمیرات مسمار کر دی گئی تھیں۔

قبرص کے جزیرے میں ان کے قلعے جُوں کے تُوں موجود ہیں اور نائیکوسیا میں ان کے کیتھڈرل سے صلیبی دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مشرق میں صلیبی قلعوں پر مختلف بادشاہوں کا تسلّط رہا۔ گزشتہ سات صدی سے

یہ قلعے غفلت کا شکار رہے ہیں۔ لوگ اِن اُجڑے ہوئے قلعوں کے پتھر اُکھاڑ اُکھاڑ کر لے جاتے رہے۔ ویران ایوانوں میں لٹیروں نے کمین گاہیں بنا لیں۔ خانہ بدوش عرب قبیلے چند دن ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ لوگ اِن قلعوں کی پُرآشوب تاریخ سے بے خبر ہیں۔ رہوڈس اور مالٹا کے قلعوں کے حالات مقامی لوگوں کو معلوم ہیں —— یہ قلعے صلیبی جنگوں کے بعد تعمیر کیے گئے تھے۔ شام کا فرانسیسی ہائی کمیشن اِن دنوں حصن الاکراد کو محفوظ کرنے کے منصوبوں پر غور کر رہا ہے۔ ہمیں خدشہ ہے شاید اِن قلعوں کو کامل تباہی سے بچانے کے لیے مناسب اقدامات نہ کیے جا سکیں۔ غیر آباد علاقے میں نیم محفوظ صلیبی قلعے ابھی تک کھڑے ہیں۔ اِن کی فصیلوں کے سائے تلے سستانے والے بدّو بھی ان کے ماضی سے ناواقف ہیں۔ انھیں صرف اِتنا معلوم ہے کہ یہ کھنڈر صدیوں سے چلے آتے ہیں۔ پہاڑیوں کی ڈھلوانوں پر بھیڑیں چرتی رہتی ہیں۔ شکستہ دیواروں کے ساتھ ملبے کے ڈھیروں پر تھوہر کے خاردار پودے آندھیوں میں سانپوں کی طرح لہراتے ہیں۔ جب دھوپ تیز ہوتی ہے تو بڑی بڑی چھپکلیاں پتھروں کی درزوں میں رینگنے لگتی ہیں۔

قلعوں کی بلندیوں سے بدستور وہی علاقہ نظر آتا ہے۔ جہاں صدیوں سے اُونٹوں کی قطاریں گزرتی رہی ہیں، اور اب بھی گزرتی ہیں۔ اُن راہوں پر اب اکیلے سوار خاموشی سے گزرتے دکھائی دیتے ہیں۔

حوضوں کی سطح پر غلیظ سبز کائی جمی ہوئی ہے، اور ویران برجوں کے شگافوں سے ہوا کے جھونکے آہیں بھرتے گزرتے ہیں۔ یہ سرزمین نہیں بدلی لیکن وہ انسان محو ہو چکے ہیں۔

عمودی پہاڑیوں پر یہ قلعے بدستور قائم ہیں، دامنِ صحرا میں بدستور آتشیں گرمی پڑتی ہے۔ ان کی شکستہ دیواریں تمازتِ آفتاب میں صدیوں سے جُھلس رہی ہیں۔ ہر سال ہا سال سے بارش اور طوفان ان کی خستگی اور کُہنگی کی داستان لکھ رہے ہیں ——

امتدادِ زمانہ سے ان کے پتھر پہاڑوں پر بکھر جائیں گے اور محو شدہ انسانوں کی یادگاریں بھی

محو ہو کر رہ جائیں گی۔

دَورِ حاضر کے خیالات

اِسلام اور عیسائیت کی ہزار برس کی کشمکش میں صلیبی دَور یادگار رہے گا۔ اِن دو صدیوں میں پرستارانِ صلیب نے جنگ کے دھارے کا رُخ بلادِ اسلام کی طرف موڑ دیا۔ انھوں نے سمندر پار کر کے وادیِ اردن میں اپنی قلعہ بندیاں قائم کرلیں۔ صلیبی فلسطین کو دُنیائے مسیحیت کے دفاعی مورچے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ صلیبی سپاہی ایشیا میں مسیحی یورپ کا مقدمۃ الجیش تھے۔ بالآخر دو صدیوں کے بعد انھیں واپس دھکیل دیا گیا۔ وسط ایشیا سے بلادِ اسلام میں ایک نئی قوت نفوذ کر رہی تھی۔ مُسلمانوں کی روز افزوں عسکری قوت کے مقابلے میں صلیبی اہلِ یورپ کی حمایت و تائید سے محروم رہے۔

یورپ سے کئی جوابی حملے کیے گئے لیکن وہ کھوئے ہوئے علاقے حاصل نہ کر سکے۔ آئندہ چند صدیوں میں مسلمان فاتح بحیرۂ روم اور مشرقی یورپ پر چھا گئے۔

صلیبی مسیحیت کے اگلے مورچوں میں ڈٹے رہے۔ انھوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ جب تک صلیبی دریائے اردن کے کنارے رہے سارا یورپ مسلمانوں کے حملے سے محفوظ رہا۔ صرف سپین مسلمانوں کے تسلط میں تھا۔ لیکن وہاں بھی صلیبی تحریک پھیلنے میں دیر نہ لگی۔ صلیبی فنا ہوگئے۔ صلیبی ریاستیں ختم ہوگئیں، تاہم صلیبی جنگوں سے اہلِ یورپ نے کئی مفید سبق سیکھے۔ انھوں نے نئے نئے جنگی ہتھیاروں کا استعمال سیکھا۔ وہ نئی جنگی چالوں سے روشناس ہوئے اور فنِ حرب میں ترقّی کی۔ قلعہ بندی کے فن میں مہارت حاصل کی۔ بحری بیڑوں کو فروغ ہوا۔ یہ تجربات مسیحی دُنیا کے لیے بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔ نئے علوم و فنون کی بدولت ہی اہلِ یورپ مسلمانوں کی طوفانی یورش کے خلاف مدافعت کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یورپ کی بقا کا راز صلیبیوں کے تجربات میں مضمر تھا۔

اسلام اور مسیحیت کی طویل کشمکش میں صلیبیوں نے معنی خیز کامیابی حاصل کی۔ بلاشبہ انھیں جانی اور مالی نقصان ہوا ــــــ لیکن انھوں نے گراں قدر فوجی تجربہ حاصل کرلیا۔

یہ ہے سپاہیوں کا نقطۂ نظر

شاید کچھ لوگ اِن باتوں کا مذاق اُڑائیں۔ آج کل مذاق اُڑانا اور عیب جوئی توفیشن بن چکا ہے۔ عیب بین کو صلیبی محاربات میں لاکھوں انسانوں کی جانوں اور بے شمار دولت کا نقصان نظر آئے گا۔ طعنہ زن ہمیں یاد دلائے گا کہ پہلے صلیب برداروں نے اِنسانی گوشت کھایا۔ اور سفاکانہ قتل عام کیے۔ وہ کہے گا کہ صلیبی صفوں میں طالع آزماؤں اور لُٹیروں کی اکثریت تھی۔ اس کی رائے میں وہ فرشتے بننے کی بجائے انجام کار شیطان بن گئے۔ وہ کروسیڈروں کو سراسر ناکام اور بے کار سمجھتا ہے۔

لیکن تمسخر باز اور نکتہ چین بارھویں صدی کے انسانوں کو بیسویں صدی کے میزان میں تول رہا ہے۔ اگر یہ طعنہ زن صلیبیوں کا ہم عصر ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ

ضرورت کے وقت دوسرے لوگوں نے بھی انسانی گوشت کھانے سے دریغ نہیں کیا۔

فلسطین میں پاؤں جمانے کے بعد صلیبی قتل عام سے باز رہے ــــــ اور بعد میں مملوک بھی خون ریزی میں صلیبیوں سے پیچھے نہ رہے۔

یورپ میں سیاسی جنگ اور جاگیردارانہ کشمکش جاری رہی جبکہ فتح یروشلم کے بعد صلیبی ریاستوں میں اسّی سال تک امن وامان رہا۔

صرف عظیم صلیبی محاربوں کے دَوران میں یورپ میں عارضی صُلح ہوئی۔

اولوالعزم صلیبی مال و دولت کی تلاش میں عازم مشرق نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے خلوص سے صلیب اُٹھائی۔ وہ اپنی املاک فروخت یا رہن کرکے اِس مقدّس مہم میں شامل ہوئے۔ اِن قربانیوں کے بدلے اِنھیں چنداں مُنفعت حاصل نہ ہوئی۔

وہ خود کو فرشتہ نہیں سمجھتے تھے۔ انھیں پاک بازی کا زعم نہ تھا۔ وہ عام آدمی تھے جو

اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے صلیبی فوجوں میں شامل ہوئے۔ یہ مہم اِتنی پُر خطر تھی کہ کلیسا نے اِس میں شمولیت کو عظیم ترین کفارے کا مترادف قرار دیا۔

کروسیڈز ناکام نہیں تھے، اُس زمانے کے لوگ یروشلم کی تسخیر کو عظیم ترین فتح سے تعبیر کرتے تھے۔ صلیبی اپنے ہمراہ کئی نادر تبرّکات لائے اُس زمانے کے لوگ جانی اور مالی نقصانات کو تبرّکات کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے۔

آج کل آدرش پسندی کے بجائے کلبیت پرستی کا رواج ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا اِتنی پُر خلوص اور عظیم الشان تحریک کی تذلیل و تحقیر ایک پست فعل ہیں۔ ہم پوچھتے کہ ان لوگوں کی یاد کو مسخ کرنا کہاں تک قرین انصاف ہے؟ ہم نے کسی بلند مقصد کے جواز کے بغیر دُنیا کو عالمگیر جنگ کی آگ میں جھونک دیا۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ان لوگوں کی عیب جوئی کریں جو دو صدیوں تک اِس مقصد کے لیے لڑتے رہے۔ جسے وُہ دنیا کا ارفع اور عزیز ترین مقصد سمجھتے تھے۔

ہم نے سیزروں کی فورم اور ان کے مندروں کو از سرِ نو تعمیر کیا ہے لیکن ہم یروشلم کی صلیبی ریاست کو بحال نہیں کر سکے۔ جس کے لیے صدیوں تک ہمارے آباو اجداد بر سرِ پیکار رہے اور جہاں آج بھی وہ مزارِ مسیحؑ کے سائے تلے محوِ خواب ہیں۔

لیکن فتح یروشلم کا خواب ہمیشہ کے لیے پریشان ہو چکا ہے۔ گاڈ فرے ڈی بولوں کے خواب، سینٹ برنارڈ کے وعظ، رچرڈ شیر دل کا حوصلہ، بچّوں کی دردناک مہم اور سینٹ لوئیس کا خلوص ــــــ سب کچھ داستان پارینہ بن چکا ہے۔ وہ مقدس شہر کھو چکا ہے صلیبی ریاست کی یاد رہ گئی ہے۔ صلیبی بہادر ہمیشہ کے لیے منتشر ہو چکے ہیں ان کے باغات اور گرجے آج کل ویران ہیں، ان کے خرابات میں ایشیا کی نئی طاقتیں پرورش پا رہی ہیں۔

وُہ دِن پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ جب صلیبیوں نے مزارِ مسیحؑ کے گرد اپنے پُر خلوص ہاتھوں سے جنگلا لگایا تھا۔ جب صدیوں بعد عیسائی زائر یروشلم گئے۔ تو انھوں نے خرابات

دیکھے جن کی نگہبانی سے مسلمانوں کو چنداں دلچسپی نہ تھی۔ انھوں نے صلیبیوں کے گرجے دریافت کیے۔ گیسمن کے باغ کا کھوج لگایا، انھوں نے بھی شام کے وقت برج داؤد پر کھڑے ہو کر نارنجی شفق کو رات کی تاریکیوں میں ڈوبتے دیکھا۔ انھوں نے بھی اس تالاب کی زیارت کی جس کے پانی میں فرشتے نے تموّج پیدا کیا تھا ——— انھوں نے بھی یہ مناظر دیکھے لیکن مختلف نظروں سے مختلف انداز سے انھوں نے مقدّس خرابات کی تعمیر تو کرا دی مگر گاڈفرے کے خوابوں کے شہر کو حقیقت نہ بنایا۔

صلیبیوں کے اس شہر کو کوئی بھی نہیں بنا سکتا جہاں ان کے جذبہ ایمانی نے انھیں اسّی سال تک بے رحم زمانے کی پست روی سے بالاتر رکھا۔

یہ ہے آدرش پسند کا نظریہ ———

چاہے ہم کچھ ہی کہیں۔ کروسیڈروں کی عزیز یاد کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ ہم کروسیڈروں پر حیرانی کا اظہار کرتے ہیں ——— شاید ہم انھیں سمجھ نہیں سکتے۔

اُس تاریک زمانے میں صلیبیوں نے خلوص وایثار کی شمع فروزاں کر دی تھی۔ اِس شمع کی ضو کے گرد ہر مُلک سے ایثار کے پروانے جمع ہوئے۔

موجودہ دَور کے بین الاقوامی معاہدوں سے پہلے مختلف مُلکوں کے لوگ ایک مقدس میثاق میں متحد ہو چکے تھے۔ موجودہ یورپ کے آبادکاروں سے صدیوں پیشتر وہ لوگ اِس شمع کے نُور کی ضیا میں اجنبی مُلکوں میں لے گئے تھے۔

صلیبیوں نے ایک نئے جذبے، ایک نئے عزم کو جنم دیا۔ ان کے خاتمے کے ساتھ وہ جذبہ بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

ہمارے الفاظ ان کے کارناموں کی درخشانی کو کم نہیں کر سکتے ان میں اچھے بھی تھے بُرے بھی لیکن سبھی ستارہ بیت اللحم کی طرف رواں تھے انھوں نے خلوص ومحبّت کے جام لنڈھائے تھے۔ اگر ندامت کی تلچھٹ ان کے حصّے میں آئی۔ اگر انھیں شکست کے

تلخ گھونٹ نوش کرنے پڑے تو فتح کی مسرتوں سے بھی وہی سرشار ہوئے۔ انہی نے شجاعت کی معراج حاصل کی۔

اور ان کی یاد ہماری بے رنگ زندگیوں کے بعد بھی ——— ہمیشہ زندہ رہے گی۔

کُتب نامہ

اِس کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل تاریخی مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے:-

تذکرہ امیر اُسامہ، آرچ بشپ ولیم آف ٹائر کے وقائع، موصل کے فاضل بہاءالدین ابن شدّاد کی تاریخ، نارمن موسیقار امبروز اور جنگجو دل ہاردوئن کی یادداشتوں، نائٹ ڈی کلدری اور بیزنطینی وبیر ٹائسٹاس کے تذکروں، مصری مؤرخ المقریزی اور شامی مورخ ابوالفرج کی تاریخوں کے علاوہ راہب ارنول اور لارڈ آف ژرانول کے وقائع سے بیشتر واقعات ترتیب دیے گئے ہیں۔ اِن مآخذ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی مفید ثابت ہوئیں:-

حصّہ اوّل و دوم
مآخذ

ابوالفدا ——— فرانسیسی ترجمہ۔

علی الحروی۔ سفرنامہ۔

اِمبروز۔ تاریخ اور دستاویزات۔ فرانسیسی زبان میں۔ مطبوعہ پیرس ۱۸۹۷ء

بہاءالدین۔ حیات سُلطان یُوسف (صلاح الدین) ——— فرانسیسی ترجمہ۔

آٹو آف سینٹ بلیسر ——— جرمن زبان میں۔ باب ۲۰ اور ۲۳

تذکرہ مائیکل شامی ——— دستاویزات جلد اوّل فرانسیسی زبان میں

ڈیوائزز۔ تذکرہ ——— بوہن کا عتیقی کُتب خانہ، لندن۔ ۱۸۷۱ء

فلسطینی عیسائیوں کے خطوط یورپ کے نام ——— لاطینی زبان میں

خطوط ——— " " " باب ۲۰

ہیمر ——— لاطینی زبان میں لائیز ۱۸۶۱ء

ہاؤڈن راجر۔ تذکرہ۔ مؤلفہ ڈبلیو سٹبز۔ رولز کا سلسلہ اشاعت۔ ۱۸۷۱

ابن اثیر۔ اتابیگان موصل کی تاریخ۔ فرانسیسی ترجمہ۔ اورنٹیل تاریخ۔ جلد دوم

ابن جبیر ——— سفرنامہ ابن جبیر۔ 〃 〃 جلد سوم

نورالدین اور صلاح الدین کے عہد ——— لاطینی زبان میں

ناصر خسرو ——— سفر در شام و فلسطین۔ ترجمہ از گائی لاسٹرینج

اسامہ ——— ترجمہ از ڈیرن بورگ۔ پیرس ۱۸۹۵ء

ولیم آف ٹائر ——— مؤلفہ۔ ایم۔ پالن۔ پیرس ۱۸۷۹ء

جدید تصانیف

ڈوکانجے ——— آوٹریمر کے خاندان ——— فرانسیسی زبان میں۔ ۱۸۶۹ء

اینلارٹ ——— یروشلم کی صلیبی یادگاریں ——— 〃 〃 پیرس ۱۹۲۸ء

ہیمر ——— حشیشین فرقہ کی تاریخ ——— 〃 〃 پیرس ۱۸۳۳ء

سی۔ ایچ۔ کوہلر لاطینی کروسیڈ ——— 〃 〃 پیرس ۱۹۰۰ء

لین پول۔ صلاح الدین ——— انگریزی زبان میں

〃 قرون وسطی کے مصر کی تاریخ 〃 〃 〃

لاسٹرینج۔ فلسطین در عہد اسلامی 〃 〃 〃

جی پیرس۔ صلاح الدین کی داستانیں ——— فرانسیسی زبان میں۔ ۱۸۹۳ء

ای۔ جی۔ اے۔ صلیبیوں کے عسکری فن تعمیر کی یادگاریں شام میں 〃 〃 ۱۸۷۱ء

〃 〃 شام میں فرانسیسی نوآبادیاں ——— 〃 〃 پیرس ۱۸۸۳ء

شلم برگر۔ رینو ڈی شیتلوں۔ والئی انطاکیہ ——— 〃 〃 پیرس ۱۸۹۸ء

سٹیونسن - صلیبی مشرق میں - یعنی اہل اسلام اور اہل فرانس کی شام میں بارھویں اور تیرھویں صدی میں جنگیں انگریزی زبان میں - کیمبرج ۱۹۰۷ء

ونسنٹ ایٹ ابیل - یروشلم - جغرافیائی ، ہراثری اور تاریخی تحقیقات - فرانسیسی زبان میں - پیرس ۱۹۱۴ء

حصہ سوم اور چہارم

ماخذ

تذکرہ وینس ——— لاطینی زبان میں

رابرٹ ڈی کلاری ——— فتحِ قسطنطنیہ - فرانسیسی زبان میں - پیرس ۱۹۲۴ء

قسطنطنیہ ——— مؤلفہ ریانٹ - لاطینی زبان میں - جنیوا - ۱۸۷۷ء

پوپ انوسنٹ ——— لاطینی خطوط - لاطینی زبان میں

ہولارڈ برلوبز ——— فریڈرک ثانی کی ڈپلومیسی کی تاریخ - لاطینی زبان میں - پیرس ۱۸۶۱ء

ژانول کا تذکرہ بوہن کا عتیقی کتب خانہ - فرانسیسی زبان میں - ۱۸۷۱ء

سینٹ لوئیس کی زندگی - مؤلفہ ڈی ویلی - فرانسیسی زبان میں - ۱۸۶۷ء

انوسنٹ ثالث کے خطوط فرانسیسی زبان میں -

نائٹاس یونانی شہنشاہوں کی تاریخ - لاطینی زبان میں

ول ہاردوں قسطنطنیہ کی فتح - مؤلفہ ڈی ویلی - فرانسیسی زبان میں ۱۸۷۲ء

جدید تصانیف

بلاغٹ - ہانسٹوفن کے سلاطین مصر سے سیاسی تعلقات - فرانسیسی زبان -

ایل - بر - ہیر - کروسیڈ ——— فرانسیسی زبان میں پیرس - ۱۹۲۸ء

برجر - سینٹ لوئیس اور انوسنٹ چہارم - فرانسیسی زبان میں - پیرس - ۱۸۹۳ء

ڈی ماس لیٹرے۔ لوسگنان خاندان کے بادشاہ ۔ فرانسیسی زبان میں پیرس ۱۸۶۱ء

ڈبلیو ہائیڈ۔ لیوانٹ کی تجارتی تاریخ ۔ " " ۔ ریناں لیپسوگ ۱۹۲۳ء

لوشیئر۔ انوسنٹ ثالث " " ۔ پیرس ۱۹۰۷ء

ریانٹ۔ انوسنٹ ثالث، فلپ بونی فیس ڈی مانفریٹ " " ۔ " ۱۸۶۷ء

چوتھے کروسیڈ کے رُخ بدلنے کا مسئلہ " " ۔ ۱۸۷۸ء

سیگو ——— لوئیس نہم کی تاریخ ۔

حصّہ پنجم

ماٰخذ

تاریخ شام۔ گریگوری ابوالفرج فرانسیسی زبان میں۔ لپسیا۔ ۱۷۸۹ء

ٹائر کے ٹمپلروں کے وقائع۔ مؤلفہ ریناں " ۔ جنیوا۔ ۱۸۸۷ء

کوہلر ——— کروسیڈ ——— لاطینی۔ ۱۹۰۳ء-۱۹۰۴ء

ژاکس ڈی وٹری ——— مشرق کی تاریخ ——— فرانسیسی زبان

رودرفٹ ——— ریکولڈو ڈی مانٹی کروچے کے خطوط۔ فرانسیسی زبان میں ترجمہ از فوری ریجان

المقریزی۔ تاریخ مصر۔ فرانسیسی زبان میں ترجمہ۔ ۱۸۹۸ء-۱۹۰۶ء

مریبالا۔ تاریخ۔ ترجمہ انگریزی۔ جیمز مانٹگمری (از بلانڈٹ)۔ نیویارک ۱۹۲۷ء

مارکوپولو۔ مارکوپولو کی زندگی، وینس کا شر۔ لاطینی زبان۔ شارگنوں۔ ۱۹۲۸ء

میری نس سینوٹس سچے صلیبیوں کی امداد کے لیے۔ انگریزی۔ ۱۹۲۱ء

رموز۔ جن سے یروشلم فتح کیا جاسکتا ہے۔

میتھیو آف پیرس۔ تاریخ کبیر۔ مؤلفہ لوراڈ۔ فرانسیسی زبان۔ ۱۸۷۲ء-۱۸۸۳ء

رشید الدین۔ ایران میں منگولوں کی تاریخ۔ مؤلفہ اور ترجمہ کواٹرمیئر۔ فرانسیسی زبان۔ پیرس ۱۸۳۶ء

ربورکس۔ تاتار کے سفر۔ فرانسیسی زبان۔ پیرس۔ ۱۶۳۴ء

جدید تصانیف

ابوالغازی بہادر۔ منگولوں اور تاتاروں کی تاریخ۔ ترجمہ فرانسیسی۔ سینٹ پیٹرزبرگ۔ ۱۸۷۱ء
بیزلے۔ جدید جغرافیہ کی ابتدا۔ انگریزی۔ لنڈن اور آکسفورڈ۔ ۱۸۹۶ء
کاہون۔ تُرکوں اور منگولوں کی اصل۔ فرانسیسی۔ پیرس۔
چمبور۔ ٹمپلروں کے راز اور حقیقت۔ 〃 پیرس۔ ۱۸۴۰ء
ڈی ہربی لوٹ۔ اورئنٹیل کتاب نامہ —— 〃 پیرس ۱۷۷۶ء
ڈیلا ڈیل لاروکس۔ ہاسپٹلر —— 〃
سرہنری ہاورتھ۔ منگولوں کی تاریخ (جلد سوم) انگریزی۔ لنڈن۔ ۱۸۸۸ء
لینرراں —— ٹمپلروں کے مقدمہ کی دستاویزیں۔ فرانسیسی۔ پیرس۔ ۱۹۲۴ء
پیلولیو —— منگول اور پاپائیت —— 〃 ۱۹۲۲ء۔ ۱۹۲۳ء
ریموساں میسحی بادشاہوں اور منگول شہنشاہوں کے تعلقات۔ 〃۔ پیرس۔ ۱۸۲۲ء
فرانسیسی تاریخ کے متعلق مقالات اور ٹمپلروں کی سزایابی کی تحقیقات۔ پیرس۔ ۱۶۵۴ء
سرہنری یول —— چینِ خطائی کا راستہ —— ہیکلویٹ سوسائٹی

ایڈیسن	ترجمہ: محمد سعید	۳/۵۰
چند عظیم علمائے جراثیم	ترجمہ: عبدالمجید قریشی	۱۰/-
غازیانِ تہذیب	ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی	۵/-
مشہور موجد اور اُن کی ایجادیں	ترجمہ: ابوالحسن نغمی	۲/۷۵

سائنس :—

آنکھوں سے کام لیجیے	ترجمہ: محمد سعید	۱/۵۰
آواز کی کہانی	ترجمہ: مسعود احمد خاں	۱/۲۵
بچوں کے لیے سائنسی تحقیق کی نئی راہیں	ترجمہ: محمد فاروق	۲/۵۰
تمھارا جسم کیونکر کام کرتا ہے	ترجمہ: خلیق ابراہیم خلیق	۴/۵۰
ریڈیو اور ٹیلی وژن	ترجمہ: ذوالفقار علی بخاری	۴/۵۰
عجائباتِ کیمیا	ترجمہ: محمد فاروق	۴/۵۰
سائنس کے نئے افق	ترجمہ: سید علی ناصر زیدی	۵/-
سمندروں کی دُنیا	ترجمہ: ڈاکٹر نذیر احمد	۴/۵۰
کیمیا کے رومان	ترجمہ: پروفیسر حمید عسکری	۵/-
جوہری توانائی اور اس کا مستقبل	ترجمہ: پروفیسر محمود احمد خاں	۴/۵۰
دُنیا پر پہلی نظر	ترجمہ: سیدہ نسیم ہمدانی	۱/۵۰
زمین کی سرگزشت	ترجمہ: سید علی ناصر زیدی	۵/-
زمین کی سرگزشت	" " "	۴/-
سائنس باتوں باتوں میں	" "	۴/-
ستاروں کی دُنیا	" "	۵/-

سائنس کی حیرت انگیز باتیں	ترجمہ : سیّد علی ناصر زیدی	5/-
مصنوعی سیّارچہ	〃 〃 〃	2/50
سائنس کے تجربات	ترجمہ : ڈاکٹر عبدالسلام خورشید	5/-
خلا میں سفر کی پہلی کتاب	ترجمہ : غلام رسول مہر	2/50

بنیادی سائنس کا سلسلہ :—

انسانی مشین	ترجمہ : مولانا صلاح الدین احمد	1/50
آواز	〃 〃 〃 〃	1/50
پرندے	〃 〃 〃 〃	1/50
پھول پھل اور بیج	〃 〃 〃 〃	1/50
چاند	〃 〃 〃 〃	1/50
حرارت	〃 〃 〃 〃	1/50
روشنی	〃 〃 〃 〃	1/50
زندہ اشیاء	〃 〃 〃 〃	1/50
ستاروں سے آگے	〃 〃 〃 〃	1/50
کششِ ثقل	〃 〃 〃 〃	1/50
کیڑوں کی سماجی زندگی	〃 〃 〃 〃	1/50
مٹّی	〃 〃 〃 〃	1/50
مشینیں	〃 〃 〃 〃	1/50
مقناطیس	〃 〃 〃 〃	1/50
موسم	〃 〃 〃 〃	1/50

فنّی معلومات :

بجلی کی پہلی کتاب	ترجمہ : سیّد علی ناصر زیدی	۲/۵۰
ٹیلی فون کیسے کام کرتا ہے	ترجمہ : خلیق ابراہیم خلیق	۱/۲۵
طیاروں کی پہلی کتاب	ترجمہ : غلام رسول مہر	۲/۵۰
موٹروں کی پہلی کتاب	" " " "	۲/۵۰

معاشیات :

علماء کے معاشی نظریات	ترجمہ : ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اختر	۶/-
آبادی کا مسئلہ	ترجمہ : شبلی ایم کام	۱/۵۰
خوراک کا مسئلہ	" " " "	۱/۵۰

والدین اور اساتذہ کی رہنما کتابیں :

آپ کے بچّے کی وراثت	ترجمہ : شاہد احمد دہلوی	۱/-
بچّوں کی بدتمیزیاں	" " "	۱/۵۰
بچّوں کے کھیل	" " "	۱/۵۰
بچّے کی اخلاقی قدریں	" " "	۱/۵۰
کامیاب باپ (بار سوم)	" " " "	۱/۵۰
معاشرتی زندگی میں بچّوں کی رہنمائی	" " "	۱/۵۰
والدین اور معلّمین (بار دوم)	" " "	۱/۵۰

طب اور صحت :—

بچہ اور اس کی دیکھ بھال — ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان — ۶/۵۰

میرے اندر کیا ہے؟ — ترجمہ: غلام رسول مہر — ۱/۵۰

آپ کے بچے کی صحت — ترجمہ: شاہد احمد دہلوی — ۱/۶۲

بیماری کے جذباتی اور نفسیاتی پہلو — ترجمہ: سید وقار عظیم — ۱/۶۲

فلسفہ :—

داستانِ فلسفہ — ترجمہ: سید عابد علی عابد

جلد اوّل — ۸/-

جلد دوم — ۸/-

ناقابلِ تسخیر ذہنِ انسانی — ترجمہ: محمد صفدر میر — ۲/۵۰

فلسفے کی نئی تشکیل — ترجمہ: انتظار حسین — ۲/-

فنونِ لطیفہ :—

شاہکار تصاویر — ترجمہ و مرتبہ: سید امتیاز علی تاج — ۷/۵۰

علم سیاست :—

اقوام متحدہ — ترجمہ: فضل حق قریشی — ۴/۵۰

امریکا کا سیاسی نظام — ترجمہ: مولانا صلاح الدین احمد — ۳/۵۰

جغرافیہ اور سیاست :—

عرب اور اہلِ عرب — ترجمہ: غلام رسول مہر — ۶/-

نیویارک سے پیرس تک پہلی پرواز — ترجمہ: گروپ کیپٹن فیاض محمود — ۳/-

یہ ہے شمالی افریقہ — ترجمہ: سید عابد علی عابد — ۲/۵۰

تعلیم و تعلّم :

آزاد تعلیم اور جمہوری نصب العین ترجمہ : سیّد وقار عظیم	۳/-
بچّے کی تعلیم میں گھر اور مدرسے کا تعاون ترجمہ : فضل محمّد خاں	۸/-
تعلیم کے مقاصد ترجمہ : ڈاکٹر سید عبد اللہ	۵/۵۰
مدرسے کی زندگی میں بچّے کی رہنمائی ترجمہ : وقار عظیم	۱/۶۲

ناول ، افسانے اور ڈرامے :

انجان راہی ترجمہ : شان الحق حقّی	۳/۵۰
بادبان ترجمہ : سیّد قاسم محمود	۶/-
بشر ہے کیا کہیے ترجمہ : سیّد عابد علی عابدؔ	۶/۵۰
پہلا خون ترجمہ : غلام حسین	۲/۵۰
چنگیز خاں کے سنہرے شاہین ترجمہ : اشفاق احمد	۶/-
دھوپ چھاؤں ترجمہ : ولی اشرف صبوحی	۷/-
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ترجمہ : سیّد رئیس احمد جعفری	۳/۵۰
شہر پناہ ترجمہ : ابن انشا	۳/۵۰
گھاس کا سمندر ترجمہ : سیّد قاسم محمود	۱/۵۰
قیامت کی رات ترجمہ : سیّد عابد علی عابدؔ	۷/-
مفرور ترجمہ : سید رئیس احمد جعفری	۴/-
ننھی بیبیاں ترجمہ : حجاب امتیاز علی	۵/۵۰
نئے پرانے ترجمہ : محمّد یوسف عبّاسی	۴/-
ہمیں چراغ ہمیں پروانے ترجمہ : قرۃ العین حیدر	۱۰/-
ویران ہے دل ترجمہ : قیسی رامپوری	۶/-
اندھا کنواں ترجمہ : ابن انشا	۴/۵۰

انوکھی کہانیاں ترجمہ: شاہد احمد دہلوی ۵/-
بڑا ریچھ ترجمہ: ولی اشرف صبوحی ۳/۵۰
پاپ کی نگری ترجمہ: سیدہ نسیم ہمدانی ۶/-
حیرت ناک کہانیاں ترجمہ: شاہد احمد دہلوی ۴/-
خزانے کی تلاش ترجمہ: شبلی ایم کام ۲/۵۰
سورج کے ساتھ ساتھ ترجمہ: عشرت رحمانی ۶/۵۰
ایک حمام میں " " " ۳/-
قصص الحمراء ترجمہ: وقار عظیم ۷/۵۰
لاکھوں کا شہر ترجمہ: ابن انشا " " ۳/۵۰

— زیر طبع کتابیں —

عمر خیام ترجمہ: جمیل نقوی
شخصیت کا مطالعہ ترجمہ: ڈاکٹر عبدالرؤف
بچوں کے سیکھنے کی قابلیت ترجمہ: شاہد احمد دہلوی
بچے کی جماعتی زندگی ترجمہ: پروفیسر سید وقار عظیم
تم اور تمھارے مسائل ترجمہ: سید سبط حسن
بچوں کی معاشری زندگی ترجمہ: شاہد احمد دہلوی
آئیے دوست بن جائیں ترجمہ: سید وقار عظیم
بچوں کے سمجھنے میں نفسیاتی امتحانات کی اہمیت ترجمہ: سید علی ناصر زیدی

فرینکلن پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹ ـ لاہور

نور محل

تصنیف : هیرلڈلیم　　ترجمہ : شبلی—حبیب اشعر

ایک لازوال تاریخی ناول - ایک شہنشاہ کی دلآرا داستان - شاہی محلوں میں کنیزوں اور بیگموں کی رقابتیں اور عداوتیں اور تمام ناول کا مرکزی کردار تاریخ کی عظیم ترین اور حسین ترین ملکہ نورجہاں وہ ملکہ ہند جو پہلے مہرالنساء تھی لیکن اس کے بعد مغل شہنشاہ جہانگیر کا دل موہ کر اس کی چہیتی بیگم اور آرام جاں بن گئی جو دربار میں حریری پردے کے پیچھے جہانگیر کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے رہتی تھی - لیکن جہانگیر کی وفات کے بعد اس پر کیا بیتی ؟ یہ اس ناول کے پڑھنے سے معلوم ہوگا - نورجہاں کے عروج و زوال کی ایک دل گداز اور سبق آموز داستان -

قیمت : سات روپے آٹھ آنے

آئینہ ادب ، چوک انارکلی ، لاہور

سرورق رہن پریس لمیٹڈ ، لاہور میں چھپا